إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

(یہ تو ایک نصیحت ہے پس جس کا جی چاہے (اس سے) اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے)

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست — آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

مکتوبات

حضرت مجدد الفِ ثانی

شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی

کے

دفتر اول کے مکتوب ۱ سے ۱۷۱ تک مکتوبات کا

اردو ترجمہ

مترجمہ

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحبؒ

ناشر

ادارۂ مجددیہ: ۵/۲، ایچ، ناظم آباد ۳، کراچی

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

(یہ تو ایک نصیحت ہے پس جس کا جی چاہے (اس سے) اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے)

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست — آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

مکتوبات

حضرت مجدد الفِ ثانی

شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی کے

دفتر اول کے مکتوب ۱ سے ۱۷۱ تک مکتوبات کا

اردو ترجمہ

مترجمہ

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحبؒ

ناشر

ادارۂ مجددیہ: ۲/۵، ایچ، ناظم آباد ۳، کراچی

ماہِ صفر ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۸ء

مطبوعہ احمد برادرس پرنٹرس۔ ناظم آباد ۲ کراچی — قیمت /-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوباتِ حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کے دفتر اول کے ایک سو اکہتر (۱۷۱) مکتوبات کے ترجمہ کی

فہرستِ مضامین

صفحات

صفحات

اشاریہ

عکس مکتوب مبارک حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کہ بدست حق پرست خود نوشتہ بہ نواب والاجاہ سیادت پناہ مرتضیٰ خاں سید فرید بخاری رحمہ اللہ ارسال فرمودہ اند۔ ایں مکتوب دو صد و سیزدہم است از دفتر اول۔ بقیہ مکتوب بر حاشیہ نوشتہ شدہ بر پشت کاغذ اندراج یافتہ۔ چونکہ حضرات اجداد کرام رحمہم اللہ از وجہ بوسیدگی کاغذ جامہ چسپانیدہ اند خواندہ نمی شود و عبارت "عصمکم اللہ سبحانہ" و "جنابکم" و "سائر فرق" از وجہ بوسیدگی کاغذ ضائع شدہ است۔ اَلْبَقَاءُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَحْدَہٗ۔

عصمکم الله سبحانه عما لا یلیق بجنابکم
بحرمت جدکم الامجد علیه وعلی آله الصلوات
والتسلیمات
قال الله سبحانه وتعالی هل جزاء الاحسان الا الاحسان
می داند که احسان شما را بکدام احسان مکافات نماید مگر
آنانکه در اوقات نیک بدعای سلامتی دارین رطب اللسان
باشد الحمد لله سبحانه والمنه که این فقیر بی فرصت میسر است
واحسان دیگر که لائق مکافات است موعظه وتذکیر است
اگر در معرض قبول افتد چه نعمتی است فقاهت ونجابت
خلاصه مواعظ وزبده نصایح اختلاط و انبساط با اهل حق
وارباب تشریع است تدین وتشرع مربوط بسلوک طریقه
حقه اهل سنت وجماعت است که فرقه ناجیه است در میان
سائر فرق اسلامیه نجات بی متابعت این بزرگواران
محال است وفلاح بی اتباع آرای ایشان ممتنع دلایل عقلی
ونقلی وکشفی بر صحت این معنی شاهد است که احتمال تخلف ندارد
اگر معلوم شود که شخصی برابر دانه خردله از صراط مستقیم
این بزرگواران جدا افتاده است صحبت او را سم قاتل
باید دانست ومجالست او را زهر افعی باید انگاشت طالب
علمان بی باک از هر فرقه که باشند لصوص دین اند اجتناب
از صحبت اینها نیز از ضروریات است این همه فتنه وفساد
که در دین پیدا شده است از شومی اینجماعه است که بواسطه حطام
دنیوی آخرت را برباد داده اند اولئک الذین اشتروا
الضلالة بالهدی فما ربحت تجارتهم وما کانوا مهتدین
ابلیس لعین را شخصی دید که آسوده وفارغ البال
نشسته است ودست از اغوا واضلال کوتاه کرده

(بقیہ مکتوب) سر آنرا پرسید لعین گفت کہ علمای سوء ایں وقت کار مرا کفایت کردہ اند و متکفل اغوا و اضلال گشتہ۔ از طلبہ آنجا مولانا عمر نیک نہاد است بشرط آنکہ او را دل بر مہتد و را اظہار حق دلیر سازند و حافظ امام نیز جنون اسلام دارد کہ در اسلام از آں جنون چارہ نبود لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّہٗ مَجْنُوْنٌ۔ معلوم شریف است کہ ایں فقیر بگفتن و نوشتن در تحریض بر صحبت نیک تقصیر نکردہ است و در مبالغہ نمودن از اجتناب از مصاحب سوء خود را معاف نداشتہ کہ آنرا اصل عظیم میداند۔ وَالْقَبُوْلُ عِنْدَ کُمْ بَلْ نَیْلُ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ فَطُوْبٰی لِمَنْ جَعَلَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مَظْہَرًا لِّلْخَیْرِ۔ تذکر احسانہائے شما بریں گفتگوے می آرد و ملاحظہ تصدیع و ملال را از میان بر می اندازد۔ والسلام

تعارف

(از مخدومی و محترمی حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے بے مثل قرآن پاک نازل فرمایا جو اپنے ظاہری اور معنوی محاسن کے لحاظ سے ہر زمانے میں ایک معجزہ بن کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک اور بہت عظیم احسان یہ ہے کہ اُس نے حضرت امام ربّانی مجدد الفِ ثانی قدس سرہ کے مکتوبات شریفہ کو بھی اپنے بندوں کے لئے ایسے ہی محاسن والا ایک نسخۂ کیمیا بنا دیا جس کا فارسی ادب میں کوئی جواب نہیں۔

کفر و شرک کے رئیس ولید بن مغیرہ نے قرآن پاک کی بعض آیات سُن کر کہا تھا کہ "بے شک اس کلام میں شیرینی اور دلپذیری ہے، اس میں سیرابی ہے، اس میں ثمر ہے۔ واللہ یہ کلامِ بشر نہیں" ــــــ مکتوباتِ شریفہ کے متعلق ہم اتنی بڑی بات تو نہیں کہہ سکتے، البتہ حضرت علامہ سید عبدالحکیم ابن المصطفیٰ الآروسی علیہ الرحمہ (کتاب "اصحاب الکرام") کے اس قول کو دہرائیں گے کہ "کتاب اللہ اور احادیث کے بعد اسلامی کتب میں سب سے افضل مکتوباتِ امامِ ربانی ہیں جن کا پوری دنیا میں کوئی جواب نہیں"۔

کتاب جتنی عظیم ہوتی ہے اسی قدر وہ قبولِ عام حاصل کرتی ہے، پھر اس کے مختلف تراجم ہوتے ہیں اور شروح بھی تیار کی جاتی ہیں۔ یہی بات مکتوباتِ شریفہ کے حق میں بھی ہے کہ کئی بزرگوں نے ان کے مکمل اور نامکمل ترجمے کیے۔ ہمارے نہایت بزرگ شیخ حضرت مولانا شاہ زوّار حسین صاحب علیہ الرحمہ (م ۱۴۰۰ھ) نے بھی مکتوباتِ شریفہ کا ترجمہ فرمایا تھا، اور اُسے سلیس و عام فہم بنانے کی کوشش فرمائی تھی، پھر جیسی کہ ان کی عادتِ شریفہ تھی اس ترجمہ میں بھی جگہ جگہ مفید حواشی اور تعلیقات بھی شامل فرماتے تھے، حضرتؒ کا مزاج محققانہ تھا اور وہ جزئیات تک کو شرح و بسط کے ساتھ پیش فرماتے تھے، یہی خصوصیت اس ترجمے سے بھی عیاں ہے ــ مخدومی قبلہ حاجی محمد اعلیٰ صاحب مدظلہ کا خاص کرم ہے کہ وہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی ایک ایک چیز کو محفوظ رکھنے کی سعی میں لگے رہتے ہیں اور جماعت کو، نیز عام قارئین کو مستفید فرماتے رہتے ہیں۔ ہم ان کو نقدِ دل ہی پیش کر سکتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین،

احقر غلام مصطفیٰ خاں

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ ط

اما بعد حق سبحانہٗ وتعالیٰ جلّ شانہٗ اپنے کلامِ مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے: کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ ط (یعنی اے اُمّتِ محمدیہؐ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک) تم تمام امتوں سے بہتر ہو جو عالم (دنیا) میں بھیجی گئیں. تم نیک کاموں کا حکم کرتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو) —— اور حدیث شریف میں وارد ہے: عُلَمَآءُ اُمَّتِیۡ کَاَنۡبِیَآءِ بَنِیۡ اِسۡرَآئِیۡلَ (یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی مانند ہیں)۔ نیز حدیث شریف میں وارد ہے: اَلۡعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الۡاَنۡبِیَآءِ (یعنی علماء، انبیاء کے وارث ہیں)

صدق اللہ تعالیٰ ورسولہ الکریم ونحن علیٰ ذٰلک من الشاھدین۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ فرما کر ہر طرح کی بکثرت نعمتوں سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہٖ وآلہٖ وسلم، اور آپ کی امت کو نوازا، اور خاص طور پر آپ کو رؤف رحیم، رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیّین جیسے معزز القاب سے سرفراز فرما کر تمام انبیاء ورسل پر فضیلت عطا فرمائی، اسی طرح آپ کی امت کو کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ فرما کر جملہ امم سابقہ پر فضیلت کا مستحق بنا دیا۔ اور اس امت کو ایسے عمدہ عمدہ کام کرنے کی توفیق بخشی کہ جن کی سعادت امم سابقہ کو نصیب نہیں ہوئی —— مثلاً جنگِ بدر کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا تو مہاجرین کی طرف سے حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ! آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ملا ہے اس کا اعلان فرمایئے ہم بنی اسرائیل کی طرح آپ کو یہ جواب نہیں دیں گے کہ فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ ۝ (اے موسیٰ) پس تو جا اور تیرا رب، اور تم دونوں لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) —— اور انصار میں سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا "آپ حق تعالیٰ کے حکم کا اعلان فرمایئے اس اللہ تعالیٰ کی قسم

جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے، اگر آپ حکم دیں، کہ سمندر میں کود جاؤ تو ہم حکم ملتے ہی سمندر میں کود جائیں گے۔ . . . . . کل جب آپ دشمن سے جنگ کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ ہم دشمن کے مقابلہ میں کس صبر اور کیسی ثابت قدمی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔"

اسی طرح امم سابقہ میں سے کوئی امت بھی اپنے پیغمبر کی لائی ہوئی کتاب کی حفاظت نہ کر سکی لیکن اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب "قرآن مجید" حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل و کرم سے چودہ سو سال گذرنے کے بعد بھی ایک حرف تو کیا ایک نقطہ زبر زیر اور پیش کے اختلاف سے بالکل پاک ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک تحریف سے محفوظ رہے گی۔ اگرچہ قرآن مجید کے متعلق حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (بیشک ہم نے ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) لیکن چونکہ ظاہری اسباب کے درجہ میں قرآن مجید کی جمع و تدوین کا کام اس امت کے ہاتھوں انجام پذیر ہوا، نیز اسی امت کے حفّاظِ کرام کا لامتناہی سلسلہ بھی اس کی حفاظت کا ذریعہ بنا، لہٰذا یہ سب حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل و کرم ہے جو اس امت کو اجر و ثواب کا مستحق بنا رہا ہے ——— پھر یہی نہیں بلکہ اس امت کے علمائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "حیاتِ طیبہ" آپ کے اقوال و افعال، آپ کے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، آرام کرنے، عبادت کرنے کے طریقے اور جنگ و صلح کے کارنامے اس خوبی سے قلمبند کئے کہ ان کے تصور ہی سے ایمان تازہ ہوتا ہے اور روح وجد میں آجاتی ہے، لہٰذا یہ سعادت بھی امم سابقہ کے علماء میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئی کہ انھوں نے اپنے پیغمبر کی حیاتِ مبارکہ اور اقوال و افعال کو اس طرح محفوظ کیا ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس امت کے علماء انہی سعادتوں کی بِنا پر "عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ" کے معزز لقب سے نوازے گئے ہوں۔

قرآن و حدیث کی تدوین کے علاوہ اس امت کے علماء نے اپنے اپنے دور میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بڑی تن دہی سے ادا کیا اور کلمۃ الحق کو بلند کرنے میں بڑی جانفشانی اور قربانی سے کام لیا اور اس سلسلہ میں درس و تدریس اور تصانیف و تالیف بھی فرمائیں۔

دینِ اسلام کے ہزار سالہ دور کے آخر اور الفِ ثانی کے شروع میں جبکہ مغلیہ سلطنت عروج پر تھی، جلال الدین اکبر بادشاہ نے ہندو رانیوں سے شادیاں رچا کر اپنے دادا کے مصرع "بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" پر اپنا ایمان قربان کر دیا، اور اپنی مطلب براری کے لئے ہر طرح کے حیلے تراش کر غلط اجتہاد کے

دروازے کھول لئے، لہٰذا جسقدر برائیاں اور بدعتیں ممکن تھیں وہ سب عہدِ اکبری میں خوب پھلی پھولیں، اکبر کے انتقال کے بعد جہانگیر تختِ شاہی پر بیٹھا تو وہ بھی اپنے باپ کے قدم بقدم چلا حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اُس نے امامِ ربانی حضرت مجدّد الفِ ثانی شیخ **احمد** فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی کو پیدا فرمایا، جنھوں نے اِعْلَاءِ کَلِمَۃِ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ ھُوَ اَکْبَرُ جِھَادٍ کا حق ادا کرتے ہوئے بادشاہِ وقت کے سامنے کلمۃ الحق بلند کیا جس کی پاداش میں جہانگیر بادشاہ کی طرف سے اذیتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ چنانچہ آپ کا مال واسباب[1] ضبط کیا گیا اور آپ کو قید و بند کی صعوبتیں بھگتنی پڑیں اور ایک عرصہ تک لشکر کے ہمراہ رہنا پڑا، ان سب مصائب کو آپ نے نہایت صبر وتحمل سے برداشت کیا، بعد ازاں فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًاہ کے تحت حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے تمام مشکلات کو آسانی میں تبدیل کردیا اور وہی جہانگیر جو آپ پر اسقدر مظالم ڈھا رہا تھا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم اور آپ کی حُسنِ تبلیغ کی وجہ سے آپ کا گرویدہ ہوگیا۔ چنانچہ حضرت مجدّد علیہ الرحمہ کی شاہی دربار میں آمد ورفت شروع ہوگئی، جیسا کہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: ـــــ "ایک تازہ معاملہ جو آج ظاہر ہوا ہے لکھتا ہوں اچھی طرح سماعت کریں۔ آج شنبہ کی رات کو بادشاہی مجلس میں گیا تھا ایک پہر رات گذرے وہاں سے واپس آیا"[2]

اسی طرح ایک دوسرے مکتوب میں دربارِ شاہی سے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ـــــ "علاوہ ازیں اس طرف کے احوال واوضاع حمد کے لائق ہیں، عجیب وغریب صحبتیں گذر رہی ہیں اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت سے امورِ دینیہ اور اصولِ اسلامیہ کی ان گفتگوؤں میں سرِ مو سستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی اور حق تعالیٰ کی توفیق سے (بادشاہ کی) ان محفلوں میں وہی باتیں بیان ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں۔ اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو اس کے لئے ایک دفتر چاہیئے الخ"[3]

جہانگیر بادشاہ کی اصلاح کے نتیجہ میں شاہجہاں جیسا بیٹا اور عالمگیر جیسا دیندار پوتا پیدا ہوا، بلکہ اس کے بعد بھی دیندار بادشاہوں کا سلسلہ جاری رہا۔

مکتوبات کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے ان میں سے کسی ایک میں بھی اپنے ذاتی اغراض ومفادات کو پیشِ نظر نہیں رکھا بلکہ اشارہ تک نہیں فرمایا۔ چنانچہ ہر مکتوب

---

۱ مکتوبات حضرت مجدد الفِ ثانیؒ دفتر سوم مکتوب ۲۰۔ ۲ ایضاً دفتر سوم مکتوب ۱۰۶۔ ۳ ایضاً مکتوب ۷۳

مکتوب الیہ کی شخصیت و منصب کے مناسب اور نصیحت و موعظت سے لبریز ہے، مثلاً جہانگیر بادشاہ کے نام جو مکتوب آپ نے تحریر فرمایا ہے اس میں لشکرِ دعا اور لشکرِ غزا کی تشریح بڑی خوبی سے بیان فرمائی ہے۔

"...... فتح و نصرت دو قسم کی ہے، ایک[1] قسم وہ ہے جس کو اسباب کے ساتھ وابستہ کیا ہے اور وہ فتح و نصرت کی صورت ہے جو لشکرِ غزا سے تعلق رکھتی ہے، اور دوسری[2] قسم فتح و نصرت کی حقیقت ہے جو مسبب الاسباب کی طرف سے ہے آیتِ کریمہ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ (یعنی نہیں ہے مدد و نصرت مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے) میں اسی نصرت کی طرف اشارہ ہے، جو لشکرِ دعا سے تعلق رکھتی ہے، لہٰذا لشکرِ دعا اپنی عاجزی و انکساری کے باعث لشکرِ غزا پر سبقت لے گیا.... نیز دعا قضا کو روک دیتی ہے جیسا کہ مخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ (سوائے دعا کے کوئی چیز قضا کو نہیں ٹال سکتی)۔ تلوار اور جہاد میں یہ طاقت نہیں کہ قضا کو رد کر سکے، لہٰذا لشکرِ دعا ضعف اور عاجزی کے باوجود لشکرِ غزا سے زیادہ قوی ہے" الخ[1]

امام ربانی حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ نے تبلیغ دین کے لئے مکتوبات کا ذریعہ اختیار کیا تاکہ ہر علاقہ کے ماحول اور حالات کے تقاضوں کے مطابق مکتوبات لکھے جائیں اور ان کے ذریعے لوگوں کے عقائد کی درستگی اور اخلاق و اعمال میں اخلاص کی پختگی پیدا ہو سکے اور لوگ صحیح معنوں میں سچے اور پکے مسلمان بن سکیں ۔۔۔۔۔۔ نیز مکتوب الیہ حضرات میں بڑے بڑے گورنر، وزرا اور علمائے کرام و مشائخ عظام بھی ہیں، مثلاً خواجہ مرزا حسام الدین احمد، جو ابوالفضل و فیضی کے بہنوئی ہیں۔ خان اعظم مرزا عزیز کوکہ جو کہ اکبر بادشاہ کے ہم عمر اور دودھ شریک بھائی اور امرائے شاہی میں سے تھے۔ عبدالرحیم خان خاناں صاحب السیف والقلم، محب العلماء والفقراء، کئی زبانوں کے ماہر، اور کئی صوبوں میں گورنر رہے۔ شیخ فرید بخاری آپ بھی امرائے شاہی میں سے تھے اور مختلف صوبوں میں گورنر رہے۔ علماء میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔۔ غرض یہ کہ مکتوب الیہ حضرات بلند درجہ اور با اثر شخصیتیں تھیں تاکہ وہ اپنے اپنے حلقوں میں ترویج شریعت اور احیائے سنت کے لئے کام کر سکیں۔

شیخ فرید بخاری کو تحریر فرماتے ہیں: "عہدِ اکبری میں بھی علماء کے اختلاف نے دنیا کو مصیبت میں ڈال دیا تھا اور اب بھی وہی علماءِ سوء کی صحبت کا اندیشہ درپیش ہے اس صورت میں شریعت کی ترویج کی کیا گنجائش ہے"[2]

---

[1] مکتوبات حضرت مجدد الفِ ثانیؒ دفتر سوم مکتوب ۴۷ ۔۔ [2] ایضاً دفتر اول مکتوب ۵۳۔

نیز ایک دوسرے مکتوب میں شیخ فرید کو تحریر فرماتے ہیں:۔" دنیا جہان کے ساتھ بادشاہ کی نسبت ایسی ہے جیسی کہ بدن کے ساتھ دل کی نسبت کہ اگر دل اچھا و درست ہے تو بدن بھی درست و صحیح ہے اور اگر دل خراب ہو جائے تو بدن بھی بیکار ہو جاتا ہے. بادشاہ کے درست و بہتر ہونے میں دنیا جہان کی درستی و بہتری ہے اور اس کے بگڑنے پر جہان کا بگڑنا موقوف ہے الخ"۔ [1]

مکتوبات میں بڑی تعداد ایسے مکتوبات کی ہے جو شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کے مضامین پر مشتمل ہیں اور ان میں آپ نے جگہ جگہ اس بات پر زور دیا ہے کہ اصل کام شریعت کی پیروی ہے اور طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں، چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:——

"شریعت کے تین جزو ہیں: علم، عمل اور اخلاص، پس طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے جزو اخلاص کو کامل کرنے میں شریعت کے خادم ہیں۔" الخ [2]

نیز تحریر فرماتے ہیں:" جو عمل بھی روشن شریعت کے مطابق کیا جائے وہ ذکر میں داخل ہے اگرچہ وہ خرید و فروخت ہی ہو، لہٰذا تمام حرکات و سکنات میں احکامِ شریعت کی رعایت کرنا چاہئے تاکہ وہ سب کام ذکر ہو جائیں" [3]

اسی طرح فرائض کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:" فرائض میں سے کسی ایک فرض کو چھوڑ کر نوافل میں سے کسی نفلی عبادت میں مشغول ہونا لایعنی (بیکار باتوں) میں داخل ہے...... ایک نفلی حج کی خاطر اتنے ممنوعات کا مرتکب ہونا اچھا نہیں ہے (یعنی نفل کا ادا کرنا اگرچہ حج ہی کیوں نہ ہو جبکہ وہ کسی فرض کے فوت ہونے کا سبب بنتا ہو تو وہ بھی لایعنی میں داخل ہے)۔" الخ [4]

نیز تحریر فرماتے ہیں:" فرضوں میں سے کسی ایک فرض کا اس کے اپنے وقت میں ادا کرنا ہزار سال کے نوافل ادا کرنے سے بہتر ہے اگرچہ وہ نوافل خلوصِ نیت کے ساتھ ادا کئے جائیں خواہ وہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور ذکر و فکر وغیرہ میں سے کوئی بھی نفل ہو"—— (چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں)" زکوٰۃ کے حساب میں ایک دانگ صدقہ کرنا نفلی طور پر سونے کے بڑے بڑے پہاڑ صدقہ کرنے سے کئی درجہ بہتر ہے۔ اسی طرح اس دانگ کے صدقہ کرنے میں کسی مستحب کی رعایت کرنا مثلاً اس کا کسی قریبی محتاج کو دینا بھی اس نفلی صدقہ سے کئی درجہ بہتر ہے۔" (جو کسی غیر کو دیا جائے) —— (اسی مکتوب کے آخر میں درج ہے)" جس طرح آپ کی مبارک مجلس میں تصوف کی کتابوں سے کچھ بیان ہوتا رہتا ہے اسی طرح فقہ کی کتابوں میں سے بھی کچھ بیان ہوتا رہنا چاہئے

[1] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۴۷ . [2] ایضاً دفتر اول مکتوب ۴۰ . [3] ایضاً دفتر دوم مکتوب ۲۵ . [4] ایضاً دفتر اول مکتوب ۱۲۳

..... بلکہ اگر تصوف کی کتابوں سے بیان نہ بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ وہ احوال سے تعلق رکھتی ہیں اور فقہ کی کتابوں سے بیان نہ ہونے میں نقصان کا احتمال ہے۔" [۱]

نیز دنیا طلبی سے متعلق فرماتے ہیں: "فقراء کے لباس میں ہو کر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی مبغوضہ (ناپسندیدہ) دنیا کی تلاش و جستجو میں لگا رہنا بہت ہی بُری بات ہے۔" [۲]

نیز ایک صاحب کے قول "کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے" پر آپ کو جوش آجاتا ہے اور فرماتے ہیں: "میرے مخدوم! فقیر کو اس قسم کی باتیں سننے کی طاقت ہرگز نہیں ہے، میری رگِ فاروقی (ایسی باتوں سے) بے اختیار جوش میں آجاتی ہے اور ایسے کلام کی تاویل و توجیہ کی فرصت نہیں دیتی۔ ان باتوں کا کہنے والا خواہ شیخ کبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی، ہمیں تو حضرت محمد عربی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام (حدیث) درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی، صدر الدین قونوی اور عبد الرزاق کاشی کا کلام، ہم کو نص (قرآن و حدیث) سے کام ہے نہ کہ فص (فصوص الحکم) سے، فتوحاتِ مدنیہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث) نے ہم کو فتوحاتِ مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔" [۳]

تصوف سے متعلق اکثر مکاتیب بہت دقیق ہیں جیسا کہ خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ اپنے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصومؒ کو تحریر فرماتے ہیں: "ہم نے اپنے معارف جدیدہ جو تم کو لکھے ہیں وہ تمہارے لئے ایک سبق کے بعد دوسرے سبق کی حیثیت رکھتے ہیں ان کا مطالعہ سرسری طور پر نہ کریں بلکہ بہت غور سے پڑھیں، شاید کہ ان معارف کے پوشیدہ اسرار تم پر کھل جائیں اور تمہارے لئے سعادت کا سرمایہ بن جائے۔" [۴]

غالباً حضرت خواجہ محمد معصومؒ اسی مکتوب کے جواب میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو تحریر فرماتے ہیں: ———

"اگرچہ پہلے کئی بار اس مکتوب کو پڑھا تھا لیکن گویا اس راز سے آگاہ کرنا مصلحتاً نہیں تھا اس لئے آنکھ بند کئے ہوئے اس مضمون سے گذر جاتا تھا اب (آپ کی) توجہ شریف سے امیدوار ہے کہ اس معما کا کوئی دریچہ کھل جائے گا الخ" [۵]

مکتوبات شریف کی افادیت اور مقبولیت کا اس بات سے اندازہ کیجئے کہ وہ فارسی، عربی اور اردو زبانوں میں متعدد بار شائع ہو چکے ہیں۔ ——— مکتوبات بزبان فارسی حضرت مولانا نور احمد امرتسریؒ نے [۶] جس محنت و کاوش سے شائع کئے وہ قابلِ تعریف ہیں۔ مولانا مرحوم نے جگہ جگہ ضروری تشریح کے لئے حواشی کا اضافہ کر کے مضامین کو آسان بنا دیا ہے۔ حق تعالیٰ مولانا مرحوم کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

---

[۱] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۹ [۲] اول مکتوب ۱۴۹ [۳] اول مکتوب ۱۰۰ [۴] سوم مکتوب ۸۵ [۵] مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۔
[۶] اسی نسخہ کا عکس لیکر اسی بڑے سائز پر مخدومی حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی نے شائع کیا ہے جو دستیاب ہے۔

مکتوبات شریف کے اردو مترجم بزرگوں نے جس محنت و جانفشانی سے تراجم کئے وہ قابلِ داد ہیں لیکن موجودہ حالات کے پیشِ نظر ضرورت تھی کہ ایک سلیس و بامحاورہ ترجمہ ہو جو موجودہ دور کے تقاضوں کو بھی پورا کر سکے، اس ضرورت کی جانب بعض علمائے کرام نے اس عاجز کو متوجہ کیا۔ چنانچہ ان علمائے کرام میں حضرت مولانا سید محمد بدر عالم محدث میرٹھی مہاجر مدنی علیہ الرحمہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جس کا اندازہ درج ذیل کے مکتوب سے ہو سکتا ہے جو حضرت موصوف نے اپنے آخری ایام میں مدینہ منورہ سے اس عاجز کے نام تحریر فرمایا تھا۔

وھو ھذا

عبد محمد بدر عالم عفی عنہ
المدینۃ المنورۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرم عنایت فرمائے بندہ جناب منشی محمد اسعد صاحب سلمہ ربہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا محبت نامہ ملا تھا آپ کا مشکور ہوں امید ہے اس کتاب[1] کی تصحیح مولانا عزیزی صاحب نے عمدہ کر دی ہوگی۔ جو کام آپ نے شروع کیا ہے وہ بہت مبارک ہے اللہ تعالیٰ اسمیں آپ کا حافظ و ناصر ہو۔ مگر بات تو یہ خیال رکھیں ایک تصحیح کا دوم یہ کہ اسکے مضامین موجودہ پیدا شدہ فرقوں کیلئے اعتراض کا باعث نہ ہوں خصوصیت سے اس صوفیائے کرام کا وجود ... فائدہ ہو رہا ہے کہ علم تصوف روز بروز رخصت ہو رہا ہے مولانا میاں مرحوم نے بھی حضرت شاہ اسمٰعیل کی چند ملفوظ کتابیں طبع کرا کے میرے نام ارسال کی تھیں مرحوم کو بھی یہی لکھ دیا تھا حضرت مجدد صاحب کی کتابوں میں سب سے صحیح مکتوبات شریفہ ہیں جو ... کا خلاصہ ہیں اگر آپ پہلے توجہ کر کے اسکی جانب متقدم ہو جائے تو بڑا کام ہو ... کا خلاصہ ... بکھرے ہوئے ... حضرت مجدد ... دیگر ملفوظات ... حصہ تصحیح کیلئے کوئی کام ... الحمد للہ

(پیش نظر گرامی نامہ میں تاریخ درج نہیں لیکن غالباً اس کے بعد جو گرامی نامہ موصول ہوا اس میں ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ درج ہے)

[1] اس سے مراد "رسالہ تہلیلیہ" ہے۔

اگرچہ حضرت مولانا موصوف علیہ الرحمہ کی شفقت و محبت اس عاجز پر بہت زیادہ رہی ہے لیکن مندرجہ بالا مکتوب پر عاجز حیران تھا کہ اس قدر اہم کام اور یہ بے علم و عمل ناکارہ انسان، حضرت مولاناؒ نے ایسی بات کیسے تحریر فرمائی ـــــــ چنانچہ اس بات پر ایک طویل عرصہ گذر گیا اور یہ عاجز کوئی عملی قدم نہ اٹھا سکا۔ پھر کچھ عرصہ ہوا کہ محترم مولانا محمد سعید الرحمن صاحب علوی مدظلہ العالی ایڈیٹر خدام الدین لاہور نے تحریر فرمایا "حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے مکتوبات کا صحیح ترین ترجمہ وقت کی شدید ضرورت ہے اس کی کوئی سبیل نکالیں" ـــــــ آپ کی تحریر نے ایک طرح سے عاجز کو جھنجوڑ ڈالا اور عاجز نے مولانا موصوف کو جواب میں تحریر کیا کہ "عاجز جو کچھ کر سکتا ہے ضرور کرے گا لیکن فرمائیں کہ میں کیا کروں؟"۔

اس جواب کے بعد حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے خصوصی مدد و نصرت فرماتے ہوئے کام کرنے کی راہ سجھادی اور خیال آیا کہ سیدی و مرشدی حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے جو تین سو مکتوبات کا اردو ترجمہ[ل] کیا تھا وہ محفوظ ہے، علاوہ ازیں آپ کی تالیف "حضرت مجدد الف ثانیؒ" میں بھی جگہ جگہ بکثرت مکتوبات کے اجزا کا ترجمہ موجود ہے لہٰذا ان کی روشنی میں بسم اللہ کردی جائے اور جہاں ضرورت ہو وہاں دوستوں کو تکلیف دی جائے ـــــ چنانچہ کام شروع کئے ہوئے کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ ایک مہربان دوست محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد عادل صاحب سہارنپوری مدظلہ العالی نے از خود بقیہ اجزا کے ترجمہ کی خدمت اپنے ذمہ لے لی ـــــــ کیونکہ ترجمہ کا زیادہ تر حصہ اور تشریح و تعلیقات، نیز مکتوب الیہم اور دیگر بزرگوں کے تذکرے وغیرہ حضرت شاہ صاحبؒ کی کتاب سے استنباط کئے گئے ہیں اس لئے پیشِ نظر ترجمہ کو حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے نام نامی اسمِ گرامی سے شائع کیا جارہا ہے۔

مکتوبات شریف کے دفتر اول جس کا تاریخی نام "دُرّ المعرفت" ۱۰۲۵ھ ہے اور اس میں پیغمبرانِ مرسل اور اصحابِ بدر کی تعداد کے مطابق تین سو تیرہ (۳۱۳) مکتوبات ہیں، اس دفتر کو حضرت مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی علیہ الرحمہ نے مرتب کیا ہے۔ جن کو ضخامت کی طوالت کے خیال سے دو حصوں میں تقسیم کرکے پہلے پیش نظر حصہ کو ایک سو اکہتر (۱۷۱) مکتوبات پر ختم کردیا ہے۔ اگر حق تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی تو ان شاء اللہ تعالیٰ

ل مزید ترجمہ اس خیال سے نہیں کیا کہ مکتوبات شریف کے ترجمے تو بہر حال موجود ہیں لیکن مکتوبات معصومیہ کے ترجمہ کو تو کسی نے بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ لہٰذا اس کو مقدم کرنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے بفضلہٖ تعالیٰ مکتوبات معصومیہ کے تینوں دفتروں کا اردو ترجمہ فرمادیا جس کو ادارہ مجددیہ شائع کرچکا ہے اور دستیاب ہے۔

دوسرے حصے میں دفترِ اول کی تکمیل اسی انداز پر کی جائے گی ـــــ دفتر دوم[۲] میں اسماء الحسنیٰ کے مطابق ننانوے[۹۹] مکتوبات ہیں اس کو ایک حصہ میں ـــــ اور دفتر سوم[۳] جس میں قرآن مجید کی سورتوں کے مطابق ایک سو چودہ[۱۱۴] مکتوبات ہیں اس کو بھی انشاء اللہ تعالیٰ ایک حصہ میں شائع کیا جائے گا۔ اس طرح مکتوبات کا پیش نظر ترجمہ چار جلدوں میں تکمیل کرنے کا ارادہ ہے وباللہ التوفیق۔

آخر میں یہ عاجز حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے حضور میں سجدۂ شکر ادا کرتا ہے کہ اُس نے اِس ناکارہ کو پیشِ نظر مکتوبات کی اشاعت کی توفیق بخشی ورنہ "کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل" لیکن حقیقت یہ ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ہمیشہ اس عاجز پر اسقدر فضل وکرم رہا ہے اور ہے کہ اس پر جسقدر بھی شکر ادا کروں کم ہے ؎

گر برتنِ من زباں شود ہر موئے   یک شکرِ تو از ہزار نتوانم کرد

حدیث شریف مَنْ لَّا یَشْکُرِ النَّاسَ لَا یَشْکُرُ اللّٰہَ (جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی بجا نہیں لاتا) کے تحت عاجز کے لئے بھی ضروری ہے کہ پیشِ نظر ترجمہ سے متعلق اپنے دو[۲] محسن بزرگوں کی ارواحِ مقدسہ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرے، جن میں ایک بزرگ تو شیخنا و مرشدنا حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ ہیں جن کی صحبت و برکت سے اس عاجز کو کام کرنے کی صلاحیت حاصل ہوئی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ "ادارہ مجددیہ" حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے فیض ہی کا مرہونِ منت ہے اور آپ ہی کی تالیف وتصانیف کی برکت سے سرسبز و شاداب ہے ـــ اور دوسرے بزرگ حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحب محدث میرٹھی ثم المہاجر مدنی علیہ الرحمہ ہیں، جنھوں نے سب سے پہلے اس عاجز کو پیشِ نظر ترجمہ کی طرف توجہ دلائی جیسا کہ حضرت موصوف کے عکسی مکتوب سے ظاہر ہے، نیز آپ نے "ادارہ مجددیہ" نام تجویز فرمایا تھا یہ عاجز ایصالِ ثواب کے بعد اِن دونوں بزرگوں کے حق میں دعاگو ہے، حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کی جملہ کوششوں کو قبول فرما کر جنت الفردوس کے درجات میں سے اعلیٰ درجہ عطا فرمائے آمین

"خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں ان بزرگوں میں"

تیاری کے دوران بعض مقامات کے حل کے سلسلے میں مخدومی حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی کے مشوروں سے مستفیض ہوتا رہا، نیز حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ عاجز

بہت ممنون ومشکور ہے کہ آپ نے اپنی انتہائی مصروفیات کے باوجود پیشِ نظر ترجمہ کو از اول تا آخر ملاحظہ فرماکر اس کی اصلاح فرمائی اور جو اشعار ترجمہ سے رہ گئے تھے ان کا اشعار میں ترجمہ فرماکر چار چاند لگادیئے، جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

بعد ازاں یہ عاجز ان سب بزرگوں اور دوستوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے اس مبارک کام کی ترغیب دلائی اور اس میں عاجز کا ہاتھ بٹایا اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ خصوصاً محترم حضرت مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی مدظلہ العالی نے بھی بعض دقیق مسائل کے حل میں عاجز کی بہت مدد فرمائی۔ اور محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد عادل صاحب مدظلہ کا بھی بہت مشکور ہوں کہ آپ مسلسل اپنا قیمتی وقت دیکر کام کو آسان کررہے ہیں۔ نیز محترم مخدوم زادہ حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی اور محترم قاری عبد الستار صاحب مدظلہ العالی نے تصحیح وغیرہ فرماکر عاجز کے لئے مزید سہولت کا ساماں کردیا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان سب حضرات کو دونوں جہان میں بیش از بیش ترقیاں عطا فرمائے، آمین۔

پیش نظر ترجمہ میں درج ذیل باتوں کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے:۔

(۱) ہر صفحہ کی پیشانی پر "دفتر اور مکتوب نمبر" درج کردیا گیا ہے۔

(۲) جو مکتوبات عربی زبان میں ہیں ان کی پیشانی پر لفظ "عربی" درج کردیا ہے تاکہ معلوم ہوسکے کہ اصل مکتوب عربی زبان میں ہے، اور جس مکتوب میں "عربی وفارسی دونوں ہیں اس کی پیشانی پر "عربی وفارسی" لکھدیا ہے۔ نیز مکتوب کا نمبر ہندسوں کے علاوہ الفاظ میں بھی دیدیا ہے۔

(۳) ہر مکتوب جس صفحہ سے شروع ہوا ہے اس کے فٹ نوٹ میں مکتوب الیہ کا مختصر تعارف دیدیا ہے تاکہ معلوم ہوسکے کہ مکتوب الیہ کون بزرگ ہیں اور کس حیثیت کی شخصیت ہیں اور ان کے نام مکتوبات کی تعداد اور کس دفتر اور کس نمبر کے مکتوبات ہیں۔

(۴) مکتوب کے اندر بھی جن بزرگوں کا اسم گرامی آیا ہے ان کا مختصر تذکرہ اسی صفحے کے فٹ نوٹ میں دیدیا ہے البتہ جن حضرات کے حالات معلوم نہ ہوسکے وہاں خاموشی اختیار کرلی ہے۔

(۵) مکتوبات میں جو آیات مبارکہ آئی ہیں اُن کا حوالہ آیت کے ساتھ ہی دیدیا ہے اور ساتھ ہی ترجمہ بھی دیدیا گیا ہے۔

(۶) بعض اصطلاح کے معنی اصطلاح کے ساتھ ہی دیدیئے ہیں اور بعض کی تشریح فٹ نوٹ میں کردی گئی ہے۔

(۷) تخریج احادیث کی بھی کوشش کی گئی ہے اور مولانا نور احمد امرتسری علیہ الرحمہ کے حواشی سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

(۸) مضامین کو واضح کرنے کے لئے حاشیہ پر بھی عنوانات قائم کردیئے گئے ہیں۔

(۹) کتاب کے آخر میں اشاریہ کو حسب ذیل عنوانات کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے :-

آیاتِ قرآنی ـــــ احادیث مبارکہ ـــــ عبادات ـــــ

مقولے ـــــ مصطلحات ـــــ اسماء الرجال ـــــ اسماء الاشیاء ـــــ

اسماء الکتب ـــــ اسماء البلاد ـــــ سنہ و ماہ وغیرہ بڑی کاوش سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔

چونکہ پیشِ نظر مکتوبات کی ترتیب و تدوین وغیرہ کی ذمہ داری اس عاجز و نحیف پر رہی ہے اس لئے قارئین کرام کی خدمت میں درخواست ہے کہ جہاں کہیں کوئی سقم یا غلطی محسوس کریں وہ اس عاجز کی نااہلی پر موقوف کرتے ہوئے عاجز کو مطلع فرما کر شکریہ کا موقع دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کردی جائے۔ ؎

ہر کہ خواند دعائے طمع دارم ‌ ‌ ‌ زانکہ من بندۂ گنہگارم

احقر محمد اعلیٰ قریشی عفی عنہ

یکم صفر ۱۴۰۹ھ

۱۴ ستمبر ۱۹۸۸ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَضْعَافَ مَا حَمِدَہٗ جَمِیْعُ خَلْقِہٖ کَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَرْسَلَہٗ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَکُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ کَمَا یَنْبَغِیْ لَہٗ وَیَحْرِیْ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الْبَرَرَۃِ التُّقٰی وَالنُّقٰی ط۔

[ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب (پالنے والا) ہے، تمام مخلوقات نے اس کی جو جو تعریفیں کی ہیں اس سے بھی بدرجہا بڑھ کر اس کی تعریف ہے ایسی تعریف جیسی کہ خود ہمارا رب چاہتا اور پسند کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے آپؐ کی شایانِ شان صلوٰۃ وسلام ہو جب تک کہ یاد کرنے والے آپؐ کو یاد کرتے رہیں اور غافلین آپؐ کی یاد سے غافل رہیں (یعنی ہمیشہ ہمیشہ آپؐ پر صلوٰۃ وسلام ہو) اور آپؐ کی تمام آل واصحاب پر بھی (اسی طرح سے ہمیشہ ہمیشہ) صلوٰۃ وسلام ہو جو کہ سب کے سب نیک، صالح، متقی اور پاکباز ہیں۔]

اس کے بعد واضح ہو کہ یہ کتاب محققین کے غوث، عارفین کے قطب، ولایتِ محمدیؐ کی روشن دلیل، شریعتِ مصطفویؐ کی حجت، اسلام اور مسلمانوں کے پیشوا، ہمارے امام اور شیخ حضرت شیخ احمد (بن شیخ عبدالاحد قدس سرہٗ) فاروقی نقشبندی کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سلامت رکھے اور ہمیشہ کی زندگی عطا فرمائے، آپ کے پاک نشانات والے مکتوباتِ گرامی کا یہ پہلا دفتر ہے جس کو اس پاکیزہ بارگاہ کی خاک پر بیٹھنے والوں (خادموں) میں سے ایک ادنیٰ ترین خادم، حقیر فقیر یار محمد[۱] جدید بدخشی طالقانیؒ نے اس امید پر جمع کر کے تحریر کیا ہے کہ اس کا نفع حق تعالیٰ جل وعلا شانہٗ کے طالبوں کو پہنچے۔ یہ حقیر اللہ تعالیٰ سے (ہر قسم کی غلطیوں اور لغزشوں سے) حفاظت اور (اس کام کی تکمیل کی) توفیق مانگتا ہے۔

۱؎ حضرت مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی علیہ الرحمہ صاحبِ علم وعرفان تھے۔ آپ نے حضرت مجددؒ سے بعض کتابیں پڑھیں اور عرصہ دراز تک حضرتؒ کی خدمت میں رہے۔ (نزہۃ الخواطر۔ ج ۵ ص ۴۳۴)۔ آپ حضرت مجددؒ کے مخصوص خلفاء میں سے تھے، آپ نے باطنی سلوک حضرت مجددؒ کی خدمت میں کامل طور پر حاصل کر کے خلافت پائی، شریعت اور طریقت کے بڑے پابند تھے۔ آپ نے حضرت مجددؒ کے مکتوبات کا دفتر اول مرتب کیا (روضۃ القیومیہ رکن اول، ص ۳۳۵)۔ مکتوبات شریف میں آپ کے نام صرف ایک مکتوب دفتر اول مکتوب ۱۹۰ ہے۔

مکتوب ۱ اول

ان احوال کے بیان میں جو (اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ ہیں) اسم الظّاہر[۱] کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور توحید کی ایک خاص قسم کے ظہور اور ان عروجات کے بیان میں جو محمدؐ (عرش) کے اوپر واقع ہوئے ہیں اور بہشت کے درجات اور بعض اہل اللہ (اولیاء اللہ) کے مراتب کے ظاہر ہونے کے بارے میں اپنے بزرگ و محترم پیر و مرشد کی خدمت میں تحریر کیا، جو کہ خود کامل، اور دوسروں کو کامل کرنے والے ہیں، ولایت کے درجات سے مشرف، اور ایسے راستہ کی طرف ہدایت کرنے والے ہیں جس کی ابتدا میں انتہا شامل ہے، اور وہ پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے ہمارے شیخ و امام حضرت شیخ محمد[۲] باقی نقشبندیؒ احراری ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کے پاکیزہ اسرار کو مزید پاکیزگی عطا فرمائے اور ان کو ان کی تمنا کے انتہائی درجے تک پہنچائے۔

ا؎ اللہ تعالیٰ کے جن ننانوے ۹۹ اسمائے حسنیٰ کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے ان میں سے ایک اسم الظّاھر ہے، یہاں معارفِ اسم الظّاہر سے مراد وہ معارف و تجلیات ہیں جو سالک کے ادراک و تعبیر میں آسکتی ہیں جیسا کہ تجلیاتِ اسماء و صفاتِ تعالیٰ و تقدس۔ اور اسم باطن کے معارف کے مراد وہ تجلیات و معارف ہیں جو کہ بے چونی و بے کیفی کے باعث سالک کے ادراک سے بلند ہیں۔ اور یہ جو بعض عارفوں نے کہا ہے مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ طَالَ لِسَانُہٗ (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان دراز ہو گئی) یہ معرفت اسم الظّاہر کے معارف سے وابستہ ہے، اور یہ جو بعض عارفوں نے فرمایا مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسَانُہٗ (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہو گئی) یہ معرفت اسم باطن کے معارف سے وابستہ ہے۔

۲؎ آپ کا اسم گرامی رضی الدین محمد باقی معروف بہ خواجہ باقی باللہ اور خواجہ بیرنگ بھی کہتے ہیں۔ آپ کے والد قاضی عبد السلام خلجی سمرقندی کابل کے مشہور عالم باعمل اور صاحبِ وجد و حال بزرگ تھے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی ولادت باسعادت ۹۷۱ھ شہر کابل میں ہوئی۔ بچپن ہی سے بزرگی و تقدس کے آثار آپ کی پیشانی نورافشانی سے ظاہر تھے۔ پانچ سال کی عمر ہوئی تو آپ کو خواجہ سعد کے مدرسہ میں بٹھا دیا گیا اور آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ فرما لیا اور نماز روزے کے ضروری مسائل بھی یاد کر لئے۔ اس کے بعد آپ نے کابل کے مشہور عالم مولانا صادق حلوائی سے تلمذ اختیار کیا اور اُنہی کے ہمراہ ماوراء النہر تشریف لے گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے مولانا حلوائی کے شاگردوں میں ممتاز درجہ حاصل کر لیا (باقی بر صفحہ آئندہ)

اسم الظاہر کی تجلیات کا ظہور

عریضہ: آنجناب کا ادنیٰ ترین خادم، **احمد** آپ کی بلند بارگاہ میں عرض کرتا ہے اور آنجناب کے ارشادِ گرامی کے مطابق اپنے پریشان حالات حضور کی خدمتِ[۱] عالیہ میں پیش کرنے کی گستاخی کرتا ہے کہ راہِ سلوک طے کرنے کے دوران (حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس خادم پر) **اسم الظاہر** کی تجلی کے ساتھ (مختلف مظاہر میں) جلوہ گر ہوا، یہانتک کہ تمام اشیا میں خاص تجلّی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ظاہر ہوا، خاص طور پر عورتوں کے لباس میں بلکہ اُن کے اعضا میں جدا جدا ظاہر ہوا، اور میں اس گروہ (عورتوں) کا اسقدر مطیع و فرمانبردار ہوا کہ کیا عرض کروں، اور میں اس طاعت و فرمانبرداری میں بے اختیار تھا۔ (اسم الظاہر کی تجلّی کا) جو ظہور کہ اس لباس (یعنی طبقۂ مستورات) میں ہوا ایسا اور کسی جگہ میں نہیں ہوا، جسقدر عمدہ و پاکیزہ خصوصیات اور عجیب و غریب خوبیاں اس لباس میں ظاہر ہوئیں اتنی کسی اور مظہر میں ظاہر نہیں ہوئیں، میں اُن کے سامنے پگھل کر پانی پانی ہوا جاتا تھا اور اسی طرح

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) بعد ازاں "مردِ کامل" کی تلاش آپ کو مختلف ممالک میں لے گئی۔ آخر حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہ کی بیعت و اجازت سے مشرف ہو کر ہندوستان تشریف لے آئے۔ دہلی پہنچنے کے بعد روحانی حلقوں میں بہت جلد آپ کی شہرت ہو گئی اور بہت سے امرائے شاہی بھی آپ کے معتقد ہو گئے۔ ۱۰۰۸ھ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ بھی آپ سے بیعت ہو کر خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے بروز ہفتہ ۲۵ جمادی الاخری ۱۰۱۲ھ میں اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔

آپ کا مزار دہلی (ہندوستان) میں مرجع عوام و خواص ہے۔ "بحرِ معرفت" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ پسماندگان میں دو صاحبزادے خواجہ عبید اللہ عُرف خواجہ کلاں اور خواجہ عبد اللہ عُرف خواجہ خورد تھے۔ خلفائے کرام میں حضرت مجدد الفِ ثانیؒ، شیخ تاج سنبھلیؒ اور خواجہ حسام الدینؒ مشہور ہیں۔ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم۔

مکتوبات شریف کے جامع نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں ارسال کردہ جملہ عریضے جن کی تعداد بیس (۲۰) ہے ادباً و احتراماً مکتوبات کے شروع میں مسلسل درج کئے ہیں جو پیشِ نظر ہیں۔

۳ه نقشبندی، منسوب بہ خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری قدس سرہ العزیز جو کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کے مقتدا و پیشوا ہیں — احراری منسوب بخواجہ عبید اللہ احرارؒ ہیں جو کہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے ایک جلیل المرتبہ بزرگ گذرے ہیں۔

(حاشیہ صفحۂ ہذا) [۱] جاننا چاہیئے کہ سالکین کو راہِ سلوک طے کرنے کے زمانے میں مختلف قسم کے حالات و واردات اپنے اپنے مزاج اور طبیعت کے مطابق پیش آتے ہیں، ہر مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان حالات و واردات کو اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں عرض کر دیا کرے۔

اسم الظاہر کی تجلّی کا ظہور ہر کھانے پینے اور پہننے کی چیز میں الگ الگ ہوا، جو عمدگی وخوبی، لذیذ اور پُر تکلف کھانے میں تھی وہ کسی اور کھانے میں نہ تھی، اور میٹھے پانی میں بھی دوسرے (یعنی کھاری) پانی کے مقابلہ میں یہی فرق تھا بلکہ ہر لذیذ وشیریں چیز میں خصوصیاتِ کمال میں سے اپنے اپنے درجے کے مطابق الگ الگ ایک خصوصیت تھی، یہ خادم اس تجلّی کی خصوصیات کو بذریعہ تحریر عرض نہیں کر سکتا اگر آنجناب کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوتا تو شاید عرض کر سکتا لیکن ان تجلّیات کی جلوہ گری کے زمانے میں یہ خادم رفیق اعلیٰ[1] (یعنی محبوبِ حقیقی حق تعالیٰ جلّ شانہٗ) کی آرزو رکھتا تھا اور حتی الامکان ان ظہورات کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا لیکن چونکہ مغلوب الحال تھا اس لئے (اس تجلی کے اثرات سے متأثر ہوئے بغیر) کوئی چارہ نہیں تھا۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ یہ تجلّی اس (سابقہ) نسبتِ تنزیہی کے مخالف نہیں ہے باطن اُسی طرح اس نسبتِ تنزیہی میں گرفتار ہے اور ظاہر کی طرف بالکل بھی متوجہ نہیں ہے۔ اور ظاہر کو جو کہ اس نسبتِ تنزیہی سے خالی اور بیکار تھا (اسم الظاہر کی) اس تجلّی سے مشرف فرمایا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے ایسا ہی پایا ہے کہ باطن ہرگز کجیٔ نظر میں مبتلا نہیں ہے اور وہ تمام معلومات و ظہورات سے منہ پھیرے ہوئے ہے اور ظاہر جو کہ کثرت اور دُوئی کی طرف متوجہ تھا اِن تجلیات کے ساتھ سعادت مندی کا طالب ہوا ہے۔ کچھ مدت کے بعد یہ تجلّیات پوشیدہ ہوگئیں اور وہی (سابقہ) حیرت و نادانی (جہل) کی نسبت اپنی حالت پر قائم رہ گئی اور یہ سب تجلیات اس طرح پوشیدہ ہوگئیں گویا کہ کبھی تھی ہی نہیں۔ اور اس کے بعد ایک خاص قسم کی فنا ظاہر ہوئی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تعینِ علمی جو کہ تعینِ (ذاتی) سے واپس لوٹنے کے بعد ظاہر ہوا تھا وہ اس فنا میں گم ہوگیا اور کوئی اثر باقی نہیں رہا کہ جس پر انانیت ونفسانیت کا گمان ہو سکے اس وقت حقیقی اسلام کے آثار رُونما ہونے لگے اور شرکِ خفی (یعنی ریاکاری ونفسانی خواہشات کی پیروی) کے نشانات مٹ جانے کی علامات ظاہر ہونے لگیں، اور اسی طرح اپنے اعمال کو ناقص سمجھنا اور اپنی نیتّوں وارادوں کو تہمت زدہ جاننا ظہور میں آنے لگا، غرضکہ عبودیت (بندگی) اور نیستی (فنائیت) کی بعض علامات پھر سے (دوبارہ) ظاہر ہوئی ہیں، حق سبحانہٗ وتعالیٰ آنجناب کی توجہ کی برکت سے بندگی کی حقیقت تک پہنچائے ——— اور محدِّد (عرش) پر بہت دفعہ عروج واقع ہوتے ہیں۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کے لئے رفیق کا لفظ حدیث میں وارد ہے: ان اللّٰہ رفیق یحب الرفق فی الامر (یعنی اللہ تعالیٰ نرم خو ہے اور معاملات میں نرمی ہی کو پسند فرماتا ہے) نزع کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر یہ کلمات تھے: اَللّٰھُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی (اے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ (محبوبِ حقیقی) سے ملا دے)

عروج

پہلی مرتبہ جو عروج[1] واقع ہوا اور مسافت طے کرنے کے بعد جب عرش کے اوپر پہنچا تو دار الخلد یعنی بہشت اپنے متعلقات کے ساتھ مشہود ہوا، اس وقت دل میں خیال آیا کہ وہاں (بہشت میں) بعض اشخاص کے مقامات کا مشاہدہ کروں، جب میں اس امر کی طرف متوجہ ہوا تو اُن اشخاص کے مقامات نظر آئے اور ان اشخاص کو بھی ان کے مکان و مرتبہ اور شوق و ذوق کے اعتبار سے اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق ان مقامات میں دیکھا۔

دوسری مرتبہ پھر عروج واقع ہوا۔ بڑے بڑے مشائخ، ائمۂ اہل بیت و خلفائے راشدین کے مقامات اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقام اور اسی طرح باقی تمام انبیاء و رُسُل (علیہم السلام) کے مقامات، اُن کے مرتبوں کے فرق کے مطابق اور فرشتوں کی بلند ترین جماعت کے مقامات عرش کے اوپر مشاہدہ میں آئے اور اس قدر عروج واقع ہوا کہ مرکزِ زمین سے عرش تک یا اس سے کچھ کم، اور حضرت خواجۂ نقشبند[2] قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس (اللہ تعالیٰ ان کے پاکیزہ ترین اسرار کو اور بھی پاکیزہ بنائے) تک پہنچ کر ختم ہوا۔ اور اس مقام کے اوپر بلکہ معمولی سی بلندی کے ساتھ اُسی مقام میں چند مشائخ مثلاً شیخ معروف کرخی[3] اور شیخ ابو سعید خراز[4] (رحمہما اللہ) تھے اور باقی مشائخ میں سے بعض

---

[1] عروج سے مراد سالک کا حق تعالیٰ کی ذات و صفاتِ عالیہ کے مشاہدہ میں مستغرق ہوجانا اور مخلوق سے منقطع ہونا ہے۔

[2] حضرت خواجۂ خواجگان سید بہاؤ الدین نقشبند بخاری قدس سرہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے امام و پیشوا ہیں ۔ کمخواب بافی کے پیشے یا اللہ تعالیٰ کا نقش دلوں پر بٹھانے کی وجہ سے آپ نقشبند مشہور ہوئے اور اسی وجہ سے اس طریقہ کو نقشبندیہ کہتے ہیں۔ بظاہر حضرت امیر کلال علیہ الرحمہ سے فیض یافتہ تھے۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے طریقے کے مطابق یہ طریقہ آپ پر فائض ہوا۔ بخارا سے تین میل کے قریب قصبۂ ہندوان میں آپ کی ولادت محرم ۷۱۸ھ میں ہوئی اور وہیں شب دوشنبہ ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔ "قصرِ عرفان" کے اعداد سے سالِ وصال برآمد ہوتا ہے۔

[3] حضرت شیخ معروف کرخی قدس سرہٗ اولیائے کرام و قدمائے مشائخ میں سے ہیں، کنیت ابو محفوظ والد ماجد کا نام فیروز یا فیروزاں ہے۔ حضرت داؤد طائیؒ سے مصاحبت رکھتے تھے۔ ۲۰۰ھ بغداد میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔

[4] شیخ ابو سعید خراز قدس سرہٗ اولیائے کرام میں سے ہیں، آپ کا اسمِ گرامی احمد بن عیسیٰ اور لقب خراز ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک روز موزہ سیتے اور پھر ادھیڑتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا "اس سے قبل کہ نفس مجھے مشغول کرے میں نفس کو مشغول کرتا ہوں۔ اصلاً بغدادی تھے صوفیائے کرام کی صحبت میں مصر چلے گئے پھر مکہ مکرمہ میں مجاور ہو گئے، بڑے جلیل المرتبہ بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ کے معقولات میں سے ہے رِيَاءُ الْعَارِفِيْنَ خَيْرٌ مِّنْ إِخْلَاصِ الْمُرِيْدِيْنَ۔ ۲۸۶ھ میں وفات پائی۔
(عارفوں کی ریا (دکھاوا) مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے)

حضرات اس مقام سے نیچے اپنے مقامات رکھتے تھے اور بعض مشائخ اسی مقام میں تھے لیکن ذرا نیچے تھے مثلاً شیخ علاؤالدولہ[۱] و شیخ نجم الدین کبریٰ[۲] (رحمہما اللہ)، اور اس مقام سے اوپر ائمۂ اہل بیت کے مقامات تھے اور اُن کے اوپر خلفائے راشدین کے مقامات تھے رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین (اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو)، اور باقی تمام انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کے مقامات آنسرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے ایک طرف علیحدہ تھے، اور اسی طرح ملائکہ مقربین صلوات اللہ وسلامہ علیٰ نبینا وعلیہم اجمعین کے مقامات اس مقام کے دوسری طرف علیحدہ تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تمام مقامات سے بلند و برتر تھا، اور اللہ تعالیٰ ہی تمام امور کے حقائق کو پوری طرح جانتا ہے ـــ اور جس وقت میں چاہتا ہوں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت سے عروج واقع ہو جاتا ہے اور بعض اوقات بلا ارادہ بھی عروج واقع ہو تا ہے اور کوئی دوسری چیز بھی مشاہدہ میں آجاتی ہے اور بعض عروجوں کے نتائج و احکام بھی ظاہر ہو جاتے ہیں اور اکثر چیزیں بھول جاتی ہیں اور میں بہت چاہتا ہوں کہ بعض حالات کو لکھ لوں (نوٹ کر لوں) تاکہ آنجناب کی خدمت میں عریضہ لکھتے وقت یاد آجائیں لیکن یہ بات حاصل نہیں ہوتی کیونکہ یہ امور حقیر اور ہیچ نظر آتے ہیں کہ ان سے توبہ استغفار کرنا ہی مناسب ہے چہ جائیکہ ان کو لکھا جائے۔ اس عریضے کے لکھتے وقت بھی بعض چیزیں یاد تھیں لیکن عریضہ ختم کرنے تک یاد نہیں رہیں ورنہ لکھی جاتیں اس لئے زیادہ گستاخی نہیں کی۔

ملا قاسم علی[۳] کی حالت بہتر ہے اس پر استہلاک اور استغراق (فنا و محویت) کا غلبہ ہے اور اس نے جذبہ (سیر انفسی) کے تمام مقامات سے اوپر قدم رکھا ہے پہلے وہ صفات کو اصل (اپنی ذات) سے دیکھتا تھا اب اس کے باوجود صفات کو اپنے آپ سے جدا دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو بالکل خالی پاتا ہے بلکہ اُس نور کو بھی جس کے ساتھ صفات قائم ہیں اپنے آپ سے جدا دیکھتا ہے اور خود کو اُس نور سے ایک طرف (الگ) پاتا ہے اور دوسرے دوستوں کے حالات بھی روز بروز بہتری و ترقی پر ہیں، انشاء اللہ العزیز دوسرے عریضہ میں یہ خادم مفصل عرض کرے گا۔

۱؎ شیخ رکن الدین علاء الدولہ احمد بن محمد البیانکی قدس سرہ سمنان کے بادشاہوں میں سے تھے ۶۵۹ھ میں ولادت ہوئی۔ شیخ نورالدین عبدالرحمن سے صاحب اجازت ہوئے۔ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی عمر میں دو سو سے زیادہ چلے کئے۔ شب جمعہ ۲۲ رجب ۷۳۶ھ میں وفات پائی۔

۲؎ شیخ نجم الدین کبریٰ کی کنیت ابوالجناب، اسم گرامی احمد بن عمر اور لقب کبریٰ ہے۔ کہتے ہیں کہ وجد کی حالت میں آپ کی نظر جس پر پڑ جاتی تھی وہ ولایت کے درجہ تک پہنچ جاتا تھا۔ چنگیزی لشکر سے لڑتے ہوئے ۶۱۸ھ میں شہادت پائی۔

۳؎ ملا قاسم علیؒ کے نام صرف ایک مکتوب ۱۱۸ دفتر اول میں ہے نیز آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوبات ۱۱۰ و ۱۲۱ میں بھی ہے۔

ترقیات کے حاصل ہونے اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی عنایات پر فخر کرنے کے بیان میں اپنے بزرگوار پیر و مرشد قدس سرہ العزیز کی خدمت میں تحریر کیا۔

عریضہ: آنجناب کا کمترین غلام و خادم احمد آپ کی بلند بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ مولانا شاہ محمد[1] نے رمضان شریف کے مبارک مہینے کے قریب آنجناب کی جانب سے استخارہ[4] کا حکم پہنچایا، اسقدر فرصت نہ ملی کہ ماہِ مبارک رمضان شریف تک آنجناب کی آستانہ بوسی سے مشرف ہو سکتا، ناچار رمضان المبارک کے گزرنے پر (حاضری کے ارادہ سے) اپنے آپ کو تسلی دی، حضور کی بلند توجہات کی برکت سے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی جو مہربانیاں اور عنایتیں ہر وقت اس خاکسار پر مسلسل اور پے در پے وارد ہو رہی ہیں ان کے متعلق کیا عرض کرے۔ شنوی ؎

من آں خاکم کہ اَبرِ نَو بہاری	کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم	چو سبزہ شکر لطفش کے توانم

ترجمہ

(میں وہ مٹی ہوں جس پہ ابرِ کرم	گوہر افشاں ہے اپنی بارش کا
مثلِ سبزہ ہوں تو زباتیں بھی	کس طرح اس کا شکر ہوگا ادا)

اگرچہ اس قسم کے احوال کا ظاہر کرنا جرأت و گستاخی کا وہم پیدا کرتا ہے اور فخر و مباہات کی خبر دیتا ہے ؎

ولے چوں شہ مرا برداشت از خاک	سزد گر بگذرانم سر ز افلاک

ترجمہ (اٹھایا شہ نے جب مٹی سے مجھ کو	بجا ہے سر کروں اونچا فلک سے)

اس خادم کو عالم صحو[2] و بقا کی ابتدا ماہِ ربیع الآخر کے آخری دنوں سے حاصل ہے اور اب تک ہر ایک مدت میں کسی خاص بقا کے ساتھ مشرف فرماتے ہیں۔ ابتدا حضرت شیخ محی الدینؒ[3] کی تجلی ذاتی سے ہوئی ہے

---

[1] مکتوبات شریف میں مولانا شاہ محمد کے نام صرف ایک مکتوب دفتر دوم مکتوب ۵۴ ہے لیکن اس میں مولانا کی بجائے سید کا لفظ درج ہے — [2] صحو بالفتح، ہوشیار ہونا — [3] مراد شیخ محی الدین ابن عربیؒ

[4] حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استخارے کا بڑا اہتمام فرماتے تھے آپ کا ارشاد ہے کہ ابنِ آدم کی سعادت اس بات میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ (طلبِ خیر) کرتا رہے اور یہ اس کی بدبختی ہے کہ وہ استخارہ ترک کر دے (رواہ الترمذی والحاکم فی المستدرک)

کبھی صحو میں لاتے ہیں کبھی پھر سُکر[1] میں لے جاتے ہیں اور اس نزول[2] و عروج[3] میں عمدہ اور نئے نئے علوم اور عجیب و غریب معارف کا فیضان و ورود فرماتے ہیں اور ہر مرتبہ میں خاص مشاہدہ و احسان (اخلاص) کے ساتھ مشرف فرماتے ہیں جو کہ اسی مقام کی بقا کے مناسب ہے۔

رمضان المبارک کی چھٹی تاریخ کو ایسے بقا سے مشرف فرمایا اور ایسا احسان و اخلاص میسر ہوا کہ یہ خادم کیا عرض کرے۔ جانتا ہے کہ استعداد کی انتہا وہیں تک ہے اور وہ وصل بھی جو کہ اس خادم کے حال کے مناسب تھا اس مقام میں حاصل ہو گیا ہے اور مقامِ جذبہ کی جہت اب پوری ہو گئی ہے اور سیر فی اللہ[4] میں جو کہ مقامِ جذبہ[5] کے مناسب ہے اس خادم کی سیر شروع ہو گئی ہے، فنا جتنی زیادہ کامل ہو گی اس پر قائم ہونے والی بقا بھی اسی قدر زیادہ کامل تر ہو گی اور بقا جسقدر زیادہ کامل ہو گی صحو بھی اسی قدر زیادہ ہو گا اور جس قدر زیادہ صحو حاصل ہو گا علوم باطنی کا فیضان و ورود بھی شریعتِ حقہ کے موافق زیادہ ہو گا کیونکہ کمال درجہ کا صحو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھا اور جو معارف و علوم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ظاہر ہوئے ہیں وہ شریعت کے احکام اور وہ عقائد ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں انھوں نے بیان فرمائے ہیں اور ان احکام و عقائد کے ظاہر کی مخالفت بقیۂ سکر کی وجہ سے ہے۔ اس وقت جو معارف و علوم اس خاکسار پر جاری ہوئے وہ زیادہ تر معارف و علومِ شرعیہ کی تفصیل اور ان کا بیان ہے اور استدلالی[6] علم کشفی و ضروری علم بنتا جاتا ہے اور مجمل علم مفصل ہوتا جاتا ہے۔ ع

گر بگویم شرح ایں بیحد شود　　(ترجمہ) (گر کروں شرح حد سے باہر ہے)

ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ گستاخی تک نوبت پہنچ جائے۔ ع

بندہ باید کہ حدِ خود داند　　(چاہئے بندہ اپنی حد میں رہے)

---

[1] سُکر بالضم، مست ہونا ——— [2] نزول سے مراد، اپنی تکمیل کے بعد دوسروں کی تکمیل و ارشاد کے لئے مخلوق کی طرف متوجہ ہونا۔ اصطلاح میں اس کو سیر عن اللہ باللہ کہتے ہیں، مراتبِ نزول کی انتہا مقامِ قلب تک ہے اور ارشاد و تکمیل اس مقام تک واپس آنے سے تعلق رکھتی ہے ——— [3] عُرُوج بضمتین، اوپر کے مقام میں ترقی کرنا اور ذات و صفاتِ عالیہ کے مشاہدہ میں مستغرق ہو کر مخلوقات سے منقطع ہونا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

[4] سیر فی اللہ سے مراد اسماء و صفات و شیون و اعتبارات و تقدیسات اور تنزیہات کے مراتبِ وجوب میں حرکتِ علمیہ ہے اور اس سیر کو بقا باللہ بھی کہتے ہیں ——— [5] مقام جذبہ سے مراد سیر انفسی ہے اور اسی کو سیر فی اللہ بھی کہتے ہیں ——— [6] علمِ استدلالی وہ علم ہے جو دلیل کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے اور کشفی وہ علم ہے جو کشف کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے *

* ضروری منسوب بضرورت ہے بمعنی بداہت یعنی وہ علم جو بداہت کے طور پر حاصل ہو اور دلیل و فکر کا محتاج نہ ہو مجمل سے مفصل ہونا یعنی وہ علم جو پہلے اجمال و اختصار کے طور پر حاصل ہو پھر تفصیل کے ساتھ حاصل ہو جائے۔

بعض دوستوں کے ایک خاص مقام پر رُک جانے اور بعض دوستوں کے اس مقام سے گذر کر تجلّیٔ ذاتی کے مقامات میں پہنچ جانے کے بارے میں، یہ عریضہ بھی اپنے پیرومرشد بزرگوار کی خدمت میں تحریر کیا۔

بعض احباب کے حالات

عریضہ : (گذارش) یہ ہے کہ سلسلۂ طریقت کے جو دوست یہاں ہیں اور اسی طرح جو دوست وہاں ہیں، ہر ایک کسی نہ کسی مقام میں رُکا ہوا ہے، اُن کو ان مقامات سے نکالنے کا معاملہ سخت مشکل ہے، یہ خادم اس قدر طاقت اپنے اندر نہیں پاتا جو اس مقام کے مناسب ہے، حق سبحانہٗ وتعالیٰ آنجناب کی توجہاتِ عالیہ کی برکت سے ترقی عطا فرمائے۔ اس خادم کے متعلقین میں سے ایک شخص اس مقام سے ترقی حاصل کرکے تجلیاتِ ذاتی کی ابتدا تک پہنچ گیا ہے اس کی حالت بہت اچھی ہے اس خادم کے قدم پر قدم رکھتا ہے، دوسرے متعلقین کے بارے میں بھی یہ خادم امیدوار ہے۔ —— وہاں کے بعض دوسرے دوست مقربین[1] کے طریقہ سے مناسبت نہیں رکھتے اُن کے حال کے موافق ابرار[2] کا طریقہ ہے، مختصر یہ کہ جو یقین انھوں نے حاصل کیا ہے وہ بھی غنیمت ہے، ان کو اسی طریقۂ ابرار کے ساتھ حکم فرمانا چاہئے۔ ع

ہر کسے را بہر کارے ساختند (ترجمہ) (ہر کسی کے واسطے ایک کام ہے)

ان احباب کے نام مفصل طور پر لکھنے کی جرأت نہیں کی، کیونکہ آنجناب سے پوشیدہ نہیں ہوں گے اس لئے زیادہ گستاخی نہ کی —— اس عریضے کے لکھنے کے دن میر سید شاہ حسین نے اپنے مراقبہ کی حالت میں ایسا دیکھا کہ گویا وہ ایک بڑے دروازے پر پہنچا ہے اس کو بتایا گیا ہے کہ یہ دروازۂ حیرت ہے (سید شاہ حسین کہتا ہے کہ) جب میں اس کے اندر کی طرف نظر کرتا ہوں تو آنجناب (حضرت خواجہ باقی باللہؒ) کو اور آپ (حضرت مجدد صاحبؒ) کو دیکھتا ہوں اور میں بہت ہی کوشش کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو اس کے اندر داخل کروں لیکن میرے پاؤں ساتھ نہیں دیتے۔

---

[1] مقربین، جمع مقرَّب اسم مفعول بمعنی نزدیک کیا ہوا، یعنی جو حق تعالیٰ کا قرب حاصل کئے ہوئے ہوں، ان کا طریقہ محبت وعشق اور ذکر وفکر، مراقبہ ومشغولیٔ باطن، استہلاک واستغراق، بقا وفنا اور حق سبحانہٗ کے غیر سے اپنے باطن کو پوری طرح مجرد والگ رکھنا ہے۔

[2] ابرار، بالفتح جمع بار بمعنی نیکی کرنے والے لوگ۔ ان کا طریقہ کثرتِ عبادت یعنی نماز روزہ وغیرہ میں کثرت سے مشغول رہنا۔

بڑی قدر و شان والے ماہِ مبارک ماہِ رمضان کی فضیلتوں کے بیان میں اور حقیقتِ محمدی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان میں۔ یہ عریضہ بھی اپنے پیر و مرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

عریضہ: آنجناب کا کمترین خادم گذارش کرتا ہے کہ مدّت سے حضور کا کوئی گرامی نامہ صادر نہیں ہوا جس کی وجہ سے اس بلند بارگاہ کے خادموں کی کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی، ہر وقت انتظار ہے۔ ماہِ مبارک رمضان شریف کا آنا مبارک ہو، اس مبارک مہینے کو قرآن مجید کے ساتھ جو کہ تمام ذاتی و شیونی کمالات کا جامع ہے اور اس دائرہ اصل میں داخل ہے جس میں کسی ظلیّت و فرعیّت کو دخل نہیں ہے اور قابلیتِ اولیٰ یعنی حقیقتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا ظلّ ہے جس کو کامل مناسبت حاصل ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے قرآن مجید کا نزول اسی ماہِ مبارک میں واقع ہوا ہے۔ آیۂ کریمہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ (بقرہ آیت ۱۸۵۔ رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا) میں اسی بات کا بیان ہے، اور اسی مناسبت کی وجہ سے یہ مہینہ بھی تمام بھلائیوں اور برکتوں کا جامع ہے، جو برکت اور بھلائی تمام سال میں جس کسی شخص کو اور جس راستہ سے بھی پہنچتی ہے وہ اس عظیم الشان ماہِ مبارک کی برکتوں کے بے پایاں سمندر کا ایک قطرہ ہے، اور اس ماہِ مبارک میں دل جمعی کا حاصل ہونا تمام سال کی جمعیت حاصل ہونے کا سبب ہے اور اس ماہ مبارک کا تفرقہ (انتشار و پراگندگی) تمام سال کے تفرقہ کا سبب ہے۔ "پس اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس پر یہ مہینہ اس حالت میں گذر گیا کہ وہ اس سے راضی و خوش ہوا اور اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جس پر یہ مہینہ ناراض ہوا اور وہ شخص اس ماہِ مبارک کی خیرات و برکات سے محروم رہا"۔ اور ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کا ختم کرنا اس ماہ مبارک میں اسی لئے سنت ہوا ہو تاکہ تمام اصلی کمالات[1] اور ظلّی برکات[2] حاصل ہو جائیں۔ پس جس نے ان دونوں (یعنی کمالاتِ اصلی و برکاتِ ظلّی) کو جمع کیا امید ہے کہ وہ اس ماہِ مبارک کی برکتوں اور نیکیوں سے محروم نہیں رہے گا ——— جو برکتیں اس ماہِ مبارک کے

[1] کمالاتِ قرآن مجید۔ [2] وہ برکات جو قرآن مجید کے اس ماہِ مبارک میں نازل ہونے سے تعلق رکھتے ہیں۔

رمضان المبارک کے فضائل

دنوں سے وابستہ ہیں وہ اور ہیں اور جو برکتیں اس ماہِ مبارک کی راتوں سے تعلق رکھتی ہیں وہ اور ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ روزہ کے افطار[3] میں جلدی کرنا اور سحری کھانے میں تاخیر کرنا افضل و اولیٰ ہونے کا حکم اسی حکمت کی وجہ سے ہو، تاکہ دونوں وقتوں کے اجزاء کے درمیان پوری طرح امتیاز حاصل ہو جائے۔

قابلیتِ اولیٰ جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اور جس کو حقیقتِ محمدی بھی کہتے ہیں (اس کے مظہر یعنی حضرت محمدؐ پر صلوات و تسلیمات ہوں) اس سے مراد ذات کی قابلیت تمام صفات کے ساتھ متصف ہونے کی وجہ سے نہیں ہے جیسا کہ بعض صوفیائے کرام نے یہ حکم بیان کیا ہے، بلکہ ذات عز شانہ کی قابلیت اس علم کے اعتبار سے ہے جو کہ اُن تمام ذاتی و شیونی[1] کمالات سے تعلق رکھتا ہے جو قرآن مجید کی حقیقت کا حاصل ہیں اور قابلیتِ انصاف جو کہ خانۂ صفات کے مناسب ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات اور صفات کے درمیان برزخ[2] ہے وہ دوسرے انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کے حقائق ہیں، یہی قابلیت ان اعتبارات کے لحاظ سے جو اس میں مندرج (شامل) ہیں بہت سے حقائق بن گئی ہے۔ وہ قابلیت جس کو حقیقتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والتحیہ کہتے ہیں، اگرچہ ظلیت رکھتی ہے (ظل آمیز ہے) لیکن صفات کا رنگ اس کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہے اور پردہ و واسطہ درمیان میں حائل نہیں ہے اور محمدی المشرب جماعت کے حقائق خاص اس علم کے اعتبار سے جو بعض اُن کمالات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ کی) ذات کی قابلیتیں ہیں، اور وہ قابلیتِ محمدیہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات پاک اور اُن متعدد قابلیتوں کے درمیان برزخ ہے اور اُن بعض صوفیائے کرام کا یہ حکم لگانا (کہ حقیقتِ محمدی ذات کی قابلیت ہے جو کہ تمام صفات کے ساتھ متصف ہے) اس وجہ سے ہے کہ خانۂ صفات میں قابلیتِ محمدیہ کی قدم گاہ ہے اور بس، اور خانۂ صفات کے عروج کی انتہا اس قابلیت تک ہے اسی لئے ضروری طور پر اس قابلیت کو آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور چونکہ یہ قابلیتِ انصاف ہرگز دور نہیں ہوتی اسی وجہ سے ان بعض صوفیائے کرام نے بھی یہ حکم لگایا ہے کہ

حقیقتِ محمدیؐ

---

[1] جاننا چاہئے کہ صفات و شیونات میں بہت باریک فرق ہے، تمام صفاتِ الٰہیہ خارج میں ذات تعالیٰ و تقدس پر وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں۔ اور شیونات محض اعتبارات ہیں جو ذاتِ جل شانہٗ میں اعتبار کئے گئے ہیں جیسا کہ حضرت مجدد صاحب موصوف قدس سرہ نے مکتوب ۲۸۷ جلد اول میں اس فرق کو ایک مثال سے واضح فرمایا ہے اور اس مکتوب کو اس مکتوب چہارم کی شرح قرار دیا ہے، ان مضامین کو اس مکتوب میں مطالعہ کرنا چاہئے ۔ [2] برزخ بالفتح، دو چیزوں کے درمیان حائل کو کہتے ہیں اور مرنے کے بعد سے قیامت تک کے زمانے کو بھی اسی لئے برزخ کہتے ہیں۔

[3] حدیث میں وارد ہے کہ لوگ ہمیشہ خیر پر گامزن رہیں گے جب تک کہ وہ افطار میں (وقت ہو جانے کے بعد) عجلت سے کام لیں گے (متفق علیہ از مشکوٰۃ)

حقیقتِ محمدی ہمیشہ حائل ہے ورنہ قابلیتِ محمدیہ علیٰ مظہرہا الصلوٰۃ والتحیہ (اس کے مظہر پر صلوٰۃ و سلام ہو) جو کہ ذاتِ باری جل شانہٗ میں مجرد اعتبار ہے جس کا نظر سے دور ہونا ممکن بلکہ واقع ہے اور قابلیتِ اتصاف بھی اگرچہ اعتباری ہے لیکن برزخ ہونے کی وجہ سے اس نے ان صفات کا رنگ اختیار کر لیا ہے جو وجودِ زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں اور اس کا دور ہونا ممکن نہیں ہے اسی لئے اس حائل کے ہمیشہ موجود ہونے کا حکم کرتے ہیں ــــــــ اس قسم کے علوم جو اصالت و ظلّیت کی جامعیت سے پیدا ہوتے ہیں بہت وارد ہوتے ہیں ان میں سے اکثر کاغذ کے پرچوں پر لکھے جاتے ہیں۔ مقامِ قطبیت مقامِ ظلّیت کے علوم کے دقائق کے پیدا ہونے کا مقام ہے اور فردیّت کا مرتبہ دائرۂ اصل کی معرفتوں کے وارد ہونے کا ذریعہ ہے۔ ان دو دولتوں یعنی مقامِ قطبیت[۱] اور مرتبۂ فردیت کے جمع ہونے کے بغیر ظل اور اصل کے درمیان تمیز کرنا حاصل نہیں ہوتا، اسی لئے بعض مشائخ قابلیتِ اولیٰ کو جسے تعینِ اول کہتے ہیں ذات پر زائد نہیں جانتے اور اس قابلیت کے شہود (مشاہدہ میں آنے) کو تجلّیٔ ذاتی خیال کرتے ہیں، اور حق وہی ہے جو میں نے تحقیق کیا ہے اور حقیقتِ امر وہی ہے جس کو میں نے واضح طور پر بیان کیا ہے اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی حق کو ظاہر فرماتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت بخشتا ہے ــــــــ وہ رسالہ جس کے لکھنے کے لئے اس خاکسار کو حکم ہوا تھا اس کے پورا کرنے کی توفیق حاصل نہیں ہو رہی ہے اور مسوّدے (تحریرات) اسی طرح پڑے ہوئے ہیں، معلوم نہیں اس توقف (رکاوٹ) میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی کیا حکمت ہے۔ زیادہ لکھنے کی جرأت کرنا ادب کے خلاف ہے۔

---

[۱] مقامِ قطبیت و مرتبۂ فردیت، جاننا چاہئے کہ ابدال و اقطاب و اغواث و افراد و اوتاد و اخیار و ابرار اور نقباء اولیاء اللہ کے اقسام ہیں۔ ان میں سے بعض مخلوق سے پوشیدہ ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو بھی نہیں پہچانتے اور اپنے حال کی عمدگی کو بھی نہیں جانتے اور وہ چار ہزار ہیں اور ان میں سے بعض اہلِ حل و عقد ہیں اور وہ بارگاہِ حق جلّ مجدہٗ کے سردار ہیں اور وہ تین سو ہیں جیسا کہ نفحات الانس میں لکھا ہے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ ابدال شام میں رہتے ہیں اور وہ چالیس مرد ہیں جب ان میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں کسی دوسرے آدمی کو مقرر فرما دیتا ہے ان کے وجود کی برکت سے بارش برستی ہے اور انصاف حاصل کیا جاتا ہے اور ان کی مدد سے دشمنوں سے انتقام لیا جاتا ہے اور ان کی برکت سے اہلِ شام سے عذاب لوٹا دیا جاتا ہے۔ اہلِ شام کی تخصیص قرب و جوار کی وجہ سے ہے ورنہ ان کی برکت و امداد تمام دنیا کے لئے ہے خاص طور پر اس شخص کے لئے ہے جو ان سے مدد و اعانت طلب کرے۔ ماخوذ از ترجمۂ مشکوٰۃ و تفصیلہ فی المرقاۃ وغیرہ۔

ایک مخلص دوست خواجہ برہان الدین کی سفارش اور اُن کے بعض حالات کے بیان میں۔

یہ بھی اپنے پیر و مرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

عریضہ: حضور کا ادنیٰ ترین خادم عرض کرتا ہے کہ ایک رسالہ حضرات خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ کے بیان میں لکھ کر ارسالِ خدمت کیا ہے حضور کے ملاحظہ سے گذرے گا ابھی مسوّدہ ہے، چونکہ خواجہ برہان جلدی روانہ ہو گئے اس لئے اس کو صاف نقل کرنے کا وقت نہ ملا، خیال ہے کہ بعض دوسرے علوم بھی اس کے ساتھ ملائے جائیں۔ ایک روز رسالہ "سلسلۃ الاحرار"[1] نظر سے گذرا۔ اس وقت دل میں خیال آیا کہ حضور سے درخواست کروں کہ آنجناب خود اس رسالہ کے بعض علوم کے بارے میں کچھ تحریر فرمائیں یا اس فقیر کو حکم دیں تاکہ اس کے بارے میں کچھ لکھے۔ یہ خیال بہت پختہ ہو گیا تھا کہ اسی اثناء میں اس مسوّدے کے بعض علوم کا فیضان ہوا، اور اس رسالہ سلسلۃ الاحرار کے بعض علوم مجمل طور پر اس رسالہ کے ضمن میں بیان ہو گئے ہیں، اگر اسی مسوّدے کو اُس رسالہ کا تکملہ بنالیں تو اس کی بھی گنجائش ہے، اور اگر بعض مناسب علوم کو اس مسودے میں سے انتخاب کر کے اس رسالہ کے ساتھ ملالیں تو یہ بھی ایک صورت ہے۔ اس سے زیادہ لکھنے کی جرأت کرنا ادب کے خلاف ہے۔

خواجہ برہان[5] نے اس عرصہ میں خوب محنت کی ہے اور تیسری سیر[2] سے بھی جو کہ مقامِ جذبہ کے مناسب ہے کچھ حصہ پالیا ہے۔ خواجہ برہان کا دل صوبۂ مالوہ میں معاش کے لحاظ سے ان کا دل پراگندہ رہتا ہے وہ آپ کی خدمتِ مبارک میں حاضر ہو رہے ہیں، حضور ان کے لئے جو حکم فرمائیں گے وہ مبارک ہوگا۔

---

[1] رسالہ "سلسلۃ الاحرار" حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے اپنی اُن رباعیات کی جو کہ آپ کی بزرگ، دقیق تصنیفات میں سے ہیں شرح فرمائی ہے اور اس شرح کا نام سلسلۃ الاحرار رکھا ہے۔ (ماخوذ از حواشی فارسی مکتوبات)

[2] تیسری سیر سے مراد سیر عن اللہ باللہ ہے جو کہ علیم اعلیٰ سے علم اسفل کی طرف اور پھر اس اسفل سے دوسرے اسفل کی طرف حرکتِ علمیہ کا نام ہے — [5] غالباً آپ سرونج (مالوہ) کے تھے جن کا ذکر حضرات القدس (۲ حضرت ہٖم کرامت ۷) میں آتا ہے۔ آپ کا مزار بھی وہاں ہے۔

مکتوب ۶ ششم

جذبہ و سلوک کے حاصل ہونے اور جمالی و جلالی دونوں صفتوں کے ساتھ تربیت پانے اور فنا و بقا اور ان کے متعلقات کے بیان میں اور نسبتِ نقشبندیہ کی فوقیت کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیرو مرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

عریضہ: حضور کا کمترین خادم احمد عرض کرتا ہے کہ مطلق طور پر ہدایت کرنے والے یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آنجناب کی توجہِ عالیہ کی برکت سے جذبہ[ع] و سلوک کے دونوں طریقوں اور جمال[1] و جلال[2] کی دونوں صفتوں سے اس حقیر کی تربیت فرمائی ہے، اب جمال عین جلال ہے اور جلال عین جمال ہے۔

(جمالی اور جلالی صفات کے ساتھ تربیت)

"رسالہ قدسیہ" (مصنفہ حضرت خواجۂ خواجگان خواجۂ بزرگوار نقشبند قدس سرہ العزیز) کے بعض حاشیوں میں اس عبارت کو اپنے ظاہری مفہوم سے پھیر کر اپنے موہوم مطلب پر حمل کیا ہے، حالانکہ یہ عبارت اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے اور ظاہری معنی سے ہٹانے اور تاویل کے قابل نہیں ہے، اور اس تربیت کی علامت محبتِ ذاتی کے ساتھ متحقق ہونا ہے اس کے تحقق سے پہلے ممکن نہیں ہے، اور محبتِ ذاتی فنا کی علامت ہے اور فنا سے مراد اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کا فراموش ہو جانا ہے ——— پس جب تک تمام علوم پورے طور پر سینے کے میدان سے صاف نہ ہو جائیں اور سالک جہلِ مطلق کے ساتھ متحقق نہ ہو جائے وہ فنا سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا، اور یہ حیرت و جہل دائمی ہے اس کا زائل ہونا ممکن نہیں ہے اور ایسا نہیں ہے کہ کبھی حاصل ہو جائے اور کبھی زائل ہو جائے ——— حاصل کلام یہ ہے کہ مقامِ بقا باللہ سے پہلے جہالت محض ہے اور مقامِ بقا باللہ حاصل ہونے کے بعد جہالت اور علم دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔ سالک عین نادانی کی حالت میں شعور کے ساتھ ہوتا ہے اور عین حیرت کے وقت میں حضور کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ مقام حق الیقین[3] کا مقام ہے کہ اس میں علم اور عین ایک دوسرے کے لئے

---

[1] جَمال بالفتح، صورت و سیرت کی خوبصورتی، یہاں مراد انعام و اکرام ہے ——— [2] جلال بالفتح بزرگی، یہاں مراد قہر و غضبِ الٰہی کا اظہار بذریعہ الم و مصیبت ہے ——— [3] جاننا چاہئے کہ حق الیقین، عین الیقین، علم الیقین اور اپنے سے باہر میں نظر کرنا، اپنے آپ میں نظر کرنا اور ان کے ایک دوسرے کے لئے حجاب ہونے یا نہ ہونے کی تفصیل حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جلد اول مکتوب ۲۷۷ میں فرمائی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

[ع] قولہ جذبہ و سلوک، جذبہ، سیرِ انفسی اور سلوک، سیرِ آفاقی کو کہتے ہیں۔

حجاب نہیں ہیں اور وہ علم جو اس قسم کی جہالت سے پہلے حاصل ہوتا ہے وہ احاطۂ اعتبار سے خارج ہے، (یعنی اعتبار کے لائق نہیں ہے) اس حالت کے باوجود اگر علم ہے تو اپنے آپ میں ہے اور اگر شہود ہے تو وہ بھی اپنے آپ میں ہے اور اگر معرفت یا حیرت ہے تو وہ بھی اپنے آپ میں ہی ہے جبتک کہ نظر باہر کی اشیاء میں ہے بے حاصل (بیکار) ہے، اگرچہ اپنے آپ میں بھی نظر رکھتا ہو بیرونی اشیاء سے نظر بالکل منقطع ہو جانی چاہیئے ـــــــ حضرت خواجۂ بزرگ (یعنی خواجہ بہاؤ الدین نقشبند) قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ "اہل اللہ فنا و بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں اپنے آپ میں دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں اپنے آپ میں ہی پہچانتے ہیں اور ان کی حیرت اپنے وجود ہی میں ہے" ـــ اس عبارت سے بھی صاف طور پر مفہوم ہوتا ہے کہ شہود اور معرفت اور حیرت اپنے نفس میں ہی ہے اور بس، اپنے آپ سے باہر کی اشیاء میں ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے جبتک ان تینوں میں کوئی ایک امر بھی اپنے نفس سے باہر میں ہے اگرچہ اپنے آپ میں بھی رکھتا ہو اس کو فنا حاصل نہیں ہے تو بقا اس کو کس طرح حاصل ہو جائے گی (کیونکہ) فنا و بقا میں مرتبہ کی انتہا یہی ہے اور یہ فنا مطلق ہے اور مطلق فنا عام ہے، اور بقا فنا کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے (یعنی جسقدر فنا کامل ہوگی بقا بھی اسی قدر کامل ہوگی) اسی لئے بعض اولیاء اللہ فنا و بقا کے ساتھ متحقق ہونے کے بعد اپنے باہر میں بھی شہود رکھتے ہیں، لیکن ان بزرگواروں (یعنی مشائخ نقشبندیہ قدس اسرارہم) کی نسبت تمام نسبتوں سے بلند تر ہے ؎

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند | نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(ترجمہ) محض آئینہ رکھنے سے سکندر بن نہیں سکتا | فقط سر کے منڈانے سے قلندر بن نہیں سکتا

جب بہت سے قرن (کئی صدیاں) گذرنے کے بعد اس سلسلۂ عالیہ کے بڑے بڑے مشائخ میں سے ایک یا دو کو اس نسبت کے ساتھ شرف بخشتے ہیں تو دوسرے سلسلوں کے بارے میں کیا بیان کیا جائے، یہ نسبت حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی[1] قدس سرہٗ کی نسبت ہے اور اس نسبت کو پورا اور کامل کرنے والے

---

[1] آپ امام مالکؒ کی اولاد میں سے ہیں اور آپ صوفیائے کرام کے تمام گروہوں کے نزدیک مقبول ہیں، آپ شریعت و سنتِ نبویؐ کی متابعت فرماتے اور بدعت و خواہشاتِ نفسانی کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام آپ کے پیر طریقت تھے اور حضرت خواجہ ابو یعقوب یوسف ہمدانی قدس سرہ آپ کے پیرِ صحبت و خرقہ تھے۔ وہ آٹھ کلمات جن پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی بنیاد ہے آپ ہی کے مقرر کردہ ہیں، یہ ہیں: (۱) ہوش در دم۔ (۲) نظر بر قدم۔ (۳) سفر در وطن۔ (۴) خلوت در انجمن۔ (۵) یادکرد۔ (۶) بازگشت۔ (۷) نگاہداشت۔ (۸) یادداشت۔ ۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ کو غجدوان (بکسرِ غین) میں وفات ہوئی جو بخارا کے قریب ہے ـــــــ [2] اس عبارت سے کوئی سادہ لوح یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس کی ذات میں حلول کر لیا یا دونوں میں اتحاد ہو گیا۔ کیونکہ یہ عقیدہ صریح گمراہی ہے۔

حضرت خواجۂ خواجگان یعنی حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہم ہیں اور آپ کے خلفا میں سے حضرت خواجہ علاؤ الدین [۲] اس دولت سے مشرف ہوئے تھے۔ ع

(عطار)
ایں کار دولت ست کنوں تا کرا دہند (ترجمہ) (یہ ہے عظیم کام، ملے دیکھئے کسے)

یہ عجیب معاملہ ہے کہ پہلے جو بلا و مصیبت بھی واقع ہوتی تھی وہ فرحت و خوشی کا باعث ہوتی تھی اور یہ فقیر هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (ق آیت ۳۰) (کیا اور زیادہ بھی ہے) کہتا تھا اور دنیاوی سازو سامان میں سے جو کچھ کم ہو جاتا تھا اچھا معلوم ہوتا تھا، اور یہ فقیر اسی قسم کی خواہش کرتا تھا اور اب جبکہ عالمِ اسباب میں نزول واقع ہوا ہے اور اپنی عاجزی و محتاجی پر نگاہ پڑی ہے، اگر تھوڑا سا بھی نقصان لاحق ہو جاتا ہے تو پہلے ہی جھٹکے میں ایک قسم کا رنج و غم پیدا ہو جاتا ہے اگرچہ وہ جلد ہی دور ہو جاتا ہے اور کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اور اسی طرح اگر پہلے یہ عاجز بلا و مصیبت کے دور ہونے کے لئے دعا کرتا تھا تو اس سے اس بلا و مصیبت کو دور کرنا مقصود نہیں ہوتا تھا بلکہ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کے حکم اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (مؤمن آیت ۶۰) (تم مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا) کی تعمیل و فرمانبرداری بجا لانا تھا لیکن اب دعا سے مقصود بلاؤں اور مصیبتوں کا رفع کرنا ہے اور وہ خوف و غم جو پہلے زائل ہو چکے تھے اب پھر لوٹ آئے ہیں اور اب معلوم ہوا کہ وہ حالت سُکر کی وجہ سے تھی صحو کی حالت میں عاجزی و محتاجی اور خوف و حزن اور غم و خوشی جس طرح سے کہ عام لوگوں کو لاحق ہوتی ہے اس خاکسار کو بھی ہے، ابتدا میں بھی جب کہ دعا سے بلا و مصیبتوں کا دفع کرنا مقصود نہیں تھا دل کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی لیکن حال غالب تھا اس لئے مجبور تھا، دل میں خیال گذرتا تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی دعا اس قسم کی نہیں تھی کہ جس سے وہ اپنی مراد کا حاصل ہونا چاہتے ہوں اب جبکہ یہ خاکسار اس حالت سے مشرف فرمایا گیا اور معاملہ کی حقیقت واضح کردی گئی تو معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعائیں عاجزی و حاجتمندی اور خوف و حزن کی وجہ سے تھیں محض حکم کی تعمیل کے لئے نہیں تھیں۔ بعض امور جو اس فقیر پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں حضور کے حکم کے مطابق کبھی کبھی ان کے عرض کرنے کی گستاخی کرتا ہے۔

---

[۱] آپ کا تذکرہ مکتوب ۱ کے فٹ نوٹ میں گذر چکا ہے ص ۳۵ پر۔

[۲] آپ کا اسم گرامی محمد بن علی بن محمد البخاری ہے۔ آپ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاریؒ کے اصحابِ کبار میں سے تھے حضرت خواجۂ موصوف نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہی اپنے بہت سے طالبانِ طریقت کی تربیت آپ کے سپرد کردی تھی، آپ کی وفات عشا کی نماز کے بعد بدھ کی رات کو ۲۰ رجب ۸۰۲ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک موضع جغانیاں از ماوراء النہر میں ہے۔

مکتوب ہفتم

اپنے بعض عجیب و غریب حالات اور بعض ضروری استفسارات کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیرو مرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

عریضہ: حضور کا کمترین خادم **احمد** عرض کرتا ہے کہ جو مقام محدّد (عرش) کے اوپر ہے اپنی روح کو عروج کے طریق پر اس مقام میں پاتا تھا اور وہ مقام حضرت خواجۂ بزرگ (یعنی حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ) کے ساتھ مخصوص تھا، کچھ زمانہ گذرنے کے بعد اپنے عنصری بدن کو بھی اسی مقام میں پایا اور اس وقت یہ بات خیال میں آئی کہ یہ عالم سارے کا سارا عنصریات و فلکیات سے نیچے چلا گیا ہے اور اس کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔ اور چونکہ اس مقام میں بعض اولیائے کبار کے سوا اور کوئی نہیں تھا، اس وقت تمام عالم کو اپنے ساتھ ایک ہی جگہ اور ایک ہی مقام میں شریک پا کر بہت حیرت حاصل ہوتی ہے کہ پوری پوری بیگانگی کے باوجود اپنے آپ کو اُن کے ساتھ دیکھتا ہے۔ غرضکہ وہ حالت جو کبھی کبھی حاصل ہوتی تھی جس میں کہ نہ خود رہتا تھا اور نہ عالم، نہ نظر میں کوئی چیز آتی تھی نہ علم میں، اب وہ حالت دائمی ہو گئی ہے، خِلقتِ عالم کا وجود دید و دانش (دیکھنے و جاننے) سے باہر نکل گیا ہے۔

اس کے بعد اسی مقام میں ایک بلند محل ظاہر ہوا کہ جس کے ساتھ سیڑھی رکھی ہوئی ہے میں وہاں پہنچ گیا، وہ محل بھی اس عالم کی طرح آہستہ آہستہ (درجہ بدرجہ) نیچے چلا گیا اور میں ہر گھڑی (لمحہ بہ لمحہ) اپنے آپ کو اس کے اوپر چڑھتا ہوا محسوس کرتا تھا، اتفاقاً (یعنی) ایک دفعہ جبکہ میں وضو کے شکرانہ کی نماز (تحیۃ الوضو) ادا کر رہا تھا کہ ایک بہت ہی بلند مقام ظاہر ہوا اور مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم میں سے چار[1] بزرگ مشائخ کو اس مقام میں دیکھا، اور دوسرے مشائخ مثلاً سید الطائفہ[2] وغیرہ کو بھی اس مقام میں پایا اور بعض دوسرے

---

[1] علامہ محمد مراد مکی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شاید ان چار سے مراد خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ، خواجہ محمد بہاؤ الدین نقشبندؒ، خواجہ علاؤ الدین عطارؒ اور خواجہ عبید اللہ احرارؒ ہیں۔ اور اُس قلمی نسخہ کے حاشیہ پر جو کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے روضۂ مقدسہ پر ہے لکھا ہے کہ ان سے مراد حضرت خواجہ نقشبند، خواجہ محمد پارسا، خواجہ علاؤ الدین عطارؒ اور خواجہ عبید اللہ احرار قدس اسرارہم ہیں۔

[2] یعنی حضرت خواجہ جنید بغدادی علیہ الرحمہ آپ کی کنیت ابو القاسم اور لقب قواریری، زجاج و خراز ہے، قواریری اور زجاج اس لئے لقب ہوا کہ آپ کے والد ماجد آبگینے فروخت کرتے تھے اور خراز اس لئے کہتے ہیں کہ آپ خز کے کپڑے کا کام کرتے تھے۔ آپ حضرت سری سقطیؒ کے بھانجے اور خلیفہ تھے سن ۲۹۷ھ میں وصال ہوا۔ آپ کا مولد، وطن اور مدفن بغداد ہے۔

عجیب و غریب بشارات

مشائخ اس مقام کے اوپر ہیں لیکن اس کے پایوں کو پکڑے ہوئے بیٹھے ہیں اور بعض اپنے اپنے درجہ کے مطابق اس مقام کے نیچے تھے اور میں نے اپنے آپ کو اس مقام سے بہت دور پایا بلکہ اس مقام کے ساتھ کچھ مناسبت بھی نہیں دیکھی، اس واقعہ سے میں نہایت بے چین و بیقرار ہوگیا، قریب تھا کہ دیوانہ ہو کر نکل جاؤں اور غم و غصہ کے باعث اپنے جسم کو جان سے خالی کردوں (یعنی مرجاؤں)، کچھ وقت اسی حالت پر گذرا آخر آنجناب کی بلند توجہات سے اپنے آپ کو اس مقام کے مناسب دیکھا، اول اپنے سر کو اس کے بالمقابل پایا پھر آہستہ آہستہ جاکر اس مقام کے اوپر بیٹھ گیا۔ توجہ (غور کرنے) کے بعد دل میں ایسا گذرا کہ وہ مقام تکمیل کا مقام ہے کہ سالکین سلوک مکمل کرنے کے بعد اس مقام پر پہنچتے ہیں، جس مجذوب نے سلوک مکمل نہ کیا ہو اس کو اس مقام سے کوئی حصہ حاصل نہیں ہے اور اس وقت ایسا خیال بھی پیدا ہوا کہ اس مقام پر پہنچنا اُس واقعہ کا ثمرہ و نتیجہ ہے جو آنجناب کی خدمت مبارک میں رہتے ہوئے دیکھا تھا اور حضور کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ حضرت امیر (علی بن ابی طالب) کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ تجھ کو آسمانوں کا علم سکھاؤں الخ، اور جب میں نے اچھی طرح توجہ کی تو اس مقام کو تمام خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے درمیان حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے ساتھ مخصوص پایا۔ واللہ سبحانہٗ اعلم (اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے)۔

دوسرے یہ کہ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ بُرے اخلاق و عادات لمحہ بہ لمحہ (ہر گھڑی) نکلتے جاتے ہیں بعض دھاگے کی طرح وجود سے نکلتے ہیں اور کبھی دھوئیں کی طرح باہر نکلتے ہیں، بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ سب نکل گئے ہیں، پھر کسی وقت کچھ اور ظاہر ہوتا ہے اور باہر نکلتا معلوم ہوتا ہے۔

دوسری عرض یہ ہے کہ کیا بعض امراض اور سختیوں کے دفع کرنے کے لئے توجہ کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس توجہ کے دینے میں حق تعالیٰ کی رضامندی ہے یا نہیں، یا یہ توجہ اس بات پر مشروط نہیں ہے۔ رشحات[1] کی ظاہری عبارت سے جو کہ خواجہ عبید اللہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس سے منقول ہے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ توجہِ مذکور اس بات پر مشروط نہیں ہے۔ اس بارے میں مناسب حکم فرمائیں، اس کے باوجود اس طرح توجہ کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

(م ۹۳۹ھ)

---

[1] رشحات، مولانا فخر الدین علی بن الحسین الواعظ الکاشفی المشتہر بالصفی کی تصنیف ہے اس میں حضرات نقشبندیہ قدس اسرارہم کے حالات درج ہیں اور خاص طور پر حضرت ناصر الحق والدین خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔

تیسری عرض یہ ہے کہ حضورِ حق کا حصول ثابت ہو جانے کے بعد طالبانِ طریقت کو ذکر سے روکنا اور اس حضور کی نگہداشتؒ کے لئے حکم کرنا ضروری ہے یا نہیں اور حضور کا وہ کونسا مرتبہ ہے جس میں ذکر نہیں کرتے لیکن بعض طالب ایسے ہیں جنھوں نے شروع سے آخر تک ذکر کیا ہے اور ذکر سے بالکل نہیں رُکے ہیں اور اپنے کام کو انتہا کے نزدیک تک پہنچایا ہے۔ اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے جو مناسب ہو ارشاد فرمائیں۔

چوتھی عرض یہ ہے کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں "آخر میں ذکر کا حکم دیا جاتا ہے کیونکہ بعض مقاصد وہ ہیں جو ذکر کے بغیر حاصل نہیں ہوتے"۔ آنجناب سے اُن مقاصد کا تعین فرمانے کی درخواست ہے۔

پانچویں عرض خدمتِ اقدس میں یہ ہے کہ بعض طالب طریقہ سیکھنے کی طلب ظاہر کرتے ہیں لیکن لقمہ (غذا) میں احتیاط نہیں کر سکتے اور اس بے احتیاطی کے باوجود حضور اور ایک قسم کا استغراق حاصل کر لیتے ہیں اور اگر لقمہ (کی احتیاط) کے بارے میں ان کو تاکید کی جائے تو طلب کی سُستی کی وجہ سے طریقے کو بالکل ترک کر دیتے ہیں، اس بارے میں کیا حکم ہے۔ اور بعض دوسرے طالب ایسے بھی ہیں جو محض ارادت (وعقیدت) کے طور پر اس سلسلۂ شریفہ سے تعلق پیدا کرنا (یعنی بیعت ہونا) چاہتے ہیں اور ان کا ارادہ ذکر کی تعلیم حاصل کرنے کا نہیں ہے، اس قسم کی بیعت (تعلق پیدا کرنا) بھی جائز ہے یا نہیں، اور اگر جائز ہے تو اس کا کیا طریقہ ہے، زیادہ گستاخی کرنا نہایت بے ادبی ہے۔

اُن احوال کے بیان میں جو بقا اور صحو سے تعلق رکھتے ہیں، یہ بھی اپنے پیر ومرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

عریضہ: کمترین خادم **احمد** عرض کرتا ہے کہ جب سے اس خاکسار کو صحو میں لائے ہیں اور بقا عطا فرمائی ہے عجیب وغریب علوم ومعارف جو پہلے معلوم ومتعارف نہیں تھے پے در پے ومسلسل فائض و وارد ہو رہے ہیں، ان میں سے اکثر قوم یعنی صوفیائے کرام کے قول اور ان کی مروجہ ومستعمل اصطلاح کے ساتھ

عجیب وغریب واردات

ؒ نگہداشتِ حضور؛ اس سے مراد، دل کو ماسوی اللہ کے خیال سے باز رکھنے کا مراقبہ ہے اس طرح پر کہ اگر ایک سانس میں ستّو دفعہ کلمۂ طیبہ کہے تو دل کسی اور طرف نہ جائے حتیٰ کہ اسماء وصفات سے بھی غافل ہو جائے اور صرف احدیتِ مجردہ کو اپنے خیال میں رکھے۔ (از ضیاء القلوب حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ)۔

موافقت نہیں رکھتے بمسئلۂ وحدت الوجود اور اس کے متعلقات کی نسبت جو کچھ ان حضرات نے بیان کیا ہے اس خاکسار کو اس حال سے ابتداء ہیں ہی مشرف کر دیا گیا اور کثرت میں وحدت کا مشاہدہ حاصل ہوا۔ پھر اس مقام سے کئی درجے اوپر لے گئے، اور اس ضمن میں کئی قسم کے علوم کا افادہ نصیب ہوا، لیکن ان مقامات و معارف کے مصداق کوئی بات قوم (صوفیائے کرام) کے کلام سے واضح طور پر پائی نہیں جاتی، البتہ ان میں سے بعض بزرگوں کے مبارک کلام میں اجمالی طور پر رموز و اشارے پائے جاتے ہیں لیکن ان علوم کی صحت پر ظاہر شریعت کی موافقت اور علمائے اہلِ سنت کا اجماع شاہد عادل ہے، وہ کسی چیز میں بھی روشن شریعت کے ظاہر سے مخالفت نہیں رکھتے اور حکما اور ان کے عقلی اصولوں کے ساتھ کچھ بھی موافقت نہیں رکھتے بلکہ علمائے اسلام کی ایک جماعت جو اہلِ سنت سے مخالفت رکھتے ہیں وہ بھی ان (حکما) کے اصول سے موافق نہیں ہیں۔

استطاعت مع الفعل

استطاعت مع الفعل[1] کا مسئلہ منکشف ہو گیا ہے، انسان فعل سے پہلے کچھ قدرت نہیں رکھتا جب فعل سرزد ہوتا ہے اس کے ساتھ متصل ہی قدرت بخشتے ہیں اور اسباب و اعضاء کے صحیح سالم ہونے کی صورت میں مکلّف بناتے ہیں، جیسا کہ علمائے اہلِ سنت وجماعت نے ثابت کیا ہے، اور اس مقام میں یہ خاکسار اپنے آپ کو حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے قدم پر پاتا ہے، آپ اسی مقام پر ہوتے ہیں۔ اور حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہ کو بھی اس مقام سے کچھ حصہ حاصل ہے، اور اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں میں سے حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس ہیں جو مشائخ ان سے پہلے گذرے ہیں ان میں سے حضرت خواجہ معروف کرخی و امام داؤد طائی[2] و حضرت خواجہ حسن[3] بصری اور

---

[1] استطاعت مع الفعل:۔ یہ علمائے اہلِ سنت اور معتزلہ کے درمیان ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ ہے۔ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ مکلّف (انسان) میں ہر فعل کی استطاعت اس فعل کی ایجاد سے پہلے موجود ہے اور اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر فعل کی استطاعت اس کی ایجاد کے ساتھ متصل ہی ہوتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا کشف اہل سنت کے موافق ہے اور اس کی تائید و تقویت کرتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ استطاعتِ فعل بمعنی قدرتِ حقیقیہ جو کہ اکتسابِ فعل کا سبب و علّت ہے فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت کے نزدیک فعل کے ساتھ متصل ہے فعل پر تقدم زمانی نہیں رکھتی جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں اور احکامِ شرعیہ کی تکلیف کے صحیح ہونے کا دارومدار اس قدرت پر نہیں ہے لیکن قدرت و استطاعت بمعنی سلامت اسباب و آلات و جوارح کو فعل پر تقدمِ زمانی حاصل ہے اور احکامِ شرعیہ کا مکلف ہونا اسی پر مرتب ہے اور تکلیفاتِ شرعیہ کی صحت کا دارومدار اسی پر ہے نہ کہ پہلی استطاعت پر۔ واللہ اعلم۔

[2] حضرت خواجہ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ اکابر صوفیائے کرام میں سے تھے اور سید القوم تھے آپ کی پرہیزگاری (ورع) کمال درجہ کا تھا، تمام علوم میں پوری دسترس رکھتے تھے اور فقہ میں خصوصی امتیاز رکھتے تھے۔ (باقی بر صفحۂ آئندہ)

خواجہ حبیب عجمی[1] قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم المقدسۃ اسی مقام میں تھے، ان تمام مقامات و معارف و علوم کا حاصل، کمالِ بُعد (دُوری) و بیگانگی ہے اور کام علاج سے گذر چکا ہے، جبتک حجابات (پردے) لٹکے ہوئے تھے کوشش و اہتمام کے ذریعے ان کے رفع کرنے (اُٹھانے) کی گنجائش تھی اب اس کی بزرگی (جلال) اس کا حجاب ہے۔

ع　فَلَا طَبِیْبَ لَهَا وَلَا رَاقِیْ۔　(ترجمہ) نہیں طبیب کوئی اس کا اور نہ افسوں گر

شاید انھوں نے اس کمال بیگانگی اور بے مناسبتی کا وصل و اتصال نام رکھا ہے، ہائے افسوس، ہائے افسوس، (مولانا جامی رحمہ اللہ کی کتاب[2] یوسف زلیخا" کا یہ شعر (ان کے) حال کے موافق ہے ؎

در افگندہ دُف ایں آواز دوست　　کز و بر دست دَف کو بال بود پوست

(ترجمہ) آرہی ہے دَف سے وہ آواز دوست　　ہے مگر دف والے کے ہاتھوں میں پوست

شہود (مشاہدہ) کہاں ہے، اور شاہد (مشاہدہ کرنے والا) کون ہے، اور مشہود (جس کا مشاہدہ کیا جائے) کیا ہے؟

ع　خلق را روئے کے نماید او　　(ترجمہ) خلق کو دیدار کب بخشیں گے وہ

مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ (خاک کو تمام پالنے والوں کے پالنے والے کے ساتھ کیا نسبت ہے، کہاں خاک اور کہاں وہ رب الارباب)۔ یہ خاکسار اپنے آپ کو ایسا بندۂ مخلوق جانتا ہے جو کوئی قدرت نہیں رکھتا، اور اسی طرح تمام عالم کو بھی غیر قادر مخلوق جانتا ہے اور خالق و قادر حق تعالیٰ عز و جل کو جانتا ہے، اس کے سوا (اللہ تعالیٰ اور مخلوق میں) کوئی نسبت ثابت نہیں کرتا، اپنے عین یا آئینہ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ع　در کدام آئینہ در آید او　　(ترجمہ) کون سے آئینے میں سما سکتا ہے وہ)

(حاشیہ از صفحہ گذشتہ) بیس سال تک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی شاگردی کی ہے اور حضرت فضیل و حضرت ابراہیم ادہم قدس سرہما کی بھی زیارت کی ہے آپ کے پیر طریقت حضرت حبیب راعی تھے لوگوں نے آپ کی والدۂ ماجدہ سے آپ کی وفات کا حال دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ تمام رات نماز ادا کرتا تھا آخری رات میں سر سجدہ میں رکھا اور پھر نہیں اٹھایا۔

[3] آپ کے محامد بیشمار ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی موالی (لونڈی) تھیں، بچپن میں جب آپ کی والدہ صاحبہ کسی کام میں مشغول ہوتیں اور آپ رونے لگتے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کو بہلانے کیلئے اپنا پستان مبارک آپکے منہ میں دیدیا کرتی تھیں، ایک مرتبہ قدرتِ الٰہی سے حضرت ام المؤمنینؓ کے پستان سے دودھ کے چند قطرے ظاہر ہوئے جو آپ نے چوس لئے جن کی برکت سے حق تعالیٰ نے آپ کو بیشمار سعادتوں سے نوازا۔ آپ کی ولادت ۲۲ھ میں اور وفات شب جمعہ ۴ محرم ۱۱۰ھ کو بصرہ میں ہوئی۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) [1] آپ ابتدا میں مالدار آدمی تھے حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے دست حق پرست پر توبہ کی اور آپ کی صحبت کی برکت سے مستجاب الدعوات بزرگ ہو گئے آپ کے مناقب مشہور ہیں اور فضائل کتابوں میں مذکور ہیں۔ آپ کے سامنے جب قرآن مجید پڑھا جاتا تو آپ بہت روتے کسی نے پوچھا کہ آپ سمجھتے نہیں تو روتے کیوں ہیں؟ فرمایا کہ اگرچہ میری زبان عجمی ہے مگر دل عربی ہو گیا ہے۔ ۱۵۶ھ بصرہ میں وفات ہوئی (انوار الاصفیاء)

[2] مولانا روم کا ایک شعر ہے: "خشک تار و خشک چوب و خشک پوست ؛ از کجا می آید ایں آواز دوست"

اور اہلِ سنت وجماعت کے علمائے ظاہر سے اگرچہ بعض اعمال کی ادائیگی میں کوتاہی واقع ہو جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق ان کے عقائد کی درستی کا جمال اسقدر نورانیت رکھتا ہے کہ اعمال کی وہ کوتاہی وکمی اس نورانیت کے مقابلہ میں ہیچ وناچیز دکھائی دیتی ہے اور بعض ظاہری صوفیانہ طرز کے لوگ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق اسقدر درست عقیدے نہیں رکھتے لہٰذا ریاضتوں اور مجاہدوں کے باوجود اُن میں وہ جمال نہیں پایا جاتا ـــــ اور اس خاکسار کو علماء اور طلباء سے بہت محبت ہوگئی ہے، ان کی روش اچھی معلوم ہوتی ہے اور خواہش رکھتا ہوں کہ میں ان (علماء وطلباء) کے گروہ میں شامل ہو جاؤں اور (اصولِ فقہ کی مشہور کتاب) تلویح[1] کے مقدماتِ اربعہ کو (جو کہ اس کتاب کا دقیق ومشکل مقام ہے) ایک طالب علم کے ساتھ مباحثہ (تکرار) کرتا رہوں (نیز) فقہ کی کتاب ہدایہ کا بھی ذکر وتکرار کیا جاتا ہے اور معیت واحاطۂ علمی کے مسئلہ میں علماء کے ساتھ شریک رہے، اسی طرح حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو نہ عالم (کائنات) کا عین جانتا ہوں اور نہ عالم کے متصل اور نہ منفصل اور نہ عالم کے ساتھ اور نہ عالم سے جُدا اور نہ عالم کا محیط اور نہ عالم میں ساری (سرایت کرنے والا) جانتا ہوں اور (مخلوق کی) ذاتوں اور صفات وافعال کو اس کا پیدا کیا ہوا جانتا ہوں، میرا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ مخلوق کی صفتیں حق تعالیٰ کی صفتیں ہیں اور ان کے افعال حق تعالیٰ کے افعال ہیں، بلکہ مخلوق کے افعال میں حق تعالیٰ سبحانہٗ کی قدرت کو اثر انداز جانتا ہوں اور مخلوقات کی قدرت کو تاثیر میں کوئی دخل نہیں جانتا، جیسا کہ علمائے متکلمین[2] کا مذہب ہے ـــــ اور اسی طرح حق تعالیٰ کی صفاتِ سبعہ[3] (حیوٰۃ[1]، علم[2]، قدرت[3]، ارادہ[4]، سمع[5]، بصر[6]، کلام[7]) کو موجود[4] جانتا ہوں اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو صاحبِ ارادہ واختیار[5] جانتا ہوں

۱ؔ تلویح، اصولِ فقہ کی ایک بہت بڑی اور معتبر کتاب ہے جو علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کی نفیس تصنیفات میں سے ہے۔

۲ؔ علمائے متکلمین کا یہی مذہب ہے کہ بندوں کے افعالِ اختیاریہ میں حق تعالیٰ کی قدرت کو مؤثر جانتے ہیں اور جمہور معتزلہ صرف بندہ کی قدرت کو مؤثر جانتے ہیں اور بعض کا مذہب یہ ہے کہ دونوں قدرتیں مؤثر ہیں۔

۳ؔ علمائے اشاعرہ کے نزدیک حق تعالیٰ کی صفاتِ حقیقیہ ذاتیہ ازلیہ سات ہیں: حیوٰۃ، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام، اور وہ خلق وتکوین کو ارادہ وقدرت کی فروعات جانتے ہیں لیکن علمائے ماتریدیہ تکوین کو بھی صفاتِ حقیقیہ میں شمار کرتے ہیں پس علمائے ماتریدیہ کے نزدیک صفاتِ حقیقیہ آٹھ ہیں۔ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تحقیق بھی ماتریدیہ کے موافق ہے چنانچہ مبدأ و معاد (منہا ۴۱) میں فرماتے ہیں: "صحیح یہی ہے کہ قدرت اور ارادہ کے علاوہ تکوین ایک علیحدہ حقیقی صفت ہے" اس کی وضاحت یہ ہے کہ "قدرت" کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فعل وترک یعنی کسی کام کا کرنا اور اسے چھوڑ دینا دونوں باتیں صحیح ہوں اور "ارادہ" کے معنی یہ ہیں کہ قدرت کی ان دونوں جہتوں یعنی فعل اور ترک میں سے کسی ایک جہت کو مخصوص اور متعین کر لیا جائے لہٰذا اس طرح قدرت کا درجہ ارادہ کے درجہ پر مقدم ہوتا ہے اور "تکوین" جسے ہم صفاتِ حقیقیہ میں سے سمجھتے ہیں اس کا درجہ قدرت اور ارادہ کے درجوں کے بعد آتا ہے پس قدرت تو فعل (کرنے) کی جہت کو درست قرار دینے والی صفت (یعنی مصحّحِ فعل) ہے اور ارادہ فعل کی جہت کو خاص کرنے والی صفت (مخصّصِ فعل) ہے اور تکوین اسے وجود میں لانے والی ہے لہٰذا تکوین کی صفت کو مانے بغیر چارہ نہیں ہے۔ (منہ ۱۹)

۴ؔ بخلاف معتزلہ کے کہ وہ حقیقت میں وجودِ صفات کے منکر ہیں کیونکہ وہ آثارِ صفات کو عینِ ذات پر مرتب کہتے ہیں۔

۵ؔ بخلاف فلاسفہ کے کیونکہ وہ حق سبحانہٗ کو مضطر اور بے اختیار جانتے ہیں جس طرح کہ آگ اور پانی کو جلانے اور غرق کرنے میں بے اختیار جانتے ہیں۔

([illegible])

اور یقینی طور پر قدرت کے معنی صحتِ فعل و ترکِ فعل تصور کرتا ہوں[1] (میرے عقیدے کے مطابق) قدرت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اِنْ شَاءَ فَعَلَ وَاِنْ لَمْ یَشَاءْ لَمْ یَفْعَلْ (اگر چاہے تو کرے گا اور اگر نہیں چاہے تو نہ کریگا) اس لئے کہ دوسرا جملہ شرطیہ (ان لم یشاء الخ) ممتنع ہوگا۔ جیسا کہ حکما یعنی فلاسفہ اور بعض (وجودی) صوفیوں نے کہا ہے کیونکہ یہ بات ایجاب تک پہنچ جاتی ہے جو حکما (فلاسفہ) کے اصول کے موافق ہے۔ اور قضا و قدر کے مسئلہ کو علمائے اہلِ سنت و جماعت کے مطابق جانتا ہوں (برخلاف جبریہ و قدریہ کے)۔ پس مالک کو کامل اختیار ہے کہ اپنی مِلک میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور (مخلوق کی) قابلیت اور استعداد کا اس میں کچھ دخل نہیں جانتا، کیونکہ یہ عقیدہ ایجاب (اللہ تعالیٰ پر واجب ہونے) کی طرف لے جاتا ہے، حالانکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس (اسی پر دوسرے عقائد کو بھی قیاس کر لیجئے۔ چونکہ اپنے حالات کا عرض کرنا نہایت ضروری ہے اس لئے اس کے لکھنے کی گستاخی کی جرأت کی ہے۔ ع

بندہ باید کہ حدِ خود داند (ترجمہ) (چاہئے بندہ اپنی حد میں رہے)

مکتوب ۹ نہم

ان حالات کے بیان میں جو نیچے اترنے کے مقام یعنی مقامِ نزول[2] سے مناسبت رکھتے ہیں، یہ بھی اپنے پیر و مرشد محترم بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

عریضہ: یہ اس سیاہ رُو بدبخت اور بدخُو گنہگار کا عریضہ ہے جو اپنے وقت و حالت پر مغرور

---

[1] اس میں اہلِ کلام اور فلاسفہ کے مابین مختلف فیہ مسئلہ کی طرف اشارہ ہے یعنی حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی قدرت دو معنی کا احتمال رکھتی ہے ایک ایجاد اور عدمِ ایجاد اور یہ دونوں باتیں ممکن اور جائز ہیں اور اسی معنی کے لحاظ سے قدرت کو صحتِ فعل اور ترکِ فعل سے تعبیر کرتے ہیں اور اس تقدیر پر اشیاء کی ایجاد اور ان کی عدم ایجاد میں سے کوئی چیز حق تعالیٰ پر واجب نہیں ہے، اہلِ ملل و شرائع نے اسی کو اختیار کیا ہے اور دوسرے معنی ہیں اِنْ شَآءَ فَعَلَ وَاِنْ لَمْ یَشَأْ لَمْ یَفْعَلْ مع استحالۂ شرطیہ ثانیہ کے، یعنی وہ چاہے گا تو کرے گا اور اگر نہ چاہے تو نہیں کرے گا لیکن نہ چاہنا ممتنع و محال ہے پس اس سے نہ کرنے کا ممتنع ہونا بھی لازم آئے گا پس ایجادِ عالم کو چاہنا اور موجود کرنا دونوں واجب ہوئے اور اختیار نہ رہا، اور فلاسفہ اس کے قائل ہیں۔

[2] جاننا چاہیے کہ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے اس مضمون کو دفتر اول کے مکتوب ۲۲۲ میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے وہاں ملاحظہ کرنا چاہئے اور گیارہویں مکتوب میں بھی اس کو بیان فرمایا ہے۔

اور وصل و کمال پر فریفتہ شدہ ہے جس کا کام سراسر اپنے آقا کی نافرمانی ہے اور جس کا عمل سراسر عزیمت و اولیٰ کو ترک کرنا ہے، جس نے مخلوق کی نظر گاہ یعنی اپنی ظاہری حالت کو عمدہ بنایا ہوا ہے اور حق تعالیٰ کی نظر گاہ یعنی دل کو خراب و برباد کیا ہوا ہے، جس کی تمام ہمت و کوشش اپنے ظاہر کو آراستہ کرنے پر لگی ہوئی ہے اور اس کا باطن اس کے باعث ہمیشہ رسوائی میں ہے، اس کا قال اس کے حال کے بالکل برخلاف ہے اور اس کا حال اس کے اپنے خیال پر مبنی ہے، اس خواب و خیال سے کیا حاصل ہوتا ہے اور اس قال و حال سے کیا عقدہ کشائی ہوتی ہے (لہذا) بدبختی اور خسارہ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے، سرکشی اور گمراہی ہر وقت اس کے عمل میں ہے، وہ فساد و شرارت کا مبدأ اور ظلم و معصیت کا منشا (پیدا ہونے کی جگہ) ہے، غرضکہ اس کا تمام جسم عیوب اور مجموعۂ گناہ ہے، اس کی نیکیاں لعنت اور رد کرنے کے لائق ہیں اور اس کی بھلائیاں طعن اور پھینک دینے کے قابل ہیں، "رُبَّ قَارِیِٔ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُهٗ"[1] (بہت سے قرآن کریم پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن مجید اُن پر لعنت کرتا ہے) یہ حدیث اس کے حق میں معتبر گواہ ہے۔ اور "کَمْ مِنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَهٗ مِنْ صِیَامِهٖ اِلَّا الظَّمَأُ وَالْجُوْعُ"[2] (بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ جن کو سوائے بھوک اور پیاس کے روزہ سے کچھ حاصل نہیں ہوتا) یہ بھی اس کے بارے میں شاہد صادق ہے۔ پس اس شخص پر افسوس ہے جس کا حال اور مرتبہ، کمال اور درجہ اس قسم کا ہو اس کا استغفار[3] کرنا بھی دوسرے تمام گناہوں کی طرح گناہ ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ شدید گناہ ہے اور اس کا توبہ کرنا بھی دیگر تمام برائیوں و نافرمانیوں کی طرح برائی و نافرمانی ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ بدتر ہے، اور یہ مقولہ "کُلُّ مَا یَفْعَلُهُ الْقَبِیْحُ قَبِیْحٌ" (یعنی بُرا آدمی جو کچھ کرتا ہے بُرا ہی ہوتا ہے) اس بات کا مصداق ہے۔

ع زگندم جَوْ زجو گندم نیابد (ترجمہ) ع نہ جو گندم سے اُگتے ہیں نہ گندم جو سے اُگتی ہے

اس کا مرض ذاتی ہے جو علاج کو قبول نہیں کرتا اور اس کی بیماری جبلی ہے جو دوا کو قبول نہیں کرتی، جو چیز کسی کی ذات میں داخل ہو یعنی ذاتی ہو وہ اس کی ذات سے کبھی زائل نہیں ہوتی۔

ع سیاہی از حبشی کَے رود کہ خود رنگ است (ترجمہ) ع نہیں جاتی ہر حبشی کی سیاہی کیونکہ فطری ہے

---

[1] یہ ایک حدیث ہے جس کو امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں حضرت انس رضؓ کی روایت سے ذکر کیا ہے اور تخریج احیاء کرنے والے سب حضرات نے اس پر سکوت فرمایا ہے — [2] رواہ ابن ماجہ و نسائی بتغیر الفاظ۔

[3] کسی عارف نے کہا ہے کہ استغفار نا یحتاج الیٰ استغفار کثیر۔ ع ہست استغفارِ ما محتاج استغفارِ ما۔

ع سبحہ در کف توبہ بر لب دل پُر از ذوقِ گناہ معصیت را خندہ می آید بر استغفارِ ما

کیا کر سکتا ہوں۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (سورۂ نحل آیت ۳۳) (ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں)۔ ہاں خیر محض کے لئے شرِ محض بھی ہونا چاہئے تاکہ خیر (بھلائی و نیکی) کی حقیقت واضح ہو جائے۔ "وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ" (اور چیزیں اپنی ضدوں یعنی بالمقابل چیزوں ہی سے پہچانی جاتی ہیں)۔ خیر و کمال موجود تھا لہٰذا اس کے بالمقابل شر و نقص بھی ہونا چاہئے تھا حُسن و جمال کو (اپنے اظہار کے لئے) آئینہ کی ضرورت ہوتی ہے اور آئینہ چیز کے مقابل ہی ہوتا ہے پس لازمی طور پر خیر کے لئے شر اور کمال کے لئے نقص بمنزلہ آئینہ کے ہے، لہٰذا جس چیز میں نقص و شر زیادہ ہوگا خیر و کمال بھی اسی قدر زیادہ نمایاں ہوگا۔

دیدِ نقص کی فضیلت

عجیب معاملہ ہے کہ اس ذم (برائی) نے مدح (تعریف) کے معنی پیدا کر لئے اور یہ شرارت و نقصان، خیر و کمال کا محل و مقام بن گیا، پس لازمی طور پر عبدیت کا مقام تمام مقامات سے بلند ہوگا اس لئے کہ یہ معنی یعنی اپنے نقص کو دیکھنا مقام عبدیت میں نہایت کامل اور مکمل طور پر پائے جاتے ہیں (لہٰذا) محبوبوں کو اس مقام سے مشرف فرماتے ہیں اور محبین (محبت کرنے والے) ذوقِ شہود کے ساتھ لذت حاصل کرتے ہیں، بندگی میں لذت حاصل کرنا اور اس کے ساتھ اُنس اختیار کرنا محبوبوں کے ساتھ مخصوص ہے، مُحبّوں کا اُنس محبوب کے مشاہدہ میں ہے اور محبوبوں کا اُنس[1] محبوب کی بندگی میں ہے اسی اُنس (یعنی بندگی) میں ان کو اس (دیدِ نقص کی) دولت کا شرف بخشتے اور اس نعمت کے ساتھ سرفراز کرتے ہیں۔ اس میدان کے یکتا شہسوار، دین و دنیا کے سردار اور اولین و آخرین کے آقا حبیب رب العالمین ہیں علیہ من الصلوات اتمہا و من التحیات اکملہا (آپ پر کامل ترین درود اور اکمل ترین سلام ہوں)۔ اور (کارکنانِ قضا و قدر) جس کو محض فضل و کرم سے (نقصِ اعمال کے دیکھنے کی) یہ دولت عطا فرمانا چاہتے ہیں اس کو آنسرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمال درجہ کی متابعت نصیب فرما دیتے ہیں اور اس متابعت کے وسیلے سے اس کو بلند مقامات کی دہلیز پر لے جاتے ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (سورۂ جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل و کرم والا ہے)۔

شر اور نقص کے کمال سے مراد[2] سالک کا علم ذوقی ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ شخص شرارت و نقص سے

---

[1] اُنس بالضم کسی چیز کے ساتھ آرام پکڑنا — [2] یہ ایک سوال کا جواب ہے جو کہ پہلے بیان سے پیدا ہوتا ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ صوفی جب بے حد فضائل اور بے شمار بزرگیوں سے متصف ہو جاتا ہے تو پھر وہ کمال درجہ کے شر و نقص سے کیسے متصف ہو سکتا ہے اس کا جواب حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے فرمان سے ظاہر ہے۔

متصف ہو، اس علم والا شخص اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے اخلاق سے متخلق ہوتا ہے، (دیدِ نقص کا) یہ علم بھی اسی تخلق باخلاق اللہ ہی کا ثمرہ ہے، شرارت و نقص کی اس مقام میں سوائے اس کے اور کوئی گنجائش نہیں ہے کہ علم اس کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، یہ علم شہودِ تام (کامل مشاہدہ) کے واسطے سے خیر محض (سراسر بھلائی) ہے، اس خیر (بھلائی) کے پہلو میں تمام چیزیں شر نظر آتی ہیں، یہ کیفیت نفسِ مطمئنہ کے اپنے مقام میں نزول کر لینے کے بعد ہے۔

جبتک[1] سالک اس طرح سے اپنے آپ کو زمین پر نہ ڈالے اور (اپنے نفس کی فنائیت کے) کام کو اس درجہ تک نہ پہنچائے اپنے مولائے کریم جلّ شانہٗ کے کمالات سے بے نصیب رہتا ہے پس وہ شخص کس طرح بے نصیب نہیں ہوگا جو اپنے آپ کو عین مولا و آقا جانتا ہے اور اپنی صفات کو حق تعالیٰ شانہٗ کی صفات سمجھتا ہے، تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت ہی اعلیٰ و ارفع ہے) ایسا خیال کرنا اسما، وصفات میں الحاد و زندقہ ہے، اس عقیدے والے لوگ اس گروہ میں شامل ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِہٖ اعراف آیت ۱۸۰ (ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اللہ تعالیٰ کے اسما میں الحاد کرتے ہیں)

یہ بات ضروری نہیں ہے کہ ہر وہ شخص جس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہو وہ ضرور محبوبین میں سے ہے لیکن محبوبیت میں جذبہ کا مقدم ہونا شرط ہے ہاں البتہ ہر جذبہ میں محبوبیت کے ایک قسم کے معنی پائے جاتے ہیں کہ جس کے بغیر جذب حاصل نہیں ہوتا اور محبوبیت کے وہ معنی کسی عوارض سے پیدا ہوتے ہیں ذاتی نہیں ہیں، اور محبوبیت کے ذاتی معنی اشیا میں سے کسی شئے کے ساتھ معلّل نہیں ہیں (یعنی محبوبیتِ ذاتیہ کسی علّت اور سبب کے بغیر حاصل ہوتی ہے) جیسا کہ ہر منتہی کو آخر جذبہ حاصل ہے لیکن وہ مُحبّوں کے گروہ میں داخل ہے (محبوبین کے گروہ میں داخل نہیں ہے) اور کسی عارض کے تعلق سے اس میں محبوبیت کے معنی پیدا ہو گئے ہیں (ذاتی نہیں ہیں) اور اس قسم کی محبوبیت جو کسی عارض کی وجہ سے حاصل ہوئی ہو سالک کے مطلقاً محبوبین میں سے ہونے کے لئے کافی نہیں ہے، اور وہ عارض تصفیہ اور تزکیہ ہے۔ اور بعض مبتدیوں میں آنسرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع مجمل طور پر اس معنی کے حصول کا سبب ہے خواہ وہ اتباع بعض امور میں ہی ہو بلکہ منتہی میں بھی (اس کے حصول کا باعث) اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے اور بس، اور محبوبین میں بھی اُس محبوبیتِ ذاتیہ کے معنی کا ظہور فضلِ ربی ہونے کے باوجود آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] اس کا خلاصۂ مقصد یہ ہے کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ اپنے عدم ہونے کی حقیقتِ ممکنہ کو جو کہ شرارت و نقص کا مبدا ہے اور خیر و کمال سے محض خالی ہے پہچانے تاکہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے کمال کو پہچان لے کہ وہ ہر لحاظ سے سراسر خیر و کمال ہے جیسا کہ عارفوں نے کہا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ (جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)۔

اتباع ہی سے وابستہ ہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہ معنیٰ ذاتی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مناسبتِ ذاتیہ کے واسطہ سے ہیں اور (اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے) جو اسم اس سالک کا رب (تربیت کرنے والا) ہے اس خصوصیت کے حق میں اُس اسم الٰہی کے مناسب واقع ہوا ہے جو کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے اور اس نے یہ سعادت وہیں سے حاصل کی ہے، وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَیْہِ الْمَرْجِعُ وَالْمَاٰبُ، وَاللّٰہُ یُحِقُّ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلُ (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی حق بات کو جانتا ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے، اور اللہ تعالیٰ حق بات کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے)۔

مکتوب ۱۰

غیر مشہور معانی کے لحاظ سے قُرب و بُعد اور فرق و وصل کے حصول کے بارے میں اور اُن کے بعض مناسب علوم میں — یہ بھی اپنے محترم پیر و مرشد کی خدمت میں تحریر کیا۔

عریضہ: حضور کا کمترین خادم عرض کرتا ہے کہ کافی عرصہ سے اس بلند بارگاہ کے خادموں کے حالات سے اس خادم کو اطلاع موصول نہیں ہوئی، ہر وقت انتظار ہے ؎

عجبے نیست اگر زندہ شود جانِ عزیز — چوں ازآں یارِ جُدا ماندہ پیامے برسد

کیا عجب ہے کہ مری جاں کو ملے تازہ حیات — اگر اس دُور کے محبوب کا آجائے پیام

یہ خادم جانتا ہے کہ یہ آپ کی بارگاہ کے لائق نہیں ہے، ؏

ایں بسکہ رسد زدور بانگِ جرسم — (ترجمہ) یہی کافی ہے کہ آتی ہے جرس کی آواز

عجیب معاملہ ہے کہ انتہائی بُعد کو قُرب کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور نہایت فراق کو وصل کہتے ہیں، گویا کہ درحقیقت اس کے ضمن میں ان حضرات نے قرب و وصال کی نفی کی طرف اشارہ کیا ہے، شعر

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَدُوْنَھَا — قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَھُنَّ حُیُوْفُ

کس طرح پہنچوں میں اپنے یار تک — راہ میں حائل ہیں کوہ و غار تک

لہٰذا ناچار ہمیشہ کا غم اور دائمی فکر لاحق رہتا ہے، مُراد کو بھی آخر کار مرید کے ارادہ کے ساتھ مرید ہو جانا چاہئے اور محبوب کو محب کی محبت کے ساتھ محب بن جانا چاہئے۔ دین و دنیا کے سردار آنحضرت علیہ من الصلوات اکملہا

ومن التحیات افضلہا (آپ پر کامل ترین صلوات اور افضل ترین تحیات ہوں) مُرادیّت و محبوبیت کے مقام پر فائز ہونے کے باوجود محبین و مریدین میں سے ہوئے ہیں، اسی لئے راویانِ حدیث نے آپؐ کے حال کے متعلق اس طرح خبر دی ہے کہ کَانَ[1] رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلُ الْحُزْنِ دَآئِمُ الْفِکْرِ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ غم و فکر کے آثار چھائے رہتے تھے) ——— اور آنسرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ[2] مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ (یعنی جتنی ایذا مجھ کو دی گئی ہے اس کی مثل ایذا کسی نبی کو نہیں دی گئی) ——— مُحب[3] (محبت کرنے والے حضرات) محبت کے بوجھ کو اٹھا سکتے ہیں محبوبوں کو اس بوجھ کا اٹھانا دشوار ہے۔

اس قصہ کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ع

قِصَّۃُ الْعِشْقِ لَا انْفِصَامَ لَہَا　(ترجمہ) نہیں ہے انتہائے قصۂ عشق

حامل عریضۂ ہٰذا شیخ اللہ بخش ایک قسم کا جذب و محبت رکھتا ہے اس نے اصرار کر کے چند کلمات حضور کے خادموں کی طرف لکھوائے ہیں غرضکہ حضور کی خدمت میں حاضری کا شوق ظاہر کر کے ان حدود کی طرف متوجہ (یعنی روانہ) ہوا ہے۔ پہلے اس نے اپنے بعض ارادوں کا اظہار کیا جب اس خاکسار کی طرف سے عدم دلچسپی محسوس کی تو صرف ملاقات پر راضی ہو کر یہ چند کلمات لکھوائے ہیں، زیادہ (عرض کرنے کی) گستاخی ادب کے خلاف ہے۔

مکتوب ۱۱ یازدہم

بعض مکاشفات اور اپنے قصور کی دید اور تمام اعمال و اقوال میں اپنے آپ کو تہمت زدہ قرار دینے کا مقام حاصل ہونے اور شیخ ابو سعید ابو الخیر[4] (قدس سرہ) کے اس کلام کا سِرّ (بھید) ظاہر ہونے کے بیان میں جو انھوں نے فرمایا ہے کہ "جب عین نہیں رہتا تو اثر کہاں رہتا ہے" اور بعض احبابِ سلسلہ کے حالات کے بیان میں، یہ بھی اپنے محترم پیر و مرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

عریضہ: آپ کے کمترین خادم، احمد کی گذارش یہ ہے کہ جس مقام میں پہلے اپنے آپ کو دیکھا تھا

---

[1] رواہ الترمذی فی شمائلہ والبیہقی فی شعب و دلائلہ والطبرانی فی کبیر و ابن عساکر ——— [2] رواہ ابن عدی و ابن عساکر از جابر رضی اللہ عنہ ولفظہ مَا اُوْذِیَ اَحَدٌ مَا اُوْذِیْتُ ورواہ احمد و ترمذی، و ابن حبان عن انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً بلفظ لَقَدْ اُوْذِیْتُ فِی اللّٰہِ وَمَا یُوْذٰی اَحَدٌ وَاُخِفْتُ فِی اللّٰہِ وَمَا یَخَافُ اَحَدٌ ——— [3] یعنی آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم باوصف محبوب و مراد ہونے کے چونکہ محب بھی ہیں اسی لئے یہ متواتر غم و فکر میں رہنے کی تکلیف برداشت کرنا محب ہونے کی حیثیت سے تھا نہ کہ محبوبیت ہونے کی حیثیت سے ——— [4] آپ کا نام فضل اللہ بن ابو الخیر ہے۔ آپ کے پیرِ طریقت شیخ فضل اللہ بن حسن سرخسی ہیں۔ اپنے وقت کے تمام مشائخ آپ کے گرویدہ تھے۔ آپ کی رباعیات بہت مشہور ہیں۔ غزنی میں ۳۵۷ھ میں ولادت ہوئی اور بوقت عشا بروز جمعہ ۴ شعبان ۴۴۰ھ میں وفات پائی۔ (نفحات)

جب حضور کے ارشادِ گرامی کے مطابق پھر اس کو ملاحظہ کیا تو خلفائے ثلاثہ (یعنی حضرتِ صدیقِ اکبر و حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا گذر اس مقام میں نظر آیا لیکن چونکہ یہ خادم اس مقام میں اقامت و قرار نہیں رکھتا تھا اس لئے پہلی دفعہ میں (یہ حضرات) نظر نہ آئے، جیسا کہ ائمہ اہلِ بیت میں سے حضرات امام حسن، امام حسین اور امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے علاوہ دوسرے ائمہ اس مقام میں قرار و ثبات نہیں رکھتے لیکن ان کا گذر اس مقام میں واقع ہوا ہے جس کو بڑی دقیق نظر سے معلوم کیا جا سکتا ہے ــــــ اور یہ جو اپنے آپ کو اول اس مقام کے نامناسب دیکھتا تھا تو یہ بے مناسبتی دو قسم کی ہے: ایک یہ کہ طریقوں میں سے کسی طریقے کے ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے بے مناسبتی طاری ہو جاتی ہے اور جب اس کو راستہ دکھا دیا جاتا ہے تو وہ بے مناسبتی دور ہو جاتی ہے، اور دوسری بے مناسبتی مطلق ہے جو کسی طرح بھی زائل ہونے کے قابل نہیں ہے ــــــ اور جو راستے کہ اس مقام تک پہنچانے والے ہیں وہ صرف دو ہیں ان کے علاوہ تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے یعنی ان دو[1] راستوں کے علاوہ کوئی اور راستہ ظاہر نہیں ہوتا۔ ایک یہ ہے کہ اپنے نقص و قصور کو دیکھے اور قوتِ جذب حاصل ہونے کے باوجود تمام نیک کاموں میں اپنی نیتوں کو تہمت زدہ خیال کرے، دوسرے کسی کامل مکمل صاحبِ جذب شیخ کی صحبت حاصل کرنا جس نے سلوک کو پورا کیا ہو۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے حضور والا کی عنایت کے طفیل میں پہلا راستہ استعداد کے مطابق عنایت فرمایا ہے اس خادم سے جو نیک عمل بھی وقوع میں آتا ہے اس عمل میں اپنے آپ کو تہمت زدہ تصور کرتا ہوں بلکہ جبتک اپنے اوپر چند قسم کی تہمتیں نہ لگاؤں بے آرام اور بے چین رہتا ہوں، اپنے متعلق ایسا سمجھتا ہوں کہ مجھ سے کوئی عمل ایسا واقع نہیں ہوتا جو کہ دائیں طرف کے فرشتوں (کاتبین کرام) کے لکھنے کے قابل ہو اور جانتا ہوں کہ میرا دائیں طرف کا اعمال نامہ نیک عملوں سے خالی ہے اور اس کے لکھنے والے فرشتے بیکار اور فارغ ہیں، میرے وہ اعمال بارگاہِ حق جل و علا (میں پیش ہونے) کے لائق کب ہو سکتے ہیں اور ہر اس شخص کو جو دنیا میں ہے خواہ وہ کافر فرنگ[2]

بہترین عمل

[1] اس میں اشارہ ہے کہ دو ہی راستے ہونا میں حصر استقرائی ہے حقیقی نہیں ہے۔

[2] یہ قول اس بزرگ کے قول کے موافق ہے جو فرماتے ہیں کہ جبتک صوفی اپنے آپ کو فرنگی کافر سے برا نہ جانے وہ فرنگی کافر سے بھی زیادہ برا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات کس طرح صحیح ہو سکتی ہے جبکہ صوفی مومن تو ضرور ہے اور کبھی عالم و پرہیزگار بھی ہوتا ہے اور ہوش و حواس کی حالت میں اپنے اوصاف و اعراض کا علم بھی رکھتا ہے اور ایک ہی نوع کے افراد میں سے ایک فرد کو دوسرے فرد پر انہی اوصاف و اعراض کی وجہ سے فضیلت ہوتی ہے نہ کہ ذات و حقیقت کی وجہ سے۔ پس جب صوفی یہ جانتا ہے کہ کافر فرنگ کفر و معاصی کے ساتھ متصف ہے (باقی بر صفحۂ آئندہ)

اور زندیق ملحد ہی کیوں نہ ہو اپنے سے کئی درجے بہتر جانتا ہوں اور اپنے آپ کو اُن سب سے بدتر خیال کرتا ہوں اور جذبہ کی جہت اگرچہ سیر الی اللہ کے تمام ہونے کے ساتھ پوری ہو گئی تھی لیکن اس کے بعض لوازمات و متعلقات رہ گئے تھے جو کہ اس فنا کے ضمن میں جو مقامِ سیر الی اللہ کے مرکز میں واقع ہوئی تھی پورے ہو گئے، اور اس فنا کے حالات اس خادم نے پہلے عریضے میں تفصیل کے ساتھ لکھ دیئے ہیں۔ اور حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے جو اس کام کی نہایت کو فنا کہا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ وہی فنا ہو جو تجلیٔ ذات سیر فی اللہ کے تحقق (حقیقی حصول) کے بعد متحقق ہوئی ہو، اور فنائے[1] ارادہ بھی اسی فنا کی ایک شاخ (قسم) ہے۔ ؎

ہیچ کس[2] را تا نہ گردد او فنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا

(ترجمہ) ہو نہ کوئی شخص جبتک حُبِّ مولا میں فنا پا نہیں سکتا وہ راہِ بارگاہِ کبریا

اس مقام کے نامناسب لوگ بھی، جو کہ دو گروہ ہیں نظر میں ہیں: ایک گروہ اس مقام کی طرف متوجہ ہے اور اُس تک پہنچنے کا راستہ تلاش کر رہا ہے، اور دوسرا گروہ اس مقام کی طرف کوئی التفات و توجہ نہیں رکھتا اور حضور والا کی توجہ اس مقام تک پہنچنے کے (دونوں) راستوں میں سے دوسرے راستہ (یعنی شیخ کامل و مکمل مجذوب سالک کی صحبت) کی طرف زیادہ ظاہر ہوتی ہے اور اسی راستے کے ساتھ مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ اس خادم کو حضور والا کی جانب سے (عرضِ احوال کا) حکم دیا گیا تھا اس لئے تعمیلِ ارشاد کے لئے بعض امور کے

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) اور وہ صوفی جو خود ایمان و دیگر فضائل کے ساتھ متصف ہے تو وہ اپنے آپ کو کافرِ فرنگ سے زیادہ بُرا کس طرح سمجھے گا اور اگر تکلف کے ساتھ ایسا سمجھے گا تو وہ ان فضائل کو ان رذائل سے برا جاننے والا ہو گا اور اس عقیدہ کی برائی و فساد شرعاً و عقلاً ظاہر ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس اشکال کے جواب کی تحقیق اس بات کے جاننے پر موقوف ہے کہ حضراتِ مجددیہ قدس سرہم کے نزدیک حقائق ممکنات، اعدام اضافیہ و ظلالِ صفاتِ حقیقیہ سے مرکب ہے۔ یعنی اِن اعدام نے علمِ الٰہی میں اسماء و صفات کے تقابل کی بِنا پر ایک ثبوت پیدا کر لیا ہے اور انوار و صفات کے آئینے ہو کر جہاں (جہان) کے مبادیٔ تعینات ہو گئے ہیں اور خارجِ ظلّی میں جو کہ خارجِ حقیقی کا ظل ہے صنعتِ خداوندی سے وجودِ ظلّی کے ساتھ موجود ہو گئے ہیں۔ اور اس ترکیب کی بنا پر خیر و شر کے آثار کا مصدر ہو گئے ہیں، عدم ذاتی کی جہت سے شر کا کسب کرتے ہیں اور وجودِ ظلّی کی جہت سے خیر کا کسب کرتے ہیں پس صوفی کی نظر شریفہ و خسیسہ مظاہر پر وجود کی جہت سے پڑتی ہے جو کہ ان مظاہر میں ہے اور خیر کا مصدر ہے اور جب اپنے اندر نگاہ کرتا ہے تو اس کی نگاہ عدم کی جہت پر پڑے گی جو اس کی ذاتی ہے اور شرارت کا منشا ہے اور وہ اپنے آپ کو ہر خیر و کمال سے مطلقاً خالی دیکھے گا اور عارتی خیر و کمال کو جو کہ اس نے وجود کی جہت سے کسب کیا ہے اپنی ملکیت سے نہیں پائے گا مجبوراً اپنے آپ کو کافرِ فرنگ اور دیگر خسیس چیزوں سے بھی بدتر سمجھے گا۔

(منقول از مکتوب نہم از مکاتیب حضرت مظہر جان جاناں قدس سرہ باختصار یسیر)

(حاشیہ صفحۂ ھذا) [1] فنائے ارادہ سے مراد یہ ہے کہ اپنے ارادہ کو حق تعالیٰ شانہ کے ارادہ میں فنا و گم کر دے۔

[2] اس مضمون کا عربی شعر بھی ہے ؎ ومن لم یکن فی حب مولاہ فانیا ٭ فلیس لہ فی کبریاہ سبیل،

لکھنے میں جرأت و گستاخی کی ہے ورنہ ع

من ہماں احمدِ پارینہ کہ ہستم ہستم (ترجمہ) میں وہی احمد ہوں خادم ہوں پرانا آپ کا

دوسری عرض یہ ہے کہ اس مقام کے دوسری مرتبہ ملاحظہ کے وقت دوسرے مقام ایک دوسرے کے اوپر ظاہر ہوئے (جن میں سے بعض بعض کے اوپر تھے) نیازمندی اور عاجزی سے توجہ کرنے کے بعد جب اس خادم کو اس پہلے مقام سے اوپر کے مقام میں رسائی حاصل ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت ذی النورین (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) کا مقام ہے اور دوسرے خلفا کو بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے اور یہ مقام بھی تکمیل و ارشاد کا مقام ہے اور اسی طرح سے اس مقام کے اوپر کے دو مقام بھی جن کا اب ذکر کیا جاتا ہے تکمیل و ارشاد کے مقام ہیں (یعنی) اور اس مقام کے اوپر ایک اور مقام نظر آیا جب اس مقام میں رسائی حاصل ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت فاروقِ اعظم (حضرت عمر) رضی اللہ عنہ کا مقام ہے اور دوسرے خلفا کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے اور اس مقام کے اوپر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام ظاہر ہوا اور اس خادم کو اس مقام میں بھی (عبور کے طور پر) رسائی حاصل ہوئی اور اپنے مشائخ (یعنی اپنے سلسلہ کے بزرگوں) میں سے حضرت خواجۂ نقشبند (خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری) قدس سرہ الاقدس کو ہر مقام میں اپنے[۱] ہمراہ پاتا تھا، اور دوسرے خلفاء کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے اور ان مقامات میں رسائی حاصل کرنے کے بارے میں دوسروں میں اور صاحبِ مقام میں) فرق، عبور و مقام اور مرور و ثبات کا ہے (یعنی صاحبِ مقام کو اس جگہ اقامت و قرار حاصل ہے اور دوسروں کو صرف عبور و مرور حاصل ہے) اور اُس مقام (یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام) کے اوپر آنحضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام کے علاوہ اور کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام کے برابر میں ایک نہایت عمدہ نورانی مقام ظاہر ہوا جس کی مانند کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا اور وہ مقام اس مقام سے قدرے بلندی پر تھا، جیسا کہ چبوترہ کو سطح زمین سے کچھ اونچا بناتے ہیں اور معلوم ہوا کہ یہ مقام محبوبیت کا مقام ہے اور وہ مقام رنگین اور نقش و نگار والا تھا۔ اس خادم نے اپنے آپ کو بھی اس مقام کے پرتو[۲] سے رنگین و منقش محسوس کیا، اس کے بعد اس کی کیفیت میں اپنے آپ کو

مقاماتِ خلفاء میں عبور

مقام محبوبیت:

---

[۱] یعنی جس طرح کہ باپ اپنے بیٹے کے ساتھ اور شیخ اپنے مرید کے ساتھ اور استاد اپنے شاگرد کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس سمجھ لیجئے اور کسی دوسرے شبہ میں پڑ کر غلطی کا مرتکب نہ ہو جائیے ——— [۲] اس میں حضرت مجدد قدس سرہ نے ایک مشہور شبۂ اعتراض کا ازالہ فرمایا ہے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ میں اس مقام سے اپنے آپ کو رنگین پاتا ہوں بلکہ یہ فرمایا کہ اس مقام کے انعکاس و پرتو سے اپنے آپ کو رنگین محسوس کرتا ہوں، اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ اس مقام میں داخل ہوا ہوں (باقی بر صفحۂ آئندہ)

لطیف پایا اور ہوا کی مانند یا بادل کے ٹکڑے کی طرح چاروں طرف افق میں پھیل گیا اور بعض اطراف میں چھا گیا اور حضرت خواجۂ بزرگ (حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام میں ہیں اور یہ خادم اپنے آپ کو اس کیفیت کے ساتھ جو کہ عرض کی گئی ہے (یعنی اپنے آپ کو رنگین اور منقش و لطیف ہوا یا بادل کے ٹکڑے کی طرح منتشر پایا) اس مقام کے برابر و مقابل کے مقام میں پاتا ہے۔

ایک اور عرض یہ ہے کہ اس عمل یعنی ارشاد و تبلیغ میں مشغول ہونے کو ترک کرنا پسندیدہ نظر نہیں آتا اور کیسے پسندیدہ ہو سکتا ہے جبکہ حالت یہ ہے کہ دنیا گمراہی کے بھنور میں غرق ہو رہی ہے اور جو شخص اپنے اندر اس بھنور سے اُن کو نکالنے کی طاقت پاتا ہے وہ اپنے آپ کو کس طرح معاف و معذور سمجھ سکتا ہے، اگرچہ اس کو دوسرے کام بھی درپیش ہوں پھر بھی (ارشاد کے) اس کام میں مشغول ہونا ضروری اور پسندیدہ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ بعض خطرات و خواہشات جو اس عمل کے دوران ظاہر ہوتی رہیں ان سے استغفار کرنا اپنے اوپر ضروری سمجھا جائے، اسی شرط سے (اللہ تعالیٰ کی) رضا میں داخل ہو جائے گا، اس شرط کا لحاظ کئے بغیر (اللہ تعالیٰ کی) رضا میں داخل نہیں ہو سکتا اور نیچے ہی ٹھہرا رہتا ہے، لیکن حضرت خواجہ نقشبند اور حضرت خواجہ علاؤالدین عطار قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما (اللہ تعالیٰ ان کے اسرار کو پاکیزہ بنائے) کے بارے میں اس شرط کا لحاظ کئے بغیر ہی یہ عمل پسندیدہ ہے، اس کمترین خادم کا یہ عمل اس شرط کا لحاظ کئے بغیر کبھی (اللہ تعالیٰ کی) رضا میں داخل ہے اور کبھی اس سے نیچے ہی ٹھہرا رہتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) بلکہ فرمایا کہ اس مقام سے رنگین و منقش ہوا ہوں، اور وصولِ مقام میں اور مقام کے پرتو سے رنگین ہونے میں بہت فرق ہے۔ اور اس قول کی اور بھی توجیہات ہیں جیسا کہ خود حضرت مجدد قدس سرہٗ نے جلد اول مکتوب ۲۰۲ میں فرمایا ہے "کہ وہ شخص جو اپنے آپ کو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل جانے اس کا حکم دو حال سے خالی نہیں یا وہ زندیق محض ہے یا جاہل صرف۔ .... وہ شخص جو حضرت امیر (علی) رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل کہے اہلِ سنت و جماعت کے گروہ سے نکل جاتا ہے تو پھر اس شخص کا کیا حال کہ جو اپنے آپ کو (ان حضرات سے) افضل جانے۔ اور اس گروہ (صوفیا) میں یہ بات مقرر ہے کہ اگر کوئی سالک اپنے آپ کو خسیس (خارش زدہ) کتے سے بہتر جانے تو وہ ان بزرگوں کے کمالات سے محروم ہے ـــــ سلف کا اجماع اس پر منعقد ہو چکا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام انسانوں سے افضل ہیں۔ وہ بڑا ہی احمق ہے جو اس اجماع کے برخلاف کرے" ـــــ نیز اس اشکال کے حل کے لئے مکتوب ۲۰۸ دفتر اول مطالعہ کرنا چاہئے۔ مزید حضرت مجددؒ نے اشکال مذکور کا جواب صراحت کے ساتھ دفتر اول مکتوب ۲۲۰، اور ۲۹۲ میں بھی تحریر فرمایا ہے۔

یہ وہی مکتوب شریف ہے جس کی بنا پر حضرت مجددؒ کے خلاف جہانگیر بادشاہ کو بھڑکایا گیا تھا، اور اُس نے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا تھا۔

دیگر عرض یہ ہے کہ نفحات میں حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ کے ملفوظات میں آیا ہے کہ "عین نمی ماند اثر کجا ماند" (جب عین (ذات) ہی نہیں رہتا تو اثر (صفت) کہاں رہے گا)۔ "لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ" (مدثر آیت ۲۸) "یعنی عشق کی آگ نہ باقی چھوڑتی ہے اور نہ ہی ہاتھ روکتی ہے (یعنی نہ ذات وصفات باقی رہنے دیتی ہے اور نہ پیچھا ہی چھوڑتی ہے)۔

یہ بات شروع میں مشکل معلوم ہوتی تھی کیونکہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور ان کے متبعین کا نظریہ یہ ہے کہ عین (ذات) جو کہ اللہ تعالیٰ کے معلومات میں سے ایک معلوم ہے اس کا زائل ہونا محال ہے ورنہ علم جہالت سے بدل جائے گا اور جب عین زائل نہیں ہوتا تو اثر بھی کہیں نہیں جاتا"۔ اور اسی طرح ذہن میں یہ بات پختہ ہو چکی تھی۔ اور حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہ العزیز کی بات کسی طرح حل نہیں ہوتی تھی، پوری طرح توجہ کرنے کے بعد حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس بات کا راز ظاہر فرما دیا اور یہ بات تحقیق کو پہنچ گئی کہ "نہ عین باقی رہتا ہے نہ اثر" اور اپنے اندر بھی اس بات کی حقیقت[۵۱] وکیفیت کو معلوم کر لیا اور کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔ اور اس معرفت کا مقام بھی نظر آ گیا جو کہ اس مقام کے اوپر بہت ہی بلند ہے جس کو کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ اور ان کے تابعداروں نے بیان فرمایا ہے اور دونوں نظریے (بحثیں، یعنی میرا اور حضرت شیخ محی الدینؒ کا قول) ایک دوسرے کے ہرگز خلاف نہیں ہیں، ایک بحث کسی ایک مقام سے ہے اور دوسری بحث کسی دوسرے مقام سے ہے۔ زیادہ تفصیل سے عرض کرنا طول کلامی اور رنج کا باعث ہے۔[۵۲]

ابن عربیؒ اور حضرت مجددؒ کا نظریہ متضاد نہیں

اور نیز جو کچھ حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر قدس سرہ نے اس حدیث (یعنی تجلیٔ ذاتی برقی) کے دائمی ہونے کے متعلق فرمایا ہے وہ بھی ظاہر ہو گیا کہ حدیث سے کیا مراد ہے اور اس کا دوام کیا ہے اور اس خادم نے اپنے آپ میں بھی اس حدیث کو دائمی پایا اگرچہ یہ نوادرات[۵۳] میں سے ہے۔

ایک اور عرض یہ ہے کہ ہر کتاب کا مطالعہ کرنا بالکل اچھا نہیں معلوم ہوتا البتہ جس کتاب میں ان بزرگوں کے کمالات وبلند مراتب کا ذکر درج ہے جو کہ مقامات میں واقع ہوئے ہیں اس کتاب کا مطالعہ اچھا معلوم ہوتا ہے تاکہ اس قسم کی کوئی چیز دیکھی جائے۔ اور متقدمین مشائخ کے حالات بہت پسند آتے ہیں حقائق اور معارف کی کتابیں خاص طور پر توحید وجودی اور تنزلاتِ[۵۴] مراتب کا مطالعہ نہیں کر سکتا، یہ خادم اپنے آپ کو

---

۵۱ یعنی خود بھی قال سے حال کے ساتھ علم الیقین سے عین الیقین کے ساتھ متصف ہو گیا ہوں ——— ۵۲ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۱ و ۲۷ ——— ۵۳ یعنی اس سے صرف اخص الخواص اولیاء کرام کو مشرف کرتے ہیں ——— ۵۴ تنزلاتِ مراتب، جن کو تنزلاتِ خمسہ، حضراتِ خمسہ اور تعیناتِ خمسہ بھی کہتے ہیں تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو دفتر دوم مکتوب اول۔

اس بارے میں حضرت شیخ علاؤ الدولہ قدس سرہ کے ساتھ زیادہ مناسبت پاتا ہے اور ذوق وحال میں اس شیخ موصوف (شیخ علاؤ الدولہؒ) کے ساتھ متفق ہے، لیکن (توحید وجودی والوں کے موافق) جو معرفت پہلے حاصل ہو چکی ہے وہ اس کے انکار اور شدت تک نہیں آنے دیتی۔

دیگر عرض یہ ہے کہ کئی مرتبہ بعض امراض کے دور کرنے کے لئے توجہ کی گئی اور اس کا اثر بھی ظاہر ہوا اور اسی طرح بعض مُردوں کے حالات جو عالمِ برزخ سے ظاہر ہوئے تھے ان کے رنجوں اور تکالیف کے دور کرنے کے لئے بھی توجہ کی گئی لیکن اب اس خادم میں اس توجہ پر قدرت نہیں رہی کیونکہ اب (بوجہ حق تعالیٰ شانہٗ میں نہایت مستغرق رہنے کے) اپنے آپ کو کسی چیز پر جمع نہیں کرسکتا ہوں۔ (یعنی غیرِ حق جل شانہٗ کی طرف توجہ کرنے کی طاقت اب اس فقیر میں نہیں رہی ہے)۔

بعض تکلیفیں لوگوں کی طرف سے اس فقیر پر گذریں اور انھوں نے بہت ظلم وستم کئے اور فقیر سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگوں کو ناحق طور پر ان لوگوں نے برباد اور جلاوطن کردیا، اس فقیر کے دل پر ان کے حق میں کسی قسم کا غبار اور رنج بالکل نہیں آیا، ان کےساتھ برائی کرنے کا خیال دل میں گذرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بعض دوستوں کے حالات

جن بعض دوستوں نے مقامِ جذبہ (سیرِ انفسی) کا مشاہدہ ومعرفت حاصل کرلی ہے اور ابھی تک سلوک کی منزلوں میں قدم نہیں رکھا ان کے بعض حالات عرضِ خدمت کئے جاتے ہیں، امید ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ جذبہ کی جہت کے کامل ہوجانے کے بعد ان حضرات کو سلوک (سیرِ آفاقی) کی سعادت سے مشرف فرمائے گا۔ (ان دوستوں میں سے ایک) شیخ نور اسی مقام میں رُکا ہوا ہے نقطۂ فوق تک جو کہ جذبہ کے مقام میں ہے نہیں پہنچا ہے، حرکات وسکنات میں تکلیف دیتا ہے اور (اس کی) قباحت وبرائی کو نہیں سمجھتا، بلا ارادہ اس کا کام توقف میں پڑ جاتا ہے، اور اسی طرح اکثر دوستوں کا کام آداب کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے توقف (رکاوٹ) میں پڑجاتا ہے، اس بارے میں حیران ہوں کہ اس خادم کی طرف سے ان کے توقف کا کوئی ارادہ نہیں ہے بلکہ ان کی ترقی کا ارادہ ہے، بلا ارادہ ان کے کام میں توقف ودیر واقع ہوجاتی ہے ورنہ راستہ تو بہت ہی نزدیک ہے۔ مولانا معہود (مذکور یعنی شیخ نور) کا مزید حال یہ ہے کہ نیچے کی طرف اخیر نقطے تک (ایک لحاظ سے) پہنچ گیا اور اس نے جذبے کے کام کو انجام تک پہنچا لیا۔ اور اس مقام کی برزخیت تک پہنچ گیا اور فوق کو من وجہ نہایت تک پہنچا لیا، اس نے اول اول صفات کو بلکہ اس نور کو جس کے ساتھ صفات قائم ہیں اپنے آپ سے جدا دیکھا، اور اپنے آپ کو شیخ فانی معلوم کیا، اس کے بعد صفات کو ذات سے جدا دیکھا اور

اس دیکھنے کے ساتھ مقامِ جذبہ کی احدیت تک پہنچا، اور اب دنیا کو اور اپنے آپ کو ایسا گم کر دیا ہے کہ نہ احاطہ کا قائل ہے نہ معیت کا، اور پوشیدہ ترین ذات (یعنی مرتبۂ تجرد واحدیتِ صرفہ) کی طرف ایسا متوجہ ہے کہ حیرت و نادانی کے سوا کچھ حاصل نہیں رکھتا ——— اور سید شاہ حسین بھی مقامِ جذبہ کے ذریعہ آخری نقطہ کے نزدیک پہنچ چکا ہے یعنی اس کا سر نقطہ تک پہنچ گیا ہے اور اسی طرح وہ صفات کو ذات سے جُدا دیکھتا ہے لیکن ذاتِ احد کو سب جگہ پاتا ہے اور اس ظہور سے خوش و خرم ہے ——— اور اسی طرح میاں جعفر بھی آخری نقطہ کے قریب پہنچ چکا ہے اور بہت ذوق و شوق اور جذبہ اس سے ظاہر ہوتا ہے، شاہ حسین کے لگ بھگ (حال) ہے اور دوسرے دوستوں میں بھی فرق ظاہر ہو رہا ہے ——— میاں شیخی و شیخ عیسیٰ اور شیخ کمال جذبہ میں نقطۂ فوق تک پہنچ گئے ہیں اور شیخ کمال بھی نزول کی طرف متوجہ ہے (یعنی تکمیل وارشاد کے لئے خلق کی طرف متوجہ ہے) ——— اور شیخ ناگوری نقطۂ فوق کے نیچے کے حصہ تک آیا ہے لیکن ابھی اس کو بہت سفر درپیش ہے۔ اور اس جگہ کے دوستوں میں سے اب تک آٹھ یا نو افراد بلکہ دس افراد نقطۂ فوق کے نیچے کے حصہ تک پہنچے ہیں، بعض نقطہ تک پہنچ کر نزول کی طرف متوجہ ہیں۔ بعض دوسرے دوست نقطہ کے قریب ہیں اور بعض دُور ——— میاں شیخ مزمل اپنے آپ کو گم پاتا ہے اور صفات کو اصل سے دیکھتا ہے اور مطلق کو سب جگہ پاتا ہے اور اشیاء کو سراب[1] کی مانند ناقابلِ اعتبار جانتا ہے بلکہ کچھ بھی نہیں پاتا ہے مولانا مذکور کے بارے میں ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو دوسرے لوگوں کی تعلیم کے لئے اجازت دینا پسندیدہ بات ہے لیکن اجازت وہ ہو جو جذبہ کے مناسب ہو اگرچہ اس کے بعض امور باقی رہ گئے ہیں جن کا اس کو استفادہ کرنا ضروری تھا لیکن اس نے روانہ ہونے میں جلدی کی اور توقف نہ کیا۔ حضورِ والا کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو رہا ہے آپ جس طرح اس کے کام کی بہتری تصور فرمائیں اس کو حکم دیں۔ جو کچھ اس خاکسار کی سمجھ میں آیا عرض کر دیا گیا (وَالْحُكْمُ عِنْدَكُمْ (اور اصل حکم تو آپ ہی کا ہے) ——— خواجہ ضیاء الدین محمد چند روز یہاں رہا اُس نے کسی قدر حضور و اطمینان حاصل کر لیا تھا آخر کار اسبابِ معیشت کی کمی کی وجہ سے اپنے آپ کو اطمینان کے ساتھ نہ رکھ سکا اور لشکر (کی ملازمت) کی طرف متوجہ ہو گیا ——— اور مولانا شیر محمد کالڑکا بھی ملازمت کی طرف متوجہ ہے اس کو بھی کسی قدر حضور و جمعیت حاصل ہے، بعض موانعات کی وجہ سے اس نے زیادہ ترقی نہیں کی۔ زیادہ لکھنا گستاخی ہے۔ ع

بندہ باید کہ حدِّ خود داند (ترجمہ) چاہیئے بندہ اپنی حد میں رہے

---

[1] سراب بفتح، گرمی کے دنوں میں پیاسے مسافر کو صحرا کی ریت آفتاب کی تپش سے دور سے پانی کی مانند نظر آتی ہے یعنی اس کو ریت پر پانی کا دھوکا ہوتا ہے اور کبھی چاندنی رات میں بھی ایسا ہی دھوکا ہوتا ہے، مراد مطلق دھوکا ہے۔

عریضۂ ہذا کے لکھنے کے بعد ایک ایسی کیفیت ظاہر ہوئی اور ایک ایسا حال پیش آیا کہ جس کو تحریر کے ذریعے بیان نہیں کیا جا سکتا، اور اس حال میں فنائے ارادہ متحقق ہو گئی جیسا کہ پہلے ہی ارادہ کا تعلق مُرادوں سے منقطع ہو چکا تھا لیکن اصل ارادہ باقی رہ گیا تھا چنانچہ ایک عریضہ میں عرض کیا جا چکا ہے، اب اس وقت ارادہ بھی جڑ سے نکل گیا ہے اور (اب بجز ذاتِ حق بحتہ کے) نہ مراد باقی ہے نہ ارادہ، اور اس فنا کی صورت بھی نظر آئی اور بعض علوم جو اس مقام کے مناسب ہیں فائض (ظاہر) ہوئے، چونکہ باریکی و پوشیدگی کے باعث ان علوم کو تحریر میں لانا دشوار تھا اس لئے مجبوراً قلم کی باگ کو ان علوم کے تحریر کرنے سے موڑ لیا، اس فنا کے ثابت ہونے اور علوم کے فیضان کے وقت وحدت سے اوپر ایک خاص نظر ظاہر ہوئی ہے اگرچہ یہ بات طے شدہ ہے کہ وحدت سے اوپر کوئی نظر نہیں ہے بلکہ کوئی نسبت نہیں ہے لیکن اس خادم کو جو کچھ پیش آتا ہے عرض کر دیتا ہے اور جبتک کہ یقین کے درجہ کو نہیں پہنچ جاتا لکھنے کی جرأت نہیں کرتا، اور اس مقام کی صورت، وحدت سے پرے اس طرح دیکھتا ہے جیسا کہ آگرہ دہلی سے پرے ہے اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے اگرچہ نظر میں نہ وحدت ہے نہ اس سے ماوراء کوئی اور چیز، اور نہ کوئی اور مقام ہے جس کو حق ہونے کے عنوان سے جانے یا حق کو اس کے ماورا (پرے) جانے، حیرت و نادانی اسی طرح خالص و صاف ہے اور اس دید سے کوئی فرق نہیں ہوا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کیا عرض کروں سب تناقض در تناقض (ایک دوسرے کی ضد) ہے جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا اور حال بلاشبہ ثابت ہے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ مِنْ جَمِیْعِ مَا کَرِہَ اللّٰہُ قَوْلًا وَّ فِعْلًا وَّ خَاطِرًا وَّ نَاظِرًا[۱] (یعنی میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں اور قول، فعل، خیال اور نظر میں سے جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اس سے توبہ کرتا ہوں)۔

اور نیز اس وقت ایسا معلوم ہوا کہ پہلے فنائے صفات کے بارے میں جو کچھ جانتا تھا در اصل وہ صفات کی خصوصیات اور ان کے مابہ الامتیاز کی فنا تھی جو کہ وحدت کے ضمن میں درج ہوئی تھی اور (دیگر) خصوصیات دور ہو گئی تھیں، اب اصل صفات بھی اگرچہ ایک دوسرے میں داخل ہونے اور مل جانے کے طور پر ہوں برطرف ہو گئی ہیں اور غلبۂ احدیت نے کسی چیز کو بھی باقی نہیں چھوڑا ہے اور جو تمیز کہ اجمالی یا تفصیلی علم کے مرتبہ سے

غلبۂ احدیت

---

[۱] خطرات و وساوس کے لئے تنہائی میں یہ الفاظ تین مرتبہ زبان سے کہے: اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْ جَمِیْعِ مَا کَرِہَ اللّٰہُ قَوْلًا وَّ فِعْلًا وَّ خَاطِرًا وَّ سَامِعًا وَّ نَاظِرًا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اور اس وقت سانس کو تینوں مرتبہ قوت کے ساتھ کھینچے اس طرح پر کہ گویا وہ کسی چیز کو دماغ سے دور کر رہا ہے اور دل کو زبان کے موافق کرے یعنی دل میں اس استغفار کے معنی کا لحاظ رکھے (از حاشیہ مکتوباتِ حضرت مجددؒ بزبان فارسی از مولانا نور احمد امرتسریؒ)

حاصل ہوئی تھی، نہیں رہی اور نظر پوری طرح خارج پر آگئی (اور بزرگوں کا یہ مقولہ کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْءٌ وَھُوَ الْاٰنَ کَمَا کَانَ[1] (یعنی اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی اور اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا) اس وقت حال کے مطابق ہوگیا ہے اور پہلے اس حدیث کے مضمون کا صرف علم تھا حال نہیں تھا یعنی اب علم و حال دونوں جمع ہیں) امید ہے کہ حضور والا اس کی صحت و غلطی پر آگاہ فرمائیں گے۔

دیگر یہ کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا قاسم علی کو مقامِ تکمیل سے کچھ حصہ حاصل ہے اور اسی طرح یہاں کے بعض دوستوں کو بھی اس مقام سے کچھ حاصل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ، (حقیقتِ حال کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے)۔

مکتوب ۱۲ دوازدہم

مقامِ فنا و بقا اور ہر چیز کی خاص وجہ کا ظہور حاصل ہونے اور سیر فی اللہ و تجلّیٔ ذاتی برقی وغیرہ کی حقیقت کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیر و مرشد بزرگوار کی خدمت میں تحریر کیا۔

عریضہ:۔ آپ کا کمترین خادم، احمد خدمتِ عالیہ میں عرض کرتا ہے کہ اپنی کوتاہیوں کے بارے میں کیا عرض کروں، مَاشَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَالَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ (یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ وجود میں آگیا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا وہ وجود میں نہیں آیا اور نافرمانیوں اور گناہوں سے بچنا اور حق تعالیٰ کی فرمانبرداری اور مرضی پر عمل کرنے کی طاقت اللہ تعالیٰ کی بلند و عظیم ذات (کی مدد) کے بغیر ممکن نہیں)۔

جو علوم کہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے تعلق رکھتے ہیں حق تعالیٰ نے اپنی عنایت سے ظاہر فرما دیئے ہیں اور اسی طرح اس خادم نے معلوم کر لیا ہے کہ ہر چیز کی وجہ خاص کیا ہے اور سیر فی اللہ کے کیا معنی ہیں اور تجلّیٔ ذاتی برقی کیا ہوتی ہے اور محمدی المشرب کون ہے اور اسی قسم کی دوسری چیزیں[2]، اور ہر ایک

فنا و بقا کا ظہور

---

[1] مشکوٰۃ شریف میں عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کان اللہ ولم یکن شی قبلہ اور صحیح بخاری کتاب بدء الخلق میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے کان اللہ ولم یکن شی غیرہ اور سادات صوفیہ کی عبارتوں میں یہ عبارت واقع ہوئی ہے۔ کان اللہ ولم یکن معہ شئ۔ ان بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ والآن علی ما علیہ ———

[2] فنا فی اللہ، بقا باللہ اور تجلّیٔ ذاتی وغیرہ اصطلاحاتِ صوفیہ کی تشریح دوسرے مکتوبات خصوصاً دفتر دوم مکتوب ۹۴ و دفتر سوم مکتوب ۶۴ میں مطالعہ کریں اور اقسامِ سیر کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے دفتر اول مکتوب ۱۴۴ میں بیان فرمایا ہے۔

مقام ہیں اس کے لوازمات وضروریات کو دکھاتے اور ان کی سیر کراتے ہیں، اور شاید ہی کوئی ایسی چیز رہ گئی ہو کہ جس کی اولیاء اللہ نے نشاندہی کی ہے، اس کو راستے میں چھوڑ دیتے ہوں اور نہ دکھاتے ہوں (یعنی ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو نہ دکھائی گئی ہو) قُبِلَ مَنْ قُبِلَ بِلَا عِلَّۃٍ (یعنی جو کوئی بھی خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوا ہے وہ بلا علت (سبب) ہی محض عنایتِ الٰہی سے مقبول ہوا ہے)۔ جس طرح یہ خادم ہر چیز کی ذات اور اصل کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق (پیدا کی ہوئی) جانتا ہے اسی طرح قابلیتوں اور استعدادوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور بنائی ہوئی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قابلیتوں کا محکوم وتابع نہیں ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں کہ اُس پر حاکم ہو، زیادہ لکھنے کی گستاخی مناسب نہیں۔ ع

بندہ باید کہ حدِّ خود داند (ترجمہ) (چاہیے بندہ اپنی حد میں رہے)

مکتوب ۱۳ سیزدہم

اس بیان میں کہ اس راستے (راہِ سلوک) کی کوئی انتہا نہیں ہے اور حقیقت کے علوم شریعت کے علوم کے عین مطابق ہیں، یہ بھی اپنے پیر و مرشد بزرگوار کی خدمت میں تحریر فرمایا۔

عریضہ: حضورِ والا کا کمترین خادم **احمد** عرض کرتا ہے، افسوس ہزار افسوس کہ اس راستے کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے، اس راستہ کی سیر نہایت تیزی کے ساتھ اور واردات وعنایات نہایت کثرت سے واقع ہو رہے ہیں، اسی لئے مشائخ عظام نے فرمایا ہے کہ سیر الی اللہ پچاس ہزار سال کا راستہ ہے' تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِیْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (سورۃ المعارج آیت ۴) (یعنی فرشتے اور روح یعنی جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں یعنی عروج کرتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار یعنی طول پچاس ہزار سال ہے) اس آیۂ مبارکہ میں شاید اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ جب کام ناامیدی تک پہنچ گیا اور امیدیں منقطع ہو گئیں تو آیت وَهُوَ الَّذِیْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ (شوریٰ ۴۲ آیت ۲۸) (اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کہ لوگوں کے ناامید ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے اور اپنی (عام) رحمت کو پھیلا دیتا ہے) مددگار ہوئی۔ (یعنی اس آیتِ مبارکہ سے تسلی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کام بن گیا)۔

چند روز ہوئے کہ اشیاء میں سیر واقع ہوئی ہے اور رشد و ہدایت کے طالبوں و مریدوں کی بھیڑ کثرت ہو گئی ہے، القصہ ان کی رشد و ہدایت کا کام شروع کر دیا گیا ہے لیکن ابھی تک اپنے آپ کو (ارشاد و تکمیل کے) اس مقام کے قابل نہیں پاتا ہوں، لیکن لوگوں کے اصرار کی وجہ سے مروّت و حیا کے باعث کچھ نہیں کہتا ہوں' اور توحیدِ وجودی کے مسئلے میں پہلے اس خادم کو تردّد تھا جیسا کہ کئی مرتبہ عرضِ خدمت کیا جا چکا ہے اور افعال و صفات کو اصل سے جانتا تھا جب معاملے کی حقیقت معلوم ہو گئی تو وہ تردّد دور ہو گیا اور (مقولہٗ) ہمہ از وست کے پلّہ (دامن) کو (مقولہ) ہمہ اوست کے دامن سے بھاری و غالب پایا اور اس (ہمہ از وست) میں ہمہ اوست سے زیادہ کمال دیکھا اور افعال و صفات کو بھی دوسرے رنگ میں معلوم کیا۔ سب کو ایک ایک کر کے دکھایا اور (ان کے) اوپر سے گذر کرایا، (چنانچہ) شک و شبہ بالکل جاتا رہا، تمام کشفی علوم ظاہر شریعت کے مطابق نکلے اور ظاہر شریعت سے بال بھر (یعنی ذرا بھی) مخالفت نہیں پائی۔ اور بعض صوفیہ جو ظاہر شریعت کے خلاف　　کشفوں کو بیان کرتے ہیں وہ سہو کی وجہ سے ہے یا سُکر (مستی) کی وجہ سے (ورنہ) باطن ظاہر کے بالکل مخالف نہیں ہے۔ راہِ سلوک طے کرنے کے دوران سالک کو جو مخالفت نظر آتی ہے ان اختلافات کی توجیہ کرنے اور ان میں موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے لیکن حقیقی منتہی[1] باطن کو ظاہر شریعت کے موافق پاتا ہے۔ (ظاہری) علما اور ان بزرگوں (صوفیائے کرام) کے درمیان صرف اسی قدر فرق ہے کہ علما، (امورِ شریعت کو) دلیل اور علم　کی وجہ سے جان لیتے ہیں اور یہ بزرگ کشف و ذوق کے ساتھ حاصل کرتے اور پا لیتے ہیں۔ ان بزرگوں کے حال کی صحت پر اس مطابقت سے زیادہ مدلّل اور کونسی دلیل ہو سکتی ہے (کہ ان حضرات کا تمام کشف کتاب و سنت اور ظاہر شریعت کے موافق ہوتا ہے اور ظاہر شریعت سے ذرا بھی ہٹا ہوا نہیں ہوتا) آیت کریمہ یَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي (سورہ شعرا آیۃ ۱۳)[2] (یعنی میرا سینہ تنگ اور میری زبان گونگی ہوئی جاتی ہے) میرے شاملِ حال ہے میں نہیں سمجھتا کہ کیا عرض کروں، بعض حالات کے لکھنے کی توفیق نہیں پاتا اور عریضوں میں بھی لکھنے کی گنجائش نہیں ہے، شاید اس میں کوئی حکمت ہوگی۔ اس فراق زدہ محروم کو غریب نوازی کی توجہ سے محروم نہ رکھیں اور راستہ میں نہ چھوڑیں ؎

این سخن را چوں تو مبدأ بودہٗ　　گر فزوں گردد توش افزودہٗ[3]

(ترجمہ)　ابتدا ہے اس سخن کی آپ سے　　پس ترقی اس میں ہوگی آپ سے

زیادہ لکھنے کی گستاخی نہیں کی گئی، ع بندہ باید کہ حدّ خود داند۔[4] (ترجمہ) (بندہ کو اپنی حد سے گزرنا نہ چاہیے)

[1] جب سالک اپنے کام کو آخر تک پہنچا لیتا ہے اور نہایت النہایت تک پہنچ جاتا ہے تو باطن کو ظاہر شریعت کے ساتھ متفق پاتا ہے اور جو مخالفت اثنائے راہ میں نظر آتی تھی وہ دور ہو جاتی ہے۔ [illegible] ہمہ از وست کا پلّہ ہمہ اوست سے بھاری ہے

مکتوب ۱۴ چہاردہم

جو واقعات راہِ سلوک طے کرنے کے دوران ظاہر ہوئے ان کے حاصل ہونے اور بعض طالبانِ طریقت کے احوال کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیر و مرشد بزرگوار قدس سرہ کی خدمت میں تحریر کیا۔

دورانِ سلوک کے حالات

عریضہ: کمترین خادم **احمد** کی گذارش یہ ہے کہ وہ تجلیات جو کونیات (مخلوقات) کے مراتب میں ظاہر ہوئی تھیں اُن میں سے بعض سابقہ عریضے میں بیان کر دی گئی تھیں، اس کے بعد مرتبۂ وجوب جو کہ صفاتِ کلیہ کا جامع ہے ظاہر ہوا اور بدصورت سیاہ رنگ عورت کی صورت میں نظر آیا، اور اس کے بعد مرتبۂ احدیت ایک دراز قد آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا جو کم عرض والی دیوار پر کھڑا ہو ــــــــــ اور یہ دونوں تجلیات، حقانیت کے عنوان (سرنامہ) کی صورت میں ظاہر ہوئیں بخلاف سابقہ تجلیات کے کہ وہ اس عنوان کے ساتھ ظاہر نہیں ہوئی تھیں۔ اسی اثنا میں موت کی خواہش پیدا ہوئی اور ایسا نظر آیا گویا کہ میں ایک شخص ہوں جو دریائے محیط (بہت بڑے سمندر) کے کنارے اس ارادہ کے ساتھ کھڑا ہے کہ اپنے آپ کو دریا میں ڈال دے لیکن پیچھے سے اس کو ایک رسی سے ایسا مضبوط باندھ دیا گیا ہے کہ وہ دریا میں گر ہی نہیں سکتا۔ (خادم) اس رسی سے مراد اپنے بدنِ عنصری کے تعلقات کو سمجھتا تھا اور خواہش کرتا تھا کہ وہ رسی ٹوٹ جائے، اور نیز ایک خاص کیفیت یہ ظاہر ہوئی کہ اس وقت ذوق کے انداز پر مجھے معلوم ہوا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے سوا دل میں کوئی خواہش نہیں رہی ہے۔

بعد ازاں صفاتِ کلیہ وجوبیہ جنھوں نے کہ نزول و ظہور کے مقامات کے اعتبار سے مختلف خصوصیات پیدا کر لی تھیں نظر آئیں، اس کے بعد وہ خصوصیات سب کی سب ان نزول و ظہور کے مقامات سے نیچے گر گئیں اور باقی نہ رہیں مگر کلیتِ وجوبیہ کے عنوان سے اور اُن (نزول و ظہور کے مواقع) کے ان خصوصیات سے الگ ہونے کی صورت میں بھی نظر آئیں اور اس وقت معلوم ہو گیا کہ اب حقیقت میں صفات کو اصل کے ساتھ ملا دیا گیا ہے اور خصوصیات سے الگ ہونے سے پہلے صفات کو اصل کے ساتھ جاننے کی کوئی حقیقت نہیں ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ مجاز کے طور پر ہو جیسا کہ تجلیِ صوری[1] کے مقام والوں کا حال ہے اور اسوقت فنائے حقیقی ثابت ہو گئی۔

---

[1] جاننا چاہیے کہ راہِ طریقت کے سالکین حق سبحانہ و تعالیٰ کو تجلیاتِ صوری کے ساتھ دیکھتے ہیں (باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

اس حالت کے ثابت و موجود ہونے کے بعد جو صفات کہ اپنے اندر یا اپنے غیر کے اندر تھیں ایک ہی طرز پر پائیں اور محل و مواقع کی تمیز جاتی رہی، اس وقت شرکِ خفی کی کئی دقیق اقسام سے نجات حاصل ہوئی اور اس وقت عرش (عالمِ علوی) و فرش (عالمِ سفلی)، زمان و مکان اور جہات و حدود کچھ بھی نہیں رہا۔ اگر بالفرض کئی سال تک فکر کرتا رہوں ہرگز علم میں نہیں آئیگا کہ دنیا کا ایک ذرہ بھی پیدا شدہ ہے۔

اس کے بعد اپنا تعین اور اپنی وجہ خاص نظر آئی اور اپنا تعین پُرانے پھٹے ہوئے کپڑے کی طرح تھا جس کو کسی شخص نے پہنا ہوا ہو اور اس شخص کو میں نے اپنی وجہ خاص جانا لیکن حقانیت کے طور پر متصور نہیں ہوا۔

اس کے بعد اس شخص پر متصل ہی ایک باریک پوست (کھال) نظر آیا اور میں نے اپنے آپ کو اس کھال کا عین معلوم کیا اور تعین کے اس کپڑے کو میں نے اپنے آپ سے بیگانہ دیکھا اور جو نور کہ اس کھال میں تھا نظر آیا، تھوڑی دیر کے بعد وہ نور نظر سے غائب ہوگیا اور یہ پوست اور کپڑا بھی نظر سے ہٹ گیا اور وہی پہلا جہل باقی رہ گیا۔

اس مذکورہ صورتِ واقعہ[1] کی تعبیر جو کچھ علم میں آئی یہ خادم عرضِ خدمت کرتا ہے تاکہ (آنجناب کی جانب سے) اس تعبیر کی صحت و غلطی معلوم ہو جائے اور وہ تعبیر یہ ہے کہ یہ صورت مذکورہ (یعنی اپنے تعین کا پُرانے کپڑے کی مانند دیکھنا) عینِ ثابتہ[2] ہے جو وجوب و امکان کے درمیان برزخ و واسطہ کی مانند ہے کہ جس کی دونوں طرفیں (وجوب و امکان) ایک دوسرے سے جدا و ممتاز ہوگئی ہیں اور کمال درجہ کے فرق کے ساتھ ثابت ہوگئی ہیں۔ اور وہ پوست جو اس پرانے کپڑے اور اس نور کے درمیان واقع ہوا ہے وہ وجود اور عدم کے درمیان برزخ ہے۔ اور یہ جو میں نے اپنے آپ کو اُس پوست کے آخر میں پایا تو اس میں برزخیت تک پہنچنے کی طرف اشارہ ہے۔ اور پہلے بھی واقعات و کیفیات میں اپنے آپ کو

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) یہ آثار کے ساتھ نسبت رکھتی ہیں اور تجلیاتِ نوری سے دیکھتے ہیں وہ افعال کے ساتھ نسبت رکھتی ہیں اور تجلیاتِ معنوی کے ساتھ دیکھتے ہیں وہ صفات کے ساتھ نسبت رکھتی ہیں اور تجلیات ذوقی سے دیکھتے ہیں وہ ذات سے نسبت رکھتی ہیں اور تجلیات صوری ہیں جو کہ آثار کے ساتھ نسبت رکھتی ہیں حق تعالیٰ تمام اشیاء کی صورت میں بندہ پر تجلی فرماتا ہے مفردات، عنصریات، معادن، حیوانات اور افرادِ انسان الخ من الرشحات من کلام الشیخ رکن الدین علاؤ الدولہ۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) [1] حضرات صوفیائے کرام کی اصطلاح میں واقعہ اس امر کو کہتے ہیں جو قلب میں واقع ہو خواہ جاگتے ہوئے ہو یا نیند کی حالت میں، لیکن حواس کا معطل ہونا اس کے لئے ضروری ہے اور سالک بوجہ مراقبہ و مشغولی ذکر مسدود الحواس ہو جاتا ہے پس اس کے لئے واقعات میں نیند کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

[2] عین ثابتہ یعنی صورتِ علمیہ اور اعیانِ ثابتہ کی تفصیل حضرت مجدد قدس سرہ کے دوسرے مکتوبات میں موجود ہے۔

وجود اور عدم کے درمیان بمنزلہ برزخ کے معلوم کرتا رہا تھا لیکن ظاہری طور پر وہ آفاق کی نسبت سے تھا اور اب یہ انفس کے اعتبار سے ہے اور ایک دوسرا فرق بھی اس وقت ظاہر ہوا تھا لیکن لکھنے کے وقت بھول گیا، یہ ہے (اُس صورتِ واقعہ کی تعبیر)۔ اور جو کچھ ہر وقت حاصل ہے حیرانی و نادانی ہے، اور اسی طرح کبھی عجیب و غریب حال ظاہر ہوجاتے ہیں اور غائب ہوجاتے ہیں اور ان کی معرفت رہ جاتی ہے، اور یہ خادم بعض واقعات کی تعبیر و تاویل میں عاجز رہ جاتا ہے اور اگر کوئی چیز علم میں آتی ہے اس پر اعتماد نہیں کرتا، اسی وجہ سے عریضوں کے ارسالِ خدمت کرنے میں گستاخی کرتا ہوں ممکن ہے حضور والا کی نشاندہی سے کسی امر کے ساتھ یقین پیدا ہوجائے، یہ خادم امیدوار ہے کہ حضور کی بلند توجہات سے کمینی دنیا کے تعلقات کی گرفتاری سے نجات میسر ہوجائے گی ورنہ کام بہت مشکل ہے ؎

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق ۔۔۔ گر مَلَک باشد سیہ ہستش ورق

(ترجمہ) ذاتِ حق اور نیک بندوں کی عنایت جب نہ ہو ۔۔۔ ہے سیاہ اعمالنامہ خواہ فرشتہ کیوں نہ ہو

بعض دوستوں کے حالات

شیخ عبداللہ نیازی کا صاحبزادہ شیخ طٰہٰ جو کہ سرہند شریف کے مشہور مشائخ میں سے ہے اور خود حاجی عبدالعزیز اس سے اچھی طرح واقف ہے قدمبوسی و نیازمندی عرض کرتا ہے اور اس کو اس طریقۂ علیہ کی طرف رجوع کرنے (داخل ہونے کی) خواہش پیدا ہوئی ہے اور صدق و نیاز سے التجا کرتا ہے، میں نے اس کو استخارہ کرنے کے لئے کہہ دیا ہے بظاہر مناسبت رکھتا ہے اور جن دوستوں نے یہاں ذکر کی تعلیم حاصل کی ہے ان میں سے اکثر طریق رابطہ[1] میں مشغول ہیں، ان میں سے بعض واقعات (واقعہ) میں دیکھکر رابطہ اختیار کرنے کے ساتھ آتے ہیں اور بعض دہلی سے واپس آنے سے پہلے ہی رابطہ رکھتے تھے اور وہ اول اول حضور و استغراق میں جاتے ہیں، ان میں سے بعض صفات کو بھی اصل سے دیکھتے ہیں اور بعضے نہیں دیکھتے لیکن کوئی شخص بھی توحیدِ وجودی اور انوار و کشوف کی راہ سے نہیں جاتا۔

مُلّا قاسم علی و ملا مودود محمد اور عبدالمؤمن بظاہر مقام جذبہ (سیر انفسی) کے نقطۂ فوق تک پہنچ گئے ہیں لیکن ملا قاسم علی نزول کی طرف (یعنی تکمیل و ارشاد کے لئے مخلوق کی طرف) توجہ رکھتا ہے

---

[1] رابطہ، پیر کی صورت کو دل میں محفوظ رکھنا رابطہ کہلاتا ہے۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کے اس مصرع میں رابطہ کی طرف اشارہ ہے: ع "سایۂ رہبر بہ است از ذکرِ حق"۔ یعنی رابطہ کا طریق ذکر سے زیادہ نفع بخش ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ نے دفتر دوم مکتوب ۳۰ میں اس کی تحقیق کی ہے اور حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے اپنے مکتوباتِ معصومیہ کے دفتر اول مکتوب ۱۶۵ و ۱۸ میں اس کو دلیل کے ساتھ ثابت کیا اور وضاحت فرمائی ہے۔

اور ان دونوں (یعنی ملا مودود محمد و عبد المومن) کے متعلق معلوم نہیں کہ نزول کی طرف آئیں، اور شیخ نور بھی نقطۂ فوق کے نزدیک ہے لیکن (ابھی تک) وہاں نہیں پہنچا ہے۔ ملا عبد الرحمٰن بھی نقطہ کے نزدیک ہے لیکن ابھی تھوڑی سی مسافت درمیان میں ہے۔ ملا عبد الہادی نے حضور اور اس حضور میں استغراق حاصل کر لیا ہے اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ مطلق پاک ذات یعنی حق تعالیٰ جل شانہٗ کو اشیاء میں تنزیہی صفت کے ساتھ دیکھتا ہوں اور افعال کو بھی اسی پاک ذات تعالیٰ شانہٗ سے جانتا ہوں۔ یہ سب حضور والا کے فیوضات ہیں جو طالبانِ طریقت اور صاحبِ استعداد لوگوں کو پہنچ رہے ہیں، اور اس فیض رسانی میں اس کمترین خادم کا کوئی حصہ نہیں ہے ع

من ہماں احمد پارینہ کہ ہستم ہستم (ترجمہ) میں وہی احمد ہوں خادم ہوں پرانا آپ کا

حضور والا نے ایک روز واقعات میں سے کسی واقعہ کے درمیان فرمایا تھا کہ اگر اس میں (یعنی حضرت مجددؒ میں) محبوبیت کے معنی نہ ہوتے تو اس کو مقصود تک پہنچنے میں بہت توقف (دیر) واقع ہوتا اور اس (خاکسار) کی محبوبیت کی نسبت اپنی عنایت کے ساتھ ہونے کے بارے میں بھی فرمایا تھا آپ کے اس فرمان سے کامل امید لگی ہوئی ہے، اور یہ (لکھنے کی) جرأت و گستاخی بھی اسی وجہ سے کی ہے۔

ان حالات کے بیان میں جو مقاماتِ ہبوط و نزول کے مناسب ہیں نیز بعض اسرارِ مکنونہ (پوشیدہ راز) کے بیان میں۔

یہ بھی اپنے پیرو مرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

عریضہ: اِس حاضر (موجود) غائب (غیر حاضر) واجد (پانے والا) فاقد (نہ پانے والا) مُقْبِل (متوجہ) مُعْرِض (منہ پھیرنے والا) کی گذارش یہ ہے کہ یہ خادم مدتوں اس (مطلوب حقیقی) کو ڈھونڈتا تھا تو اپنے آپ کو پاتا تھا، اس کے بعد اس خادم کا کام اس مقام تک پہنچ گیا کہ اگر اپنے آپ کو ڈھونڈتا تھا تو اس کو پاتا تھا اب اس کو گم کر چکا ہے لیکن اپنے آپ کو پاتا ہے، گم کرنے کے باوجود اس کا متلاشی نہیں، اور گم کر دینا ثابت ہو جانے کے باوجود اس کی خواہش کرنے والا نہیں ہے۔ علم کے اعتبار سے حاضر، واجد (پانے والا) و مقبل ہے اور ذوق کے اعتبار سے غائب و فاقد و معرض ہے، اس کا ظاہر بقا ہے اور اس کا باطن فنا، عین بقا (کی حالت)

ہبوط و نزول

ہیں فانی ہے اور عین فنا (کی حالت) میں باقی ہے لیکن فنا علمی ہے اور بقا ذوقی — اس کا (یعنی حضرت مجدد قدس سرہٗ کا) معاملہ ہبوط و نزول[1] پر ٹھہر چکا ہے اور صعود و عروج[2] سے رُک گیا ہے اور جس طرح کہ اس کو مقامِ قلب سے مقلّبِ قلب (قلب کو پھیرنے والے یعنی حق تعالیٰ) کی طرف لے گئے تھے، اب پھر مقلّب قلب (حق تعالیٰ) کی طرف سے مقامِ قلب میں نیچے لے آئے ہیں۔

روح کے نفس سے آزاد ہو جانے اور نفس کے مطمئنہ ہو کر انوار کے غلبوں سے نکلنے کے باوجود اُس (حضرت مجدد قدس سرہ) کی روح کو روح و نفس کی دونوں جہتوں (طرفوں) کا جامع بنایا ہے اور اس کو ان دونوں جہتوں کی برزخیت کے ساتھ مشرف فرمایا گیا ہے، اور اس برزخیت کے حاصل ہونے کی وجہ سے فوق (اپنے سے اوپر کے مقام والوں) سے فائدہ حاصل کرنا اور تحت (نیچے کے مقام والوں) کو فائدہ پہنچانا یہ دونوں امور یکساں عطا فرما دیئے ہیں، فائدہ حاصل کرنے کی حالت میں فائدہ پہنچانے والا بھی ہے اور فائدہ پہنچانے کے وقت فائدہ حاصل کرنے والا بھی ہے ؎

گر بگویم شرحِ این بیحد شود ورنویسم بس قلمہا بشکند[3]

(ترجمہ) گر لکھوں شرح اس کی حد کوئی نہیں لکھتے لکھتے ٹوٹ جائیں گے قلم

اس کے بعد عرض ہے کہ دستِ چپ سے مراد وہ مقامِ قلب ہے جو کہ مقلّبِ قلب (حق تعالیٰ) کی طرف عروج سے پہلے حاصل ہے، فوق سے نزول کے بعد جو مقامِ قلب میں نیچے آجاتے ہیں وہ ایک دوسرا مقام[4] ہے جو کہ چپ و راست کے درمیان برزخ ہے جیسا کہ اس فن و مقام کے جاننے والوں پر ظاہر ہے، اور جن مجذوبوں نے سلوک حاصل نہیں کیا وہ مقامِ قلب والوں میں سے ہیں (یعنی وہ ابھی مقلب قلوب تک نہیں پہنچے ہیں) کیونکہ مقلبِ قلوب (حق تعالیٰ) تک پہنچنا سلوک طے کرنے پر موقوف ہے، اور کسی شخص کے ساتھ مقام کے تعلق کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو اس مقام میں ایک خاص شان اور اس مقام والے دوسرے حضرات سے ایک علیحدہ امتیاز حاصل ہوتا ہے۔

---

[1] ہبوط و نزول، ہر دو بضمتین، بمعنی نیچے آنا، یہاں مراد یہ ہے کہ سالک تکمیل کے بعد مخلوق کی طرف ان کی ارشاد و تکمیل کے لئے متوجہ ہو جائے ——— [2] صعود و عروج ہر دو بضمتین، اوپر جانا اور یہاں اسماء و صفاتِ الٰہیہ میں سیر واقع ہونا۔

[3] اس شعر کا عربی شعر میں ترجمہ یہ ہے: ؎ فَیَا لَهَا قِصَّةٌ فِیْ شَرْحِهَا طُوْلٌ ٭ وَکَمْ یَرَاعٌ إِذَا حَرَّرْتُ یَنْکَسِرُ

[4] یعنی فوق سے نزول کرنے کے بعد جو مقام قلب میں اُتر آتے ہیں وہ اس مقام قلب سے جس کو دستِ چپ سے تعبیر کرتے ہیں نہیں ہے بلکہ دوسرا ہے جو کہ چپ و راست کے درمیان برزخ و واسطہ ہے۔

اور منجملہ ان امتیازات کے ایک امتیاز جذبہ کی سبقت اور بقائے خاص ہے جو کہ اس مقام کے مناسب علوم و معارف کا منشا و مبدأ ہے، مقامِ قلب کے علوم کی تحقیق اور جذبہ و سلوک، فنا و بقا کی حقیقت اور اس قسم کے دوسرے امور اس رسالہ (عریضہ) میں جس کا وعدہ کیا گیا تھا تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں، میر سید شاہ حسین اضطراب کی حالت میں روانہ ہو گئے اس لئے اس (عریضہ) کو صاف نقل کرنے کی فرصت نہ ملی، اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو حضور کے مطالعہ و ملاحظہ کا شرف حاصل ہوگا۔

عزیزِ متوقف (رُکے ہوئے عزیز یعنی حضرت مجددؒ) فوق سے نزول کے مقامِ جذبہ (مقامِ قلب) میں آگیا ہے لیکن اس کی توجہ عالَم کی طرف نہیں ہے بلکہ فوق کی طرف متوجہ ہے، چونکہ (اس عزیز متوقف کا) فوق کی طرف عروج کرنا کسی کے زبردستی کھینچنے سے تھا (یعنی خلافِ طبیعت تھا) اس لئے فطری طور پر جذبہ کے ساتھ مناسبت رکھتا تھا، فوق سے نزول کے وقت اپنے ہمراہ کوئی کم درجہ چیز لایا ہے۔ وہ تھوڑی سی نسبت جو زبردستی لے جانے والے (یعنی طبیعت کے خلاف) کی توجہ سے تھی اور عروج اسی توجہ کا اثر تھا نسبتِ جذبہ میں ابھی تک اس طرح باقی ہے جس طرح کہ روح بدن میں اور نور اندھیرے میں، لیکن یہ موجودہ جذبہ خواجگانِ سلسلہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے جذبہ کے علاوہ ہے، یہ وہ جذبہ ہے جو حضرت خواجہ (عبید اللہ) احرار قدس سرہ کو اپنے بزرگ باپ[1] داداؤں سے پہنچا ہے اور ان حضرات کو اس مقام میں ایک خاص شان حاصل ہے۔

اور بعض طالبانِ طریقت نے جو کسی واقعہ میں یہ بیان کیا تھا کہ حضرت خواجہ (احرار قدس سرہ) کو جیسے کہ وہ (نانِ پُز یعنی پکی ہوئی روٹی کے مانند) ہیں اس کو عزیز متوقف (رُکے ہوئے عزیز یعنی حضرت مجددؒ) نے کھا لیا[2] ہے (یعنی حضرت خواجہ احرارؒ کی نسبت و کمالات کو حضرت مجددؒ اپنے اندر سمو لیا ہے)، اُس واقعہ کے اثر کا ظہور اسی مقام میں ہے، یہ جذبہ فائدہ پہنچانے کے مقام کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا، اور اس مقام میں توجہ ہمیشہ فوق کی طرف ہے اور دائمی سکر اس کے لئے لازمی ہے۔

جذبہ کے بعض مقامات جذبہ میں داخل ہونے کے بعد سلوک کے خلاف ہیں اور دوسرے بعض مقامات سلوک کے خلاف نہیں ہیں بلکہ ان بعض مقاماتِ جذبہ میں داخل ہونے کے بعد وہ سلوک کے لئے

---

[1] یعنی حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کو اپنی والدہ ماجدہ کی طرف سے یعنی حضرت شیخ عمر باغستانی اور ان کی اولاد و اقربا سے پہنچا ہے جیسا کہ رشحات میں مذکور ہے۔ (علامہ مراد مکی معرب مکتوبات)

[2] مولانا نصر اللہ قندھاریؒ شرح مکتوبات میں فرماتے ہیں "حضرت خواجہ، خواجہ احرار را خوردہ است یعنی کمالات حضرت خواجہ احرارؒ را ہضم نمودہ است (ص ۸۰)

متوجہ ہوتے ہیں۔ اس جذبہ میں داخل ہونے کے بعد یہ جذبہ سلوک کے مخالف ہے۔ عریضہ لکھتے وقت اس مقام کی طرف متوجہ ہوگیا تھا اور اس کے بعض دقائق (باریکیاں) ظاہر ہوگئے جبتک کوئی سبب نہ ہو توجہ میسر نہیں ہوتی۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ (اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی حقیقتِ حال کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے)۔

چند ماہ ہوگئے کہ وہ عزیزِ متوقف (یعنی حضرت مجددؒ) نیچے آگیا ہے لیکن جذبۂ مذکورہ کے مقام میں کامل طور پر داخل نہیں ہوا ہے، اس مقام کی شان کے لائق علم کا نہ ہونا اور پریشان حالت کی توجہات (اس مقام میں داخل ہونے سے) مانع ہیں، امید ہے کہ ان بے ربط کلمات (یعنی عریضۂ ہذا) کے حضورِ والا کے مطالعہ کے وقت میں اس مقام میں پورے طور پر داخل ہونا میسر ہوجائے گا، اس کے بعد حضرت خواجہ (احرار قدس سرہٗ) کو وہ عزیزِ متوقف پوری طرح نیچے لے جائیگا (یعنی حضرت خواجہ احرارؒ کے جملہ کمالات کو حضرت مجددؒ مکمل طور پر حاصل کرلیں گے)۔

عروج و نزول وغیرہ حالات کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیر و مرشد بزرگوار کی خدمت میں تحریر کیا۔

عریضہ: حقیر ترین خادم کی گذارش ہے کہ مولانا علاء الدین نے حضور والا کا نوازشنامہ اس خادم کو پہنچایا، آپ کے نوازشنامہ میں ذکر کئے ہوئے ہر ایک مقدمہ کے کشف (وضاحت) میں وقت کی گنجائش کے مطابق مسودہ کیا گیا، ان تحریر فرمائے ہوئے علوم کے بعض متممات و مکملات (تکمیل و اتمام کو پہنچانے والے امور) بھی دل میں گذرے تھے (لیکن) ان کے لکھنے کی فرصت نہ ملی کہ حامل عریضۂ ہذا روانہ ہوگیا، انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد خدمتِ گرامی میں ارسال کیا جائے گا۔ اس وقت ایک اور رسالہ نقل کیا ہوا تھا ارسالِ خدمت ہے اور یہ رسالہ بعض دوستوں کی التماس پر لکھا گیا ہے، ان دوستوں نے خواہش کی تھی کہ ایسی نصیحتیں لکھی جائیں جو طریقت میں نفع دینے والی ہوں اور ان کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ رسالہ بے نظیر اور بہت برکتوں والا ہے۔ اس رسالہ کو لکھنے کے بعد (واقعہ میں) ایسا معلوم ہوا کہ حضرت خاتم الانبیاء رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور اسی رسالہ[1] کو اپنے دستِ مبارک میں لئے ہوئے ہیں اور نہایت مہربانی سے اس کو چومتے ہیں اور مشائخ کرام کو دکھا کر

ایک تحریر اور ایک رسالہ کا ذکر

---

[1] اس مبارک رسالہ کی یقینی طور پر نشاندہی تو مشکل ہے لیکن بعض اعتبار سے دفتر اول مکتوب ۲۶۶ پر اس رسالہ کا گمان ہوتا ہے، واللہ اعلم

فرماتے ہیں کہ اس قسم کے عقائد ہونے چاہئیں (جو کہ اس رسالہ میں مذکور ہیں) اور (مشائخ کی) وہ جماعت ان (رسالے والے) علوم سے سعادت مند تھی جو اپنی نورانیت سے ممتاز اور عزیز الوجود (نادر) ہیں - اور وہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے سامنے کھڑے ہیں۔ اس واقعہ کی کیفیت کا بیان بہت طویل ہے۔ اور اسی مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو شائع کرنے (بیان کرنے) کا حکم فرمایا۔ ع

باکریماں کارہا دشوار نیست (ترجمہ) کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

جس روز سے یہ خادم حضور کی خدمت سے واپس آیا ہے عروج کی طرف رغبت ہونے کے باعث مقامِ ارشاد (یعنی مخلوق کو حق تعالیٰ کی طرف ہدایت کرنے) کے ساتھ کچھ زیادہ مناسبت نہیں رکھتا البتہ کچھ عرصہ تک یہ ارادہ کرتا رہا کہ گوشہ نشین ہو جاؤں کیونکہ ملنے جلنے والے لوگ ببر شیر کی طرح نظر آتے تھے، تنہائی اختیار کرنے کا ارادہ پختہ ہو چکا تھا لیکن استخارہ میں اس کے ساتھ موافقت ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ قربِ الٰہی کے درجات کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے اس کے باوجود ان درجات میں انتہائی درجہ تک عروج حاصل ہوا اور ہوتا رہتا ہے اور اوپر لے جاتے اور نیچے لاتے رہتے ہیں۔ کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فِیۡ شَاۡنٍ (سورۂ رحمٰن آیت 29) (ہر روز وہ ایک نئی شان میں ہے یعنی نئی حالت منظرِ عام پر لاتا ہے) تمام مشائخ کرام کے مقامات پر اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ اس خادم کو عروج حاصل ہوا۔ ؎

گِلے بر د ند زیں دہلیزۂ پست بداں درگاہِ والا دست بردست

نیچی چوکھٹ کی مٹی ہاتھوں ہاتھ اُن کے صدقے میں پاگئی معراج

اس ضمن میں اگر مشائخ کرام کی روحانیت کے توسط (واسطہ ہونے) کو شمار کرنے لگوں تو بات لمبی ہو جائے، غرضکہ تمام اصل مقامات سے ظلی مقامات کی مانند گذر کرایا گیا، اللہ تعالیٰ کی عنایتوں کو کہاں تک بیان کروں، قُبِلَ مَنۡ قُبِلَ بِلَا عِلَّۃٍ (جو شخص بھی مقبول ہوا وہ بلا سبب و علت کے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مقبول ہوا ہے) ولایت کے حقائق و کمالات اس قدر ظاہر کئے گئے کہ یہ خادم کہاں تک تحریر کرے۔

ماہِ ذی الحجہ میں نزول کے درجات میں مقامِ قلب تک نیچے لے آئے، اور یہ مقام تکمیل و ارشاد (دوسروں کی ہدایت و تربیت) کا مقام ہے لیکن ابھی اس مقام کو تمام و کمال تک پہنچانے والی چیزوں کی ضرورت ہے، (معلوم نہیں) کب تک میسر ہوتی ہیں، یہ کام آسان نہیں ہے، مراد (محبوبیت والا) ہونے کے باوجود اس قدر منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں کہ مریدوں کو حضرت نوح (علیہ السلام) جتنی عمر میں

بھی (ان کا طے ہونا) معلوم نہیں کہ میسر ہو سکے، بلکہ یہ حقائق و کمالات مرادمندوں (محبوبوں) ہی کے ساتھ مخصوص ہیں مریدوں کے لئے یہاں قدم رکھنے کی جگہ نہیں ہے، افراد کے عروج کی انتہا مقامِ اصل کی ابتدا تک ہے اس سے آگے اکثر افراد کا بھی گذر نہیں ہے، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (سورۂ جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل و کرم والا ہے) تکمیل و ارشاد کے مرتبوں میں توقف (تاخیر) کی وجہ[1] یہی ہے اور نورانیت کا نہ ہونا ظلمتِ غیب کا نور ظاہر ہونے کی وجہ سے ہے اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے، لوگ اپنے خیالات میں بہت سی باتیں بناتے ہیں، ان کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

ترجمہ: کب سمجھ سکتا ہے ناقص کاملوں کے حال کو چاہئے اب مختصر کرنا ہی اپنے قال کو

اس قسم کی ظنی باتیں سوچنے میں نقصان کا احتمال غالب ہے، ان لوگوں کو فرما دیجئے کہ اس خستہ دل (مراد حضرت مجددؒ) کے حالات سے اپنی خیالی نظر کو بند کر لیں (یعنی ان خیالی باتوں سے باز رہیں) نظر کی جولانگاہ کے لئے اور بہت سے مواقع ہیں ؎

من گم شدہ ام مرا مجوئید با گم شدگان سخن مگوئید

ترجمہ: میں ہوں گم مجھ کو نہ ڈھونڈو دوستو گم شدہ لوگوں سے باتیں مت کرو

اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ کی غیرت سے ڈرنا چاہئے، حق تعالیٰ جس امر کو کامل کرنا چاہتا ہے اس کا نقص نکالنے اور عیب لگانے میں گفتگو کرنا بہت ہی نامناسب ہے، اصل میں یہ حق تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ اور جھگڑا کرنا ہے۔ اور مقامِ قلب میں نزول کرنا (جس کا ذکر قریب ہی میں گذر چکا ہے) حقیقت میں مقامِ فرق ہے جو کہ ارشاد کا مقام ہے اور اس مقام میں مقامِ فرق سے مراد یہ ہے کہ روح کے نور میں نفس کے داخل ہونے کے بعد نفس روح سے اور روح نفس سے جدا ہو جائے اور اس کو مقامِ جمع کہتے ہیں، جمع و فرق کے متعلق اس بیان سے زیادہ جو کچھ سمجھا جاتا ہے وہ سکر کی وجہ سے ہے۔ حق (اللہ تعالیٰ) کو خَلق (مخلوق) سے جدا دیکھنا جس کو اہلِ سُکر مقامِ فرق خیال کرتے ہیں اس کی کچھ حقیقت نہیں ہے، وہ اسی[2] روح کو ذاتِ حق جانتے ہیں،

---

[1] یعنی ابھی اس مقام کو تمام و کمال تک پہنچانے والی چیزیں درکار ہیں۔ [2] کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالک کی نظر عالمِ ارواح پر پڑتی ہے اور اس عالم کو مرتبہ وجوب کے ساتھ مناسبت ہونے کی وجہ سے اگرچہ وہ مناسبت صورتاً ہوتی ہے، حق (خدا) سمجھنے لگتا ہے اور اس (عالمِ ارواح) کے شہود کو شہودِ حق جل سلطانہٗ تصور کرتا ہے اور اس کے ساتھ محظوظ و لطف اندوز ہوتا ہے ٭

اور اس (روح) کو نفس سے جدا دیکھنا حق تعالیٰ و تقدس کو مخلوق سے جدا دیکھنا جانتے ہیں اور صاحب شکر کے اکثر علوم میں اسی طرح کا قیاس کرسکتے ہیں اس لئے کہ معاملہ کی حقیقت وہاں موجود نہیں ہے اور اصل حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ــــــ کسی دوسرے رسالہ (عریضہ) میں اہلِ جذبہ و سلوک کے علوم اور ان دونوں امور (جذبہ و سلوک) کی حقیقت تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہے وہ رسالہ بھی آپ کی نظرِ مبارک سے گذرے گا۔

مکتوب ۱۷ ہفدہم

بعض ان احوال کے بیان میں جو عروج و نزول سے تعلق رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ، یہ بھی اپنے پیر و مرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

کمترین خادم کی عرض یہ ہے کہ جو عزیز[1] کچھ مدت سے ترقی سے رکے ہوئے تھے، عریضہ لکھنے کے دن ایسا ظاہر ہوا کہ اس مقام سے کسی قدر ترقی کرکے اخیر تک نیچے آگئے ہیں لیکن انھوں نے پوری طرح نزول نہیں کیا ہے، باقی جو عزیز اس مقام کے نیچے تھے وہ بھی عروج کرکے اسی مقامِ فوق کی راہ سے نزول کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں، اس کے بعد جو کیفیت ظاہر ہوگی آپ کی خدمت میں عرض کردی جائے گی، اگر صاحبِ معاملہ بھی اپنے حال کے منکشف ہونے کے بعد کچھ لکھے تو زیادہ بہتر ہے چونکہ نزول کے اس قضیہ کا واقع ہونا قوی اور زور دار تھا اور اس احقر کو مسہل لینے کی وجہ سے کمزوری لاحق ہوگئی تھی اس لئے اس نزول کے نتیجہ میں مشغول نہیں ہوا، ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ ظاہر ہوجائے گا۔ ؎

مکتوب ۱۸ ہژدہم

تمکین جو تلوین کے بعد حاصل ہوتی ہے اور ولایت کے تین قسم کے مراتب کے بیان میں اور اس

---

[1] "عزیز متوقف" کا لفظ دفتر اول کے مکتوب ۱۵ اور مکتوب ۱۷ میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت مولانا نصر اللہ قندہاریؒ نے اپنی شرح مکتوبات میں دونوں احتمالات کی گنجائش رکھی ہے کہ اس سے مراد حضرت خواجہ باقی باللہؒ ہیں یا خود حضرت مجددؒ مراد ہیں۔ اور خود انھوں نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے نیز مکتوب ۱۷ کے اختتامی جملے کی تشریح میں لکھتے ہیں: "ازیں فرمودہ شان دو چیز معلوم می شود، اول اینکہ از سیاق و سباق مکتوب حضرت امام معلوم می شود کہ عزیز متوقف شیخ المشائخ است، دوم اینکہ در نزول ہم توجہ مرشد درکار است چنانچہ در عروج ضرورت دارد" (شرح مکتوبات ص ۸۳)

بیان میں کہ واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات پر زائد ہے وغیرہ وغیرہ (یعنی مسئلہ قضا و قدر اور مسئلہ خلق کے بیان میں)۔ یہ بھی اپنے پیر و مرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

تلوین و تمکین کا حصول

بندۂ کمترین پُر تقصیر احمد بن عبد الاحد عرض کرتا ہے کہ جب تک (قلبی) حالات و واردات میں سے کچھ ظاہر ہوتے رہے اُن کے عرض کرنے کی گستاخی اور جرأت کرتا رہا لیکن جب حق سبحانہٗ و تعالےٰ نے حضور کی بلند توجہات کی برکت سے حالات کی غلامی سے آزاد کر دیا اور تلوین[1] سے (بدل کر) تمکین[2] کے ساتھ مشرف فرما دیا تو کام کا حاصل حیرت و پریشانی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا اور وصل سے جدائی اور قُرب سے بُعد کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، اور معرفت سے عدم معرفت (نہ پہچاننے) اور علم سے جہل کے سوا کچھ زیادہ نہ ہوا، ناچار عریضے ارسال کرنے میں توقف واقع ہوا اور محض روزمرہ کے حالات عرض کرنے کی جرأت نہیں کی اور اس کے ساتھ ہی دل پر ایسی معنوی سردی غالب آگئی ہے کہ کسی کام میں جوش و حرارت نہیں رکھتا اور بیکار لوگوں کی مانند کسی کام میں مشغول نہیں ہو سکتا ؎

مَن ہیچم و کم ز ہیچ بسیارے　　　وز ہیچ و کم از ہیچ نیاید کارے[3]

(ترجمہ)
میں ہیچ ہوں ہیچ سے بھی کم ہوں　　　کیونکر بنے ہیچ و کم سے کچھ کام!

اب ہم اصل بات بیان کرتے ہیں ــــ تعجب یہ ہے کہ اب اس خادم کو حق الیقین[4] کے ساتھ مشرف فرمایا ہے کہ جس مقام میں علم الیقین اور عین الیقین ایک دوسرے کا حجاب نہیں ہیں اور فنا و بقا اس جگہ جمع ہیں، عین حیرت و بے نشانی کی حالت میں علم و شعور کے ساتھ ہے اور نفسِ غیبت میں

---

[1] تلوین، طرح طرح کا ہونا، اور اہلِ تصوف کی اصطلاح میں فقر کے ایک مقام کا نام ہے۔ جاننا چاہئے کہ مشائخ طریقت کے نزدیک تلوین سے مراد سالک کے دل کا ان احوال میں پھرنا جو اس پر گزرتے ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ دل کا بوجہ غیبت صفات نفس اور اس کے ظہور کے کشف و احتجاب کے درمیان پھرنا۔ اور حضرت شیخ قدس سرہ اپنی اصطلاحات میں فرماتے ہیں کہ اکثر مشائخ کے نزدیک تلوین ایک ناقص مقام ہے لیکن ہمارے نزدیک سب مقامات سے افضل و اکمل ہے اور بندہ کا حال اس میں وہی ہے جیسا کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ خود ہی فرماتا ہے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ۔ اور تمکین ہمارے نزدیک تمکین در تلوین ہے (رشحات)۔ نیز جاننا چاہئے کہ تلوین اربابِ احوال کی صفت ہے اور تمکین اربابِ حقائق کی صفت ہے ــــ [2] تمکین، جگہ پکڑنا، قرار پکڑنا، قدر و مرتبہ، سالکوں کے ایک مقام کا نام ہے اور اہلِ تصوف کی اصطلاح میں اس سے مراد قربِ الٰہی میں دل کے اطمینان کے ساتھ کشفِ حقیقت کا دائمی ہونا۔

[3] اس شعر کا عربی شعر میں ترجمہ یہ ہے،

وَإِنِّي لَا شَيْءٌ وَمِنْ ذَا الْعَا أَنْقَصُ　　　وَمَنْ هُوَ لَا شَيْءٌ يَكُونُ مُعَطَّلًا

[4] حق الیقین، عین الیقین، علم الیقین۔ ان تینوں کے معنی جلد اول مکتوب ۲۷۷ میں مذکور ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور حاصل ہے، علم و معرفت کے باوجود جہل و ناشناسی کی زیادتی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ع
عجب[1] اینست کہ من واصل و سرگردانم (ترجمہ) تعجب ہے کہ میں واصل ہوں اور پھر بھی پریشاں ہوں

اللہ تعالیٰ نے محض اپنی بے انتہا عنایت سے کمالات کے درجوں میں خوب ترقیاں عطا فرمادی ہیں، مقام ولایت سے اوپر مقام شہادت ہے اور ولایت کو شہادت کے ساتھ وہی نسبت ہے جو تجلی صوری کو تجلی ذاتی کے ساتھ ہے بلکہ ان دونوں نسبتوں (ولایت و شہادت) کا درمیانی بُعد اُس بُعد سے کئی درجے زیادہ ہے جو کہ ان دونوں تجلیات کے درمیان ہے، اور مقام شہادت سے اوپر مقام صدیقیت ہے اور ان دونوں مقامات میں جو فرق ہے وہ اتنا بڑا ہے کہ نہ کسی عبارت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی اشارہ سے بیان کیا جاسکتا ہے، اور اس کے اوپر مقام نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اور کوئی مقام نہیں ہے۔ اور ممکن نہیں کہ مقام صدیقیت و مقام نبوت کے درمیان کوئی اور مقام ہو؟ بلکہ محال ہے اور اس کے محال ہونے کا یہ حکم واضح اور صحیح کشف سے معلوم ہوا ہے، اور بعض اہل اللہ نے ان دونوں مقاموں کے درمیان جو واسطہ ثابت کیا ہے اور اس کا نام قربت رکھا ہے اس سے بھی (اس خادم کو) مشرف فرمایا گیا اور اس مقام کی حقیقت پر اطلاع بخشی۔

(حاشیہ: قرب سر کار ولایت)

بہت زیادہ توجہ اور بے شمار عاجزی و زاری کے بعد شروع میں اسی طرح جیسا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے ظاہر ہوا، آخر کار حقیقت کا علم کرادیا۔ ہاں اس مقام کا حاصل ہونا عروج کے وقت میں مقام صدیقیت کے حصول کے بعد ہے لیکن واسطہ ہونا غور طلب ہے۔ یہ خادم بالمشافہ ملاقات کے وقت انشاء اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت کو مفصل عرض کرے گا۔ وہ مقام بہت ہی بلند ہے، عروج کی منزلوں میں اس مقام سے اوپر اور کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر وجود کا زائد ہونا اسی مقام میں ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ علمائے اہل حق کے نزدیک ثابت ہے شَکَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی سَعْیَہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کو ان کی کوششوں کی جزائے خیر عطا فرمائے) اور یہاں وجود بھی راستہ ہی میں رہ جاتا ہے اس سے بھی اوپر عروج واقع ہوجاتا ہے۔

ابوالمکارم رکن الدین شیخ علاؤ الدولہ اپنی کسی تصنیف میں فرماتے ہیں "وَفَوْقَ عَالَمِ الْوُجُوْدِ عَالَمُ مَلِکِ الْوَدُوْدِ" (یعنی عالم وجود و ہستی کے اوپر اَلْمَلِکُ الْوَدُوْدِ (بہت محبت کرنے والے بادشاہ) کا عالم ہے) اور

[1] اس مصرعہ کی تعریب یہ ہے: اَلَا فَاعْجَبُوْا مِنْ وَاصِلٍ مُتَحَیِّرٍ

مقامِ صدیقیت بقا کے مقامات میں سے ہے جو کہ عالم کی طرف توجہ (رُخ) رکھتا ہے (مراتبِ نزول وبقا میں) اس مقام سے نیچے نبوت کا مقام ہے جو کہ حقیقت میں اس مقام (صدیقیت) سے بہت بلند ہے اور اس میں کمال درجہ کا صحو و بقا ہے۔ مقامِ قربت ان دونوں مقاموں (صدیقیت و نبوت) کے درمیان برزخ (واسطہ) ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ اس کی توجہ خالص تنزیہ کی طرف ہے اور یہ تمام کا تمام عروج ہے، ان[1] دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے ؎

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ہر چہ استادِ ازل گفت بگو میگویم

(ترجمہ) مجھے طوطی کی مانند آئینے کے پیچھے رکھا ہے وہی کہتا ہوں استادِ ازل جو مجھ سے کہتا ہے

شرعی، نظری، استدلالی (یعنی نظر و استدلال سے ثابت شدہ شرعی) علوم کو ضروری کشفی بنا دیا ہے علمائے شریعت کے اصول سے ایک بال بھر (یعنی ذرا سی) بھی مخالفت نہیں ہے بلکہ انہی اجمالی علوم کو تفصیلی کر دیا ہے اور نظریّت[2] سے ضروریّت[3] کی طرف لائے ہیں۔ ایک شخص نے حضرت خواجۂ بزرگ (خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ العزیز) سے دریافت کیا کہ سلوک سے مقصود کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "تاکہ اجمالی معرفت تفصیلی اور استدلالی معرفت کشفی ہو جائے"۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ ان (علومِ شرعیہ) کے علاوہ کوئی اور علوم حاصل ہوتے ہیں، ہاں راستہ میں بہت سے علوم و معارف پیش آتے اور ظاہر ہوتے ہیں کہ جن سے گزر جانا چاہئے، اور جب تک سالک نہایت النہایت تک جو کہ مقامِ صدیقیت ہے نہ پہنچے ان علوم سے حصہ حاصل نہیں کر سکتا۔ بعض اہل اللہ جو البتہ اس مقام شریف یعنی مقامِ صدیقیت کے حاصل ہونے کے قائل ہیں لیکن ان کو اس مقام کے علوم و معارف کے ساتھ کچھ بھی مناسبت نہیں ہے کاش میں جانتا کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (سورۂ یوسف آیت ۷۶) (اور ہر علم والے کے اوپر اس سے زیادہ علم والا موجود ہے) ——— اور اس خادم کو مسئلۂ قضاؤ[4] قدر کے راز پر بھی اطلاع

---

[1] یعنی مقامِ قربت تمام و کمال عروج ہے اور مقام صدیقیت و نبوت کلی طور پر نزول و صحو و بقا ہے۔
[2] یعنی جو فکر و نظر پر موقوف ہو ——— [3] یعنی جو بدیہی و ظاہر ہو اور نظر و فکر پر موقوف نہ ہو۔
[4] جاننا چاہئے کہ قضا اور قدر کے ایک ہی معنی ہیں یعنی خدائے تعالیٰ کا بندہ چانچا ہوا (اندازہ کیا ہوا) حکم۔ کبھی ان دونوں میں فرق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قضا ازلی ہے اور قدر لایزال میں اس کا وقوع ہے پس قضا قدر سے پہلے ہوگی اور اس کے برعکس بھی۔ کہتے ہیں یعنی قدر بمعنی تقدیر ازلی و قضا اس کے موافق بمعنی پیدا کرنا۔ فی الجملہ بندوں کے اعمال اور خیر و شر وغیرہ سے جو کچھ عالم میں واقع ہوتا ہے وہ سب تقدیر الٰہی سے ہے کوئی ذرہ بھی اس کی تقدیر (اندازہ) سے باہر نہیں ہے اس کے باوجود حق تعالیٰ نے بندوں کو ایک طرح کا اختیار و قدرت و ارادہ عطا فرمایا ہے اور جمادات کی مانند مجبورِ محض نہیں بنایا ہے جیسا کہ جبریہ کہتے ہیں اور اس مسئلہ کی تفصیل کتب عقائد میں دیکھنی چاہئے۔

بخشی گئی اور اس کا اس طرح پر علم کرایا گیا کہ کسی طرح بھی روشن شریعت کے ظاہری اصول و قواعد سے مخالفت لازم نہیں آتی اور یہ (مسئلہ تقدیر) ایجاب یا واجب و لازم قرار دینا) کے نقص اور جبر (مجبور کرنا) کی آمیزش سے پاک و صاف ہے اور چودہویں رات کے چاند کی طرح ظاہر ہے۔

تعجب ہے کہ جب یہ مسئلہ (تقدیر) اصولِ شریعت کے مخالف نہیں ہے تو پھر اس کو پوشیدہ کیوں رکھا ہے، اگر کچھ بھی مخالفت رکھتا تو اس کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا مناسب تھا (لیکن) لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (سورۂ انبیاء آیت ۲۳) [جو کچھ وہ (حق سبحانہ و تعالیٰ) کرتا ہے اس سے اس کے متعلق پوچھا نہیں جاتا] ؎

کرا زہرۂ آنکہ از بیم تو کشاید زباں جز بہ تسلیم تو

(ترجمہ) کس کی طاقت ہے کہ تیرے خوف سے ماسوا تسلیم کچھ بھی کہہ سکے

علوم و معارف ابرِ بہاری کی طرح اس قدر برس رہے ہیں کہ ادراک کرنے (پانے) والی قوت ان کے برداشت کرنے سے عاجز ہو جاتی ہے، قوتِ مدرکہ کہنا محض تعبیر کے طور پر ہے، وَاِلَّا لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَایَاهُ [ورنہ بادشاہوں کے عطیات کو بادشاہوں کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں] شروع میں یہ شوق تھا کہ ان عجیب و غریب علوم کو لکھ لیا جائے لیکن اس کی توفیق نہیں پاتا تھا، اور اسی وجہ سے طبیعت پر بوجھ رہتا تھا، آخر کار تسلی فرمادی گئی کہ ان علوم کے فیضان کرنے کا مقصد ملکہ[۱] حاصل کرنا ہے نہ کہ ان علوم کا یاد کرنا۔ چنانچہ طالبانِ علم، علوم اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ مولویت کا ملکہ حاصل کرلیں اس لئے علوم حاصل نہیں کرتے کہ صرف و نحو وغیرہ کے اصول حفظ یاد کرلیں۔ اب ان علوم میں سے بعض عرضِ خدمت ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (سورۂ شوریٰ آیت ۱۱) [اس کی مثل (مانند) کوئی چیز نہیں ہے اور وہ ہر بات سننے والا دیکھنے والا ہے]۔ اس آیتِ مبارکہ کا پہلا جزو، خالص تنزیہ کو ثابت کرتا ہے جیسا کہ ظاہر ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ اس تنزیہ کو پورا اور کامل کرنے والا ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ چونکہ عالم کے لئے سمع و بصر کے ثابت ہونے میں باہم مشابہت کے ثبوت کا وہم ہوتا ہے اگرچہ فرضی طور پر ہی ہو، اس لئے حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس وہم کو دور کرنے کے لئے مخلوق سے سمع و بصر کی نفی فرمادی یعنی سمیع و بصیر اللہ جل شانہٗ ہی ہے اور سمع و بصر (کی طاقت) جو مخلوق

---

[۱] ملکہ بمعنی استعداد و لیاقت۔ مہارت، صفتِ راسخہ، اور طبیعت میں ایک قوت کا نام ہے جس کے ذریعہ اشیا کا حصول کرسکتے ہیں۔

میں پیدا کی گئی ہے، دیکھنے اور سننے میں ان کا کچھ دخل نہیں ہے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ سمع و بصر کو پیدا کرتا ہے اسی طرح ان دونوں صفتوں سمع و بصر کے پیدا کرنے کے بعد جیسا کہ عادۃ اللہ اسی طرح جاری ہے ان صفات کی تاثیر کے بغیر سننے اور دیکھنے کو پیدا کر سکتا ہے، اور اگر ہم ان صفات کی تاثیر کے قائل ہوں تو ان میں تاثیر بھی حق تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ پس جیسا کہ ان مخلوقات کے اصل جماد محض ہیں (یعنی ان عناصرِ اربعہ میں قوتِ نشوونما نہیں ہوتی) اسی طرح ان کی صفات بھی جماد محض ہیں، جس طرح کہ صاحبِ قدرت (اللہ تعالیٰ) محض اپنی قدرت سے پتھر میں صفتِ کلام پیدا فرما دیتا ہے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ حقیقت میں پتھر کلام کرتا ہے اور کلام کی صفت رکھتا ہے، جس طرح پتھر جماد محض ہے اگر بالفرض اس میں یہ صفتِ کلام بھی موجود ہو تو بھی جماد محض ہے اُس پتھر سے حرف و آواز کے ظاہر ہونے میں صفتِ کلام کا کوئی دخل نہیں ہے، تمام صفات[1] اسی طرح پر ہیں۔

غرضکہ جب یہ دو صفتیں زیادہ ظاہر تھیں تو اللہ تعالیٰ نے نفی کے لئے ان دونوں کو خاص کر لیا اور ان دونوں کی نفی سے باقی صفات کی نفی بطریقِ اولیٰ لازم آئے گی۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اول صفتِ علم کو پیدا کیا، پھر صفتِ علم کی توجہ معلوم کی طرف پیدا کی پھر معلوم کے ساتھ اس صفت کا تعلق پیدا کیا، اس کے بعد معلوم کو اس پر منکشف کر دیا۔ پس صفتِ علم کو پیدا کرنے کے بعد محض قانونِ قدرت کے مطابق (یعنی صفتِ علم کے دخل کے بغیر) اس میں انکشاف کو پیدا کیا، پس معلوم ہو گیا کہ صفتِ علم کو انکشاف میں کیا دخل ہو گا (یعنی کچھ دخل نہیں ہے)۔

اسی طرح حق تعالیٰ نے اول صفتِ سمع کو پیدا کیا پھر مسموع کی طرف کان لگانا اور متوجہ ہونا پیدا کیا، اس کے بعد سننا اور پھر مسموع کا ادراک پیدا کیا۔

اسی طرح حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اول بصر کو پیدا کیا پھر آنکھ کی پُتلی کو دیکھی جانے والی چیز کی طرف پھرانا (گھمانا) اور توجہ کرنا پیدا کیا، اس کے بعد دیکھنا پھر اس چیز کا ادراک پیدا کیا۔ علیٰ ہذا القیاس (اسی پر مخلوق کی باقی صفات کو قیاس کر لیجئے)۔

پس سمیع و بصیر وہی ذات ہے جس کے سننے اور دیکھنے کا مبدأ یہ دو صفتیں ہوں اور جب (حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سوا کسی اور میں) ایسا نہیں ہے تو (حق تعالیٰ کے سوا) کوئی سمیع و بصیر بھی نہیں ہے۔ پس

---

[1] تمام صفات یعنی حیٰوۃ، علم، کلام، قدرت اور ارادہ۔ یعنی وہی حق تعالیٰ شانہٗ درحقیقت حی، علیم، کلیم، قدیر ہے، مخلوقات میں بھی یہ صفات پیدا کی گئی ہیں لیکن ان صفات کے آثار و نتائج میں مخلوقات کو کوئی دخل نہیں، حق تعالیٰ ہی ان صفات کو پیدا کرتا ہے اور تاثیر بھی وہی عطا کرتا ہے کیونکہ عادۃ اللہ یہی ہے۔

ثابت ہوگیا کہ ان کی صفات ان کی ذات (اصل) کی طرح جمادِ محض ہیں۔ پس آیتِ مذکورہ کے آخری حصہ سے مقصود ان سے کُلّی طور پر صفات کی نفی کرنا ہے نہ یہ کہ اُن کے لئے صفات ثابت ہیں، اور یہ صفات بعینہا حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے لئے بھی ثابت ہیں تاکہ اس تقدیر پر یہ قول تنزیہ میں جو آیت کے اول جزء کا مفاد ہے اور تشبیہ میں جو کہ آیت کے آخر جزء کا مفاد ہے جمع و موافقت ہو جائے یعنی ایسا نہیں ہے بلکہ پوری آیتِ کریمہ تنزیہ کے اثبات اور تشبیہ (مثل ہونے) کی کلی طور پر نفی کے لئے ہے۔

علم اول یعنی ان کی صفات کو خاص حق تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا اور ان کی ذات (اصل) کو جمادِ محض جاننا اور پرنالے اور کوزہ کی مانند معلوم کرنا کہ پانی وہاں سے ظاہر ہے یہ سب مقامِ ولایت کے مناسب[1] علوم میں سے ہے (جو کہ ولایت کا پہلا درجہ ہے) اور علمِ ثانی یعنی ان کی صفات کو بھی جماد کی طرح معلوم کرنا اور اس تمام کو مَیّت (مُردہ) جاننا کہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (سورۂ زمر آیت ۳۰ پ ۲۳) بیشک آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے) یہ مقامِ شہادت کے مناسب علوم میں سے ہے (جو کہ ولایت کا دوسرا درجہ ہے)۔

اس بیان سے بھی ولایت کے ان دو مقامات کے درمیان کچھ فرق ظاہر ہو جاتا ہے، وَالْقَلِيْلُ يَدُلُّ عَلَى الْكَثِيْرِ وَالْجُرْعَةُ تُنْبِئُ عَنِ الْبَحْرِ الْغَدِيْرِ (اور تھوڑی چیز زیادہ پر دلالت کرتی ہے اور قطرہ بڑے سمندر کی خبر دیتا ہے)۔

ع سالے کہ نکوست از بہارش پیداست (سال اچھا ہے وہی جس کی بہار اچھی ہے)

اور اسی طرح اس عالی مقام کے لوگ مخلوقات کے افعال کو بھی مُردہ اور جماد (بے جان چیز) کی طرح پاتے ہیں نہ یہ کہ ان کے افعال کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کریں اور اللہ تعالیٰ کو ان افعال کا فاعل جانیں، تَعَالَى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی ذات اس نسبت سے بہت ہی بلند ہے)۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص پتھر کو ہلاتا اور حرکت دیتا ہے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ شخص متحرک ہے بلکہ وہ پتھر میں حرکت کا ایجاد کرنے والا ہے اور پتھر متحرک ہے۔ اس کے باوجود جس طرح کہ پتھر جمادِ محض ہے اس کی حرکت بھی جمادِ محض ہے۔ اگر بالفرض اس حرکت سے کوئی شخص ہلاک ہو جائے تو یہ نہیں کہیں گے کہ پتھر نے مارا بلکہ یہی کہیں گے کہ اس شخص نے مارا۔ اور علمائے شریعت شکر اللہ تعالیٰ

---

[1] جاننا چاہئے کہ مقاماتِ ولایت و شہادت و صدیقیت میں سے ہر ایک مقام کے اپنے جدا علوم و معارف ہیں جو اس مقام کے مناسب ہیں چنانچہ مقامِ ولایت میں سُکر غالب ہے اور صحو مغلوب اور مقامِ شہادت میں اس کے برعکس یعنی صحو غالب ہے اور سُکر مغلوب اور مقامِ صدیقیت میں سکر بالکل نہیں ہے۔ (معارف لدنیہ، معرفت ۳۶)

سَعْیَھُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں پر اجر و ثواب مرحمت فرمائے) اس علم کے موافق ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مخلوقات سے افعال صادر ہونے کے باوجود خواہ وہ افعال اُن کے ارادہ و اختیار سے ہی ہوں، لیکن ان فعلوں کے مفعول اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اور پیدا کئے ہوئے ہیں، اور ان (یعنی مخلوقات) کے فعل کو ان مفعولات کے بنانے اور پیدا کرنے میں کوئی دخل نہیں ہے، ان افعال کی چند حرکتیں ہیں جن کی معمول و مصنوع کے بننے اور پیدا ہونے میں کچھ بھی تاثیر[۱] نہیں ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس تقدیر پر افعال کو ثواب و عذاب کا مدار بنانا خلافِ عقل ہے جیسا کہ پتھر کو کسی امر کا مکلّف بنائیں اور اس کے فعل پر اچھائی اور بُرائی مرتب کریں تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ پتھر اور مکلفین کے درمیان فرق ہے، اس لئے کہ تکلیفاتِ شرعیہ کا مدار قدرت و ارادہ پر ہے اور پتھر میں ارادہ نہیں ہے، لیکن جب ان کا ارادہ بھی حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے بغیر اس کے کہ مراد کے حصول میں اس کی کوئی تاثیر ہو وہ ارادہ مُردہ کی طرح ہے اسی طریقہ پر کہ ارادہ کے ثابت ہونے کے بعد جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے مراد (جس چیز کا ارادہ کیا گیا ہو) پیدا کی جاتی ہے اور اگر بالفرض مخلوق کی قدرت کو کسی ایک لحاظ سے مؤثر (اثر ڈالنے والی) بھی کہا جائے جیسا کہ علمائے ماوراء النہر شَکَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی سَعْیَھُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں پر اجر مرحمت فرمائے) نے کہا ہے تو یہ تاثیر بھی اُن میں حق تعالیٰ نے ہی پیدا فرمائی ہے، جیسا کہ قدرت کو بھی اسی نے پیدا فرمایا ہے پس اس کی تاثیر میں اس کا بالکل کوئی اختیار نہیں ہے لہٰذا اس کی تاثیر بھی جماد کی مانند ہوگی۔ مثلاً کسی شخص نے ایک پتھر دیکھا جو کہ کسی حرکت دینے والے کی حرکت سے اوپر سے نیچے گرا اور ایک جاندار کو ہلاک کر دیا، وہ شخص جس طرح اس پتھر کو جماد جانتا ہے اس کے فعل کو بھی یعنی حرکت کو بھی جماد جانتا ہے اور اُس فعل پر مرتب ہونے والے اثر کو بھی جو کہ ہلاک کرنا ہے جماد جانتا ہے۔ پس مخلوقات کی ذاتیں، صفاتیں اور افعال سب کے سب محض جمادات اور صرف مُردہ ہیں، فَهُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ وَهُوَ الْفَعَّالُ لِمَا يُرِيْدُ (پس وہی ہمیشہ زندہ و قائم ہے اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے اور وہی علیم و خبیر ہے اور وہی جس چیز کا ارادہ کرے اس کو کرنے والا ہے)۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ

---

[۱] جاننا چاہئے کہ حضراتِ اشاعرہ رحمہم اللہ تعالیٰ اس بات کے قائل ہیں کہ بندوں کے افعال میں صرف حق تعالیٰ کی قدرت مؤثر ہے بخلاف جمہور معتزلہ کے کہ محض بندہ کی قدرت کو افعال میں مؤثر جانتے ہیں اور اس مسئلہ کی تفصیل کتب عقائد میں موجود ہے۔

لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ (سورۃ الکہف آیت ۱۰۹) (اے پیغمبرؐ)
آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائیں تو ضرور سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن
اللہ تعالیٰ کی باتیں (ہرگز) ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم اُتنے ہی (اور) سمندر مدد کے طور پر لے آئیں)۔

اس خادم نے بہت گستاخی کی اور بے حد جرأت واقع ہوئی، کیا کر سکتا تھا، بات کی عمدگی نے جو کہ جمیلِ مطلق (حق سبحانہ وتعالیٰ) کی طرف سے ہے اس بات پر مجبور کر دیا کہ جسقدر بات کو لمبا کیا جائے اچھا ہے اور جو کچھ اس کی طرف سے بیان کیا جائے عمدہ معلوم ہوتا ہے حالانکہ اپنے اندر کوئی مناسبت نہیں پاتا کہ اس بارگاہ کی نسبت کلام کرے یا اس کا پاک نام زبان پر لائے ؎

هزار بار بشستم دہن بمشک وگلاب — هنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است
(ترجمہ) (گلاب و مشک سے دھولوں دہن کو پھر بھی مگر — ہے نام آپ کا لینا کمال بے ادبی)

ع بندہ باید کہ حدِ خود داند — (چاہیئے بندہ اپنی حد میں رہے)

حضور کی توجہ وعنایت کا امیدوار ہے اپنی خرابی کے متعلق کیا عرض کرے اور جو کچھ اپنے اندر پاتا ہے آپ کی بلند توجہ منبع عنایات سے ہے ورنہ

من ہماں احمدِ پارینہ کہ ہستم ہستم — (میں وہی احمد ہوں خادم ہوں پرانا آپ کا)

میاں شاہ حسین توحیدِ وجودی کا طریقہ رکھتا ہے اور اس میں محفوظ ہے، دل میں آتا ہے کہ اس مقام سے اس کو نکالا جائے تاکہ مقامِ حیرت میں پہنچ جائے جو کہ مقصود ہے۔

محمد صادقؒ[1] بچپن ہی سے اپنے آپ کو ضبط نہیں کر سکتا اگر کسی سفر میں ساتھ ہو جاتا ہے تو بہت ترقی کرتا ہے، دامنِ کوہ کی سیر میں ساتھ تھا بڑی ترقی کی اور مقامِ حیرت میں مستغرق ہے اور مقامِ حیرت میں اس فقیر کے ساتھ پوری پوری مناسبت رکھتا ہے، اور شیخ نور[2] بھی اسی مقام میں ہے اس نے بھی بہت ترقی کر لی ہے۔ اور اس فقیر کے عزیزوں میں سے ایک جوان ہے اس کا حال بہت بلند ہے تجلیاتِ برقیہ کے قریب پہنچ چکا ہے اور چست و محنتی ہے۔

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے سب سے بڑے صاحبزادے۔
[2] غالباً شیخ نور محمد پٹنی مراد ہیں اس لئے کہ آپ کے تذکرہ میں ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے آپ کو ذکر قلبی کی تعلیم سے مشرف فرمایا اور آپ کی تربیت حضرت مجددؒ کے حوالہ فرما دی بعد ازاں حضرت مجددؒ نے آپ کو خلافت واجازت عطا فرما کر پٹنہ روانہ کیا۔ مزید تفصیل کیلئے خاکسار کی تالیف "حضرت مجدد الف ثانیؒ" ص ۹۵ ملاحظہ فرمائیں۔

بعض حاجتمندوں کی سفارش کے سلسلہ میں اپنے پیرو مرشد بزرگوار کی خدمت میں ارسال کیا۔

حقیر ترین خادم کی گذارش ہے کہ لشکر سے ایک شخص نے آکر بیان کیا کہ گذشتہ فصلِ خریف کے متعلق دہلی اور سرہند کے وظیفہ دار فقراء کا روپیہ حضور کی بلند بارگاہ کے ملازموں کے حوالہ کیا گیا ہے تاکہ صحیح تحقیق کے بعد حقداروں کو پہنچا دیں، اس بناپر گستاخی کی گئی ہے کہ ہزار تنکہ[1] فصلانہ شیخ ابوالحسن حافظ و عالم کے نام، اور ہزار تنکہ فصلانہ شیخ شاہ محمد حافظ کے نام نواب شیخ کی سرکار سے مقرر ہے، دونوں مذکورہ بالا شخص زندہ و موجود ہیں اور اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے، اور ان دونوں نے اپنے کسی معتبر آدمی کو بھیجا ہے۔ اگر مذکورہ بالا خبر سچی ہے تو ان دونوں مذکورہ اشخاص کا روپیہ حامل عریضہ ہذا کو عنایت فرمادیں، یہ دونوں شخص سرہند میں موجود ہیں۔

مکتوب ۲۰
بستم

یہ مکتوب بھی بعض حاجتمندوں کی سفارش کے سلسلے میں اپنے پیرو مرشد بزرگوار کی خدمت میں ارسال کیا۔

کمترین خادم کی عرض ہے کہ حبیب اللہ سرہندی کی والدہ اور اس کی بیوی اور دوسرے بزرگوں کے وظائف کے بارے میں جو مکرر عریضے اس ضمن میں لکھے ہوئے ہیں حضور کی بلند بارگاہ کے خادموں کو تکلیف دیتا ہے، اگر مذکورہ بالا اشخاص کے وظائف کی رقم دہلی میں لے آئے ہوں تو حضور والا مولانا علی کو حکم فرمادیں کہ ان مذکورہ اشخاص کی تسلی کردیں۔ بعض اشخاص اپنے وکیل (نمائندہ) کے ذریعے سے اور بعض بذاتِ خود حاضر ہوئے ہیں، اور اگر روپے (رقم) نہ لائے گئے ہوں تو مذکورہ بالا اشخاص زندہ و موجود ہیں، پروانوں (حکمناموں) کے صحیح کرنے کے لئے درخواست کرتے ہیں، مزید عرض کرنا گستاخی ہے۔

---

[1] تنکہ بافتح و کاف عربی، یعنی سکہ رائج خواہ سونے کا ہو یا چاندی کا یا تانبے وغیرہ کا ہو

درجاتِ ولایت خصوصاً ولایتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے درجات کا بیان اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار صاحبہا (اللہ تعالیٰ ان حضرات کے اسرار کو پاکیزہ بنائے) کی تعریف میں اور ان بزرگوں کی نسبت کی بلندی اور اس طریقہ کی دوسرے تمام طریقوں پر فضیلت اور ان کا حضور دائمی ہونے کے بیان میں شیخ محمد مکی ولد حاجی قاری موسیٰ لاہوری[ع] کی طرف ارسال کیا گیا۔

آپ کا پاکیزہ مکتوب شریف جو اس بندۂ ضعیف و نحیف کی طرف لکھا تھا موصول ہوا، اللہ تعالےٰ آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور آپ کا کام آسان کرے اور آپ کے سینہ کو کھول دے اور آپ کے عذر کو قبول فرمائے بطفیل سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو زیغ بصر[1] (یعنی آنکھ کی کجی) سے پاک ہیں۔

میرے بھائیو! آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جب تک وہ موت[2] جو معروف موت سے پہلے ہے اور جس کو اولیاء اللہ فنا[3] سے تعبیر کرتے ہیں، ثابت نہیں ہوگی اس وقت تک بارگاہ حق تعالیٰ و تقدس تک پہنچنا ہرگز میسر نہیں ہوگا بلکہ آفاقی باطل معبودوں[4] (کافر و فاجر لوگوں کے معبود) اور انفسی ہوائی خداؤں (یعنی نفسانی خواہشات) کی عبادت و پرستش سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ (اس فنا کے بغیر) نہ اسلام کی حقیقت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی کمالِ ایمان میسر ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے بندوں کی جماعت میں داخل ہونا اور

"موتوا قبل ان تموتوا" کی اہمیت

---

[1] سورۂ والنجم [۵۳] آیت [۱۷] مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

[2] جیسا کہ وارد ہے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا۔ اور یہ موت لطائف ستہ کا لطیفۂ قالبیہ سے جدا ہونا ہے اس طرح پر کہ نفس ترقی کر کے مقامِ قلب تک پہنچتا ہے اور پھر یہ دونوں مل کر مقامِ روح تک اور پھر یہ تینوں مقامِ سر تک پھر چاروں مل کر مقامِ خفی تک پھر پانچوں مل کر مقامِ اخفیٰ تک پہنچتے ہیں پھر سب مل کر عالمِ قدس کی طرف پرواز کرتے ہیں اور لطیفۂ قالب کو خالی چھوڑ دیتے ہیں لیکن ابتدا میں یہ پرواز بطریقِ احوال ہوتی ہے اور انتہا میں بطریقِ مقام۔ اور اس جدائی کے باوجود قالب میں حس و حرکت باقی رہتی ہے اور اس راز کیلئے مزید مطالعہ کرنا چاہیئے ——— [3] فنا سے مراد ذاتِ حق تعالیٰ کے مشاہدہ کے غلبہ کی وجہ سے ماسوی اللہ سے نسیان ہونا اور فناء الفنا سے مراد یہ ہے کہ اس فنا کا بھی شعور نہ رہے (معارف ولوائح) ——— [4] ایمانِ حقیقی کا حاصل ہونا آفاقی اور انفسی دونوں قسم کے معبودوں کی نفی پر وابستہ ہے لیکن ظاہر شریعت کے حکم میں صرف آفاقی معبودوں یعنی کافروں اور فاجروں کے معبودوں کی نفی کرنے سے ایمان ثابت ہو جاتا ہے یہ ایمان کی صورت ہے لیکن ایمان کی حقیقت انفسی معبودوں یعنی خواہشاتِ نفسانی کی نفی پر موقوف ہے صورتِ ایمان کے تو زائل ہونے کا احتمال ہے لیکن حقیقتِ ایمان اس احتمال سے محفوظ ہے۔ (معارف لدنیہ، معرفت ۲۴)

[ع] مکتوبات شریف میں آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

اوتاد[1] کے درجے تک پہنچنا کس طرح حاصل ہو سکتا ہے، حالانکہ یہ فنا پہلا قدم ہے جو ولایت کے درجات میں رکھا جاتا ہے اور یہ بہت ہی بڑا کمال ہے جو ابتدا ہی میں حاصل ہو جاتا ہے لہذا ولایت کی اس شروع حالت سے اس کی آخری حالت کا اور اس کی ابتدا سے اس کی نہایت کے درجہ کا اندازہ کر لینا چاہیئے۔ کسی نے فارسی میں کیا اچھا کہا ہے ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا (قیاس کیجے مرے باغ سے بہار مری)

اسی مضمون کو کسی اور نے اس طرح کہا ہے۔ ع

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست (سال اچھا ہے وہی جس کی بہار اچھی ہے)

اور ولایت[2] کے بہت سے درجات ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر ہیں، کیونکہ ہر نبی علیہ السلام کے قدم پر ایک ولایت ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہے اور درجاتِ ولایت میں سب سے بلند اور اعلیٰ درجہ وہ ہے جو ہمارے نبیؐ کے قدم پر ہے عَلَیْہِ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِہٖ مِنَ الصَّلَوٰتِ اَتَمُّھَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَیْمَنُھَا (آپؐ پر اور تمام انبیاء کرام پر کامل ترین صلوات اور مبارک ترین تحیات ہوں)۔ کیونکہ تجلیٔ ذاتی جس میں اسماء[3]، وصفات و شیون و اعتبارات کا کوئی اعتبار نہیں ہے، نہ ایجاب و اثبات کے طور پر کوئی اعتبار ہے اور نہ سلب و نفی کے طور پر، وہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت کے ساتھ مخصوص ہے اور تمام وجودی و اعتباری

درجاتِ ولایت

---

[1] اوتاد جمع وتد کی ہے بمعنی میخ اور اولیاء اللہ کی ایک قسم کو بھی کہتے ہیں، یہ اوتاد تمام دنیا میں چار شخص ہوتے ہیں۔

[2] جاننا چاہیئے کہ وَلایت واؤ کی فتح (زبر) کے ساتھ حق تعالیٰ کے ساتھ بندہ کے قُرب کو کہتے ہیں اور واؤ کی کسرہ (زیر) کے ساتھ اس صفت کو کہتے ہیں جس کے سبب سے بندہ مخلوق میں مقبول ہو جاتا ہے اور دنیا والے اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ خوارق و تصرفات اسی دوسری قسم میں داخل ہیں اور جو برکات مستعد لوگوں کو حاصل ہوتی ہیں وہ ولایت بالفتح کا اثر ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کو ان دونوں قسموں میں سے صرف ایک قسم حاصل ہوتی ہے اور بعض حضرات کو ان دونوں کا کافی حصہ حاصل ہوتا ہے اور بعض میں ان دونوں قسم کی ولایتوں میں سے کسی ایک کا حصہ دوسری سے زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ مشائخ نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ وَلایت بفتح وِلایت بکسر پر غالب رہتی ہے اور اگر کوئی مقتدا شخص اس دنیا سے انتقال فرماتا ہے ولایت بکسر کو اپنے کسی مخلص کے لئے چھوڑ جاتا ہے اور ولایت بفتح کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور کبھی کسی لغزش کی بنا پر ولایت بکسر کو ولی سے واپس لے لیتے ہیں۔ (ملخص از ملفوظات حضرت خواجہ محمد عبدالباقی المعروف بہ خواجہ باقی باللہ قدس سرہ جو کہ زبدۃ المقامات سے نقل کیا گیا ہے)۔

[3] جاننا چاہیئے کہ اسماء وصفات و شیون و اعتبارات، ان چاروں میں بہت ہی دقیق فرق ہے جو حضرت مجددؒ کے دیگر مکتوبات میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حجابات کا دور ہو جانا، علماً یعنی ذہنی طور پر اور عیناً یعنی خارجی (علم الیقین اور عین الیقین کے) طور پر اسی مقام میں ثابت ہوتا ہے، پس اس وقت وصلِ عُریانی[1] حاصل ہو جاتا ہے اور وجد (پالینا) حقیقی طور پر ثابت ہو جاتا ہے نہ کہ ظنی اور تخمینی طور پر، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل تابعداروں کو اس مقام سے جس کا وجود بہت عزیز ہے (نادر ہے) پورا پورا نصیب اور بہت بڑا حصہ حاصل ہوتا ہے پس اگر تم اس بہت بڑی دولت کے حاصل کرنے اور اس بلند مقام کی تکمیل کی طرف متوجہ ہو تو تم پر آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرنا لازم ہے۔

اور یہ تجلیٔ ذاتی اکثر مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک برقی ہے یعنی حضرت ذاتِ حق جل سلطانہٗ کی بارگاہ سے تمام حجابات کا دور ہو جانا برق کی مانند تھوڑے سے وقت کے لئے ہوتا ہے پھر اسماء و صفات کے پردے ڈال دیئے جاتے ہیں اور ذات تعالیٰ و تقدس کے انوار کی شعاعیں اور دبدبے (ان پردوں میں) چھپا دیئے جاتے ہیں، پس حضورِ ذاتی برق کی مانند ایک لمحہ کے لئے ہوتا ہے اور غیبتِ ذاتی بہت دیر رہتی ہے، اور اکابرِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے نزدیک یہ حضورِ ذاتی دائمی ہے اور ان بزرگوں کے نزدیک زائل ہو جانے اور غیبت سے بدل جانے والے حضور کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ لہذا ان اکابر کا کمال تمام کمالات سے بالاتر ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے اعلیٰ ہے، جیسا کہ ان بزرگوں کی عبارتوں میں یہ جملہ آیا ہے اِنَّ نِسْبَتَنَا فَوْقَ جَمِيْعِ النِّسَبِ (یعنی ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے) اور نسبت سے ان کی مراد حضورِ دائمی ہے۔ اور ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ان کاملین کے طریقے میں انتہا ابتدا میں مندرج ہے اور اس امر میں وہ بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرامؓ کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی پہلی ہی صحبت میں وہ چیز حاصل کر لی تھی جو صحابۂ کرامؓ کے علاوہ دوسرے اولیائے کرام کو انتہائے طریقت میں میسر ہوتی ہے، اور یہ بات ابتدا میں انتہا درج ہونے کے سبب سے ہے۔

پس جس طرح حضرت محمد مصطفےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولایت تمام نبیوں اور رسولوں علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایتوں سے افضل ہے اسی طرح ان بزرگواروں کی ولایت بھی دوسرے تمام اولیائے کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی ولایتوں سے بالاتر ہے، اور بالاتر کیوں نہ ہو جبکہ ان کی

---

[1] بمعنی بے حجاب ہونا یعنی ذاتِ مجردہ محضہ پر اعتبارِ زائد کے بغیر۔

ولایت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے۔

ہاں دوسرے سلسلوں کے کامل مشائخ میں سے بعض حضرات کو یہ نسبت حاصل ہوئی ہے لیکن یہ حصول بھی حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولایت ہی سے مقتبس ہے جیسا کہ شیخ ابو سعید خراز قدس سرہ نے اس حدیث (یعنی تجلی ذاتی دائمی) کے دوام کی خبر دی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جبہ شیخ ابو سعید مذکور تک پہنچا ہے جیسا کہ صاحب نفحات نے نقل کیا ہے، اور اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے بعض کمالات کے ظاہر کرنے کا مقصد اس طریقہ کے طالبوں کو اس طریقۂ عالیہ کی طرف رغبت دلانا ہے ورنہ مجھ کو اس طریقۂ عالیہ کے کمالات کی شرح بیان کرنے سے کیا نسبت۔ مولانا رومؒ نے مثنوی میں فرمایا ہے ؎

شرح او حیف است با اہل جہاں ہمچو رازِ عشق باید در نہاں

لیک گفتم وصف او تا رہ برند پیش ازاں کز فوتِ آں حسرت خورند

ترجمہ (اہلِ دنیا سے نہ کر اس کو بیاں مثل رازِ عشق رکھ اس کو نہاں

دے رہا ہوں راہ رو کو کچھ پتا تا نہ مرتے وقت ہو حسرت زدہ

تم پر اور ہدایت کی پیروی کرنے والے تمام لوگوں پر سلام ہو۔

روح اور نفس کے درمیان تعلق کی وجہ اور ان دونوں کے عروج و نزول اور فنائے جسدی و روحی اور ان دونوں کے بقا اور مقام دعوت اور اولیاء اللہ میں سے جو مغلوب الحال یعنی راہِ حق میں فنا و گم ہو گئے ہیں اور جو دعوت کی طرف لوٹنے والے اولیاء اللہ ہیں ان کے درمیان فرق کے بیان میں، شیخ عبد المجید[1] ولد شیخ محمد مفتی لاہوری کی جانب ارسال فرمایا۔

---

[1] مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ صاحب نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۵۹ میں آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "آپ بڑے عالم و فقیہ اور صلحاء زمانہ میں سے تھے۔ آپ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں ایک عریضہ عربی زبان میں لکھا۔ حضرت موصوف نے بھی اس کا جواب عربی میں دیا۔ آپ کے والد بھی اکبری دور کے بزرگ عالم اور صاحب کمالات تھے۔

روح اور نفس کا تعلق

پاک ہے وہ ذات جس نے نور (روح) کو ظلمت (نفس) کے ساتھ جمع کیا، اور لامکانی (روح) کو جو کہ جہت (اطراف) سے بری ہے مکانی (نفس) کا جس کو کہ جہت حاصل ہے ہمقرین (ساتھی) بنایا اور ظلمت کو نور کی نظر میں محبوب کر دیا پس وہ (نور) اس (ظلمت) پر فریفتہ ہو گیا، اور کمال محبت سے اس (ظلمت) کے ساتھ مل گیا، تاکہ اس تعلق کے ذریعہ سے اس کی روشنی زیادہ ہو جائے اور ظلمت (تاریکی) کے قرب و ہمسائیگی سے اس کی صفائی کامل ہو جائے، جس طرح آئینہ کہ جب اس کو صیقل کرنا چاہیں اور اس کی لطافت (پاکیزگی و عمدگی) کے اظہار کا قصد کریں تو پہلے اس کو مٹی سے آلودہ کرتے ہیں تاکہ مٹی کی ظلمت کے پڑوس و قرب سے اس کی صفائی ظاہر ہو جائے اور مٹی کی کثافت کے تعلق سے اس کی نورانیت زیادہ ہو جائے۔

پس جو کچھ اس نور (روح) کو اس قدسی مشاہدہ سے پہلے سے حاصل تھا وہ اس نے معشوقِ ظلمانی (نفس) کے مشاہدہ میں مستغرق ہونے اور مادی جسم کے ساتھ تعلق ہونے کی وجہ سے اس کو فراموش کر دیا بلکہ اپنی ذات اور اپنے وجود کے متعلقات سے بھی بے خبر ہو گیا۔ پس وہ نور اس کی ہمنشینی میں رہ کر اصحابِ مشئمہ[۱] (بائیں طرف والوں) میں سے ہو گیا اور اس کے پڑوس میں رہنے کی وجہ سے اصحابِ میمنہ[۲] (دائیں طرف والے) کے فضائل کو ضائع کر دیا، پس اگر وہ اس استغراق کے تنگ کوچہ ہی میں پڑا رہا اور آزادی کی فضا کی طرف چھٹکارا حاصل نہ کیا تو اس پر ہزار افسوس ہے، کیونکہ اس کے وجود سے جو مقصود تھا وہ اس کو بالکل حاصل نہیں ہوا اور اس کی استعداد کا جوہر بھی ضائع ہو گیا۔ فَضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا (پس وہ بہت بڑی گمراہی میں جا پڑا) اور اگر نیکی[۳] نے اس کی طرف پیشدستی کی (یعنی اس کو حاصل ہو گئی) اور اللہ تعالیٰ کی عنایتِ عالیہ اس کے شاملِ حال ہوئی تو اس نے اپنے سر کو بلند کیا اور اپنی کھوئی ہوئی چیز کو یاد کیا اور یہ کہتے ہوئے اپنی پہلی حالت کی طرف اُلٹے پاؤں لوٹ آیا ؂

اِلَیْكَ یَا مُنْیَتِیْ حَجِّیْ وَمُعْتَمَرِیْ　　اِنْ حَجَّ قَوْمٌ اِلٰی تُرْبٍ وَّاَحْجَارٖ

(ترجمہ) میری امید میرا حج اور عمرہ ہے تیری طرف　　لوگ حج کرتے ہیں پتھر اور مٹی کی طرف

اور اگر اس کو دوبارہ مطلوبِ اقدس کے مشاہدہ میں احسن طریقے پر استغراق حاصل ہو گیا اور اس کو اس بارگاہ مقدس کی طرف پوری طرح سے توجہ میسر ہو گئی تو اس وقت ظلمت اس کی تابع و فرمانبردار

۱؎ اس میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ (سورۂ واقعہ[۵۶] آیت ۸)
۲؎ اس میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے وَاَصْحٰبُ الْمَشْــٴَـمَةِ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْــٴَـمَةِ (سورہ واقعہ[۵۶] آیت ۹)
۳؎ اس میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓىٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (انبیا[۲۱] آیت ۱۰۱)

ہو جائے گی اور اس کے انوار کی کثرت میں جذب ہو جائے گی۔ پس جب یہ استغراق اس حد تک پہنچ جائے کہ اپنے ظلمانی متعلق کو قطعاً بھول جائے اور اپنی ذات اور اس کے وجود کے متعلقات سے کلی طور پر بے خبر ہو جائے اور نور الانوار کے مشاہدہ میں فنا ہو جائے اور اس کو پردوں کے پیچھے سے مطلوب کا حضور حاصل ہو جائے تو وہ فنائے جسدی اور فنائے روحی سے مشرف ہو جائے گا۔ اور اگر اس کو مشہود میں فنا حاصل ہونے کے بعد اس مشہود کے ساتھ بقا بھی حاصل ہو جائے تو اس کے لئے فنا اور بقا کی دونوں جہتوں کی تکمیل ہو جائے گی اور اس وقت اس پر ولایت (ولی ہونے) کے اسم کا اطلاق صحیح ہو جائے گا۔ پس اس صورت میں اس کا حال دو باتوں سے خالی نہیں ہوگا، یا اُس شخص کو اپنے مشہود میں کلی طور پر استغراق اور دائمی طور پر اس میں فنائیت حاصل ہوگی یا مخلوقِ خدا کو اللہ تعالیٰ عزّ وجل کی طرف دعوت دینے کے لئے اس طرح پر رجوع حاصل ہوگا کہ اس کا باطن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ ہوگا اور اس کا ظاہر خلقت کے ساتھ ہوگا، پس اس وقت وہ نور جو اپنے مطلوب کی طرف متوجہ ہے اس ظلمت سے جو اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے رہائی حاصل کر لیتا ہے اور اس رہائی کے باعث وہ اصحابِ یمین (دائیں ہاتھ والوں) میں سے ہو جاتا ہے اور اس (روح) کو اگرچہ حقیقت میں نہ یمین (دایاں) ہے اور نہ شمال (بایاں) لیکن یمین اس کے حال کے زیادہ موافق اور اس کے کمال کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں کو یُمن و برکت میں مشترک ہونے کے باوجود دایاں ہاتھ نیکی و بھلائی کی جہت کا جامع ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں وارد ہے کِلْتَا یَدَیْہِ یَمِیْنٌ[1] (اس کے دونوں ہاتھ یمین و مبارک ہیں)، اور وہ ظلمت اُس نور سے (آزاد ہو کر) عبادت اور طاعت کے مقام میں اُتر آتی ہے۔

اور نورِ لامکانی سے ہماری مراد روح بلکہ اس کا خلاصہ ہے اور جہت کے ساتھ مقیدہ ظلمت سے مراد نفس ہے اور اسی طرح باطن اور ظاہر سے بھی ہماری مراد یہی (روح و نفس) ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مغلوب الحال وفانی فی اللہ اولیا بھی عالَم کے ساتھ شعور اور اس کی طرف توجہ اور اپنے بنی نوع (یعنی دوسرے لوگوں) کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں تو پھر فنا و استہلاک ہونے اور دائمی طور پر کلی توجہ کے کیا معنی ہیں اور ان لوگوں میں اور دعوت و تبلیغ کے لئے عالَم کی طرف

---

[1] مکتوبات شریف کے عربی مترجم (شیخ محمد مراد) نے لکھا ہے رواہ مسلم عن عبد اللہ بن عمرو والترمذی عن ابی ھریرۃ بلفظ وکلتا یدی ربی یمین مبارکۃ۔

فنائے جسدی و فنائے روحی

رجوع کرنے والوں میں کیا فرق ہے؟۔ تو ہم کہیں گے کہ استہلاک (فنائیت) اور پوری توجہ سے مراد روح کے انوار میں نفس کے داخل و شامل ہو جانے کے بعد روح اور نفس کا ایک ساتھ متوجہ ہونا ہے جیسا کہ پہلے اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے (یعنی اوپر جو بیان ہوا ہے کہ اس وقت ظلمت اس کی تابع و فرمانبردار ہو جائیگی الخ اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے) اور عالم کے ساتھ اس کا شعور وغیرہ (یعنی اپنے نوع کے ساتھ توجہ اور میل جول) حواس و قویٰ و اعضا کے ذریعے ہوتا ہے جو کہ نفس کے لئے تفصیلات کی مانند ہیں، پس مجملِ ملخص (یعنی نفس) روح کے انوار کے ضمن میں اپنے مشہود کے مطالعہ میں مستہلک و فانی ہوتا ہے اور اس کی تفصیل پہلے شعور پر ہی باقی رہتی ہے بغیر اس کے کہ اس میں کسی قسم کا فتور واقع ہو، برخلاف اس شخص کے جو عالم کی طرف رجوع کئے ہوئے ہے کیونکہ اس کا نفس اطمینان حاصل کر لینے کے بعد دعوت و تبلیغ کے لئے ان انوار سے باہر نکل آتا ہے اور اس وقت اس کو عالم کے ساتھ مناسبت حاصل ہو جاتی ہے اور اس مناسبت کے سبب سے اس کی دعوت و تبلیغ (اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا) مقبول ہو جاتی ہے۔ اور البتہ یہ بات کہ نفس مجمل ہے اور حواس وغیرہ اس کی تفاصیل ہیں تو اس کی دلیل یہ ہے کہ نفس کا تعلق قلبِ صنوبری[1] کے ساتھ ہے اور قلبِ صنوبری کا تعلق حقیقتِ جامعۂ قلبیہ[2] کے واسطہ سے روح کے ساتھ ہے اور روح سے نازل ہونے والے فیوض اول اجمال کے ساتھ نفس پر وارد ہوتے ہیں پھر اس (نفس) کے واسطہ سے تمام قویٰ و اعضا کی طرف تفصیلی طور پر پہنچتے ہیں، پس ان (حواس و قویٰ اور اعضاء) کا خلاصہ اجمالی طور پر نفس میں موجود ہے پس اس بیان سے دونوں گروہوں (یعنی مستہلکین اور مرجوعین) کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا۔

اور جاننا چاہیئے کہ پہلا گروہ (یعنی مستہلکین) سُکر[3] والوں میں سے ہے اور دوسرا گروہ (راجعین الی الدعوۃ) صحو والوں کا ہے اور عروج و بلندی پہلے گروہ کے لئے ہے اور فضیلت دوسرے گروہ کے لئے، اور پہلا مقام ولایت کے مناسب ہے اور دوسرا مقام نبوت کے مناسب، اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہم سب کو

---

[1] قلبِ صنوبری، صنوبر کی شکل کا گوشت کا ٹکڑا جو کہ انسان کے جسم میں (سینہ) بائیں جانب ہوتا ہے۔

[2] یعنی قلبِ حقیقی، مراد یہ ہے کہ روح کو حقیقت میں قلبِ حقیقی کے ساتھ تعلق ہے اور قلبِ حقیقی کا تعلق قلبِ صنوبری کے ساتھ ہے اور نفس کا تعلق بھی قلب صنوبری کے ساتھ ہے ـــــ [3] جاننا چاہیئے کہ سکر و صحو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں دو اصطلاحیں ہیں، سُکر، سلطان الحال کا غلبہ ہے اور صحو تربیتِ افعال کی طرف لوٹنا ہے۔ سُکر اربابِ قلوب کے لئے ہے اور صحو حقائقِ غیبیہ کے مکاشفین کے لئے ہے۔ (سلک السلوک)

اپنے اولیاء کی کرامات سے مشرف فرمائے اور انبیاء علیہم السلام کی پوری پوری متابعت پر ثابت قدمی مرحمت فرمائے، صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَسَلَامُہٗ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمْ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِہٖ مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَالْعِبَادِ الصَّالِحِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اٰمِیْن (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے نبیؐ اور تمام انبیاءؑ پر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحابؓ و ملائکہ مقربین اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر قیامت تک صلوٰۃ و سلام نازل ہوتے رہیں، آمین)

کاتب الحروف دعا گو اگرچہ عجمی (غیر عربی نژاد) ہونے کی وجہ سے عربی (زبان میں مکتوب) اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا لیکن چونکہ آپ کا مکتوب شریف عربی زبان میں لکھا ہوا تھا اس لئے آپ کی تحریر سے موافقت کرتے ہوئے عربی زبان میں جواب تحریر کیا ہے اور سلام پر اپنے کلام کو ختم کرتا ہوں (والسلام)۔

مکتوب ۲۳ (عربی) بست و سوم

ناقص پیر سے طریقہ سیکھنے سے منع کرنے اور اس کے نقصان و ضرر کے بیان میں، اور اہلِ کفر سے مشابہت رکھنے والے القاب و آداب سے منع کرنے کے بیان میں، عبدالرحیم خانخاناں[1] کی طرف ان کے خط کے جواب میں ارسال فرمایا۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اپنے حبیب سید البشر المبعوث الی الاسود والاحمر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل ایسے قال سے جو حال سے خالی ہو، اور ایسے علم سے جو عمل سے خالی ہو نجات بخشے (آمین) اور حق تعالیٰ اس بندے پر رحمت نازل فرمائے جو اس دعا پر آمین کہے۔

---

[1] مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام مندرجہ ذیل ۱۳ مکتوبات ہیں: دفتر اول مکتوب ۲۳ - ۶۷ - ۶۸ - ۶۹ - ۷۰ - ۱۹۱ - ۱۹۸ - ۲۱۴ - ۲۳۲ - ۲۶۸ - دفتر دوم مکتوب ۸ - ۶۲ - ۶۶ - میرزا عبدالرحیم خان خاناں بن بیرم خان خاناں بروز جمعرات ۱۴ صفر ۹۶۴ھ / ۱۵۵۶ء کو لاہور میں امیر جمال خاں میواتی کی صاحبزادی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ابھی چار سال کے تھے کہ آپ کے والد کو گجرات کے علاقہ میں قتل کر دیا گیا۔ اس سانحہ کے بعد آپ کو آگرہ لے آئے اور سلطنت کی گود میں پرورش پائی۔ بعض درسی کتابیں مولانا محمد امین اندجانی، قاضی نظام الدین بدخشی، حکیم علی گیلانی سے پڑھیں اور علامہ فتح اللہ شیرازی سے فوائد کثیرہ حاصل کئے پھر گجرات میں شیخ وجیہ الدین بن نصر اللہ علوی سے طریقہ اخذ کیا۔ یہاں تک کہ متبحر عالم ہو گئے۔ امیر کبیر محمد شمس الدین غزنوی کی صاحبزادی سے آپ کی شادی ہوئی۔ اور آپ کے ہاتھوں گجرات، سندھ اور دکن کے کچھ علاقے فتح ہوئے، اکبر نے آپ کو خان خاناں کا لقب دیا۔ عربی، فارسی، ترکی، ہندی، سندھی وغیرہ مختلف لغات کے ماہر تھے صاحب السیف والقلم مشہور تھے سنہ ۱۰۳۶ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ بلادِ ہند بلکہ ہفت اقالیم میں ایسا مختلف جامع الفضائل شخص شاید ہی کوئی ہو (نزہۃ الخواطر، مآثر الامراء وغیرہ)

نیک بخت اور صادق بھائی نے آپ کا خط بہت احتیاط سے پہنچایا اور ترجمانی کی زبان سے جو کچھ بیان ہوسکا آپ کے جملہ حالات بیان کئے۔ پس میں نے (آپ کے حالات سُن کر) یہ شعر پڑھا ؎

اَھْلًا لِسُعْدٰی وَالرَّسُوْلِ وَحَبَّذَا　　وَجْهُ الرَّسُوْلِ لِحُبِّ وَجْهِ الْمُرْسِلِ

ترجمہ　مرحبا اے مرے دلدار و رسولِ دلدار　　تیرے قاصد کی ملاقات ہے تیرا دیدار

کمالات کے ظہور کی استعداد رکھنے والے بھائی! حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کے فعل کی استعداد کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق بخشے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ بیشک دنیا[1] آخرت کی کھیتی ہے پس اس شخص کے لئے افسوس کا مقام ہے جس نے اس میں کچھ نہیں بویا اور اپنی استعداد کی زمین کو بیکار رہنے دیا اور اعمال کے بیج کو ضائع کردیا ——— اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ زمین کا ضائع و بیکار کرنا دو[2] طرح پر ہے ایک یہ کہ اس میں کوئی چیز کاشت ہی نہ کی جائے اور دوسرے یہ کہ اس میں گھٹیا (نکما) اور خراب بیج ڈالا جائے، اور یہ دوسری قسم ضائع کرنے میں پہلی قسم سے زیادہ شدید نقصان دہ اور بہت زیادہ خرابی والی ہے جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے اور بیج کا نکما اور خراب ہونا اس طرح پر ہے کہ کسی ناقص سالک سے طریقہ اخذ کرے اور اس کے مسلک (راستے) پر چلے اس لئے کہ ناقص سالک اپنی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرتا ہے اور جو شخص خواہشاتِ نفسانی کے تابع ہوتا ہے اس کا اپنا کچھ نہیں ہوتا، اور اگر (بالفرض) کوئی اثر ہوتا بھی ہو تو وہ خواہشاتِ نفسانی ہی کی مدد کرے گا پس اس سے سیاہی پر مزید سیاہی حاصل ہوگی، اور اس لئے بھی کہ ناقص (پیر) ان طریقوں میں جو حق سبحانہٗ وتعالیٰ تک پہنچانے والے ہیں اور ان طریقوں میں جو حق سبحانہٗ وتعالیٰ تک نہیں پہنچاتے تمیز نہیں کرسکتا کیونکہ وہ خود واصل نہیں ہے۔ اور اسی[2] طرح وہ طالبانِ طریقت کی مختلف استعدادوں کے درمیان تمیز نہیں کرسکتا، اور جب وہ جذبہ (سیر انفسی) اور سلوک (سیر آفاقی) کے طریقوں میں تمیز نہیں کرسکتا تو بسا اوقات طالب کی استعداد ابتدا میں طریقۂ جذبہ کے مناسب ہوگی اور طریقۂ سلوک کے مناسب نہیں ہوگی اور ناقص پیر

(دنیا آخرت کی کھیتی ہے)

(پیرِ ناقص کا ضرر)

---

[1] اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ۔

[2] خلاصہ یہ ہے کہ ناقص پیر کئی لحاظ سے ناقص ہے اول یہ کہ وہ ابھی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی سے آزاد نہیں ہوا، اور اس کا نفس اس کی خواہشات کے تابع ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک طریقہ کو دوسرے طریقہ سے اور جذبہ کو سلوک سے اور صحو کو سکر سے تمیز نہیں کرسکتا۔ تیسرے یہ کہ وہ طالبین کی استعداد کے لحاظ سے ایک دوسرے میں فرق نہیں کرسکتا۔

ان دونوں طریقوں اور طالبین کی مختلف استعدادوں میں تمیز نہ کر سکنے کی وجہ سے ابتدا میں سلوک کے طریقہ پر چلائے گا۔ پس جس طرح وہ خود طریقہ سے بھٹکا ہوا (گمراہ) ہے اسی طرح اس طالب کو بھی راہِ حق سے بھٹکا دے گا ——— پس شیخِ کامل مکمل (یعنی جو خود کامل ہو اور دوسروں کو کامل کرنے والا ہو)

— شیخ کامل کے فوائد —

جب اس طالب کی تربیت کرنا اور اس کو اس راستہ پر چلانا چاہے تو سب سے پہلے اس کو اس خرابی کے دور کرنے کی ضرورت پیش آئے گی جو اس طالب کو ناقص پیر سے پہنچی ہے اور اس فساد (بگاڑ) کی اصلاح کرنی ہوگی جو اس میں اس ناقص پیر کے سبب سے پیدا ہوا ہے۔ پھر اس کی زمین میں اس کی استعداد کے مناسب صالح (عمدہ) بیج ڈالے گا تب اس سے اچھی کھیتی اُگے گی۔ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ (سورہ ابراہیم آیت ۲۶ ۱۴) (اور ناپاک کلمہ کی مثال ناپاک درخت کی مانند ہے جس کی جڑ زمین کے اوپر ہے جس کو کچھ قرار و ثبات نہیں ہے) وَمَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (ابراہیم آیت ۲۴ ۱۴) (اور پاک کلمہ کی مثال پاک درخت کی مانند ہے جس کی جڑ ثابت و قائم ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں) ——— پس کامل و مکمل شیخ (پیر) کی صحبت سرخ گندھک (کی مانند) ہے (یعنی نادر الوجود ہے جیسا کہ سرخ گندھک جو کہ اکسیر ہے) اس کی نظر دوا ہے اور اس کا کلام شفا ہے، وَبِدُونِهَا خَرْطُ الْقَتَادِ (اور ایسے شیخ کی صحبت کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے) ——— اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ والتحیۃ کی شریعت کے راستہ پر ثابت قدم رکھے، کیونکہ شریعت کی پیروی کرنا ہی اصل کام ہے اور اسی پر نجات و سعادت کا دار و مدار ہے۔ اور کسی نے فارسی میں کیا ہی خوب کہا ہے ؎

محمدؐ عربی[1] کابروئے ہر دو سرا است — کسیکہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ او

ترجمہ: محمدؐ عربی دونوں جہاں کی عزت ہیں — جو اُن کے در کی خاک نہیں، خاک ہو اُس پر

اور ہم اس مکتوب کو آنحضر سید المرسلینؐ کی صلوات و تسلیمات و تحیات و برکات پر ختم کرتے ہیں۔

— کافرانہ اور برے تخلص کی مذمت —

(تتمہ) نہایت تعجب کی بات ہے کہ صادق بھائی (سچے قاصد) نے یہ بھی بیان کیا کہ آپ کے ہمنشین فاضل شاعروں میں سے ایک شخص شعروں میں اپنے لئے کفری تخلص استعمال کرتا ہے

---

[1] اس شعر کا عربی شعر میں ترجمہ یہ ہے ؎

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ مِنْ عَرَبٍ — تَعْسًا لِمَنْ لَمْ يَكُنْ فِي بَابِهِ التُّرَبَا

حالانکہ وہ بزرگ ساداتِ عظام اور شریف خاندان میں سے ہے۔ پس اے کاش میں جانتا کہ اس بُرے نام پر جس کی بُرائی اچھی طرح ظاہر ہے اس کو کس چیز نے مجبور کیا ہے حالانکہ مسلمان کے لئے لازم ہے کہ اس نام سے اس سے بھی زیادہ بھاگے جتنا کہ ہلاک کرنے والے شیر سے بھاگتا ہے اور اس نام کو نہایت ہی بُرا سمجھے، کیونکہ یہ نام اور جس شخص کا یہ نام ہو دونوں حق سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ناپسندیدہ و دشمن سمجھے گئے ہیں اور مسلمانوں کو کافروں سے دشمنی رکھنے اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا گیا ہے[1]۔ پس ایسے بُرے ناموں سے بچنا واجب ہے۔

اور یہ جو بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارتوں میں غلبۂ سُکر کی وجہ سے کفر کی تعریف[2] اور زُنّار[3] باندھنے کی ترغیب اور اس قسم کی دوسری باتیں پائی جاتی ہیں لہٰذا ظاہری مطلب سے پھیر کر ان کی تاویل و توجیہ کی جائے گی کیونکہ اہلِ سُکر حضرات کا کلام اچھے مفہوم پر گمان کیا جاتا ہے اور اپنے ظاہری عام مفہوم سے (اچھے معنی کی طرف) پھیرا جاتا ہے، کیونکہ بلاشبہ وہ حضرات غلبۂ سکر کی وجہ سے اس قسم کی ممنوعات کے ارتکاب میں معذور ہوتے ہیں، باوجودیکہ ان بزرگوں کے نزدیک کفرِ حقیقی[4] اسلامِ حقیقی کی نسبت نقص و عیب ہے اور جو لوگ حالتِ سکر میں نہیں ہیں وہ اہلِ سکر کی تقلید کرنے (اور کلماتِ سکر یہ استعمال کرنے) میں نہ ان بزرگانِ طریقت کے نزدیک معذور ہیں اور نہ اہلِ شرع کے نزدیک، کیونکہ ہر چیز کے لئے ایک خاص موسم اور وقت ہوتا ہے کہ اس موسم میں وہ چیز مناسب اور اچھی معلوم ہوتی ہے اور دوسرے موسم میں بُری لگتی ہے اور عقلمند آدمی ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کرتا۔

---

[1] چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا (سورہ نساء آیت ۱۴۴) اور نیز ارشاد فرمایا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ، ایضاً ارشاد ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ (توبہ آیت ۷۳) [2] جیسا کہ منصور حلاج کا قول ہے كفرت بدين الله والكفر واجب. لدى وعند المسلمين قبيح — [3] زنار (جنیو) دھاگا، رسی وغیرہ، جو نصاریٰ و مجوس وغیرہ اپنے مذہبی شعار کے طور پر کمر پر باندھتے ہیں اور ہندو گلے میں ڈالتے ہیں۔

[4] کفرِ حقیقت، یعنی حقیقت کا رنگ، پہنچنے اور غلبۂ حال ظاہر ہونے کے بعد اسلام اور کفر میں تمیز نہ کرنا بھی نقص ہے جیسا کہ منصور حلاج جو کہ مغلوب الحال ہوا ہے کہ اہلِ شریعت نے اس کے کفر کا حکم کیا ہے، اہلِ حقیقت کے نزدیک بھی اس کو نقص لاحق ہے اور انھوں نے اس کو اولیائے کاملین میں سے شمار نہیں کیا اور حقیقت کو پہنچے ہوئے مسلمانوں میں سے نہیں شمار کیا ہے لیکن غلبۂ حال کے ظاہر ہونے سے پہلے کفر و اسلام میں امتیاز نہ کرنا بالاتفاق کفر اور مذموم ہے اور زندقہ ہے، اور شریعت و حقیقت دونوں کے نزدیک کفر ہے — ([5] سورہ فتح آیت ۲۹)

پس آپ میری طرف سے اس سے گذارش کریں کہ وہ اس نام کو تبدیل کر دے اور اس کو کسی اور اچھے نام سے بدل دے اور اپنے آپ کو اسلامی لقب کے ساتھ ملقب کرے کیونکہ یہ (اسلامی لقب) مسلمان کے حال وقال کے موافق ہے اور اس دینِ اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا ہے جو حق سبحانہٗ وتعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ دین ہے اور اس میں اس تہمت سے بچنا ہے جس سے بچنے کے لئے ہم کو حکم دیا گیا ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان) اِتَّقُوْا مِنْ مَوَاضِعِ التُّھَمِ (یعنی تہمت کے موقعوں سے بچو) سچا کلام ہے جس میں کسی قسم کا غبار نہیں (یعنی کسی قسم کے شک وشبہ کی مطلق گنجائش نہیں ہے) ۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِکٍ (سورہ بقرہ آیت ۲۲۱) (اور البتہ مومن غلام مشرک مرد سے بہتر ہے)۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (اور جو شخص ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ہو)

اس بیان میں کہ صوفی کائن بائن (حقیقت میں حق تعالیٰ کے ساتھ اور ظاہر میں مخلوق کے ساتھ) ہوتا ہے اور یہ کہ بلاشبہ دل کا تعلق ایک سے زیادہ کے ساتھ نہیں ہوتا اور بیشک محبت ذاتیہ کا ظہور اس بات کو لازم قرار دیتا ہے کہ محبوب کی طرف سے خواہ انعام حاصل ہو یا رنج والم پہنچے دونوں محب کے لئے برابر ہیں، مقربین اور ابرار کی عبادت کے درمیان فرق اور اسی طرح جو اولیاء مغلوب الحال ہیں اور جو مخلوق کو دعوتِ حق دینے پر مامور ہیں ان دونوں کے درمیان فرق کے بیان میں، محمد قلیچ خاںؒ کی طرف ارسال کیا گیا۔

ؔلہ مکتوباتِ شریفہ کے صرف دفتر اول میں آپ کے نام مندرجہ ذیل تین مکتوبات ہیں۔ ۲۴ - ۷۶ - ۱۴۱ - ترکی زبان میں قلیچ تلوار کو کہتے ہیں، آپ کی شہرت قلیچ خاں اندجانی کے نام سے ہے۔ اکبر نے آپ کو اپنے لڑکے دانیال کا اتالیق مقرر کیا۔ پھر مختلف اوقات میں لاہور، کابل، آگرہ، مالوہ اور پنجاب کا انتظام آپ کے سپرد کیا گیا اور سنبھل کا علاقہ آپ کو جاگیر میں دیا گیا۔ بعد جہانگیر بھی گجرات، پنجاب اور کابل کے حاکم بنائے گئے۔ آپ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے اور درس وافادہ میں مشغول رہتے تھے۔ پنجاب کی صوبیداری کے زمانے میں ایک بہترین مدرسے میں آپ فقہ، تفسیر اور حدیث کا درس دیتے اور علوم شرعیہ کی ترویج واشاعت میں بہت کوشاں رہتے تھے۔ غرضکہ صاحب سیف وقلم بھی تھے اور مسندِ درس وتدریس کی زینت بھی۔ ۲۳ ۱۰ھ میں وفات پائی (مآثر الامراء ج ۳ ترجمہ ۳۱۲) نیز آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے برادر نسبتی تھے (حضرات القدس ج ۲ حضرت سوم)۔

ؔلہ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے لیکن لفظ مِنْ روایت میں نہیں ہے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے حبیب سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل آپ کو سلامتی وعافیت کے ساتھ رکھے۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[1] (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) ــــــ پس وہ شخص مقبول وبرگزیدہ ہے جس کے دل میں حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ محبت کے سوا کسی اور کی محبت باقی نہ رہی ہو، اور وہ اس ذات تعالیٰ وتقدس کے سوا کسی اور کا طالب نہ ہو ــــ پس ایسا شخص اللہ جلّ جلالہ کے ساتھ ہے اگرچہ وہ بظاہر مخلوق کے ساتھ مشغول ہے ــــ اور یہ کائن بائن[2] صوفی کی شان ہے، یعنی حقیقت میں وہ حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ واصل اور مخلوق سے جدا ہے، یا اس سے یہ مراد ہے کہ ظاہر میں مخلوق کے ساتھ ہے اور حقیقت میں ان سے جدا ہے۔

محبت ایک سے زیادہ کے ساتھ نہیں ہوتی۔

اور قلب کی محبت کا تعلق ایک سے زیادہ کے ساتھ نہیں ہوتا پس جب تک اس کی محبت کا تعلق اس ایک (ذات) سے ہوگا اس کے علاوہ قلب کو کسی سے محبت نہیں ہوگی ــــ اور یہ جو اس کی خواہشات کی کثرت اور بے شمار چیزوں کے ساتھ اس کی محبت کے تعلق کا متعدد ہونا (مثلاً مال، اولاد، سرداری، تعریف اور لوگوں میں بلند مرتبہ ہونا) دیکھا جاتا ہے تو اس کے باوجود بھی اس کا محبوب ایک ہی ہوگا اور وہ اس کا اپنا نفس ہے اور ان سب چیزوں کی محبت اس کے اپنے نفس کی محبت کی فرع (شاخ) ہے اس لئے کہ وہ ان چیزوں کو اپنے نفس ہی کے لئے چاہتا ہے، فی نفسہٖ ان اشیاء کو نہیں چاہتا، پس جب اس کو اپنے نفس کے ساتھ محبت نہیں رہے گی تو ان چیزوں کی محبت بھی اس کے نفس کے تابع ہونے کی وجہ سے دور ہوجائے گی ــــ اسی لئے کہتے ہیں کہ بندہ اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے درمیان حجاب، بندہ کا اپنا نفس ہے نہ کہ دنیا۔ کیونکہ دنیا فی نفسہٖ بندہ کا مقصود نہیں ہے جو وہ حجاب بنتی، بلکہ بیشک بندہ کا مقصود اس کا اس کا اپنا نفس ہی ہے تو لازمی طور پر بندہ (کا نفس) خود حجاب ہے[3] نہ کہ اس کے سوا کوئی اور چیز، پس جب تک بندہ اپنے نفس کی خواہش سے پوری طرح خالی نہیں ہوگا حق تعالیٰ اس کی مراد نہیں ہوسکتا، اور حق سبحانہٗ کی محبت اس کے قلب میں نہیں سماسکتی، اور یہ اعلیٰ درجہ کی دولت فنائے مطلق کے بعد ہی متحقق ہوتی ہے جو کہ تجلیٔ ذاتی پر موقوف ہے، کیونکہ ظلمات (اندھیروں) کا پوری طرح دور ہونا اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک سورج طلوع ہوکر پوری طرح روشن نہ ہوجائے۔

---

[1] یہ حدیث شریف ہے جس کو بخاری ومسلم نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے۔
[2] کائن بمعنی صحبت ومعیت رکھنے والا۔ اور بائن بمعنی تنہا، منفرد اور جدا۔
[3] اسی لئے کہا گیا ہے دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ (یعنی اپنے نفس کو چھوڑ دے اور ہماری طرف آجا) کیا خوب کہا ہے
ع در تو یک آرزو ابلیسِ تست۔

پس جب یہ محبت جس کو محبتِ ذاتیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حاصل ہو جاتی ہے تو مُحِبّ کے نزدیک محبوب کا انعام اور رنج و الم دینا یکساں ہو جاتا ہے[1] اور وہ حق تعالیٰ سبحانہٗ کی عبادت خاص اسی کے لئے کرتا ہے اپنے نفس کے لئے نہیں کرتا یعنی وہ عبادت اپنے اوپر انعام طلب کرنے اور اپنے آپ سے رنج و الم دور کرنے کے لئے نہیں کرتا کیونکہ یہ دونوں اس کے نزدیک برابر ہیں اور یہ مرتبہ مقربین کے لئے مخصوص ہے کیونکہ ابرار محبتِ ذاتیہ کی سعادت سے کامیاب نہ ہونے کے باعث حق سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت خوف اور طمع کے لئے کرتے ہیں اور یہ دونوں (یعنی خوف و طمع) ان کے اپنے نفسوں کی طرف راجع ہیں، پس لامحالہ (بالضرور) ابرار کی نیکیاں مقربین کی نسبت سے برائیاں ہیں، لہٰذا ابرار کی نیکیاں ایک لحاظ سے برائیاں ہیں اور ایک لحاظ سے نیکیاں، اور مقربین کی نیکیاں خالص اور محض نیکیاں ہیں۔

علامتِ اخلاص: پس اس وقت اس کو اخلاص حاصل ہو جاتا ہے۔

ہاں مقربین میں سے بعض وہ ہیں جو بقائے اکمل کے حصول اور عالمِ اسباب میں نزول ثابت ہونے کے بعد بھی خوف اور طمع کی وجہ سے حق سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں لیکن ان کا خوف اور طمع اُن کے اپنے نفسوں کی طرف راجع نہیں ہوتا، بلکہ بلاشبہ وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت اس کی رضامندی کی طمع کرتے ہوئے اور اس کے غضب و ناراضگی سے ڈرتے ہوئے کرتے ہیں۔

—— اور اسی طرح وہ بیشک جنّت کو اس لئے طلب کرتے ہیں کہ وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی کا مقام ہے نہ کہ اپنے نفس کی لذت کے لئے۔ اور وہ دوزخ سے اس لئے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے غضب و ناراضگی کی جگہ ہے نہ کہ اپنے نفسوں سے اس کے رنج و الم کو دور کرنے کے لئے —— کیونکہ یہ اکابر اپنے نفسوں کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں اور محض حق سبحانہ وتعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہو گئے ہیں —— اور مقربین کے مرتبوں میں یہ مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے۔ اور اس مرتبہ والے بزرگ کو مرتبۂ ولایتِ خاصہ کے حصول کے بعد مقامِ نبوت کے کمالات میں سے پورا پورا حصہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص عالمِ اسباب کی طرف نزول نہیں کرتا وہ اولیائے مستہلکین (مغلوب الحال اولیاء) میں سے ہے - - - - - - - - - - - - - -

اس کو مقامِ نبوت کے کمالات میں سے کچھ بھی حصہ حاصل نہیں ہے لہٰذا وہ تکمیل و ارشاد کے قابل بھی نہیں ہو گا بخلاف پہلے شخص (یعنی راجع الی الخلق) کے۔ رَزَقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مَحَبَّۃَ ھٰؤُلَآءِ الْاَکَابِرِ

---

[1] کیونکہ جو کچھ جمیل مطلق کی جانب سے پہنچتا ہے وہ مرغوب پسندیدہ ہوتا ہے۔ ع "از دستِ دوست ہر چہ رسد نیک گفتہ اند"

بحُرْمَةِ سَیِّدِ الْبَشَرِ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُهَا فَاِنَّ الْمَرْءَ مَعَ مَنْ اَحَبَّ وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔ (حق سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو سید البشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واتباعہ وسلم کے طفیل ان بزرگوں کی محبت عطا فرمائے کیونکہ آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور اول و آخر سلام ہو)

مکتوب ۲۵ بست و پنجم (عربی)

حضرت سید المرسلین آنسرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خلفائے راشدینؓ کی پیروی کرنے پر ترغیب دینے کے بیان ہیں، خواجہ جہاں[1] کی طرف ارسال فرمایا۔

حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کے دل کو سلامتی عطا فرمائے اور آپ کے سینے کو کھول دے اور آپ کے نفس کو پاکیزہ کر دے، اور آپ کے جسم (کھال) کو نرم کرے ـــــ یہ سب کچھ بلکہ روح و سِرّ و خفی و اخفیٰ کے کمالات بھی سید المرسلین علیہ وعلی آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی تابعداری پر موقوف ہیں ـــــ پس آپ پر لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کی متابعت کریں جو کہ آپ کے بعد ہدایت کرنے والے اور ہدایت یافتہ ہیں، کیونکہ وہ ہدایت کے ستارے[عہ] اور ولایت کے آفتاب ہیں لہٰذا جس شخص نے ان کی متابعت کا شرف حاصل کیا، اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی، اور جس شخص کی فطرت ہی میں ان کی مخالفت بھری ہوئی ہے وہ نہایت درجہ کی گمراہی میں جا پڑا۔

آنحضرتؐ اور خلفائے راشدین کی متابعت کی ترغیب

شیخ سلطان[2] مرحوم کے دونوں بیٹے پریشانی اور معاش کی تنگی میں مبتلا ہیں لہٰذا آپ سے گزارش

عہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ یعنی میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

[1] مکتوبات شریفہ دفتر اول میں مکتوب نمبر ۲۵-۲۰۲، آپ کے نام ہیں۔ آپ کا اصل نام دوست محمدؐ لقب خواجہ جہاں تھا۔ کابل کے رہنے والے تھے، آپ کی صاحبزادی جہانگیر کی زوجیت میں آئیں تو آپ کو بھی اعلیٰ منصب حاصل ہو گیا۔ نہایت متقی پرہیزگار تھے اور اپنے فرائض منصبی نہایت دیانتداری سے انجام دیتے تھے۔ ۱۰۲۹ھ میں وفات پائی۔ (مآثر الامراء ج ۱ ص ۶۶)

[2] آپ حضرت مجددؒ کے خسر ہیں۔ آپ حج اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف تھے اور علوم نقلیہ میں کافی مہارت حاصل تھی اسی بنا پر عرصہ تک شاہی خدمات پر مامور رہے۔ پھر گاؤکشی کے جرم میں جلاوطن کر دیئے گئے۔ ایک عرصہ بعد پھر اپنے عہدہ پر بحال ہوئے لیکن ہندوؤں نے موقع پاتے ہی اکبر بادشاہ کو آپ کے خلاف بھڑکا دیا چنانچہ یکم جنوری ۱۵۹۹ء ۱۰۰۷ھ میں شیخ سلطان کو پھانسی دیدی گئی۔ (منتخب التواریخ و رود کوثر)۔

کی جاتی ہے کہ آپ ان کی امداد واعانت فرمائیں، کیونکہ آپ اس بات کے لائق ہیں، بلکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کی حاجتیں پوری کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی ہے۔ حق تعالیٰ آپ کو مزید توفیق بخشے اور نیکی وبھلائی کو آپ کا رفیقِ حال بنائے ـــــ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ (آپ پر اور ان سب لوگوں پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرتے ہیں)۔

مکتوب ۲۶ (عربی) بست و ششم

اس بیان میں کہ شوق ابرار کو ہوتا ہے مقربین کو نہیں ہوتا، اور اس مقام کے مناسب علوم کے بیان میں، شیخ العالم مولانا حاجی محمد[1] لاہوری کی طرف ارسال فرمایا۔

حق سبحانہ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعتِ مقدسہ کے سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھے ـــــ حدیثِ[2] قدسی میں وارد ہے: اَلَا طَالَ[3] شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰى

---

[1] مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام دفتر اول میں مکتوب ۲۶-۳۳-۳۴-۳۵-۳۶ ہیں۔ آپ لاہور کے بڑے عالم اور صاحبِ کمال اساتذہ میں سے تھے، آپ کا گھرانہ علم وفضل کا مرکز تھا، مفتی کے عہدے پر فائز رہے، صحیح بخاری اور مشکوٰۃ کے ختم پر بہت پر تکلف محفل منعقد کرتے۔ آپ نے بڑی عمر پائی اور آپ کی تمام اولاد علم وکمال میں باپ کا نمونہ تھی۔ (منتخب التواریخ ص ۶۴۵)

[2] ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ شریف میں لکھا ہے کہ حدیث قدسی اور قرآن پاک میں یہ فرق ہے کہ حدیثِ قدسی الہام یا خواب یا فرشتے کے واسطے سے بالمعنیٰ نازل ہوتی ہے پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو اپنے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں اور اس کو اپنے رب کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور قرآن مجید جبرئیل علیہ السلام معین الفاظ کے ساتھ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کرتے ہیں اور قرآن مجید متواتر ہوتا ہے بخلاف حدیثِ قدسی کے پس اس کا حکم فروع میں نہیں ہوتا۔

[3] علامہ مراد مکیؒ نے کہا کہ احیاء میں اس حدیث کو ان الفاظ سے ذکر کیا ہے لقد طال شوق الابرار الخ۔ عراقیؒ نے اس کی تخریج میں کہا ہے کہ میں نے اس کی کوئی اصل نہیں پائی، لیکن صاحب الفردوس نے اس کو حدیثِ ابوالدرداء سے ذکر کیا ہے اور ان کے صاحبزادے نے مسند الفردوس میں اس کی سند ذکر نہیں کی، اور شیخ اکبر قدس سرہ نے فتوحاتِ مکیہ میں کسی مقام پر کہا ہے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے لیکن اس کی صحت کا مجھے علم نہیں، کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف شوق رکھنے کا ذکر فرمایا ہے اور اپنی ذات کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اُن سے زیادہ ان کا مشتاق ہے"۔ اور مجھے نہ کشف سے اس کا کچھ علم ہو سکا اور نہ کسی صحیح روایت سے، لیکن یہ مذکورہ حدیث مشہور ہے، انتہی ملخصاً۔ لیکن اس مذکورہ روایت کے معنی صحیح ہیں جو اس حدیث کے مطابق ہیں مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعًا (الحدیث) یعنی جو شخص میری طرف ایک بالشت قرب حاصل کرتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھ جاتا ہوں الحدیث۔

لِقَائِیْ وَ اَنَا اِلَیْھِمْ لَاَشَدُّ شَوْقًا یعنی آگاہ ہو جاؤ، ابرار (نیک بندوں) کا شوق میری ملاقات کے لئے بہت بڑھ گیا اور میں ان سے بھی زیادہ ان کا مشتاق ہوں) ——— حق سبحانہ و تعالیٰ نے شوق کی نسبت ابرار کے لئے ثابت فرمائی ہے کیونکہ مقربین واصلین (یعنی جن کو وصال حاصل ہو چکا ہے) کو شوق باقی نہیں رہتا، اس لئے کہ شوق مطلوب کے گم کرنے (حاصل نہ ہونے) کا متقاضی ہے اور مطلوب کا گم ہونا (حاصل نہ ہونا) اُن کے حق میں مفقود ہے، کیا نہیں دیکھتے کہ انسان اپنے نفس کے ساتھ بے حد محبت ہونے کے باوجود اپنے نفس کی طرف کوئی شوق نہیں رکھتا، کیونکہ اپنے نفس یعنی اپنے آپ کو گم کرنا اس کے لئے ثابت نہیں ہے ——— پس صاحبِ وصال (واصل) مقرب جو حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ باقی اور اپنے نفس سے فانی ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اس کا حال ایسا ہے جیسا کہ انسان کا حال اپنے نفس کے ساتھ ہے لہذا ثابت ہوا کہ ابرار[۱] ہی مشتاق ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے مطلوب کو گم کرنے والے محب ہیں ———

اور ابرار سے ہماری مراد وہ شخص ہے جو مقرب واصل (صاحبِ وصال) نہ ہو، خواہ وہ راہِ سلوک کی ابتدا میں ہو یا وسط میں، اگرچہ وہ وسط سے رائی کے دانہ کی برابر باقی رہ گیا ہو۔ کسی نے فارسی میں کیا اچھا کہا ہے ؎

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست ۔۔۔ درونِ دیدہ اگر نیم مواست بسیار است

(ترجمہ) نہیں ہے قابلِ برداشت ہجرِ یار تھوڑا بھی ۔۔۔ گوارا آنکھ کر سکتی نہیں ہے بال آدھا بھی

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے ایک قاری کو دیکھا کہ قرآن مجید پڑھ رہا ہے اور رو رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے تھے لیکن اب ہمارے دل سخت[۲] ہو گئے ہیں۔ آپ کا یہ فرمانا مدح بما یشبہ الذم (ایسی تعریف جو مذمت کے مشابہ ہو) کے طور پر ہے ——— اور میں نے اپنے شیخ (حضرت خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ "بیشک منتہیٔ واصل بسا اوقات اس شوق و طلب کی تمنا کرتا ہے جو اس کو ابتدا میں حاصل تھا" ——— اور شوق کے زائل ہونے کے لئے ایک اور مقام ہے جو پہلے مقام سے زیادہ کامل و مکمل ہے اور وہ ادراک (پا لینے) سے

---

[۱] کیونکہ مشتاق جس چیز کا شوق رکھتا ہے اس سے محبت کرتا ہے لیکن وہ چیز اس سے گم ہوتی ہے یعنی حاصل نہیں ہوئی ہوتی اور یہ ابرار کی صفت ہوتی ہے مقربین کی نہیں۔

[۲] چونکہ آپ واصلین مقربین میں سے ہو گئے تھے اس لئے شوق و وجد وغیرہ باقی نہیں رہا تھا۔ پس بظاہر آپ کے اس قول میں ذم کا پہلو نکلتا ہے لیکن حقیقت میں یہ بھی آپ کی مدح کا مظہر ہے۔

شوقِ ابرار کو ہوتا ہے مقربین کو نہیں

عجز[1] و ناامیدی کا مقام ہے کیونکہ شوق وہاں متصور ہوتا ہے جہاں مطلوب کے حاصل ہونے کی توقع ہو، اور جہاں امید ہی نہ ہو وہاں شوق بھی نہیں ہوتا ——— اور جب ایسا کامل شخص جو انتہائے کمال تک پہنچ چکا ہو عالم (جہان) کی طرف واپس لوٹتا ہے تو عالم کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے مطلوب کے گُم کرنے کے باوجود بھی شوق اس کی طرف عود نہیں کرتا (یعنی واپس نہیں لوٹتا) کیونکہ اس کے شوق کا زائل ہونا مطلوب کا گم ہونا ثابت ہونے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ناامیدی کے باعث تھا اور وہ ناامیدی رجوع کے بعد بھی موجود ہے بخلاف پہلے کامل کے کہ اس کے عالم کی طرف رجوع کرنے کے وقت اس فقدان (گم شدگی) کے پیدا ہونے کے لئے جو پہلے زائل ہو گیا تھا شوق اس کی طرف لوٹ آتا ہے، پس جب اس کے عالم کی طرف رجوع کرنے کے باعث مطلوب کا گُم ہونا پایا گیا تو اس کو وہ شوق بھی حاصل ہو گیا جو اس کے زائل ہونے سے جاتا رہا تھا ——— یہ نہیں کہا جائے گا کہ وصول الی اللہ کے مراتب ابدالآباد تک کبھی ختم نہیں ہوتے پس ان مراتب میں سے بعض کی توقع کی جاتی ہے تو اس وقت (واصل مقرب کے حق میں بھی) شوق کا حاصل ہونا متصور ہو گا اس لئے کہ ہم کہتے ہیں، کہ وصول الی اللہ کے مراتب کا منقطع نہ ہونا سیرِ تفصیلی پر مبنی ہے جو کہ اسماء وصفات و شیون و اعتبارات میں واقع ہوتی ہے اور اس (تفصیلی سیر میں سیر کرنے والے) سالک کے حق میں وصول الی اللہ کی نہایت تک پہنچنا متصور نہیں ہے اور اس سے شوق کبھی بھی زائل نہیں ہوتا، اور ہم جس سالکِ واصل کا ذکر کر رہے ہیں وہ ایسا منتہی واصل ہے جس نے اجمالی طور پر ان مراتب کو طے کیا ہے اور ایسے مقام تک پہنچ گیا ہے کہ اس کو کسی عبارت میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے اور اس کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں کیا جا سکتا پس وہاں توقع (امید) ہرگز متصور نہیں ہے لامحالہ شوق اور طلب اس سے زائل ہو جاتا ہے۔

اور یہ اولیاء اللہ میں سے خاص اولیاء کا حال ہے کیونکہ یہ حضرات وہ ہیں جنھوں نے صفات کے تنگ کوچہ سے عروج کیا ہے اور حضرتِ ذات حق تعالیٰ و تقدس تک پہنچ گئے ہیں بخلاف ان حضرات کے جو صفاتِ الٰہیہ میں تفصیل کے طور پر سالک ہیں اور شیونات میں ترتیب وار سیر کرتے والے ہیں کیونکہ یہ حضرات تجلیاتِ صفاتیہ میں ابدالآباد تک پابند مقید رہتے ہیں، اور مراتبِ وصول کا حاصل ہونا[2]

---

[1] یہ عجز عن الادراک عوام الناس کے عجز کی مانند نہیں ہے بلکہ یہ وہ عجز ہے جو عین ادراک بلکہ کمالِ ادراک ہے۔
[2] جیسا کہ کسی فارسی شاعر نے کہا ہے ؎

اے برادر بے نہایت در گہے ست — ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

اُن کے حق میں صفات تک وصول کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔ حضرتِ ذاتِ باری تعالیٰ تک عروج حاصل ہونا صفات و اعتبارات میں اجمالی سیر حاصل ہونے کے سوا متصور نہیں ہے ـــــ اور جس کی سیر اسماء میں تفصیلی طور پر واقع ہوئی وہ صفات و اعتبارات میں مقید ہو کر رہ گیا اور شوق و طلب اُس سے زائل نہ ہوا، اور وجد و تواجد اُس سے جدا نہ ہوا ـــــ پس شوق و تواجد والے حضرات تجلیاتِ صفاتیہ والے لوگ ہیں، اور جب تک یہ حضرات شوق و وجد میں رہیں ان کو تجلیاتِ ذاتیہ سے کچھ حصہ حاصل نہیں ہوتا ـــــ پس اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے شوق ہونے کے کیا معنی ہیں جبکہ حق سبحانہ و تعالیٰ سے تو کوئی چیز گم نہیں ہوئی ہے ـــ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے شوق کے لفظ کا استعمال یہاں پر صنعت مشاکلۃ کے طور پر ہو ـــــ اور اس حدیث میں شدت کا ذکر اس اعتبار سے ہو گا کہ جو کچھ عزیز و جبار حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ اس کی نسبت سے شدید اور غالب ہوتا ہے جو کہ ضعیف بندے کی طرف منسوب کیا جائے ـــــ یہ جواب علمائے کرام کے طریقہ پر ہے اور اس ضعیف بندہ (حضرت مجدد قدس سرہ) کے نزدیک مذکورہ اشکال کے کئی جواب ہیں جو کہ صوفیائے کرام کے طریقے کے مناسب ہیں لیکن وہ جوابات ایک قسم کا سُکر چاہتے ہیں اور سُکر کے بغیر ان جوابات کا ذکر کرنا مستحسن (اچھا) نہیں ہے بلکہ جائز ہی نہیں ہے، کیونکہ سکر والے لوگ معذور ہیں اور حالتِ صحو (ہوش) والے پوچھے جائیں گے، اس وقت میری حالت خالص اور محض صحو کی ہے، پس ان جوابات کا ذکر کرنا میرے حال کے مناسب و لائق نہیں ہے، بات یہی ہے: وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَّ اٰخِراً وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ دَائِماً وَّ سَرْمَداً۔ (اور اول و آخر سب تعریف حق سبحانہ و تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور اس کے نبی کریم پر ہمیشہ ہمیشہ صلوٰۃ و سلام ہو)۔

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف اور اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی نسبت کے اعلیٰ ہونے کے بیان میں خواجہ عمک[1] کی طرف صادر فرمایا۔

---

[1] خواجہ عمک کے نام دفتر اول میں مکتوب نمبر ۲۷ - ۲۸ صرف یہی دو مکتوب ہیں۔ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ آپ کا نوازشنامۂ گرامی جو آپ نے مہربانی فرما کر اس مخلص کے نام لکھا تھا اس کے صادر ہونے سے بہت خوشی و مسرت حاصل ہوئی ـــــ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو سلامت رکھے ـــــ یہ فقیر آپ کی خدمت میں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف بیان کرنے کے علاوہ اور کوئی تکلیف دینا نہیں چاہتا۔

نسبت نقشبندیہ تمام نسبتوں سے بالاتر ہے

میرے مخدوم! اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں کی تحریروں میں موجود ہے کہ "ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے"۔ نسبت سے اِن حضرات کی مراد حضور و آگاہی ہے اور وہ حضور جو اِن حضرات کے نزدیک معتبر ہے وہ حضورِ بے غیبت ہے جس کو اِن حضرات نے یادداشت سے تعبیر کیا ہے پس ان بزرگوں کی نسبت سے مراد یادداشت ہے، اور یادداشت کا مطلب جو اس فقیر کی ناقص سمجھ میں آیا ہے اس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ تجلیٔ ذاتی سے مراد حضرتِ ذات تعالیٰ وتقدس کا حضور ہے جو کہ اسماء وصفات وشیون واعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر ظاہر ہو ـــــ اور مشائخ نے اس تجلی کو تجلیٔ برقی کہا ہے یعنی ایک ذرا سے لمحہ کے لئے شیون واعتبارات کا اُٹھ جانا ثابت ہو جاتا ہے اور پھر ذاتِ حق شیون واعتبارات کے پردہ میں پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ پس اس بنا پر حضورِ بے غیبت متصور نہیں ہوگا بلکہ تھوڑی دیر کے لئے حضور ہوگا اور اکثر اوقات غیبت ہوگی۔ لہذا یہ نسبت ان بزرگواروں کے نزدیک معتبر نہیں ہوگی حالانکہ دوسرے سلسلوں کے مشائخ کرام نے اس تجلی کو نہایت النہایت (آخری مقام) کہا ہے اور جس وقت یہ حضور دائمی ہو جائے اور ہرگز پوشیدگی قبول نہ کرے اور ہمیشہ اسماء وصفات وشیون واعتبارات کے پردہ کے بغیر جلوہ گر ہو تو یہ حضورِ بے غیبت ہوگا۔ پس ان بزرگوں کی نسبت کو دوسروں کی نسبت کے ساتھ قیاس کرنا چاہئے، اور بلا تکلف دوسروں پر اس سلسلہ کو فوقیت دینی چاہئے، اگرچہ اس قسم کا حضور اکثر لوگوں کے نزدیک بعید معلوم ہوتا ہے، لیکن ؎

هَنِیْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُهَا ۔۔۔ وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْکِیْنِ مَا یَتَجَرَّعُ

(ترجمہ) (مبارک منعموں کو ان کی نعمت ۔۔۔ مبارک عاشقوں کو رنج وحسرت)

یہ عالی نسبت اس قدر کمیاب وقلیل الوجود ہو گئی ہے کہ اگر بالفرض اسی سلسلۂ عالیہ (نقشبندیہ) کے مشائخ کے سامنے اس کو بیان کیا جائے تو احتمال ہے کہ ان میں سے اکثر مشائخ اس کا انکار کر دیں اور

ہرگز یقین نہ کریں ـــــ اور جو نسبت اب اس بزرگ خاندان کے مشائخ میں مشہور ہے اس سے مراد حق سبحانہ وتعالیٰ کا اس طرح پر حضور و شہود ہے کہ شاہد اور مشہود ہونے کے وصف سے پاک ہو، اور وہ توجہ مراد ہے جو اُن چھ طرفوں[۱] سے خالی ہو جو مشہور ہیں اگرچہ فوق (بلندی) کی طرف کا گمان پیدا ہوتا ہے اور بظاہر دائمی معلوم ہوتی ہے، اور یہ نسبت (بغیر سلوک کے) صرف مقامِ جذبہ میں بھی پائی جاتی ہے اور اس کی برتری کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہے بخلاف اُس یاد داشت کے جس کی تعریف پہلے بیان ہو چکی ہے جس کا حاصل ہونا جذبہ کی جہت اور سلوک کے مقامات کی تکمیل کے بعد ہے، اور اس درجہ کا بلند مرتبہ ہونا کسی پر پوشیدہ نہیں ہے، اگر پوشیدگی ہے تو صرف اس کے حاصل ہونے میں ہے۔ اگر کوئی حسد کرنیوالا شخص حسد کی وجہ سے اس کا انکار کرے اور کوئی ناقص اپنے نقص وقصور کی وجہ سے جان بوجھ کر اس کا انکار کرے تو وہ معذور ہے ؎

قاصرے گر کند ایں طائفہ راطعن قصور	حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را[۲]
ہمہ شیران جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند	روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(ترجمہ)
(ایسے لوگوں پر اگر ناقص کرے طعنہ زنی	میں کروں اپنی زباں سے کچھ گلہ؟ توبہ مری
کُل جہاں کے شیر وابستہ ہیں اس زنجیر سے	لومڑی توڑے گی اس حلقہ کو کس تدبیر سے)

وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا (اول و آخر میں سلام ہو)۔

مکتوب ۲۸

بلندیٔ حال کے بیان میں، لیکن ایسی عبارت میں لکھا گیا ہے جس سے نزول و بُعد کا وہم پیدا ہوتا ہے، یہ بھی خواجہ عمک کی جانب ارسال کیا گیا۔

گرامی نامہ جو آپ نے مہربانی فرما کر اس مخلص کے نام ارسال فرمایا تھا اس کے صادر ہونے سے

---

[۱] چھ طرفیں یعنی دائیں بائیں سامنے پیچھے اوپر نیچے ـــــ [۲] ان اشعار کا عربی اشعار میں ترجمہ یہ ہے ؎

اِنْ عَابَهُمْ قَاصِرٌ طَعْنًا بِهِمْ سَفَهًا	بَرَّأْتُ سَاحَتَهُمْ مِنْ اَفْحَشِ الْكَلِمِ
هَلْ يَقْطَعُ الثَّعْلَبُ الْمُحْتَالُ سِلْسِلَةً	قُيِّدَتْ بِهَا اُسُدُ الدُّنْيَا بِاَسْرِهِمِ

بہت مسرت ہوئی اور اس کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا ——— یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ آزاد[1] لوگ قیدیوں[2] کو یاد کریں اور یہ کس قدر بھاری دولت ہے کہ منزلِ قُرب پر پہنچے ہوئے (واصل) لوگ جدائی کے مارے ہوئے (نزول کے ساتھ جدا کئے ہوئے) لوگوں کی غمخواری کریں۔ بیچارے ہجر کے مارے ہوئے نے جب اپنے آپ کو وصال کے لائق نہ پایا تو مجبوراً ہجر (جدائی) کے گوشہ میں گمنام ہوگیا اور مقامِ قرب سے بھاگ کر مقامِ بُعد میں آرام لیا، اور اتصال (ملاپ) سے (دور ہوکر) جدائی کے ساتھ قرار حاصل کیا اور جب (غیر حق سے) آزادی کے اختیار کرنے میں (نفس کے تقاضے کے باعث غیر کے ساتھ) گرفتاری دیکھی تو ناچار (رضائے حق کی خاطر مخلوق کے ساتھ) گرفتاری قبول کرلی ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں　　خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

(ترجمہ) جب طمع میری شہِ دیں کو پسند　　پھر قناعت پر رہوں کیوں کاربند

بے ربط عبارتوں اور پراگندہ اشاروں کے ساتھ اس سے زیادہ آپ کو کیا تکلیف دی جائے، ثَبَّتَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِیَّاکُمْ عَلٰی مُتَابَعَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوٰتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا (حق سبحانہ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر ثابت قدم رکھے)۔

مکتوب ۲۹
بست و نہم

فرائض کے ادا کرنے اور سنن و مستحبات کی رعایت کرنے کی ترغیب اور فرضوں کے مقابلہ میں نفلوں کے ادا کرنے کی طرف توجہ نہ دینے کے بیان میں، اور عشا کی نماز کو آدھی رات کے بعد ادا کرنے اور وضو مستعمل پانی کے پینے کو جائز سمجھنے اور مریدوں کے سجدہ کرنے کو جائز سمجھنے سے منع کرنے کے بیان میں، شیخ نظام تھانیسری[3] کی طرف صادر فرمایا۔

۱ـ یعنی جو سالکین ماسوا اللہ سے آزاد ہو کر مقام فوق کی طرف ترقی کر رہے ہیں۔
۲ـ جو مقام سے نزول کر کے دعوتِ حق کے لئے مخلوق کی طرف راجع ہیں۔
۳ـ مکتوباتِ شریفہ میں آپ کے نام دفتر اول مکتوب ۲۹-۳۰ صرف دو مکتوبات ہیں۔ شیخ نظام الدین بن شیخ عبدالشکور عمری بلخی تھانیسری، ظاہری و معنوی کمالات سے متصف، شریعت و طریقت اور علم و عمل کے جامع تھے۔ سلسلۂ امدادیہ صابریہ چشتیہ کے اکابر اور شیخ جلال الدین تھانیسری کے برادر زادہ، داماد اور خلیفہ تھے، نیز متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ شہزادہ خرم کے ساتھ تعاون کرنے پر جہانگیر سے مخالفت ہوگئی تھی۔ سنہ ۱۰۲۴ھ میں وفات پائی (نزھۃ الخواطر ۵/۴۱۸، تذکرہ علمائے ہند، انوار العارفین)۔

عَصَمَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَنِ التَّعَصُّبِ وَالتَّعَسُّفِ وَنَجَّانَا وَاِیَّاکُمْ عَنِ التَّلَهُّفِ وَ التَّاَسُّفِ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْبَشَرِ الْمَنْفِیِّ عَنْہُ زَیْغُ الْبَصَرِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّہَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُہَا (حق سبحانہ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو تعصب (طرفداری وہٹ دھرمی) اور تعسف (غلط راستہ پر چلنے) سے بچائے، اور تلہف و تاسف (افسوس اور رنج وغم کرنے) سے بچائے بطفیل حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ کجی بصر سے پاک ہیں، آپ پر اور آپ کی آل پر کامل ترین صلوات اور اکمل ترین تسلیمات ہوں)

فرض نماز کی اہمیت

وہ اعمال جن سے حق سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں قرب حاصل ہوتا ہے فرائض ہیں یا نوافل، فرضوں کے مقابلہ میں نفلوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے، فرضوں میں سے کسی ایک فرض کا اس کے اپنے وقت میں ادا کرنا ہزار سال کے نوافل ادا کرنے سے بہتر ہے اگرچہ وہ نوافل خلوصِ نیت کے ساتھ ادا کئے جائیں، خواہ وہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور ذکر و فکر وغیرہ میں سے کوئی بھی نفل ہو۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فرائض کے ادا کرنے کے وقت سنتوں میں سے کسی سنت کی اور مستحبات میں سے کسی مستحب کی رعایت کرنے کا بھی یہی حکم ہے (کہ وہ نوافل کے ادا کرنے سے بہتر ہے)۔

نماز جماعت کی اہمیت

منقول ہے کہ " ایک روز امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر کی نماز جماعت سے فارغ ہونے کے بعد مقتدیوں کی طرف دیکھا تو اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص (سلیمانؓ ابن ابی حثمہ) کو اس وقت موجود نہ پایا، (دریافت) فرمایا کہ فلاں شخص جماعت میں حاضر نہیں ہوا؟ حاضرین نے عرض کیا کہ وہ رات کا اکثر حصہ جاگتا رہتا ہے گمان ہے کہ وہ اس وقت سو گیا ہوگا، آپ نے فرمایا کہ اگر وہ تمام رات سوتا رہتا اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا تو زیادہ اچھا ہوتا[1] "

پس کسی مستحب کی رعایت کرنا اور کسی مکروہ سے بچنا خواہ وہ مکروہِ تحریمی نہ ہو بلکہ مکروہِ تنزیہی ہی ہو، ذکر و فکر اور توجہ و مراقبہ سے بہتر ہے ــــ ہاں اگر ان امور (ذکر و فکر اور مراقبہ وغیرہ) کو مستحبات کی رعایت اور مکروہات سے بچنے کے ساتھ جمع کرے تو فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا (بہت ہی بڑی کامیابی ہے) ۳۳/۷۱

[1] اس کو امام مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی مؤطا میں روایت کیا ہے اور مشکوٰۃ میں اس طرح روایت کی گئی ہے عن ابی بکر بن سلیمان بن ابی حثمۃ قال ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فقد سلیمان بن ابی حثمۃ فی صلوۃ الصبح وان عمر غدا الی السوق ومسکن سلیمان بین المسجد و السوق فمر علی الشفاء ام سلیمان فقال لہا لم ار سلیمان فی الصبح فقالت انہ بات یصلی فغلبتہ عیناہ فقال عمر لان اشہد صلوۃ الصبح فی جماعۃ احب الی ان اقوم لیلۃ،

وَيُبْدُونَهُ خَرْطُ الْقَتَادِ (ورنہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے) ـــــــ مثلاً زکوۃ کے حساب میں ایک دانگ (چھ رتی وزن کا سکّہ مراد ہے یعنی معمولی رقم) صدقہ کرنا جس طرح سے کہ نفلی طور پر سونے کے بڑے بڑے پہاڑ صدقہ کرنے سے کئی درجہ بہتر ہے ـــــــ اسی طرح اس دانگ کے صدقہ کرنے میں کسی مستحب کی رعایت کرنا مثلاً اس کا کسی قریبی محتاج کو دینا بھی اس (نفلی صدقہ) سے کئی درجہ بہتر ہے ـــــــ لہذا عشا کی نماز کو رات کے دوسرے نصف حصہ میں (آدھی رات کے بعد) ادا کرنا اور اس تاخیر کو قیامِ لیل (نمازِ تہجد کی تاکید) کا ذریعہ بنانا بہت ہی برا ہے، کیونکہ فقہائے احناف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک عشا کی نماز کو اس وقت میں (یعنی آدھی رات کے بعد) ادا کرنا مکروہ ہے[۱]، بظاہر اس کراہت سے ان کی مراد کراہتِ تحریمیہ ہے[۲]، کیونکہ ان کے نزدیک نماز عشا کا آدھی رات تک ادا کرنا مباح ہے اور آدھی رات کے بعد ادا کرنا مکروہ کہا ہے، پس وہ مکروہ جو مباح کے بالمقابل ہے وہ مکروہ تحریمی ہے ـــــــ اور فقہائے شافعیہ[۳] رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک آدھی رات کے بعد عشا کی نماز ادا کرنا جائز ہی نہیں ہے ـــــــ لہذا قیامِ لیل یعنی نماز تہجد کے لئے اور اس وقت میں ذوق و جمعیت حاصل ہونے کے لئے اس امر (تاخیرِ نمازِ عشا بعد نصفِ شب) کا مرتکب ہونا نہایت برا ہے، اس مقصد کے لئے نمازِ وتر کی ادائیگی میں (بعد نصف شب تک) تاخیر کرنا بھی کافی ہے، اور یہ تاخیر مستحب بھی ہے[۴]، وتر بھی افضل وقت میں ادا ہو جاتے ہیں اور قیامِ لیل (نمازِ تہجد) اور صبح کے وقت جاگنے کا مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے لہذا اس عمل (تاخیر نمازِ عشا بعد نصفِ شب) کو ترک کرنا چاہئے اور گذشتہ دنوں کی نمازوں کو پھر سے ادا کرنا چاہئے ـــــــ امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضو کے مستحبات میں سے کسی ایک مستحب کے ترک ہونے کی وجہ سے چالیس سال کی نمازوں کو قضا فرمایا تھا۔

---

[۱] بحر الرائق میں ہے وافادان التاخیر الی نصف اللیل لیس بمستحب قالوا انہ مباح والی مابعدہ مکروہ۔ یعنی اس سے مستفاد ہوا کہ عشا کی نماز کو آدھی رات تک مؤخر کرنا مستحب نہیں ہے اور فقہائے اس کو مباح کہا ہے اور آدھی رات کے بعد ادا کرنا مکروہ ہے۔

[۲] نیز بحر الرائق میں قنیہ سے منقول ہے تاخیر العشاء الی مازاد علی نصف اللیل یکرہ کراھۃ تحریم، یعنی عشا کی نماز کو آدھی رات کے بعد تک مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے ـــــــ [۳] اس لئے کہ مسلم شریف کی حدیث میں وارد ہے ووقت صلوۃ العشاء الی نصف اللیل الاوسط یعنی عشا کی نماز کا وقت (شفق غائب ہونے کے بعد سے شروع ہو کر) آدھی رات تک ہے، اور احناف کے نزدیک یہ حدِ مختار ہے اور جواز کا وقت طلوعِ فجر سے ذرا پہلے تک ہے ـــــــ [۴] یعنی نماز وتر کیلئے یہ تاخیر اس شخص کیلئے مستحب ہے جس کو تہجد کے وقت جاگنے اور اٹھنے پر پورا پورا اعتماد و بھروسہ ہو ورنہ نماز وتر بھی سونے سے پہلے ہی پڑھ لینا مستحب بلکہ واجب ہے۔

اور نیز مستعمل پانی جس سے کہ حدث کو دور کیا ہو (یعنی وضو کا مستعمل پانی ہو) یا وہ مستعمل پانی جس کو قربت یعنی عبادت وثواب کی نیت سے وضو میں استعمال کیا ہو (یعنی باوجود وضو ہونے کے ثواب کی نیت سے پھر وضو کیا ہو) تو اس وضو کا مستعمل پانی) لوگوں کے لئے اس پانی کا پینا جائز نہ کریں، کیونکہ وہ پانی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نجس مغلّظ ہے (یعنی نجاستِ غلیظہ ہے) اور فقہا نے اس پانی کے پینے سے منع فرمایا ہے اور اس کے پینے کو مکروہ کہا ہے ——— ہاں وضو کے بچے ہوئے پانی کے پینے کو شفا کہا ہے، اگر کوئی شخص اعتقاد کے ساتھ طلب کرے تو اس کو وہ پانی (یعنی وضو کا بچا ہوا پانی) دے سکتے ہیں۔

——— اس فقیر کو اس دفعہ دہلی میں اس قسم کی آزمائش پیش آئی تھی (یعنی) بعض دوستوں کو واقعہ (حال) میں دکھایا گیا کہ اس فقیر کے وضو کے مستعمل پانی کو پئیں ورنہ بڑی تکلیف لاحق ہو جائے گی، (فقیر نے) بہت زیادہ منع کیا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا، آخر کار فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا تو نجات کی ایک صورت نکل آئی کہ اگر ہر عضو کو تین مرتبہ دھونے کے بعد چوتھی مرتبہ دھویا جائے اور اس میں قربت یعنی عبادت وثواب کی نیت نہ کی جائے تو چوتھی مرتبہ کا پانی مستعمل نہیں ہوگا ——— یہ حیلہ تجویز کر کے عبادت وثواب کی نیت کے بغیر چوتھی مرتبہ کے دھونے کا مستعمل پانی ان حضرات کو پینے کیلئے دیا۔

اور نیز معتبر آدمیوں نے بیان کیا ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کو ان کے مرید سجدہ[لہ] کرتے ہیں اور زمین بوسی پر بھی کفایت نہیں کرتے، اس فعل کی برائی آفتاب سے بھی زیادہ (یعنی خوب اچھی طرح) ظاہر ہے،

وضو کا مستعمل پانی نجاستِ غلیظہ ہے

لہ جاننا چاہئے کہ سجدہ کی حقیقت پیشانی کو زمین پر رکھنا ہے اور یہ دو طرح پر واقع ہوتا ہے ایک یہ کہ بندگی کا حق ادا کرنے کے لئے ہو اور یہ تمام مذاہب و ملل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کیلئے کرنا حرام وممنوع ہے اور کبھی بھی جائز نہیں ہے ——— دوم یہ کہ کسی کی تعظیم وتکریم کیلئے ہو جیسا کہ سر کو جھکا کر سلام کرنا۔ اور اس کا حکم رسوم وعادات اور تبدیلیٔ اوقات و زمانہ کے لحاظ سے مختلف ہے کبھی جائز ہے اور کبھی حرام، اور یہ پہلی امتوں میں جائز تھا اور ہماری شریعت میں یہ طریقہ بھی حرام وممنوع ہے کیونکہ اس کی ممانعت میں متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں کذا فی التفسیر العزیزی ——— اور امراء و مشائخ کے لئے زمین کو بوسہ دینا بھی حرام ہے اور اس فعل کے کرنے والا اور اس سے خوش و راضی ہونے والا دونوں گنہگار ہوں گے، کذا فی الکافی۔ فقیہ ابوجعفر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جو شخص بادشاہ یا امیر کے سامنے زمین کو بوسہ دے یا سجدہ کرے اگر وہ سجدۂ تعظیمی ہوگا تو اس سے وہ شخص کافر تو نہیں ہوگا لیکن گنہگار و گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوگا اور اگر عبادت کی نیت سے کریگا تو کافر ہو جائیگا اور اسی طرح اگر اس کی کچھ بھی نیت موجود نہیں ہوگی تو اکثر علماء کے نزدیک وہ کافر نہیں ہوگا۔ اور زمین کو بوسہ دینا، رخسار یا پیشانی زمین پر لگانے سے کم درجہ پر ہے کذا فی الظہیریہ ——— اور طیبی نے محی السنۃ سے نقل کیا ہے کہ کمر کا جھکانا مکروہ ہے کیونکہ صحیح حدیث میں اس سے نہی وارد ہے، اگرچہ بہت سے علم وصلاح والے حضرات بھی اس فعل کے ساتھ منسوب ہیں تو ان کے اس فعل پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

سجدہ کی حقیقت

آپ ان کو منع کریں اور منع کرنے میں تاکید سے کام لیں۔ اس قسم کے افعال سے پرہیز کرنا ہر شخص کے لئے ضروری ہے، خاص طور پر جو شخص لوگوں کا پیشوا و مقتدا بنا ہوا ہو، اس کو اس قسم کے افعال سے پرہیز کرنا اشد ضروری ہے کیونکہ اس کے پیرو اس کے اعمال کی پیروی کریں گے اور مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔

اور نیز اس جماعت کے علوم، احوال کے علوم ہیں۔ اور احوال، اعمال کے نتیجے و ثمرات ہیں، اور احوال کے علوم سے اسی شخص کو میراث (ورثہ) ملتی ہے جس نے اپنے اعمال کو درست کیا ہو اور ان کا حق ادا کرنے پر قائم رہا ہو۔ اور اعمال کی درستی اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ اعمال کو پہچاننے اور ہر عمل کی کیفیت کو جانے، اور وہ احکام شرعیہ یعنی نماز روزہ اور باقی فرائض، معاملات و نکاح و طلاق و خرید و فروخت اور ہر اس چیز کا علم ہے جس کو حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس پر واجب کیا ہے اور اس کو اس کی طرف دعوت دی ہے، اور یہ علوم کسب (اپنی محنت) سے حاصل ہوتے ہیں ان کے سیکھنے سے کسی شخص کو بھی چارہ نہیں ہے۔

اور علم دو مجاہدوں کے درمیان ہے، ایک مجاہدہ علم کے حاصل ہونے سے پہلے اس کی طلب میں ہوتا ہے اور دوسرا مجاہدہ علم حاصل ہونے کے بعد اس کے استعمال (اس پر عمل کرنے) میں ہوتا ہے۔ پس جس طرح آپ کی مبارک مجلس میں تصوف کی کتابوں میں سے کچھ بیان ہوتا رہتا ہے اسی طرح فقہ کی کتابوں میں سے کچھ بیان ہوتا رہنا چاہئے، اور فقہ کی کتابیں فارسی میں بہت ہیں مثلاً مجموعہ خانی، عمدۃ الاسلام و کنز فارسی، بلکہ اگر تصوف کی کتابوں میں سے بیان نہ بھی کیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ وہ احوال سے تعلق رکھتی ہیں اور بیان کرنے میں نہیں آتیں اور فقہ کی کتابوں میں سے بیان نہ ہونے میں نقصان کا احتمال ہے اور زیادہ لمبی گفتگو کیا کی جائے اَلْقَلِیْلُ یَدُلُّ عَلَی الْکَثِیْرِ (تھوڑی بات کثیر پر دلالت کرتی ہے)۔

اندکے پیشِ تو گفتم غمِ دل ترسیدم　　کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(ترجمہ)

بہت تھوڑی کہی ہے ڈرتے ڈرتے داستانِ غم　　کہیں آزردہ ہو جائے نہ دل تیرا، مرے ہمدم

رزقنا اللہ سبحانہ و ایاکم کمال اتباع حبیبہ علیہ و علی آلہ الصلوات و التسلیمات (حق تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اور مطالب المؤمنین میں شیخ ابو منصور سے نقل کیا گیا ہے انھوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے سامنے زمین کو بوسہ دے یا کمر یا سر کو جھکا دے وہ شخص کافر نہیں ہوتا لیکن گنہگار ہوتا ہے۔ اور بعض مشائخ نے کہا ہے کاد الانحناء ان یکون کفراً (یعنی کمر کو جھکانا کفر کے قریب ہے) کذا فی ترجمۃ المشکوٰۃ للشیخ الدہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) ۱؎ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

مغرورِ سخن مشو کہ توحیدِ خدا　　واحد دیدن بود، نہ واحد گفتن

پس زبان سے کہنے اور وجدان سے پانے میں بہت فرق ہے اور کسی چیز کے متعلق کان سے سننے اور اس چیز کو خود حاصل کر لینے میں بہت سے درجے میں صرف شکر کا نام لے لینے سے حلق میٹھا نہیں ہوتا جب تک اس کو کھایا نہ جائے۔

شہودِ آفاقی و انفسی اور شہودِ انفسی و تجلیِ صوری کے درمیان فرق کے بیان میں اور مقامِ عبدیت کی شان کی بلندی اور اس مقام کے علوم کی علومِ شرعیہ کے مطابق ہونے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں، مُلّا محمد صدیق جو کہ اس درگاہِ (مجددیہ) کے پُرانے خادموں میں سے ہیں فرماتے تھے کہ یہ مکتوبِ گرامی بھی شیخ نظام تھانیسری کی طرف صادر فرمایا۔

شَرَّفَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِكَمَالِ الْاِتِّبَاعِ الْمُحَمَّدِيِّ وَزَيَّنَكُمْ بِالزِّيِّ السَّنِيِّ الْمُصْطَفَوِيِّ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَكْمَلُهَا (حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اتباع سے مشرف فرمائے، اور آپ کو آنحضرتؐ کی روشن وضع وقطع و لباس سے آراستہ فرمائے)۔

میں نہیں جانتا کہ کیا لکھوں، اگر اپنے مولا تعالیٰ وتقدس (اللہ تعالیٰ) کی پاک بارگاہ کی نسبت کوئی بات زبان پر لاؤں تو جھوٹ اور بہتان ہوگا، حق سبحانہ وتعالیٰ کی اعلیٰ بارگاہ اس سے بہت بلند ہے کہ مجھ جیسا بیہودہ گو اپنی زبان سے اس کی تعریف کرے، چوں (مثل ومانند والا) بے چون (بے مثل) کے بارے میں کیا بیان کرے، مُحدَث (غیر ازلی) قدیم (ازلی) کے متعلق کیا ڈھونڈے، مکانی (محدود) لامکانی (لامحدود) کے بارے میں کب تک دوڑے، بیچارہ اپنی ذات سے باہر کچھ نہیں رکھتا اور اپنے آپ کے علاوہ کسی چیز میں کچھ گذر نہیں رکھتا ؎

ذرّہ گر بس نیک ور بس بد بُوَد　　گرچہ عمرے تگ زند در خود بُوَد

(ترجمہ) ذرّہ خواہ نیک ہو یا بد، مگر　　عمر بھر دوڑے رہے گا بس وہیں

یہ معنی[1] بھی سیرِ انفسی[2] میں حاصل ہوتے ہیں جو کہ کام کی انتہا میں میسر ہوتی ہے۔ حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ اہل اللہ فنا وبقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں

---

[1] یعنی یہ معرفت ودانش آخر میں میسر ہوتی ہے ابتدا میں نہیں، اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی معرفت بشر کو تو کیا ملائکہ کو بھی حیرت ونادانی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے اَلْعَجْزُ عَنِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ (یعنی ادراک سے عاجز رہنا یہ بھی ایک طرح کا ادراک ہی ہے۔ [2] سیرِ انفسی وسیرِ آفاقی کے معنی اور ان دونوں کی تفصیل دفترِ دوم مکتوب ۴۲ میں مذکور ہے۔

اپنی ذات میں دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں اپنی ذات میں پہچانتے ہیں اور ان کی حیرت اپنے وجود میں ہوتی ہے، وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ (سورہ ذاریات آیت ۲۱) (اور کیا تم اپنے نفسوں (جانوں) میں نہیں دیکھتے ہو) ــــــ اس سے پہلے جو سیر بھی ہے وہ سیرِ آفاقی میں داخل ہے جس کا حاصل کچھ حاصل نہ ہونا ہے اور یہاں بے حاصلی کے لفظ کا اطلاق اصل مطلب کے حاصل ہونے کی نسبت سے ہے ورنہ وہ منجملہ شرائط و آمادہ کرنے والے امور کے ہے ــــــ شہودِ انفسی سے کوئی شخص وہم میں نہ پڑے اور اس کو تجلیٔ صوری کے شہود کی مانند جو کہ متجلّٰی لہٗ (جس کو تجلی منکشف ہو) کے نفس میں ہے خیال نہ کرے، ایسا ہرگز نہیں ہے، تجلیٔ صوری خواہ کسی قسم کی ہو سیرِ آفاقی میں داخل ہے اور علم الیقین کے مرتبہ (مقام) میں حاصل ہوتی ہے اور شہودِ انفسی حق الیقین کے مرتبہ (مقام) میں ہے جو کہ کمال کے مرتبوں کی انتہا ہے۔ اور شہود کا لفظ اس جگہ عبارت کے میدان کی تنگی کی وجہ سے بولا گیا ہے ورنہ جیسا کہ ان کا مطلب بے چون و بے چگون (بے مثل و بے مثال) ہے اُس مطلب کے ساتھ ان کی نسبت بھی بے چون و بے چگون (بے مثل و بے مثال) ہے، چون کو بیچون کی طرف کوئی راہ نہیں ہے، مثنوی

اتصالے بے تکیف بے قیاس ــ ہست رب الناس را باجانِ ناس

لیک گفتم ناس را، نسناس نہ ــ ناس غیر از جانِ جاں اشناس نہ

(ترجمہ)

اتصالِ اللہ کا انسان سے ــ ہے کچھ ایسا، کب بیاں میں آسکے

ذکر یاں انسانِ ناقص کا نہیں ــ بلکہ جو ہو مردِ کامل بالیقیں

اور شہودِ صوریِ مذکور کے ساتھ شہودِ انفسی کے متحد ہونے کا وہم پیدا ہونے کی جگہ ان دونوں مقامات میں آدمی کے بقا کا حاصل ہونا ہے کیونکہ تجلیٔ صوری (متجلّٰی لہٗ کو) فنا کرنے والی نہیں ہے، اگرچہ قیود میں سے کسی قید کو کسی قدر دور کر دیتی ہے لیکن فنا کی حد تک نہیں پہنچاتی پس اس تجلی میں سالک کے وجود کا باقی رہنا پایا جاتا ہے اور سیرِ انفسی خود پوری پوری فنا اور کامل ترین بقا کے بعد ہے، پس ناچار معرفت کی کمی کی وجہ سے ان دونوں بقاؤں میں فرق نہیں کر سکتے، اس لئے مجبوراً اتحاد (ایک ہی ہونے) کا حکم لگا دیتے ہیں ــــــ اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ دوسری بقا ان کے نزدیک بقا باللہ سے تعبیر کی گئی ہے اور وہ اس وجود کو وجودِ موہوب حقانی یعنی حق سبحانہ و تعالیٰ کا بخشا ہوا وجود کہتے ہیں تو شاید اس وہم سے نجات حاصل کر لیں۔

اس مضمون سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ بقا باللہ سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنے آپ کو حق تعالیٰ (تقدس کا) عین پائے، ایسا ہرگز نہیں ہے ——— اگر اس گروہ کی بعض عبارتوں سے یہ مطلب بھی ظاہر ہوتا ہو تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ بقا (یعنی اپنے آپ کو حق تعالیٰ کا عین معلوم کرنا) جذبہ کے مقام میں بعض حضرات کو استہلاک (استغراق) و اضمحلال (نیستی) کے بعد جو کہ فنا کے مشابہ ہے (درحقیقت فنا نہیں ہے) اور اکابرِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم اس کو وجودِ عدم[1] سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ (حقیقی و کامل) فنا[2] سے پہلے حاصل ہوتی ہے اس کا زائل ہونا ممکن ہے بلکہ وہ زائل ہوتی رہتی ہے، کبھی اس فنا کو سالک سے لے لیتے ہیں اور کبھی اس کو واپس دے دیتے ہیں ——— اور وہ بقا جو کامل فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ زائل ہونے سے محفوظ اور خلل واقع ہونے سے مامون ہے۔ ان بزرگوں (اکابر نقشبندیہ) کی فنا دائمی فنا ہے یہ حضرات عینِ بقا میں فانی اور عین فنا میں باقی ہیں، اور جو فنا و بقا زوال پذیر ہیں وہ احوال و تلوینات میں سے ہیں اور ہم جس فنا کا ذکر کر رہے ہیں وہ ایسی نہیں ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے فرمایا ہے کہ وجودِ عدم وجودِ بشریت کی طرف عود کرتا ہے، لیکن وجودِ فنا[3] وجودِ بشریت کی طرف عود نہیں کرتا پس لازمی طور پر اُن کا وقت دائمی ہوگا اور حال سرمدی (ہمیشہ) ہوگا بلکہ اُن کے لئے نہ وقت ہے نہ حال۔ ان کا کام وقتوں کے پیدا کرنے والے (یعنی حق تعالیٰ) کے ساتھ ہے اور ان کا معاملہ احوال کے پھیرنے والے کے ساتھ ہے، لہذا زوال کا قبول کرنا

---

[1] جاننا چاہئے کہ عدم جو اس سلسلۂ عالیہ کے اکابر کی عبارتوں میں آتا ہے اس سے مراد اس اسم الٰہی جل شانہ کی ہستی کا ورود ہے جو کہ عارف کا مبدء تعین ہے کسی پردے کے پیچھے سے جذب و محبت کے راستہ سے مدرکۂ سالک پر وارد ہوتا ہے جس کے پہلو میں سالک کی ہستی چھپ جاتی ہے اور سالک اپنے آپ کو اور اپنے اوصاف کو گم کر دیتا ہے اور نہیں پاتا ——— اور وجودِ عدم سے مراد اُس ہستی کا ثابت ہونا ہے یعنی وہ وجود و بقا جو عدم پر مرتب ہوتی ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وجودِ عدم سے مراد حالتِ عدمیہ کے ساتھ متحقق ہونا ہے یعنی سالک کے اندر صفتِ عدم کا پیدا ہونا، اور یہ عدم اور وجودِ عدم بمعنیٔ اول جہتِ جذبہ میں فنا و بقا ہے اس ظہور کو ہمیشگی (دوام) نہیں ہے پس جو فنا و بقا اس پر مترتب ہوگی وہ بھی دائمی نہیں ہوگی اور وجودِ بشریت کی طرف عود کرنے سے محفوظ نہیں ہوگی، جبتک وہ ظہور واقع ہے اس وقت تک سالک کی ہستی چھپی ہوئی ہے اور جب وہ ظہور پوشیدہ ہو جائے گا وجودِ بشریت عود کر آئے گا، (از مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ)

[2] یعنی فنائے حقیقی سے پہلے جس سے مراد محبوب کی ہستی کا عارف پر اس قدر غلبہ ہونا کہ تمام تعلقات سے خالی ہو جائے۔

[3] وجودِ فنا سے مراد وہ بقا ہے جو فنائے حقیقی پر مترتب ہوتی ہے اور دوسری ولادت میں موہوب وجود کے ساتھ موجود ہو جاتی ہے اس فنا و بقا کو دوام لازمی ہے اور یہ وجودِ بشریت کی طرف عود کرنے سے محفوظ ہے۔ (حضرت خواجہ محمد معصوم رحؒ)

وقت وحال کے ساتھ مخصوص ہوا اور جو شخص وقت وحال سے گذر گیا وہ زوال سے محفوظ رہا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (سورۃ الجمعہ آیت ۴، ۶۲) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) ——— کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ وقت کا دائمی ہونا اس وقت کے تعین وغیرہ کا اثر باقی رہنے کے اعتبار سے کہا گیا ہے (نہ کہ وقت کی وجہ سے) یہ بات نہیں ہے بلکہ دوام عین وقت کے لئے ہے اور مدام (ہمیشگی) نفسِ حال کے لئے، بیشک ظن (گمان) کسی چیز کی حقیقت کو پہچاننے کا فائدہ نہیں دیتا (یعنی ظن سے کوئی حق بات ثابت نہیں ہوتی) بلکہ ہم کہتے ہیں کہ بعض ظن گناہ ہیں[1]۔

بات بہت لمبی ہوگئی۔ اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ حق تعالیٰ جل شانہ کی مقدس بارگاہ کے میدان میں بات کرنے کی مجال نہیں ہے اس لئے ہم اپنی بندگی کے مقام اور ذلت وعاجزی کے بارے میں بات کرتے ہیں کہ انسان کے پیدا کرنے سے مقصود بندگی کے معمولات بجالانا ہے، اور اگر ابتدا (شروع) اور وسط (درمیان) میں کسی کو عشق ومحبت دیا گیا ہے تو اس سے مقصود ماسوی اللہ (حق تعالیٰ کے سوا سب سے) اس کا تعلق قطع کرنا ہے۔ عشق ومحبت بھی مقاصد میں سے نہیں ہے بلکہ عبودیت (بندگی) کا مقام حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں ——— انسان حق تعالیٰ شانہ کا بندہ اس وقت بنتا ہے جبکہ ماسوی اللہ کی گرفتاری وبندگی سے پوری طرح آزاد ہو جائے اور عشق ومحبت صرف ان تعلقات کے منقطع کرنے کا وسیلہ ہونے سے زیادہ اور کچھ نہیں ہیں۔ لہٰذا مراتبِ ولایت کا آخری مرتبہ مقامِ عبدیت ہے، ولایت کے درجات میں مقامِ عبدیت سے اوپر کوئی مقام نہیں ہے، اس مقام میں بندہ اپنے مولا کے ساتھ اپنے لئے اس کے سوا اور کچھ مناسبت نہیں پاتا کہ بندہ کی جانب سے احتیاج ہے اور مولا تعالیٰ وتقدس کی جانب سے ذات وصفات کے اعتبار سے پوری پوری استغنا وبے نیازی ہے ——— یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ اپنی ذات کو حق تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات کے ساتھ اور اپنی صفات کو اس کی صفات کے ساتھ اور اپنے افعال کو اس کے افعال کے ساتھ کسی لحاظ سے بھی مناسبت محسوس کرے، ظلیت کا اطلاق (ظل کہنا) بھی منجملہ مناسبات سے ہے، اس سے بھی پاک ومنزہ ظاہر کرتے ہیں، حق سبحانہ وتعالیٰ کو خالق اور اپنے آپ کو مخلوق جانتے ہیں، اس سے زیادہ

تخلیقِ انسانی کا مقصد

---

[1] اس میں آیت کریمہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (سورہ حجرات آیت ۱۲، ۴۹) کی طرف اشارہ ہے۔

کچھ کہنے کی جرأت نہیں کرتے۔

توحیدِ فعلی، ان بزرگوں کی ایک جماعت کو راہِ سلوک کے دوران حاصل ہوتی ہے اور وہ سوائے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے کسی کو فاعل نہیں پاتے، یہ بزرگ یعنی حضراتِ نقشبندیہ قدس سرہم جانتے ہیں کہ ان افعال کا خالق (پیدا کرنے والا) وہی ایک ذات یعنی حق تعالیٰ ہے نہ کہ ان افعال کا مرتکب بندہ، کیونکہ یہ بات خود زندقہ والحاد تک پہنچانے والی ہے ——— ہم اس کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں، مثلاً کوئی شعبدہ باز پردہ کے پیچھے بیٹھ کر چند جماد (بے جان) مورتیوں (تصویروں) کو حرکت دیتا ہے اور ان میں نئے نئے عجیب وغریب افعال حرکت میں لاتا ہے، تیز نظر وباریک بین لوگ جانتے ہیں کہ ان بے جان مورتیوں میں ان افعال کا بنانے والا وہی شخص ہے جو پردہ کے پیچھے بیٹھا ہوا ہے لیکن ان افعال کو اختیار کرنے والی وہی صورتیں ہیں اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ مورت متحرک ہے اور یہ نہیں کہتے کہ شعبدہ باز متحرک ہے ——— درحقیقت یہ لوگ (حضرات نقشبندیہ قدس سرہم) اس حکم میں حق کو ثابت کرنے والے ہیں، انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کی شریعتیں بھی اسی حکم کو بیان کرتی ہیں اور وحدتِ فعل کے ساتھ حکم کرنا سُکر والوں کا کلام ہے، بلکہ صریح حق بات یہ ہے کہ فاعل متعدد ہیں اور افعال کا خالق ایک ہی ہے۔ اور اسی کی مانند وہ کلام ہے جو بعض صوفیوں نے توحیدِ وجودی کے بارے میں کہا ہے وہ بھی سُکرِ وقت اور غلبۂ حال پر مبنی ہے۔ علومِ لدنیہ (کشفیہ) کے درست ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ علومِ شرعیہ کے ساتھ واضح طور پر مطابق ہوں اگر اس میں شرعی علوم سے بال برابر بھی تجاوز ہوا تو وہ سکر کی وجہ سے ہے اور حق وہی ہے جس کو علمائے اہلِ سنت وجماعت نے تحقیق کیا ہے اور اس کے علاوہ زندقہ والحاد (محض بے دینی) ہے یا سکرِ وقت وغلبۂ حال ہے، اور یہ تمام مطابقت مقامِ عبدیت میں حاصل ہوتی ہے، اس مقام کے سوا ایک قسم کا سُکر ثابت ہوتا ہے۔ ع

علومِ کشفیہ کے درست ہونے کی علامت

گر بگویم شرح ایں بیحد شود　　(ترجمہ)　　شرح اس کی بیاں سے باہر ہے

کسی شخص نے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس سے دریافت کیا کہ سلوک سے مقصود کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ ہے کہ اجمالی معرفت تفصیلی اور استدلالی معرفت کشفی ہو جائے، اور یہ نہیں فرمایا کہ معارفِ شرعیہ سے زیادہ کوئی اور معرفت حاصل کی جائے، اگرچہ راستہ میں (علومِ شرعیہ پر) زائد امور پیدا ہوتے ہیں لیکن اگر یہ حضرات انتہائے مقصد تک پہنچا دیئے جائیں تو یہ زائد امور منتشر ونا پید ہو جائیں اور وہی معارفِ شرعیہ تفصیلی طور پر معلوم ہو جاتے ہیں اور استدلال کی تنگی سے نکل کر کشف کے وسیع میدان میں آجاتے ہیں

یعنی جس طرح نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان علوم کو وحی سے اخذ فرمایا کرتے تھے یہ حضرات الہام کے طریق پر ان علوم کو اصل سے (یعنی حق تعالیٰ سے) اخذ کرتے ہیں، علما نے ان علوم کو شریعتوں سے اخذ کر کے اجمال کے طور پر بیان کیا ہے، یہی علوم جس طرح انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو تفصیلی اور کشفی طور پر حاصل تھے ان بزرگوں کو بھی اسی طرح پر حاصل ہو جاتے ہیں، ان کے درمیان صرف اصالت اور تبعیت کا فرق ہے (یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اصالتاً حاصل ہیں اور اولیاء اللہ کو انبیائے کرام علیہم السلام کی متابعت کے حاصل ہو جاتے ہیں) ——— اس قسم کے کمال کے لئے کامل اولیاء میں سے بعض کو کئی صدیوں اور بہت زمانوں کے بعد منتخب فرماتے ہیں ——— جی چاہتا تھا کہ ایک اجمالی استدلالی مسئلہ کو مفصل لکھوں لیکن کاغذ نے کوتاہی کی (یعنی ختم ہو گیا) شاید حق تعالیٰ جل شانہٗ کی کوئی حکمت اسی میں ہوگی۔ والسلام۔

مکتوب ۳۱
سی و یکم

توحیدِ وجودی کے ظہور اور حق تعالیٰ و تقدس کے قرب معیتِ ذاتی کی حقیقت اور اس مقام سے گزر جانے اور اس مقام کی تحقیق سے تعلق رکھنے والے بعض سوال و جواب کے بیان میں شیخ صوفی[۱] کی طرف صادر فرمایا

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَلٰی مُتَابَعَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَعَلَیْهِمْ وَعَلٰی اٰلِهِمْ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُهَا (اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہم کو حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کی متابعت پر ثابت قدم رکھے)۔

ایک شخص نے جو کہ آپ کی مبارک مجلس میں حاضر تھا نقل کیا کہ میاں شیخ نظام تھانیسری کے کسی درویش نے اس فقیر (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کے متعلق کہا کہ وہ وحدتِ وجود کا انکار کرتا ہے۔ ——— اس ناقل شخص نے اس فقیر سے خواہش کی کہ اس بارے میں جو کچھ حقیقت ہے آپ کی خدمت میں لکھی جائے، تاکہ لوگ اس نقل سے کئی طرح کی باتیں نہ بنائیں اور بدظنی میں مبتلا نہ ہو جائیں،

---

[۱] مکتوبات شریفہ میں شیخ صوفی کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ شیخ صوفی کا نام محمد تھا۔ اچھے شاعر اور اکابر صوفیہ میں سے تھے۔ اکثر علوم میں تبحر حاصل تھا، درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ بکثرت علماء نے آپ سے کسب کمال کیا عبدالرحیم خان خاناں نے اپنے کتب خانہ کا ناظم اور اپنا مصاحب بنایا۔ پھر گوشہ نشین ہو گئے۔ ۱۰۳۴ھ میں انتقال ہوا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۸۱)۔

کیونکہ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ (سورہ حجرات آیت ۱۲) (بعض ظن گناہ ہوتے ہیں)۔ اس شخص کے سوال کو قبول کرتے ہوئے چند کلمات پیش کر کے (پڑھنے کی) تکلیف دیتا ہوں۔

میرے مخدوم ومکرم! فقیر کا اعتقاد بچپن سے اہلِ توحید کے مشرب کا پھل تھا اور اس فقیر کے والد ماجد قدس سرہ بھی بظاہر اسی مشرب پر ہوئے ہیں اور باطن میں پوری پوری نگرانی حاصل ہونے کے باوجود جو کہ وہ مرتبۂ بے کیفی کی جانب رکھتے تھے اور دائمی طور پر اس طریقہ کے ساتھ مشغول رہے ہیں، اور اس مضمون کے مصداق کہ اِبۡنُ الۡفَقِیۡہِ نِصۡفُ الۡفَقِیۡہِ (فقیہ کا بیٹا بھی آدھا فقیہ ہوتا ہے) فقیر کو اس مشرب سے بلحاظِ علم بہت فائدہ اور بڑی لذت حاصل تھی، یہاں تک کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ارشاد وہدایت پناہ، حقائق ومعارف آگاہ، پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے، ہمارے شیخ ومولا وقبلہ حضرت خواجہ محمد باقی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہٖ کی خدمت میں پہنچایا اور انہوں نے اِس فقیر کو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کا طریقہ تعلیم فرمایا اور کامل توجہ اس مسکین کے حال پر ملحوظ رکھی۔

توحیدِ وجودی کا ظہور

اس طریقۂ عالیہ میں محنت کے بعد تھوڑی مدت میں توحیدِ وجودی منکشف ہوگئی اور اس کشف میں بہت مبالغہ پیدا ہو گیا، اس مقام کے علوم ومعارف بکثرت ظاہر ہوئے اور اس مرتبہ کی باریکیوں میں سے شاید ہی کوئی باریکی رہ گئی ہو کہ جس کو اس فقیر پر ظاہر نہ کیا گیا ہو ــــــ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی[1] قدس سرہ کے معارف کے دقائق کو جیسا کہ چاہئے ظاہر وواضح فرمایا اور جس تجلیٔ ذاتی کے متعلق صاحبِ فصوص (شیخ محی الدین ابن عربی موصوف) نے بیان فرمایا ہے کہ عروج کی انتہا اس کے سوا نہیں جانتا، اور اس تجلی کی شان میں فرمایا ہے وَمَا بَعۡدَ ھٰذَا اِلَّا الۡعَدَمُ الۡمَحۡضُ (اور اس کے بعد عدمِ محض کے سوا اور کچھ نہیں ہے) یہ فقیر اس تجلیٔ ذاتی سے مشرف ہوا اور اس تجلی کے علوم ومعارف بھی کہ جن کو شیخ موصوف خاتم الولایت کے ساتھ مخصوص جانتا ہے تفصیل کے ساتھ معلوم ہوئے اور سُکرِ وقت وغلبۂ حال اس توحید (وجودی) میں اس حد تک حاصل ہوا کہ بعض عریضوں میں جو کہ فقیر نے اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ کی خدمت میں لکھے تھے ان دو شعروں کو جو کہ سراسر سکر سے متعلق ہیں لکھا تھا۔ رباعی:۔

---

[1] آپ کا اسم گرامی محمد بن علی بن احمد بن عبد اللہ تھا۔ مرسیا (اندلس) میں شب دوشنبہ ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ میں ولادت ہوئی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملک شام میں قیام پذیر ہو گئے۔ آپ کی تصانیف پانچ سو سے زیادہ بتائی جاتی ہیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے ملاقات ہوئی تو بعد میں آپ سے ان کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "وہ سر سے پاؤں تک سنت سے پُر ہیں" اور جب شیخ سہروردیؒ سے آپ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا "وہ حقائق کے سمندر ہیں"۔ تصوف میں سلسلہ اور نسبتِ خرقہ ایک واسطہ سے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی تک پہنچتا ہے۔ جمعرات ۲۲ ربیع الاول ۶۳۸ھ میں وفات پائی۔ (نفحات)

اے دریغا کیں شریعت ملتِ اعمائی است
ملتِ ما کافری و ملتِ ترسائی است
کفر و ایماں زلف و روئے آں پری زیبائی است
کفر و ایماں ہر دو اندر راہِ ما یکتائی است

(ترجمہ) شریعت آہ اندھوں کی ہے ملت
وہ کافر کی ہے یا ترسا کی حالت
رخ و زلفِ پری ہیں کفر و ایماں
وہی میرے لیے راہِ ہدایت

اور یہ حالت بہت مدت تک رہی بلکہ مہینوں نہیں کئی سالوں تک رہی، اچانک حق تعالیٰ جل شانہٗ کی بے انتہا عنایت غیب کے جھروکوں سے میدانِ ظہور میں جلوہ گر ہوئی، اور اس پردے کو جو بیچونی و بے چگونی (بے مثل و بے مثال) کے چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھا اُتار پھینکا اور سابقہ علوم جو اتحاد اور وحدتِ وجود کی خبر دیتے رہے تھے زائل ہونے لگے اور احاطہ[1] و سریان[2] اور قرب و معیتِ[3] ذاتیہ جو اس مقام میں ظاہر ہوئے تھے پوشیدہ ہو گئے اور پورے یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ صانع (حق تعالیٰ) جل شانہٗ کو عالم کے ساتھ ان مذکورہ نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کا احاطہ و قرب علمی ہے جیسا کہ اہلِ حق کے نزدیک ثابت و فیصلہ شدہ بات ہے۔ حق تعالیٰ ان کی کوششوں پر جزائے خیر عطا فرمائے۔

اور وہ جل شانہٗ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے، وہ تعالیٰ بہت بلند و پاک ہے اور عالَم عالَم ہے، وہ سبحانہٗ و تعالیٰ بے مثل و بے مثال ہے، اور عالَم تمام کا تمام چونی و چگونی (مثل و مثال ہونے) کے داغ سے داغدار ہے، بیچون کو چون کا عین نہیں کہہ سکتے اور واجب تعالیٰ شانہٗ کو ممکن کا عین نہیں کہہ سکتے، قدیم ہرگز بھی حادث کا عین نہیں ہوتا، ممتنع العدم جائز العدم کا عین نہیں بن سکتا، حقائق کا بدلنا عقلاً و شرعاً محال ہے اور ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے کا ثبوت و صحت کُلّی طور پر ہی ممتنع ہے۔

تعجب ہے کہ شیخ محی الدین قدس سرہ اور ان کی پیروی کرنے والے حضرات واجب تعالیٰ (اللہ تعالیٰ) کی ذات کو مجہولِ مطلق کہتے ہیں یعنی اس کو کسی حکم کے ساتھ محکوم علیہ نہیں جانتے، اور اس کے باوجود اس کے لئے احاطۂ ذاتی اور قرب و معیتِ ذاتیہ ثابت کرتے ہیں حالانکہ یہ حق تعالیٰ کی ذات پر حکم لگانا ہی تو ہے۔ پس درست وہی ہے جو علمائے اہلِ سنت و جماعت نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کا

---

[1] احاطہ یعنی حق تعالیٰ کا ہر چیز کو محیط ہونا جیسا کہ آیتِ کریمہ میں ہے وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَائِهِمْ مُّحِيْطٌ دیگر اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ۔
[2] سریان، یعنی حق تعالیٰ کا مؤمن کے قلب میں سمانا، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث قدسی مروی ہے:—
لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَلٰكِنْ يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيْ الْمُؤْمِنِ۔
[3] اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے: وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (سورۂ حدید آیت ۴)

قرب و احاطہ علمی ہے (ذاتی نہیں ہے)۔

اور توحید وجودی کے مشرب کے خلاف علوم و معارف حاصل ہونے کے زمانے میں اس فقیر کو بہت اضطراب تھا کیونکہ اس توحید کے علاوہ کوئی اور امر اس سے بلند تر نہیں جانتا تھا اور عاجزی و زاری کے ساتھ دعا کرتا تھا کہ یہ معرفت (یعنی توحید وجودی) زائل نہ ہو جائے یہاں تک کہ کام (مقصود) کے چہرے سے تمام پردے ہٹ گئے اور حقیقت پوری طرح ظاہر ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ تمام عالم باوجودیکہ صفاتی کمالات کے آئینے اور اسمائی ظہورات کی جلوہ گاہیں ہیں لیکن مظہر ظاہر کا عین اور ظل اصل کا عین نہیں ہے، جیسا کہ توحید وجودی والوں کا مذہب ہے۔

یہ بحث ایک مثال سے واضح ہو جاتی ہے، مثلاً کسی صاحبِ فنون عالم نے چاہا کہ اپنے مختلف قسم کے کمالات کو ظاہر کرے اور اپنی پوشیدہ خوبیوں کو واضح کرے، پس اس نے حرفوں اور آوازوں کو ایجاد کیا اور ان حرفوں اور آوازوں کے آئینوں میں اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کیا اس صورت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حروف اور آوازیں جو اُن پوشیدہ کمالات کے آئینے اور جلوہ گاہیں ہیں ان کمالات کا عین ہیں یا بالذات (اپنی ذات کے ساتھ) ان کمالات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، یا بالذات ان کمالات کے قریب ہیں یا ان کے ساتھ ذاتی معیت رکھتے ہیں، بلکہ ان کے درمیان دال (دلالت کرنے والا) اور مدلول (جس پر دلالت کرے) ہونے کی نسبت ہے۔ حروف اور آوازیں ان کمالات پر صرف دلالت کرنے والے ہیں اس سے زیادہ اور کوئی تعلق نہیں، اور وہ کمالات اپنی محض آزادی (غیر مقید حالت) پر ہیں۔ وہ نسبتیں جو (ان کے درمیان) پیدا ہوئی ہیں (یعنی عینیت، اتحاد، احاطہ اور قرب و معیتِ ذاتی) یہ سب وہم و خیال کی بنا پر ہیں، حقیقت میں ان نسبتوں میں سے کوئی بھی ثابت نہیں ہے لیکن چونکہ ان کمالات اور ان حرفوں اور آوازوں کے درمیان ظاہریت و مظہریت اور دالیت و مدلولیت کی نسبت ثابت ہے تو یہی نسبت بعض لوگوں کو بعض پیش آنے والے امور کے واسطے سے اُن وہمی نسبتوں کے حاصل ہونے کا سبب بن جاتی ہے اور حقیقت میں وہ کمالات ان تمام نسبتوں سے خالی و پاک ہیں، اور حق تعالیٰ و خلق کے درمیان جس نسبت کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ بھی دالیّت و مدلولیّت اور ظاہریت و مظہریت کے تعلق کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ عالم (دنیا) اپنے صانع (تعالیٰ و تقدس) کے وجود پر علامت ہے اور حق تعالیٰ سبحانہٗ کے اسمائی و صفاتی کمالات کے ظاہر ہونے کے لئے مظہر ہے اور

یہی (ظاہریت و مظہریت اور دالیت و مدلولیت) کا تعلق بعض پیش آنے والے امور کے باعث بعض لوگوں کے لئے وہمی احکام کا سبب بن جاتا ہے۔

بعض لوگوں کو توحید کے مراقبوں کی کثرت ان احکام (عینیت و اتحاد وغیرہ) پر آمادہ کرتی ہے کیونکہ ان مراقبوں کی صورت قوتِ متخیلہ میں منقش ہو جاتی ہے۔ اور بعض دوسرے لوگوں کو توحید کا علم اور اس کا تکرار (بار بار ذکر کرنا) اُن احکام کے ساتھ ایک قسم کا ذوق بخشدیتا ہے لیکن توحید کی یہ دونوں صورتیں ضعیف اور علم کے دائرہ میں داخل ہیں، حال کے ساتھ ان کا کچھ تعلق نہیں ہے۔ اور بعض دوسرے لوگوں کے لئے ان احکام کے پیدا ہونے کا سبب محبت کا غلبہ ہے کیونکہ محبت کے غلبہ کی وجہ سے محبوب کے علاوہ محبت کرنے والے کی نظر سے سب کچھ دُور ہو جاتا ہے اور محبوب کے سوا وہ کچھ نہیں دیکھتا، حالانکہ یہ بات نہیں کہ حقیقت میں محبوب کے علاوہ کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات حِسّ (ظاہری حواس) اور عقل و شرع کے مخالف ہے (کیونکہ حسّ، عقل اور شرع چیزوں کے وجود کا حکم کرتی ہیں) اور کبھی یہی محبت احاطہ اور قربِ ذاتی کے ساتھ حکم کرنے کا باعث بن جاتی ہے اور توحید کی یہ قسم پہلی دونوں قسموں کی توحید سے اعلیٰ اور حال کے دائرہ میں داخل ہے، اگرچہ یہ بھی حقیقت کے مطابق اور شریعت کے موافق نہیں ہے اور اس کا شریعت و حقیقت کے ساتھ مطابقت کرنا فلسفیوں کے بیہودہ تکلّفات کی طرح محض تکلف ہے کیونکہ فلاسفۂ اہلِ اسلام چاہتے ہیں کہ اس سے اپنے فاسد اصولوں کو شرعی قوانین کے مطابق کرلیں۔ کتاب "اخوان الصفا" اور اسی قسم کی دوسری کتابیں اسی قبیل سے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ان میں سے خطائے کشفی، خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے کہ ملامت اور عتاب (ناراضگی) اس سے دور کردی گئی ہے بلکہ ثواب[1] کے درجوں میں سے ایک درجہ ثواب اس کے حق میں ثابت ہے خطائے کشفی و خطائے اجتہادی کے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ مجتہد کی تقلید (پیروی) کرنے والے مجتہد کا حکم رکھتے ہیں اور خطا کے واقع ہو جانے پر بھی ثواب کے درجوں میں سے ایک درجہ پا لیتے ہیں برخلاف اہلِ کشف کی پیروی کرنے والوں کے کہ وہ معذور نہیں ہیں اور خطا کے واقع ہونے پر ثواب کے درجہ سے محروم ہیں کیونکہ الہام اور کشف (صاحبِ کشف کے علاوہ) دوسرے شخص پر حجت نہیں ہے اور مجتہد کا قول دوسرے شخص (یعنی مقلّد) پر حجّت ہے پس پہلی تقلید (یعنی اہلِ کشف کی تقلید) خطا کے احتمال

---

[1] اکثر فارسی نسخوں میں ثواب "ص" سے یعنی "صواب" درج ہے لیکن مولانا نصر اللہ قندہاریؒ فرماتے تھے کہ صحیح "ثواب" ہے۔

توحیدِ وجودی پیدا ہونے کے اسباب

کی وجہ سے جائز نہیں ہے، اور دوسری (یعنی مجتہد کی تقلید) خطا کے احتمال کے باوجود جائز بلکہ واجب ہے۔

اور بعض سالکوں کا شہود جو کہ کوئی تعینات (مخلوقات) کے آئینوں میں ہوتا ہے وہ بھی سابقہ مذکورہ احکام کی قسم سے ہے اور ان حضرات نے اس شہود کا نام "کثرت میں وحدت کا مشاہدہ" یا "کثرت میں احدیت کا شہود" رکھا ہے کیونکہ واجب تعالیٰ و تقدس جو کہ بیچون و بیچگون (بے مثل و بے مثال) ہے ہرگز چون کے آئینوں میں نہیں سما سکتا اور چندی (مقدار) کی جلوہ گاہوں میں نہیں آتا، وہ لامکانی ہے پس مکان میں گنجائش نہیں رکھتا۔ بیچون کو چون کے دائرے سے باہر تلاش کرنا چاہیئے، لامکانی کو مکان کے علاوہ ڈھونڈنا چاہیئے۔ جو کچھ آفاق و انفس میں دیکھا جاتا ہے یہ سب اس ذات سبحانہٗ و تعالیٰ و تقدس کی نشانیاں ہیں۔ دائرۂ ولایت کے قطب یعنی حضرت خواجۂ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ "جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور جانا گیا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا غیر اور حجاب ہے کلمۂ "لا" کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہیئے" (تاکہ حجاب دور ہو جائے) ؎

در تنگنائے صورت معنی چگونہ گنجد　　در کلبۂ گدایاں سلطان چہ کار دارد

صورت پرست غافل معنی چہ داند آخر　　کو با جمالِ جاناں پنہاں چہ کار دارد

ترجمہ: (صورت ہے تنگ کوچہ، معنی کہاں سمائے؟　　منگتے کی جھونپڑی میں کیوں بادشاہ جائے؟

صورت جو چاہے اس کو معنی سے کیا ہے نسبت؟　　اس کو جمالِ پنہاں کس طرح راس آئے؟)

اگر وہ (توحید وجودی والے حضرات) یہ کہیں کہ "اکثر مشائخ کی عبارتوں میں خواہ وہ نقشبندیہ ہوں یا ان کے علاوہ دوسرے سلسلوں کے مشائخ ہوں ایسے مضامین موجود ہیں جو وحدتِ وجود و احاطہ و قرب[۱] و معیتِ ذاتیہ کے بارے میں اور کثرت میں وحدت اور کثرت میں احدیت کے شہود پر واضح و صریح دلالت کرتے ہیں"۔

(حاشیہ: مشائخ نقشبندیہ کی ان عبارتوں کا جواب جو توحید وجودی پر دلالت کرتی ہیں۔)

---

[۱] جاننا چاہیئے کہ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے جلد اول مکتوب ۲۶۶ میں تحریر فرمایا ہے: "پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو محیط ہے اور اُن کے قریب اور اُن کے ساتھ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے احاطہ و قرب و معیت کے متعلق ہم نہیں جانتے کہ کیا ہے، اور اس کو قرب و احاطۂ علمی کہنا متشابہ کی تاویلات سے ہے اور ہم اس کی تاویلات کے قائل نہیں ہیں" اھ — اور جلد دوم مکتوب ۷۰ میں فرماتے ہیں: "ہم ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے قریب اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ہم نہیں جانتے کہ قرب و معیت کے معنی کیا ہیں"۔ ان دونوں قولوں میں تضاد ہے پس ان کو اوقات و احوال کے متعدد و مختلف ہونے پر حمل کرنا، دوسرے کشف پر اعتماد کرنا لازمی ہے، ہر مقام کے علوم و معارف الگ ہیں اور ہر حال کا قال علیحدہ ہے۔ مزید جلد اول مکتوب ۲۶۰ کے آخری حصہ کو دیکھنا چاہیئے — [۲] ارشاد ربانی ہے: سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حم سجدہ آیت ۵۳) (ہم ان کو آفاق و انفس میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہی حق ہے)۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ احوال و شہود اُن کو احوال کے درمیان میں پیش آئے ہوں گے اور اس کے بعد وہ اس مقام سے آگے گزر گئے ہوں گے جیسا کہ یہ فقیر اپنے احوال کے بارے میں پہلے لکھ چکا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان میں سے بعض حضرات کے ظاہر کو جو کہ کثرت میں ہے باطن میں احدیت صِرف کی طرف پوری پوری نگرانی حاصل ہونے کے باوجود ان احکام اور اس شہود کے ساتھ مشرف کرتے ہیں، اور وہ حضرات باطن میں احدیت کے نگراں ہوتے ہیں اور ظاہری طور پر کثرت میں مطلوب کا مشاہدہ کرنے والے ہیں، جیسا کہ اس فقیر نے اس مکتوب کے شروع میں اپنے والد ماجد کے حال کی خبر دی ہے، اور اس جواب کی مفصل تحقیق اس رسالہ (خط) میں لکھی گئی ہے جو (اس خاکسار نے) وحدتِ وجود کے مراتب کی تحقیق میں لکھا ہے۔ اور جو کچھ ذکر کیا جا چکا ہے اس مقام پر اس سے زیادہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اور کوئی صاحب یہ نہ کہنے لگیں کہ جب حقیقت میں وجود متعدد ہوں گے اور قرب و احاطہ ذاتی نہیں ہوگا اور شہود وحدت در کثرت واقع کے مطابق نہیں ہوگی تو ان بزرگوں کا حکم جھوٹا ہوگا کیونکہ وہ حکم واقع اور حقیقت کے مطابق نہیں ہے (اور جھوٹ عدمِ مطابقت ہی کو کہتے ہیں) لہٰذا ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ان بزرگوں نے اپنے شہود کے اندازے کے مطابق یہ حکم لگایا ہے، جیسا کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے زید کی صورت کو آئینہ میں دیکھا ہے تو یہ حکم بھی واقع کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اس نے آئینہ میں اس صورت کو نہیں دیکھا ہے اس لئے کہ صورت آئینے میں ہرگز نہیں ہے جو اس کو دیکھا جاتا۔[1] اُس شخص کو اس حکم میں عُرف کے طور پر جھوٹا نہیں کہیں گے، اگرچہ یہ حکم حقیقت کے مطابق نہیں ہوگا کیونکہ یہ صاحب بیان کرنے میں معذور ہیں (کیونکہ اس نے اپنے اعتقادی شہود کو بیان کیا ہے) اور جھوٹ کی ملامت ان سے دُور کر دی گئی ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

جو احوال پوشیدہ رکھنے کے لائق ہیں اُن کے ظاہر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اس فقیر کو (ابتدا میں) جو وحدتِ وجود قبول رہا ہے تو وہ کشف کی وجہ سے تھا نہ کہ تقلید کے طور پر، اور اگر (اب) انکار ہے تو یہ بھی الہام کی وجہ سے ہے اور الہام میں انکار کی گنجائش نہیں ہے، اگرچہ الہام دوسروں کیلئے حجت نہیں ہے۔

---

[1] بلکہ شعاعِ بصری آئینہ میں نفوذ نہ کرنے کی وجہ سے اصل کے ساتھ منعکس ہو کر اصل کی صورت کو اس میں پاتی ہے جیسا کہ یہ بات مقرر و محقق ہے۔　　[2] کثرت کا مشاہدہ کرنے والے۔

جھوٹ کا شبہ دور کرنے کے لئے دوسرا جواب یہ ہے کہ عالم کے افراد بعض امور میں ایک دوسرے کے ساتھ مشترک ہیں اور بعض دوسرے امور میں ایک دوسرے سے ممتاز و جُدا ہیں، اور اسی طرح سے بعض پیش آنے والے امور (مثلاً موجود ہونا، شئی ہونا، عالم ہونا، معلوم ہونا اور جوہر ہونا وغیرہ) میں ممکن کا واجب تعالیٰ و تقدس کے ساتھ اشتراک ہے اگرچہ بالذات دونوں ایک دوسرے سے ممتاز و جدا جدا ہیں، غلبۂ محبت ہونے کی وجہ سے دونوں میں امتیاز پیدا کرنے والی چیز نظر سے مخفی ہو جاتی ہے اور جو چیز دونوں میں مشترک ہے وہ نظر میں رہ جاتی ہے پس اس صورت میں اگر (امورِ مشترکہ کی بنا پر) ایک دوسرے کے عین ہونے کا حکم کریں تو واقع کے مطابق ہوگا اور جھوٹ کا ہرگز دخل نہیں رہے گا۔ احاطۂ ذاتی اور اسی کی مانند دوسرے امور کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے، والسّلام

مکتوب ۳۲

اس کمال کے بیان میں جو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ مخصوص ہے اور اولیائے امت میں سے بہت کم اس کمال کے ساتھ مشرف ہوئے ہیں اور حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ میں وہ کمال بدرجۂ اتم ظہور پذیر ہوگا، اور وہ کمال جذبہ و سلوک کی نسبت کے اوپر ہے اور اس بیان میں کہ صنعت کا کمال بہت سے افکار کے آپس میں ملنے پر موقوف ہے اور اس کی زیادتی بہت سے نظریات و افکار کی متابعت و پیروی کرنے پر منحصر ہے۔ مرشد کی نسبت اگر اسی خالصیت و اصلیت پر رہے تو نقصان کا سبب بن جاتی ہے، ہدایت یافتہ مرید اس کو کامل کر سکتا ہے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں مرزا حسام الدین احمد[1] کی طرف ارسال فرمایا۔

آپ کا بزرگی والا مکتوب مبارک صادر ہوا، اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ دُور پڑے ہوئے کو آپ بھولتے نہیں اور کسی نہ کسی موقع پر یاد آ ہی جاتے ہیں۔ ع

بارے بہیچ خاطرِ خود شاد می کنم　　(اچھا ہے کچھ خوشی کا تو ساماں ہو گیا)

---

[1] مکتوبات شریف میں آپ کے نام سولہ[16] عدد مکتوب ہیں: دفتر اول مکتوب ۳۲، ۹۲، ۲۰۷، ۲۱۶، ۲۲۹، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۶۷، ۲۷۳، دفتر دوم مکتوب ۱۷، ۲۶، ۴۵، دفتر سوم مکتوب ۲۴، ۷۲، ۱۱۵، ۱۲۱ ——— میرزا حسام الدین احمد بن نظام الدین احمد حنفی بدخشی ثم الدہلوی مشائخ نقشبندیہ میں سے ہیں۔ ۹۷۷ھ میں بدخشاں کے قصبہ قندوز میں پیدا ہوئے اور علم کے گہوارے میں پرورش پائی۔ تحصیلِ علوم کے بعد شیخ ابوالفضل بن مبارک ناگوری کی بہن سے شادی ہوئی (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)۔

آپ نے پیر دستگیر (یعنی حضرت خواجہ باقی باللہ) علیہ الرحمہ کی نسبتِ خاصہ کے معلوم نہ ہونے کے بارے میں لکھا تھا اور اس کا سبب دریافت کیا تھا۔

میرے مخدوم! اس قسم کی باتوں کی تشریح، تحریر بلکہ تقریر میں بھی مناسب نہیں، کیونکہ معلوم نہیں کسی کی سمجھ میں کیا آئے اور وہ اس سے کیا نتیجہ اخذ کرے۔ اس کے لئے پیرِ طریقت کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہوئے اس کی خدمت میں حاضر ہونا، یا زمانۂ دراز تک پیر کی صحبت میں رہنا ہر لحاظ سے ضروری ہے، وَبِدُوْنِہٖ خَرْطُ الْقَتَادِ (اس کے علاوہ بے فائدہ رنج و محنت اٹھانا ہے) ؎

آسودہ شبے باید و خوش مہتابے   تا با تو حکایت کنم از ہر بابے

(ترجمہ) پُر سکون اور چاندنی ہو ایک رات   تجھ سے دلبر کی کہوں ایک ایک بات

لیکن اس بنا پر کہ سوال کا جواب ضرور ہونا چاہئے، یہ فقیر اسقدر ظاہر کرتا ہے کہ ہر مقام کے علوم و معارف مختلف ہوتے ہیں اور احوال و مواجید جُدا، کسی ایک مقام میں ذکر و توجہ مناسب ہیں اور کسی دوسرے مقام میں تلاوتِ قرآن مجید و نماز مناسب ہے، کوئی مقام جذبہ (سیر انفسی) کے ساتھ مخصوص ہے اور کوئی مقام سلوک (سیر آفاقی) کے ساتھ، اور کسی مقام میں یہ دونوں دولتیں مخلوط (ملی جلی) ہیں اور کوئی مقام ایسا ہے کہ جذبہ و سلوک کی دونوں جہتوں سے علیحدہ ہے (یعنی اس میں ان دونوں میں سے ایک بھی موجود نہیں) نہ جذبہ کو اس مقام سے کوئی واسطہ ہے اور نہ سلوک کو اس مقام سے کوئی تعلق ہے، یہ مقام نہایت عجیب و غریب ہے۔

آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے اصحاب کرام اس مقام کے ساتھ ممتاز اور اس بڑی دولت سے مشرف ہیں۔ اس مقام والے کو دوسرے مقامات والوں سے پورا پورا امتیاز حاصل ہے

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) والد ماجد کے انتقال کے بعد منصب اور جاگیر پائی، اور اکبر بادشاہ نے آپ کو عبدالرحیم خانخاناں کی زیر قیادت لشکر میں شامل کر دیا۔ مجبوراً آپ ایک زمانے تک لشکر میں رہے۔ چونکہ آپ کی طبیعت ترک و تجرید کی طرف مائل تھی اس لئے سلطانی خدمات سے استعفیٰ دیکر عزلت اختیار کی۔ آپ کی اہلیہ نے بھی ترک و تجرید میں آپ کی موافقت کی، بعد ازاں آپ دہلی آئے اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی صحبت میں بقیہ زندگی گذار کر معارفِ الٰہیہ میں اعلیٰ مرتبہ پر پہنچے۔ ترک و تجرید کے غلبہ کے سبب آپ مسندِ ارشاد پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے لہذا اپنے شیخ کی زندگی تک ان کی خدمت میں لگے رہے اور ان کے بعد ان کے صاحبزادوں کی تربیت میں مشغول رہے۔ یکم صفر ۱۰۴۳ھ اکبر آباد میں وفات پائی وہیں دفن کیے گئے پھر کچھ عرصہ بعد آپ کی نعش کو دہلی لاکر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ (ماخوذ از زبدۃ المقامات و نزہۃ الخواطر وغیرہ)

اور اس مقام والے حضرات ایک دوسرے کے ساتھ بہت کم مشابہت رکھتے ہیں بخلاف دوسرے مقامات والے حضرات کے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں اگرچہ وہ مشابہت کسی ایک لحاظ سے ہو اور دوسری وجہ سے نہ ہو، اور یہ نسبت اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ حضرت امام مہدی موعود علیہ الرضوان میں پوری طرح ظاہر ہوگی۔

سلسلوں کے مشائخ میں سے بہت کم مشائخ نے اس مقام کی خبر دی ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اس مقام کے علوم و معارف کے متعلق گفتگو کی ہو، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل و کرم والا ہے) (جمعہ آیت ۴)

حاصل کلام یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کو یہ نادر الوجود نسبت پہلے ہی قدم میں ظاہر ہو جاتی تھی اور ایک مدت گذرنے کے بعد درجۂ کمال تک پہنچ جاتی تھی اور دوسرے شخص (یعنی غیر صحابی) کو اگر اس دولت سے مشرف کرتے ہیں اور صحابۂ کرام کی نسبت کے قدم پر تربیت دیتے ہیں تو وہ جذبہ و سلوک کی منزلوں کو قطع کرنے اور ان کے علوم و معارف کو طے کرنے کے بعد اس دولتِ عظمیٰ سے سعادت مند و سرفراز فرماتے ہیں۔

ابتداء میں اس نسبت کا ظہور سید البشر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتحیات والبرکات والتسلیمات کی صحبت کی برکت کے ساتھ مخصوص تھا، لیکن ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے بھی کسی کو اس برکت سے مشرف فرما دیں تاکہ اس کی صحبت بھی ابتدا میں اس بلند نسبت کے ظہور کا سبب بن جائے ؎

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید دیگراں نیز کنند آنچہ مسیحا میکرد

(ترجمہ) گر کرے امداد پھر روح القدس اک بار دوسرے بھی کر دکھائیں جو مسیحا نے کیا

اُس وقت اس نسبت میں بھی اندراج النہایت فی البدایت (ابتدا میں انتہا کا درج ہونا) ثابت ہو جاتا ہے جیسا کہ جذبہ کے سلوک پر مقدم ہونے کی صورت میں ثابت ہوتا ہے۔ یہ مضمون اس بیان سے زیادہ کی گنجائش نہیں رکھتا۔ شعر[1]

وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهٗ وَمَا كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَيْهِ وَاَجْمَلُ

(ترجمہ) بعد ازاں باریک ہیں اس کی صفات ان کے ہے پوشیدہ رکھنے میں نجات

اس کے بعد اگر ملاقات نصیب ہوئی اور سننے والوں کی جانب سے سننے کا نیک گمان معلوم ہوا تو

[1] فنِ معانی کا اصول ہے: اَلْكِنَايَةُ اَبْلَغُ مِنَ التَّصْرِيْحِ (رمز و اشارہ میں بات کرنا وضاحت اور تصریح سے کہیں زیادہ بہتر ہے)

انشاء اللہ تعالیٰ اس کی نسبت کچھ بیان کیا جائیگا۔ وَهُوَ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (اور اللہ سبحانہ ہی توفیق بخشنے والا ہے)

آپ نے بعض دوستوں کے بارے میں لکھا تھا، اس فقیر نے ان کی لغزشوں کو معاف کر دیا، حق سبحانہ وتعالیٰ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے وہ بھی معاف فرمائے، لیکن آپ ان دوستوں کو نصیحت فرمادیں کہ حضور اور غیبت (سامنے اور پیٹھ پیچھے) میں (اس فقیر کو) آزار و تکلیف دینے کے درپے نہ ہوا کریں اور اپنی وضع قطع اور حالتوں کو نہ بدلیں، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ (رعد آیت ۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جبتک وہ اپنے آپ کو نہ بدلیں، اور جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ برائی و عذاب کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کو کوئی روک نہیں سکتا اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی کارساز و مالک و حاکم نہیں ہے)۔

آپ نے میاں شیخ اللہ داد[1] کے بارے میں خاص طور پر لکھا تھا، فقیر کو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن مشارٌ الیہ (شیخ اللہ داد مذکور) کے لئے اپنی وضع تبدیل کرنے سے نادم ہونا ضروری ہے کیونکہ اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ[2] (ندامت بھی توبہ ہی ہے)۔ شفاعت (معافی) چاہنا ندامت کی فرع ہے، بہرحال فقیر اپنی طرف سے معاف کرتا ہے، دوسری جانب کو آپ جانیں ـــــــ دوسرے یہ کہ سرہند کو اپنا گھر تصور فرمائیں۔ محبت کا تعلق اور پیر بھائی ہونے کی نسبت اس قسم کی نہیں ہے کہ عارضی باتوں سے ٹوٹ جائے، زیادہ کیا لکھوں والسّلام۔ مخدوم زادے اور گھر کے سب حضرات دعا کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اس خط کے لکھنے کے بعد دل میں خیال آیا کہ دوستوں کی لغزشوں اور ان سے معاف کر دینے کے بارے میں بات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھا جائے کیونکہ مختصر طور پر لکھنے میں بات صاف نہیں ہوتی، نہ معلوم کیا سمجھا جائے ـــــــ میرے مخدوم معاف کرنا اس وقت سمجھا جائے جبکہ وہ لوگ ان وضع قطع کو بُرا جانیں اور اُن سے پشیمان ہوں ورنہ معافی کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور آپ نے لکھا تھا کہ "پیر دستگیر (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) نے یہ مقام (یعنی خلافت

---

[1] شیخ اللہ داد کے متعلق مولانا محمد ہاشم کشمی زبدۃ المقامات میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جس زمانے میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ لاہور سے ماوراء النہر (ترکستان) تشریف لے جانے کی تیاری فرما رہے تھے شیخ اللہ داد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت ہو کر طریقۂ نقشبندیہ حاصل کیا۔ . . . . اور سفر سے واپسی پر حضرت خواجہؒ نے درگاہ کی خدمت اور مہمانوں کے قیام و طعام کا انتظام شیخ کے سپرد کر دیا تھا۔ نیز زبدۃ المقامات مطبوعہ استنبول کے حاشیہ پر درج ہے "وفات شیخ اللہ داد در سنہ ۱۰۴۹ھ است۔" (زبدۃ المقامات ص ۸۸) ـــــــ [2] اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اور ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت عبد اللہؓ بن مسعودؓ سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انسؓ سے بیان کیا ہے۔ مناوی نے اس حدیث کو صحیح اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس کو حدیثِ حسن کہا ہے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

دہلی کی سجادگی) ان لوگوں کی موجودگی میں شیخ الہ داد کے سپرد کیا تھا۔" یہ ایک بات ذرا وضاحت چاہتی ہے۔ اگر انھوں نے سپرد کرنا اس معنی میں کہا ہے کہ فقرا، اور آنے جانے والے لوگوں کی خدمت کرے اور ان کے کھانے پینے کا خیال رکھے، تو یہ بات ماننے کے قابل ہے اور اگر اس معنی میں کہا ہے کہ طالبانِ طریقت کی تربیت کرے اور پیری کی گدی پر بیٹھے تو یہ بات قابلِ تسلیم نہیں ہے۔ اور آخری مرتبہ کی ملاقات میں حضرت پیر و مرشد قدس سرہ نے اس فقیر سے فرمایا تھا کہ "تم تجویز کرو کہ شیخ الہٰداد ہماری جانب سے جا کر بعض طالبوں کو ذکر بتائے اور بعض طالبوں کے حالات ہم تک پہنچائے کیونکہ اب ہم میں اپنے سامنے بلانے اور ذکر بتانے اور احوال پوچھنے کی طاقت نہیں ہے۔ فقیر اس بارے میں بھی تردد میں تھا چونکہ ضرورت تھی اس لئے اس فقیر نے بھی اس قدر تجویز کر دیا ـــــ اس قسم کی تبلیغ محض ایک طرح کی سفارت (ایلچی) کی قسم سے ہے، خاص طور پر جبکہ ضرورت کی وجہ سے ہو۔ وَالضَّرُورَةُ تَتَقَدَّرُ بِقَدَرِهَا (اور ضرورت کی چیز بقدرِ ضرورت ہی حاصل کی جاتی ہے۔) پس یہ سفارت بھی آں موصوف قدس سرہ کی زندگی تک ہی رہے گی، آں موصوف قدس سرہٗ کی رحلت فرمانے کے بعد (ان کی طرف سے) ذکر بتانا اور طالبوں کا حال پوچھنا خیانت میں داخل ہے۔

آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ "پیر دستگیر (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی نسبت باقی رہتی ہے" یعنی اس میں زیادتی اور نقصان واقع نہیں ہوتا ـــــ میرے مخدوم! ہر فن و صنعت کا مکمل ہونا بہت سی فکروں کے ملنے پر موقوف ہے، جو علمِ نحو سیبویہ[1] نے وضع کیا تھا متأخرین کی فکروں نے اس کو دس گنا زیادہ کر دیا ہے، اُسی اصلیت پر رہنا خود عینِ نقص ہے۔ وہ نسبت جو حضرت خواجہ نقشبند (سید بہاؤالدین بخاری) قدس سرہ رکھتے تھے حضرت خواجہ عبدالخالق (غجدوانی) قدس سرہ العزیز) کے زمانہ میں نہیں تھی وعلیٰ ہذا القیاس ـــــ خاص طور پر ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ اس نسبت کی تکمیل کے درپے رہے ہیں اور اس کو مکمل نہیں جانتے تھے۔ اگر ان کی زندگی وفا کرتی (یعنی مزید زندہ رہتے) تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے ارادہ کے ساتھ اس نسبت کو معلوم نہیں کہاں تک لے جاتے، اس نسبت کے متعلق یہ کوشش کرنا کہ اس میں زیادتی و اضافہ نہ ہو، مناسب نہیں ہے ـــــ یہ فقیر نہیں جانتا کہ یہ

---

[1] سیبویہ: عمرو بن عثمان شیرازی کا لقب ہے جو فنِ نحو و صرف کا مشہور امام گذرا ہے۔

نسبت (ایک ہی مقام پر) کس طرح باقی رہے گی ــــ آپ خود ایک علیحدہ نسبت رکھتے ہیں جو اُن (یعنی پیرو مرشد نا) کی نسبت سے کچھ تعلق نہیں رکھتی. ــــ اور یہ بات کئی دفعہ حضرت قدس سرہٗ کے حضور میں متعین ہو چکی تھی ــــ بیچارہ شیخ اللہ داد کیا جانے کہ نسبت کیا ہوتی ہے، تھوڑا سا قلبی حضور اس کو حاصل ہے، نیز اس کو خود بھی معلوم ہے کہ اس کی کیا حالت ہے. بیان فرمائیں کہ اس نسبت کا باقی رکھنے والا کون ہے تاکہ فقیر بھی اس شخص کا مددگار ہو، واقعات کا کچھ اعتبار نہ کریں کیونکہ وہ تو خیالی ہیں اور کچھ صداقت نہیں رکھتے، شیطان طاقتور دشمن ہے اس کے بہکانے اور مکروں سے بچا ہنت مشکل ہے اِلَّا مَنْ عَصَمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی (مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچائے وہ بچ جاتا ہے) ۔

اور آپ نے حاصل شدہ نسبتوں کے سلب ہونے کے بارے میں لکھا تھا ــــ میرے مخدوم! وہ سلب کرنا اختیار کے ساتھ نہیں تھا جیسا کہ آپ کے سامنے ذکر ہوا تھا، وہ سلب اب بھی اپنی حالت پر باقی ہے دُور نہیں ہوا، اس کے دُور ہو جانے کا خیال کرنا وہم و خیال ہے، وہ آواز جو دل سے سنیں اُس حالت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی، جب آگ کے انگارے کو سرد کر دیتے ہیں اور آگ اس سے ختم ہو جاتی ہے تو پانی ڈالنے کے بعد بھی کچھ آواز اس میں باقی رہتی ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ ابھی آگ اس میں چھپی ہوئی ہے۔ واقعات کا کچھ اعتبار نہیں ہے، یہ بات اگر آج پوشیدہ ہے تو انتظار کریں کل انشاء اللہ تعالیٰ ظاہر ہو جائے گی، چونکہ آپ نے مبالغہ کے ساتھ لکھا تھا اس لئے ضروری سمجھتے ہوئے اس کے جواب میں یہ بات لکھی گئی ورنہ بے موقع بات کرنے کی فرصت کہاں !۔

مکتوب ۳۳ سی و سیوم

بُرے علماء کی مذمت کے بیان میں جو دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں اور انھوں نے علم کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے، اور زاہد و پرہیزگار علماء کی تعریف میں جو کہ دنیا سے بے رغبت ہو چکے ہیں، ملا حاجی محمد[۱] لاہوری کی طرف صادر ہوا۔

علماء کے لئے دنیا کی محبت اور اس میں رغبت کرنا ان کے جمال کے چہرہ کا بدنما داغ ہے۔ مخلوقات کو اگرچہ ان سے بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں لیکن ان کا علم ان کے اپنے حق میں

[۱] آپ کا مختصر تذکرہ مکتوب ۳۶ صفحہ ۱۰۰ پر ملاحظہ ہو۔

نفع بخش نہیں ہوا، اگرچہ شریعت کی تائید اور ملت کی تقویت انہی کی وجہ سے قائم ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دین کی یہ تائید و تقویت فاجر و فاسق لوگوں سے بھی واقع ہو جاتی ہے جیسا کہ سید الانبیاء علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے اس فاجر شخص کی دینی تائید کے بارے میں خبر دی ہے اور فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ[1] (البتہ اللہ تعالیٰ ضرور اس دین یعنی اسلام کو ایک فاجر آدمی کے ذریعہ سے بھی مدد دیگا)۔

علمائے سوء کا حکم

یہ (علماءِ سوء) پارس پتھر کی مانند ہیں کہ تانبے اور لوہے کی جو چیز بھی اس کے ساتھ رگڑ کھاتی ہے سونا ہو جاتی ہے اور وہ خود اپنی ذات میں پتھر ہی رہتا ہے، اور اسی طرح وہ آگ جو پتھر اور بانس میں پوشیدہ موجود ہے دنیا کو اس آگ سے بہت سے فائدے حاصل ہیں لیکن وہ پتھر اور بانس اپنے اندر کی موجودہ آگ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ علم اُن (علمائے سوء) کی اپنی ذات میں مضر ہے کیونکہ اس علم نے حجت کو ان پر پورا کر دیا، اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَّمْ يَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهٖ[2] (بیشک قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب کا مستحق وہ عالم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم سے کچھ نفع نہیں دیا)

---

[1] یہ مضمون صحیح بخاری کی حدیث میں اس طرح پر ہے عن ابی هریرة رضی الله عنه قال شهدنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال لرجل ممن یدعی الاسلام هذا من اهل النار فلما حضر القتال قاتل الرجل قتالا شدیدا فاصابته جراحة فقیل یا رسول الله الذی قلت له انه من اهل النار فانه قد قاتل الیوم قتالا شدیدا وقد مات فقال النبی صلی الله علیه وسلم الی النار قال فکاد بعض الناس ان یرتاب فبینما هم علی ذلك اذ قیل انه لم یمت ولکن به جراحا شدیدا فلما کان من اللیل لم یصبر علی الجراح فقتل نفسه فاخبر النبی صلی الله علیه وسلم بذلك فقال الله اکبر اشهد انی عبد الله ورسوله ثم امر بلالا فنادی فی الناس انه لا یدخل الجنة الا نفس مسلمة وان الله لیؤید هذا الدین بالرجل الفاجر۔ علامہ مراد مکی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور ترمذی نے حضرت انسؓ سے اور طبرانی نے کبیر میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں اور ابن عدی نے کامل میں مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

[2] علامہ مراد مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کو طبرانی نے صغیر میں اور بیہقی نے شعب میں اور ابن عدی و حاکم نے اپنی مستدرک میں بھی الفاظ مختلفہ کے ساتھ روایت کیا ہے، قال صلی الله علیه وسلم ان من اشر الناس عند الله منزلة یوم القیامة عالم لا ینتفع بعلمه، رواہ الدارمی۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الا ان شر الشر شرار العلماء (رواہ الدارمی)

وہ علم جو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے نزدیک معزز ہے اور موجودات میں اشرف ہے وہ ان کے لئے مضر کیوں نہ ہو جبکہ انھوں نے اس علم کو کمینی دنیا یعنی مال وجاہ وریاست کے حاصل کرنے کا وسیلہ بنالیا ہے[1] حالانکہ دنیا حق تعالیٰ کے نزدیک ذلیل[2] وخوار اور مخلوقات میں سب سے بدتر ہے۔ پس خدائے تعالیٰ کی عزت دی ہوئی چیز کو ذلیل کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ذلیل کی ہوئی چیز کو عزت دینا نہایت بُرا ہے، اور حقیقت میں حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ اور تعلیم دینا اور فتوے لکھنا اس وقت فائدہ دیتا ہے جبکہ خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو، اور جاہ وریاست کی محبت اور مال ومرتبہ کے حاصل کرنے کی آمیزش کر پاک وخالی ہو اور اس کی علامت دنیا میں زہد و پرہیزگاری اختیار کرنا اور دنیا وما فیہا سے بے رغبت رہنا ہے ـــــ جو علماء اس بلا میں مبتلا اور اس کمینی دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں وہ علمائے دنیا میں سے ہیں، یہی لوگ علمائے سوء اور لوگوں میں سب سے بُرے اور دین کے چور ہیں حالانکہ یہ لوگ اپنے آپ کو دین کا پیشوا جانتے ہیں اور اپنے آپ کو مخلوقات میں سب سے بہتر خیال کرتے ہیں، وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (مجادلہ، آیت ۱۸، ۱۹)

(اور یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم کسی اچھی حالت پر ہیں، خبردار یہ لوگ جھوٹے ہیں، ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے پھر اس نے ان کو اللہ کے ذکر سے غافل کردیا۔ یہ لوگ شیطان کے گروہ ہیں۔ آگاہ رہو کہ شیطان کے گروہ والے ہی خسارہ پانے والے ہیں)۔

---

[1] قال صلے اللہ علیہ وسلم من تعلم علما مما یبتغی بہ وجہ اللہ لایتعلم الا لیصیب بہ عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیمۃ (رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ) (یعنی جو شخص ایسا علم جس سے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کی طلب کی جاتی ہے اس غرض کے لئے سیکھتا ہے کہ اس سے دنیا کا متاع حاصل کرے وہ شخص قیامت کے روز بہشت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا)۔

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ما سقی کافرا منہا شربۃ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ) یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی قدر وقیمت ایک مچھر کے پروبال کی برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا) ـــــ اور نیز ترمذی وابن ماجہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار رہو کہ بالضرور دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب بھی ملعون ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور جس کو اللہ تعالیٰ دوست رکھے یعنی اعمال صالحہ اور علم سکھانے والا اور سیکھنے والا)۔

اکابرین میں سے ایک بزرگ نے شیطان ملعون کو دیکھا کہ فارغ (بیکار) بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے اور بہکانے سے بے فکر ہو چکا ہے۔ اس بزرگ نے اُس سے اس فراغت کی وجہ دریافت کی۔ اس نے جواب دیا کہ اس زمانے کے بُرے علماء نے خود ہی اس کام میں میری بہت بڑی مدد کی ہے اور انھوں نے مجھے اس اہم کام سے فارغ کر دیا ہے۔

علمائے حق کے فضائل

حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں شرع کے کاموں میں جو سُستی اور سہل پسندی و نفاق پیدا ہو گیا ہے اور دین و ملت کے رواج دینے میں جو خلل و سستی ظاہر ہوئی ہے وہ سب بُرے علماء کی نحوست اور ان کی نیتوں کے خراب ہو جانے کے باعث ہے ـــــــ ہاں وہ علماء جو دنیا سے بے رغبت ہیں اور جاہ (عزت) و مال اور بلندی (سرداری) کی محبت سے آزاد ہیں وہ علمائے آخرت میں سے ہیں اور انبیائے عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں، اور مخلوقات میں سے بہتر یہی علماء ہیں کہ کل قیامت کے دن ان کی سیاہی کو اللہ کے راستے میں شہید ہونے والوں کے خون کے ساتھ وزن کریں گے اور اس سیاہی کا پلّہ بھاری رہے گا[1] ـــــــ اور نَوْمُ الْعُلَمَآءِ عِبَادَةٌ[2] (علماء کی نیند بھی عبادت ہے) ان ہی کے حق میں ثابت ہے۔ یہی وہ حضرات ہیں جن کی نظروں کو آخرت کا جمال پسند آیا ہے، اور دنیا کی بُرائی اور اس کی خرابی ان کو ظاہر ہو چکی ہے، انھوں نے اُس (آخرت) کو بقا کی نظر سے دیکھا اور اِس (دنیا) کو زوال کے داغ سے داغدار پایا۔ اسی لئے اپنے آپ کو باقی کے سپرد کر دیا اور فانی سے اپنے آپ کو باز رکھا ـــــــ آخرت کی عظمت کا مشاہدہ حق تعالیٰ کی عظمت کے مشاہدہ کا ثمرہ ہے اور

---

[1] علامہ مرادمکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قول میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو امام غزالی قدس سرہ نے احیاء علوم الدین میں مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کو علامہ ابن عبدالبر نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بیان کیا ہے۔ علامہ عراقی نے اسی طرح فرمایا ہے اور اس کے شارح نے کہا ہے کہ شیرازی اس کو القاب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے طرق سے لایا ہے نیز ابن الجوزی اور دیلمی نے بھی روایت کیا ہے، انتہیٰ ملخصاً۔

[2] علامہ مرادمکی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس میں اس حدیث مرفوع کی طرف اشارہ ہے جس کو امام غزالی قدس سرہ نے احیاء میں بیان کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں وَنَفَسُہٗ تَسْبِیْحٌ یعنی عالِم کا سانس لینا تسبیح ہے ـــ علامہ عراقی نے کہا کہ مشہور لفظ عَالِمٌ کی بجائے صائمٌ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی ضرر نہیں ہے کیونکہ عالم کی بندگی صائم قائم پر ثابت ہے بلکہ بہت سی روایتوں میں مطلق عابد پر کئی درجہ بزرگی ثابت ہے۔

دنیا و فیہا کو ذلیل رکھنا آخرت کی عظمت کے مشاہدہ کرنے کا نتیجہ ہے ـــــ لِاَنَّ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِیَتْ اِحْدٰهُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰی[1] (کیونکہ دنیا اور آخرت دونوں سوکنیں ہیں یعنی دو عورتیں ایک مرد کے نکاح میں ہونے کی مانند ہیں اگر ان میں سے ایک راضی ہوگی تو دوسری ناراض ہو جائیگی) ـــــ اگر (کسی شخص کو) دنیا عزیز ہے تو آخرت ذلیل ہے اور اگر دنیا ذلیل ہے تو آخرت عزیز ہے' ان دونوں کا جمع ہونا دو ضدوں کے جمع ہونے کی قسم سے ہے۔

ع　مَا اَحْسَنَ الدِّیْنَ وَالدُّنْیَا لَوِ اجْتَمَعَا　　کیا ہی اچھا ہے کہ ہوں دین اور دنیا جمع

ہاں بعض مشائخ نے جو کہ اپنی خواہش اور ارادے سے پوری طرح نکل چکے ہیں بعض نیک و درست نیتوں کے ساتھ اہل دنیا کی صورت اختیار کی ہے اور بظاہر دنیا میں رغبت کرنے والے معلوم ہوتے ہیں وہ حقیقت میں (دنیا سے) کوئی تعلق نہیں رکھتے اور سب سے فارغ و آزاد ہیں ـــــ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (سورۂ نور[24] آیت ۳۷) (یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی) ۔ اور تجارت و بیع ان کو ذکرِ خدا سے نہیں روکتی، اور ان امور کے ساتھ عین تعلق کی حالت میں ان امور سے بالکل بے تعلق ہیں ـــــ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ العزیز نے فرمایا ہے کہ میں نے منیٰ کے بازار میں ایک تاجر کو دیکھا کہ اس نے کم و بیش پچاس ہزار دینار کی خرید و فروخت کی اور اس کا دل ایک لحظہ بھی حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے غافل نہیں ہوا۔

مکتوب ۳۴ سی و چہارم

عالمِ امر کے جواہر خمسہ (پانچ لطائف) کو حتی الامکان شرح و تفصیل کے ساتھ بیان ہیں۔

یہ بھی ملا حاجی محمد لاہوری کی طرف صادر ہوا۔

دونوں جہان کی سعادت کا حاصل ہونا سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع پر وابستہ ہے وہ فلسفی جس نے اپنی بصیرت کی آنکھ میں صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کا سرمہ نہیں لگایا ہے' وہ عالمِ امر کی حقیقت (کو دیکھنے) سے اندھا ہے' چہ جائیکہ اس کو مرتبہ وجوب تعالیٰ و تقدس کا

---

[1] اس قول میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو امام احمد و بیہقی نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: مَا الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةُ اِلَّا ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِیَتْ اِحْدٰهُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰی۔

شعور ہو، اس کی کوتاہ نظر صرف عالمِ خلق پر لگی ہوئی ہے اور وہاں بھی نا مکمل ہے۔ جن پانچ جواہر[1] کو اہلِ فلسفہ نے ثابت کیا ہے وہ سب عالمِ خلق میں ہیں، نفس اور عقل کو جو انھوں نے مجردات (یعنی جو مادہ سے پاک ہوں) سے شمار کیا ہے، یہ ان کی نادانی ہے۔ نفسِ ناطقہ تو یہی نفسِ امارہ (برائی کی طرف بہت امر کرنے والا) ہی ہے جو کہ تزکیہ (رذائل سے پاک کرنے) کا محتاج ہے اور اس کی ہمت ذاتی طور پر کمینگی اور پستی کی طرف ہے اس کو عالمِ امر کے ساتھ کیا نسبت، اور تجرد کے ساتھ کیا مناسبت، اور عقل خود معقولات میں سے سوائے ان امور کے جو محسوسات کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں بلکہ انھوں نے محسوسات کا حکم پیدا کر لیا ہے اور کچھ ادراک نہیں کرتی، لیکن جو امر محسوسات کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا اور حس کی نظیر و مثال مشاہدات میں ظاہر نہیں ہے وہ عقل کے ادراک میں نہیں آتا اور اس کی بندش عقل کی کنجی سے نہیں کھلتی اس لئے اس (عقل) کی نظر بیچونی کے احکام (معلوم کرنے) سے کوتاہ ہے اور غیبِ محض میں گمراہ ہے اور یہ (عقل کے) عالمِ خلق (سے ہونے) کی علامت ہے ـــــ عالمِ امر کا رُخ بیچونی کی طرف اور اس کی توجہ بیچگونی کی طرف ہے ـــــ عالمِ امر کی ابتدا مرتبۂ قلب[2] ہے اور قلب کے اوپر روح اور روح کے اوپر سِرّ اور سِرّ کے اوپر خفی اور خفی کے اوپر اخفیٰ ہے۔ اگر عالمِ امر کے (ان) پانچ مراتب کو جواہر خمسہ کہیں تو اس کی گنجائش ہے، اور فلسفی نے چند ٹھیکریوں کو جمع کر کے اپنی نظر کی کوتاہی کے باعث ان کو جواہر سمجھ لیا ہے۔

عالمِ امر کے جواہر خمسہ

عالمِ امر کے ان جواہر خمسہ کا حاصل کرنا اور ان کے حقائق پر اطلاع پانا حضرت سیدنا محمد رسول اللہ

---

[1] فلسفیوں کے جواہر خمس سے مراد حالؔ، محلؔ اور ان دونوں سے مرکبؔ، نفسؔ و عقلؔ ہے یعنی صورتؔ خواہ جسمیہ ہو یا نوعیہ، ہیولیٰؔ، جسمؔ، نفسؔ اور عقلؔ۔

[2] جاننا چاہیئے کہ صوفیائے کرام نے لطائف کے مقامات انسان کے جسم میں متعین فرمائے ہیں ان میں سے بعض کے تعین میں صوفیائے کرام کا اختلاف ہے۔ لطیفۂ قلب کا مقام بائیں پستان سے دو انگشت نیچے مائل بہ پہلو ہے اور اس کا نور سُرخ ہے۔ لطیفۂ روح کا مقام دائیں پستان سے دو انگشت نیچے مائل بہ پہلو ہے اور اس کا نور سفید ہے اور لطیفۂ سِرّ کا مقام بائیں پستان کے برابر دو انگشت کے فاصلہ پر مائل بہ وسطِ سینہ ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مقام سینہ کے درمیان اور اس کا نور سبز ہے۔ اور لطیفۂ خفی کا مقام دائیں پستان کے برابر دو انگشت کے فاصلہ پر مائل بوسطِ سینہ ہے، اور بعض کے نزدیک اس کا مقام ابرو کے اوپر ہے اور اس کا نور نیلگوں ہے۔ اور لطیفۂ اخفیٰ کا مقام عین وسطِ سینہ ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مقام ام الدماغ ہے اور اس کا نور سیاہ آنکھ کی سیاہ پتلی کی مانند ہے۔

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کامل فرمانبرداروں کو حاصل ہے۔ جب عالمِ صغیر یعنی انسان کے اندر عالم کبیر کی ہر چیز کا نمونہ ہے تو عالمِ کبیر میں بھی ان جواہرِ خمسہ کے اصول ثابت ہیں۔ انسان کے قلب کی طرح عرشِ مجید عالمِ کبیر کے ان جواہرِ خمسہ کا مبدا ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے قلب کو بھی اللہ تعالیٰ کا عرش کہتے ہیں اور جواہرِ خمسہ کے باقی مراتب عرش کے اوپر ہیں۔

عالمِ کبیر میں عرش، عالمِ خلق اور عالمِ امر کے درمیان برزخ (واسطہ) ہے جس طرح عالمِ صغیر میں انسان کا قلب عالمِ خلق[1] اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے، قلب و عرش اگرچہ بظاہر عالمِ خلق میں ہیں لیکن (حقیقت میں) یہ عالمِ امر سے ہیں اور بیچونی و بیچگونی (بے کیف ہونے) سے کچھ حصہ رکھتے ہیں۔ ان جواہرِ خمسہ کی حقیقت پر مطلع ہونا اولیاء اللہ میں سے کاملین کے حق میں ثابت ہے جو مراتبِ سلوک کو تفصیل کے ساتھ طے کر کے مرتبۂ نہایت النہایت تک پہنچ گئے ہیں، ؎

هر گدائے مردِ میداں کے شود پشۂ آخر سلیماں کے شود

(ترجمہ) نہیں ہوتا بھکاری مردِ میداں کہ مچھر بن نہیں سکتا سلیماں

اور اگر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے کسی صاحبِ دولت کی بصیرت کی آنکھ کو مرتبۂ وجوب کی تفصیل کے لئے بقدرِ امکان کھول دیں تو وہ بھی اس مقام میں ان جواہر کے اصول کا مطالعہ کر لیتا ہے اور عالم صغیر و کبیر کے ان جواہر کو اُن حقیقی جواہر کے ظلال کی صورت میں معلوم کر لیتا ہے۔ ع

ایں کارِ دولت ست کنوں تا کرا رسد (ترجمہ) (یہ ہے عظیم کام، ملے دیکھئے کسے)

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)

---

[1] قال اللہ تعالیٰ "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" (اعراف) یعنی خبردار عالمِ خلق اور عالمِ امر دونوں حق تعالیٰ ہی کیلئے ہیں۔ تفسیر مظہری میں اس آیۂ مبارکہ کے تحت لکھا ہے "قالت الصوفیۃ المراد بالخلق والامر عالم الخلق یعنی الجسمانیۃ العرش وما تحتہ من السموات والارض وما بینہما واصولہا العناصر الاربعۃ النار والهواء والماء والتراب ویتولد منہا النفوس الحیوانیۃ والنباتیۃ والمعدنیۃ وھی اجسام لطیفۃ ساریۃ فی اجسام کثیفۃ وعالم الامر یعنی المجردات من القلب والروح والسر والخفی والاخفی التی ھی فوق العرش ساریۃ فی النفوس الانسانیۃ والملکیۃ والشیطانیۃ سریان الشمس فی المراءۃ سمیت بعالم الامر لان اللہ تعالیٰ خلقہا بلا مادۃ بامرہ کن قال البغوی قال سفیان بن عیینۃ فرق بین الخلق والامر فمن جمع بینہما فقد کفر۔ (تفسیر مظہری سورۂ اعراف ع ۷)

جب عالم امر کے حقائق کا ظاہر نہ کرنا اس کے پوشیدہ معنوں اور دقیق مطالب کی وجہ سے ہے
تو پھر ہر کوتاہ نظر شخص اس سے کیا حاصل کر سکتا ہے۔ راسخ العلم حضرات (جن کو علم میں رسوخ حاصل ہے)
جو کہ وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (بنی اسرائیل آیت ۸۵) (اور تم کو علم (اسرار الٰہی) سے تھوڑا سا
حصہ دیا گیا ہے) کے شرف سے مشرف ہیں وہ اس کی حقیقت سے آگاہ ہیں۔ ع

هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا (ترجمہ) (مبارک منعموں کو ان کی نعمت)

شعر مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز — ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست
(ترجمہ) مصلحت کا یہ تقاضا ہے عیاں راز نہ ہو — ورنہ رندوں سے تو پوشیدہ کوئی راز نہیں

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِيمَاتِ أَتَمُّهَا وَأَدْوَمُهَا (اور سلام ہو آپ پر اور اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے)۔

مراتب جواہر خمسہ

نیز دل میں آیا کہ جواہر مقدسہ علیا کا تھوڑا سا بیان بھی تحریر کیا جائے ـــ جاننا چاہئے کہ ان جواہر کی ابتدا صفات اضافیہ[1] سے ہے جو کہ وجوب اور امکان کے درمیان برزخوں (واسطوں) کی مانند ہیں اور ان کے اوپر صفات حقیقیہ[2] ہیں جن کی تجلیات سے روح کو حصہ حاصل ہے اور قلب کو صفات اضافیہ کے ساتھ تعلق ہے اور وہ ان کی تجلیات سے مشرف ہے، اور ان جواہر علیا (یعنی جواہر خمسہ مذکورہ) میں سے باقی جواہر جو کہ صفات حقیقیہ سے اوپر ہیں حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے دائرہ میں داخل ہیں اسی لئے ان تین مراتب (یعنی سر خفی اور اخفی) کی تجلیات کو تجلیات ذاتیہ کہتے ہیں، ان کے متعلق گفتگو کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔

ع قلم ایں جا رسید و سر بشکست (ترجمہ) (قلم آیا یہاں تو ٹوٹ گیا)

محبت ذاتی کے مقام کے بیان میں جس میں کہ انعام و ایلام برابر ہوتے ہیں۔ یہ بھی میاں حاجی محمد لاہوری کی طرف صادر ہوا۔

---

[1] صفات اضافیہ یعنی پیدا کرنا، رزق دینا، مارنا، زندہ کرنا، رنج والم دینا، انعام کرنا وغیرہ۔
[2] صفات حقیقیہ یعنی ارادہ، قدرت، سمع وبصر، کلام، علم، حیوٰۃ اور تکوین۔

نَجَّانَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِیَّاکُمْ عَنْ زَیْغِ الْبَصَرِ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْبَشَرِ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ

(اللہ تعالیٰ بطفیل حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظر کی کجی یعنی غیر اللہ کی طرف مائل ہونے سے بچائے) ۔

سیر وسلوک سے مراد

—— سیر وسلوک سے مراد نفسِ امارہ کا تزکیہ اور اس کی تطہیر (پاک کرنا) ہے تاکہ جھوٹے خداؤں کی عبادت سے جو کہ خواہشاتِ نفسانی کے وجود سے پیدا ہوتے ہیں چھٹکارا حاصل ہو جائے اور حقیقت میں ایک واحد و برحق معبود خدائے تعالیٰ وتقدس کے سوا کوئی توجہ کا قبلہ نہ رہے اور اس پر کسی بھی مقصد کو اختیار نہ کرے خواہ وہ دینی مقاصد میں سے ہو یا دنیوی مطالب میں سے —— دینی مقاصد اگرچہ نیکیوں میں سے ہیں لیکن یہ ابرار کا کام ہے مقربین ان کو برائیاں جانتے ہیں اور سوائے ایک ذاتِ حق کے اور کسی کو اپنا مقصود خیال نہیں کرتے، یہ دولت فنا[1] کے حاصل ہونے اور محبتِ ذاتی کے ثابت ہونے پر منحصر ہے کیونکہ اس مقام میں انعام (نعمت دینا) وایلام (رنج والم دینا) برابر ہے، عذاب میں بھی وہی لذت ہے جو کہ نعمت دینے میں ہے۔ (یہ حضرات) اگر بہشت کی طلب کرتے ہیں تو اسی لئے کہ وہ حق تعالیٰ وتقدس کی رضا کا مقام ہے اور اس کے طلب کرنے میں حق تعالیٰ شانہٗ کی رضامندی ہے اور دوزخ سے پناہ اس لئے مانگتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ کے غضب کا مقام ہے۔ بہشت کے طلب کرنے سے ان کا مقصد نفس کی لذت طلب کرنا نہیں ہے اور نہ ہی دوزخ سے ان کا پناہ مانگنا رنج وتکلیف کے باعث ہے، کیونکہ جو کچھ محبوب کی طرف سے ہے وہ ان بزرگوں کے نزدیک پسندیدہ اور عین مرضی کے مطابق ہے۔ کُلُّ مَا یَفْعَلُهُ الْمَحْبُوْبُ مَحْبُوْبٌ (محبوب جو کام کرتا ہے وہ بھی محبوب (پسندیدہ) ہی ہوتا ہے) ——

اخلاص کی حقیقت یہاں حاصل ہوتی ہے اور باطل خداؤں (کی عبادت) سے چھٹکارا اسی مقام میں میسر ہوتا ہے اور کلمۂ توحید اسی وقت درست ہوتا ہے وَبِدُوْنِهٖ خَرْطُ الْقَتَادِ[2] (اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج وتکلیف اُٹھانا ہے) ۔

محبتِ ذاتی جو کہ اسماء وصفات کے ملاحظہ اور محبوب کے انعام واکرام کے وسیلہ کے بغیر ہو مقصود کا حاصل ہونا بہت مشکل ہے اور شرکت کو جلا دینے والی اس محبت کے بغیر فنائے مطلق حاصل نہیں ہوتی۔ مثنوی

---

[1] فنا سے مراد مشاہدۂ ذاتِ حق تعالیٰ کے غلبہ کی وجہ سے ماسوائے حق تعالیٰ کا نسیان ہے (معارف)
[2] یعنی فنائے مطلق حاصل ہونے اور محبت ذاتی ثابت ہونے کے بغیر بے فائدہ رنج وتکلیف اٹھانا ہے۔

مثنوی
عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت | ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغِ لا در قتلِ غیرِ حق براند | در نگر زاں پس کہ بعدِ لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت | شاد باش اے عشق شرکت سوز زفت

(ترجمہ)
جبکہ روشن عشق کا شعلہ ہوا | ماسوا معشوق کے سب جل گیا
غیرِ حق کو تیغِ لا سے قتل کر | بعد ازاں کر اس کے باقی پر نظر
رہ گیا اللہ باقی سب فنا | عشق شرکت سوز تجھ کو مرحبا

مکتوب ۳۶

اس بیان میں کہ شریعتِ مقدسہ دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے اور کوئی مقصد ایسا نہیں ہے جس کے حاصل کرنے میں شریعت کے ماسوا کسی اور چیز کی ضرورت پڑے اور طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں اور اس کے مناسب امور کے بیان میں، یہ بھی ملا حاجی محمد لاہوری کی طرف صادر ہوا۔

حَقَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ بِحَقِیْقَۃِ الشَّرِیْعَۃِ الْمُصْطَفَوِیَّۃِ عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ وَیَرْحَمُ اللّٰہُ عَبْدًا قَالَ اٰمِیْنًا (حق تعالیٰ سبحانہٗ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و تحیۃ کی شریعت کی حقیقت سے آگاہ فرمائے اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جس نے اس دعا پر آمین کہی) ــــــ

ــــ شریعت کے تین جزو ہیں: علم[1]، عمل[2] اور اخلاص[3]، جبتک یہ تینوں جزو ثابت نہ ہو جائیں اسوقت تک (حقیقت میں) شریعت ثابت نہیں ہوتی، اور جب (حقیقت میں) شریعت ثابت ہو گئی تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو گئی جو کہ دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں سے اوپر (افضل) ہے ــــ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ (توبہ آیت ۷۲) (اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے)۔

پس شریعت تمام دنیوی و اخروی سعادتوں کی ضامن ہوئی، کوئی بھی مقصد نہیں جس کے حاصل کرنے میں شریعت کے ماسوا کسی اور چیز کی ضرورت پیش آئے۔ طریقت اور حقیقت[ل] کہ جس کے ساتھ

ل جاننا چاہیے کہ حقیقت سے مراد شریعت کی حقیقت ہے پس حقیقت شریعت سے جدا کوئی امر نہیں ہے، اور طریقت سے مراد شریعت کی حقیقت تک پہنچنے کا طریقہ، شریعت کی حقیقت حاصل ہونے سے پہلے شریعت کی صرف صورت حاصل ہوتی ہے اور حقیقتِ شریعت کا حصول مقامِ اطمینان حاصل ہونے اور درجۂ ولایت تک پہنچنے کے بعد ہے۔ (معارف لدنیہ معرفت ۲۵)

صوفیائے کرام ممتاز ہیں ـــــ شریعت کے تیسرے جزو یعنی اخلاص کے تکمیل میں شریعت کے خادم ہیں پس ان دونوں کے حاصل کرنے سے مقصود شریعت کا کامل کرنا ہے نہ کہ شریعت کے سوا کوئی اور امر ہے۔

احوال و مواجید (وجد و حال)، علوم و معارف جو کہ صوفیائے کرام کو راہِ سلوک طے کرنے کے دوران حاصل ہوتے ہیں (اصلی) مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ وہم و خیالات ہیں جن سے طریقت کے طلباء کی تربیت کی جاتی ہے، ان سب سے گذر کر مقامِ رضا تک پہنچنا چاہئے جو کہ جذبہ و سلوک کے مقامات میں آخری مقام ہے کیونکہ طریقت و حقیقت کی منزلوں کے طے کرنے سے اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہے کہ اخلاص حاصل ہو جائے جو کہ حق تعالیٰ کی رضا (خوشنودی) حاصل ہونے کے لئے لازمی ہے ـــــ تینوں قسم کی تجلیات (یعنی تجلیاتِ افعالیہ، صفاتیہ اور ذاتیہ) اور عارفانہ مشاہدات سے گذار کر ہزاروں سالکوں میں سے کسی ایک کو اخلاص اور مقامِ رضا کی دولت نصیب فرماتے ہیں، کم سمجھ لوگ احوال و مواجید (حال و وجد) کو اصلی مقاصد میں سے شمار کرتے ہیں اور مشاہدات و تجلیات کو اصل مطلب خیال کرتے ہیں اس لئے وہ وہم و خیال کی بندش میں پھنسے رہتے ہیں اور شریعت کے کمالات سے محروم رہتے ہیں۔ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ إِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ إِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ إِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (شوریٰ ۴۲ آیت ۱۳) (یعنی مشرکین کو یہ بات جس کی طرف ان کو بلایا جاتا ہے بڑی بھاری اور مشکل معلوم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف جذب کر لیتا ہے اور اسی کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے)۔

ہاں اخلاص کے مقام کا حاصل ہونا اور رضا کے مرتبہ تک پہنچنا ان احوال و مواجید کے طے کرنے پر موقوف اور ان علوم و معارف کے ساتھ وابستہ ہے، پس یہ سب امور مطلوب حاصل کرنے کے وسائل اور مقصود تک پہنچنے کے ابتدائی اسباب ہیں۔ اور اس فقیر (حضرت مجدد علیہ الرحمہ) پر اس مطلب کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اس راہِ سلوک میں پورے دس سال گذرنے کے بعد واضح طور پر ظاہر ہوئی اور "شاہدِ شریعت" (شریعت کا معشوق) کما حقہٗ جلوہ گر ہوا۔ اگرچہ شروع ہی سے احوال و مواجید میں گرفتار نہیں تھا اور شریعت کی حقیقت کے ساتھ متحقق ہونے کے سوا اور کوئی مطلب پیش نظر نہیں تھا لیکن پورے دس سال گذرنے کے بعد معاملہ کی اصل حقیقت جیسی کہ چاہیے تھی ظاہر ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ

مُبَارَکًا عَلَیْہِ[1] (اس پر اللہ تعالیٰ کا بے حد حمد و شکر ہے، ایسا حمد و شکر جو کہ اغراض فاسد ریا و سمعہ سے پاک اور اس کی ذات و صفات کے اعتبار سے مبارک ہے) ——— مغفرت پناہ میاں شیخ جمال کے فوت ہونے سے تمام مسلمانوں کے لئے رنج و غم اور پریشانی لاحق ہے، ان کے مخدوم زادوں کو اس فقیر کی جانب سے تعزیت کرنے کے بعد فاتحہ پڑھیں۔ والسلام۔

مکتوب ۳۷

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشن سنت کی پیروی پر آمادہ کرنے اور نسبت نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے حاصل کرنے کی ترغیب دینے کے بارے میں شیخ محمد خیری[2] کی طرف صادر فرمایا۔

خیری

پاکیزہ مکتوب گرامی جو کہ آپ نے مہربانی فرما کر صادر فرمایا تھا اس کے مطالعہ سے بہت مسرت و خوشی ہوئی، آپ نے اس طریقہ عالیہ نقشبندیہ پر اپنی استقامت اور ثابت قدمی کے بارے میں تحریر فرمایا تھا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ (اس بات پر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا بیحد شکر ہے) حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس طریقہ عالیہ کے بزرگوں کی برکت سے آپ کو بے انتہا ترقیاں عنایت فرمائے۔ ان بزرگوں کا طریقہ سرخ گندھک[3] (یعنی اکسیر) ہے اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری پر منحصر ہے۔ یہ فقیر اپنے موجودہ حال کی نسبت لکھتا ہے کہ ہم ایک عرصے تک علوم و معارف اور احوال و مواجید ماہِ نیساں کے بادل کی طرح بکثرت و لگاتار وارد ہوتے رہے اور جو کام کہ کرنا چاہیئے تھا حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی عنایت سے ہو گیا ——— اور اب اس کے سوا اور کوئی آرزو باقی نہیں رہی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کوئی سنت زندہ کی جائے اور احوال و مواجید اہلِ ذوق کے سپرد رہیں۔

احیائے سنت کا شوق

---

[1] حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں روایت کیا ہے ما انعم اللہ علی عبد من نعمۃ فقال الحمد للہ الا وقد ادّیٰ شکرھا فان قالھا الثانیۃ جدد اللہ لہ ثوابھا فان قالھا الثالثۃ غفر اللہ لہ ذنوبہ انتہی۔

[2] مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام مندرجہ ذیل پانچ مکتوب ہیں، دفتر اول مکتوب نمبر ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۲۹۳۔ آپ حضرت مجددؒ کے خلفا میں سے تھے۔ اور اپنے وقت کے مشہور بزرگوں میں سے تھے (روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۳۳۹)

[3] کیمیا گروں کے نزدیک سرخ گندھک تانبے وغیرہ کو سونا بنانے والی اکسیر کا جزو اعظم ہے اور سرخ گندھک نہایت کمیاب ہے۔

آپ کو چاہئے کہ (اپنے) باطن کو (اپنے سلسلہ کے) خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی نسبت سے معمور رکھتے ہوئے (اپنے) ظاہر کو ظاہری سنتوں کی پیروی سے پوری طرح آراستہ و مزین بنائیں۔

ع کار این ست غیر ایں ہمہ ہیچ (ترجمہ: کام ہے اصلی یہی باقی تو سب کچھ ہیچ ہے)

پانچوں وقت کی نماز کو اول[1] وقت میں ادا کیا کریں، سوائے سردیوں میں عشا کی نماز کے کہ تہائی رات تک اس میں تاخیر کرنا مستحب[2] ہے، اس امر میں فقیر بے اختیار ہے نہیں چاہتا کہ نماز کے ادا کرنے میں بال برابر (ذراسی) بھی تاخیر ہو اور کسی بشری تقاضے سے عاجز ہونا اس سے مستثنیٰ ہے۔

ذاتِ بحت (خالص ذات) تعالیٰ و تقدس کے ساتھ جو اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات سے منزّہ و پاک ہے تعلق قائم کرنے کے بارے میں اور ناقص لوگوں کی مذمت میں جو چون کو بیچون تصور کر کے اس کے ساتھ پھنسے ہوئے ہیں اور اہلِ فنا کے مرتبوں کے مختلف ہونے کے بارے میں کیونکہ اسی تفاوت پر علوم و معارف مرتب ہوتے ہیں اور اسی قسم کے دوسرے امور کے بیان میں، یہ بھی شیخ محمد چتری کی طرف صادر فرمایا۔ چتری

آپ کا مکتوب شریف موصول ہو کر باعثِ مسرت ہوا، حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے اور ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے غیر کے حوالہ نہ کرے۔ جو کچھ حق تعالیٰ شانہٗ کی ذاتِ محض کے سوا ہے اس کو غیرِ حق سے تعبیر کیا جاتا ہے اگرچہ وہ حق تعالیٰ کے اسماء و صفات ہی ہوں، اور یہ جو متکلمین نے صفاتِ حق جل شانہٗ کو لَا هُوَ وَلَا غَيْرُهٗ کہا ہے اس کے کچھ اور معنی ہیں، اور غیر سے ان کی مراد اصطلاحی غیر[3] ہے اور انھوں نے اسی (اصطلاحی معنی) کی نفی کی ہے، مطلق طور پر نفی نہیں کی، اور کسی خاص لحاظ سے

---

[1] لما رواہ الترمذی عن ام فروۃ قالت سئل النبی صلے اللہ علیہ وسلم ای الاعمال افضل قال الصلوۃ لاول وقتھا وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الوقت الاول عن الصلوۃ رضوان اللہ والوقت الآخر عفو اللہ — [2] لما رواہ الترمذی واحمد وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لولا ان اشق علی امتی لامرتھم ان یؤخروا العشاء الی ثلث اللیل او نصفہ (ھذا شک من الراوی) — [3] غیر یعنی جو نہ ذات کا عین ہو اور نہ ذات سے قائم ہو۔ اور لا ھو، عینیت و اتحاد کی نفی کے معنی میں ہے۔ پس ان کے قول لا ھو ولا غیرہ کے معنی یہ ہیں کہ صفاتِ باری تعالیٰ ذات پر زائد ہیں اور ذات کے ساتھ قائم ہیں۔

نفی کرنے سے عام طور پر نفی کرنا لازم نہیں آتا، اور حق تعالیٰ کی ذاتِ بحت (محض) سے سلب[1] یعنی نفی کرنے کے سوا اور کچھ تعبیر نہیں کر سکتے۔ اس مرتبہ میں جو کچھ اثبات ہے وہ الحاد ہے اور تمام تعبیروں سے بہتر تعبیر اور سب عبارتوں سے جامع عبارت لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (شوریٰ ۴۲ آیت ۱۱) ہے جس کا فارسی ترجمہ بیچون و بیچگون ہے (یعنی وہ بے مثل و بے مثال ہے) اور علم و شہود اور معرفت کو اس سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف کوئی راہ[2] نہیں ہے جو کچھ دیکھتے، جانتے اور پہچانتے ہیں، یہ سب اس (حق تعالیٰ شانہٗ) کا غیر ہے، اس کے ساتھ گرفتار ہونا (تعلق قائم کرنا) اس کے غیر کے ساتھ گرفتار ہونا ہے، پس ان سب کی نفی کرنا لازمی ہے اور ان سب کو کلمہ لَآ اِلٰہَ کے نیچے لا کر کلمہ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ اس ذات بیچون و بیچگون کا اثبات کرنا چاہئے، اور یہ اثبات شروع میں تقلید کے طور پر ہوتا ہے اور آخر میں تحقیق کے طور پر۔

بعض سالکوں نے جو مقصد کی انتہا تک نہیں پہنچے ہیں چون کو بیچون خیال کر لیا ہے اور اس کو شہود و معرفت سمجھ لیا ہے، تقلید والے لوگ ان (ناقص سالکین) سے کئی درجے بہتر ہیں کیونکہ ان کی تقلید نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کی تقلید سے حاصل کی گئی ہے کہ جس میں سہو و خطا کو دخل نہیں ہے اور ان ناقص سالکین جماعت کا مقتدا (یعنی جس کی وہ تقلید کرتے ہیں) وہ غیر صحیح (یعنی غلط) کشف ہے۔ ع

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا (ترجمہ: دیکھو ایک راستہ کا دوسرے راستہ سے کسقدر فرق ہے)۔

اور درحقیقت وہ جماعت ذات کی منکر ہے کیونکہ وہ اگرچہ مشاہدۂ ذات کا اثبات کرتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ یہ ثابت کرنا ہی عین انکار[3] ہے۔ مسلمانوں کے امام، امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے: سُبْحَانَکَ مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ وَلٰکِنْ عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ (یعنی اے اللہ! تو پاک ہے، ہم نے کماحقہٗ تیری عبادت نہیں کی ہے لیکن ہم نے جیسا کہ تیرے پہچاننے کا حق ہے تجھ کو پہچان لیا ہے)۔ عبادت کا حق ادا نہ ہونا خود ہی ظاہر ہے لیکن معرفت کے حق کا حاصل ہونا اس بنا پر ہے کہ اس ذات تعالیٰ و تقدس میں معرفت کی انتہا اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اس کو بیچون و بے چگون ہونے

---

[1] سلب بمعنی نفی کرنا یعنی اس کا جسم نہیں ہے نہ وہ جوہر ہے نہ عرض اور نہ وہ متصل ہے نہ منفصل اور نہ خارج ہے نہ داخل وغیرہ۔

[2] اسی معنی میں بعض اکابر نے فرمایا ہے سبحان من لم یجعل للخلق الیہ سبیلا الا بالعجز عن معرفتہ۔ اور لَا یَعْرِفُ اللّٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

[3] کیونکہ انھوں نے چون کو حقیقت کے برخلاف بیچون تصور کر لیا ہے اور مطلبِ حقیقی چون وچگون ہونے سے پاک ہے۔

کے ساتھ پہچان لیں ـــــ کوئی سادہ دل (بیوقوف) آدمی یہ گمان نہ کرے کہ اس معرفت میں تو عام و خاص، بتدی و منتہی سب برابر ہیں (تو پھر عوام و خواص میں کیا فرق ہے) ہم (اس کے جواب میں) کہتے ہیں کہ اس (سادہ دل) نے علم اور معرفت میں امتیاز نہیں کیا ہے۔ بتدی کو (اس امر کا) علم ہے اور منتہی کو اس کی معرفت حاصل ہے، معرفت فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور یہ دولت فانی فی اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔ مولنا روم فرماتے ہیں ؎

ہیچکس را تا نگردد او فنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا

(ترجمہ) (جب تک انساں کو نہ حاصل ہو فنا پائے کیونکر بارگاہِ کبریا)

پس جب معرفت علم کے علاوہ ہوتی تو جاننا چاہئے کہ عقلِ مشہور کے سوا ایک اور امر ہے جس کو معرفت سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کو ادراک بسیط بھی کہتے ہیں۔ شعر

فریادِ حافظ اینہمہ آخر بہرزہ نیست ہم قصۂ غریب وحدیثِ عجیب ہست

(ترجمہ) (حافظ جو کہہ رہا ہے وہ بیکار تو نہیں یہ بات بس غریب بھی ہے اور عجیب بھی)

مثنوی: اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس باجانِ ناس
لیک گفتم ناس را نسناس نہ ناس غیر از جانِ جاں آشناس نہ

(ترجمہ) (حق سے انساں کا عجب ہے اتصال عقل و کیفیت میں کیونکر آئے گا؟
یہ ہے بات انسان کی، حیواں کی نہیں جانِ جاں کا بس ہے انساں آشنا)

اور جبکہ فنا میں بھی مرتبے مختلف ہیں اس لئے بالضرور منتہیوں کو بھی حق تعالیٰ کی معرفت میں ایک دوسرے پر فضیلت ہوگی، جس شخص کی فنا کامل ترین ہوگی اس کی معرفت بھی کامل ترین ہوگی اور جس کی فنا کم درجے کی ہوگی اس کی معرفت بھی کم درجہ کی ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس۔

سبحان اللہ! بات کہاں پہنچ گئی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ میں اپنی بے حاصلی و نامرادی، بے استقامتی اور بے ثباتی کی نسبت کچھ لکھتا اور دوستوں سے مدد طلب کرتا۔ مجھے اس قسم کی باتوں سے کیا مناسبت ؎

آگہ از خویشتن چو نیست جنیں چہ خبر دارد از چناں و چنیں

(ترجمہ: جبکہ واقف نہیں ہے خود سے جنین پھر وہ کیا جانے ہے چنان و چنیں)

لیکن بلند پایہ ہمت اور ذاتی خصلت اجازت نہیں دیتی کہ انسان کمینے مرتبوں اور ادنیٰ سرمایوں کی طرف

اُتر آئے یا ان کی طرف توجہ کرے، اگر کہتا ہے تو اسی (حق تعالیٰ) کے بارے میں کہتا ہے اگرچہ کچھ نہیں کہتا ہے اور اگر تلاش کرے تو اسی کو تلاش کرے اگرچہ کچھ بھی نہیں پاتا ہے، اگر کچھ حاصل رکھتا ہے تو اسی کو رکھتا ہے اگرچہ کچھ بھی نہیں رکھتا ہے، اور اگر واصل ہے تو اسی کے ساتھ واصل ہے اگرچہ (یہ واصل ہونا) بیحاصلی ہے۔

بعض بزرگانِ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم العلیہ (اللہ تعالیٰ ان کے بلند رازوں کو پاکیزہ بنائے) کی عبارتوں میں جو شہودِ ذاتی واقع ہوا ہے اس کے معنی کاملین کے سوا کسی دوسرے پر ظاہر نہیں ہیں ناقصوں کے لئے ان کے معنی کا سمجھنا ناممکن ہے ؎

در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام | پس سخن کوتاہ باید والسلام

(ترجمہ: حالِ کامل جب نہ جانے کوئی خام | پھر تو خاموشی ہے بہتر۔ والسلام)

آپ نے اپنے مکتوب کے عنوان کو کلمۂ هُوَ الظَّاهِرُ هُوَ الْبَاطِنُ سے مزیّن فرمایا تھا۔

میرے مخدوم! ہو الظاہر ہو الباطن درست ہے لیکن کچھ عرصہ گذرا ہے کہ فقیر اس عبارت سے توحیدِ (وجودی) کے معنی نہیں سمجھتا، اور اس کے معنی سمجھتے ہیں علماء کے موافق ہے اور ان (علماء) کی درستی توحیدِ (وجودی) والوں کی درستی سے بڑھ کر معلوم ہوئی، کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ[1] (ہر ایک کے لئے وہی چیز آسان ہوتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ مصرعہ

ہر کسے را بہر کارے ساختند | (ترجمہ: ہر کسی کے واسطے اک کام ہے)

جو کچھ انسان پر لازمی ہے اور جس کے ساتھ وہ مکلّف ہے وہ اوامر کا بجالانا اور نواہی سے بچنا ہے (جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ (سورۂ حشر آیت ۵۹) (ترجمہ: جو کچھ تمہیں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو منع کریں اس سے رک جاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو) —— اور چونکہ انسان کو اخلاص کا حکم دیا گیا ہے اور یہ (اخلاص) فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور محبتِ ذاتیہ کے بغیر میسّر نہیں ہوتا اس لئے بالضرور فنا کے مقدمات یعنی مقاماتِ عشرہ[2]

---

[1] یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو بخاری و مسلم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا گیا ہے۔

[2] مقاماتِ عشرہ یعنی راہِ سلوک کے دس مقام ہیں جن میں سے پہلا مقام توبہ اور آخری مقام رضا ہے اور درمیان کے مقامات: زہد، توکل، صبر، قناعت، شکر، خوف، رجا، فقر ہیں۔ تفصیل کے لئے احیاء الدین، عوارف المعارف اور قوت القلوب وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔ جاننا چاہیے کہ مراتبِ کمال میں مقامِ رضا سے اوپر اور کوئی مقام متصور نہیں ہے اور مقامِ رضا کی حقیقت کما حقہٗ آخرت میں ظاہر ہوگی۔

(دس مقامات) کو حاصل کرنا چاہئے، اگرچہ فنا محض اللہ تعالیٰ کی بخشش (سے حاصل ہوتی) ہے لیکن اس کے مقدمات اور مبادی (ابتدائی امور) کسب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگرچہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ان مقدمات (ابتدائی امور) کا کسب کئے بغیر اور اپنی حقیقت کو ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعہ پاک صاف کئے بغیر حقیقتِ فنا سے مشرف کر دیئے جاتے ہیں۔ اور اس وقت اس کا حال دو صورتوں سے خالی نہیں ہے یا تو اس کو مقامِ نہایت النہایات میں روک لیتے ہیں یا اس کو ناقص لوگوں کی تکمیل کے لئے عالم (دنیا) کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔ پہلی صورت میں اس کی سیر مذکورہ بالا (دس) مقامات میں واقع نہیں ہوتی اور وہ تجلیاتِ اسمائی و صفاتی کی تفصیلات سے بے خبر رہتا ہے اور دوسری صورت میں جب اس کو عالم کی طرف لوٹاتے ہیں تو (رجوع کے وقت) اس کی سیر مقامات کی تفصیل پر واقع ہوتی ہے اور ان تجلیات سے جن کی انتہا نہیں ہے اس کو مشرف کرتے ہیں وہ (ظاہر میں) مجاہدہ کی صورت رکھتا ہے لیکن حقیقت میں کمال درجہ کے ذوق و لذت میں ہے، بظاہر ریاضت میں ہے لیکن باطن میں نعمت و لذت میں ہے۔ مصرع

این کارِ دولت است کنوں تا کرا دہند (ترجمہ: یہ ہے عظیم کام ، طے دیکھئے کسے)

اگر یہ کہا جائے کہ جب اخلاص ان احکامات میں سے ہے جن کا بجالانا واجب ہے[1] اور اس کی حقیقت فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتی تو نیک و ابرار عالم اور اچھے صالحین حضرات جو فنا کی حقیقت سے مشرف نہیں ہوئے ہیں وہ اخلاص کے ترک کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے۔ تو ہم (اس کے جواب میں) کہیں گے کہ نفسِ اخلاص ان کو حاصل ہے اگرچہ اخلاص کے بعض افراد کے ضمن میں ہو اور فنا حاصل ہونے کے بعد کمالِ اخلاص حاصل ہو جاتا ہے اور اس کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے اور اسی لئے (مشائخ قدس سرہم کے کلام میں) کہا گیا ہے کہ اخلاص کی حقیقت فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور (ان حضرات نے) یہ نہیں کہا کہ نفسِ اخلاص، فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

مکتوب ۳۹ سی و نہم

اس بیان میں کہ کام کا مدار و مدار دل پر ہے محض ظاہری اعمال اور رسمی عبادتوں سے کوئی مقصد

[1] قال اللہ تعالیٰ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ایضاً قولہ تعالیٰ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ

حاصل نہیں ہوتا، اور اسی قسم کے دیگر امور کے بارے میں، یہ بھی شیخ محمد چتری کی طرف ارسال فرمایا۔
حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل (جو کجی چشم سے پاک ہیں) اپنے غیر سے ہٹا کر اپنی پاک جناب کی طرف توجہ نصیب فرمائے۔

کام کا دار و مدار دل پر ہے، اگر دل حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے غیر کے ساتھ پھنسا ہوا ہے تو خراب و ابتر ہے محض ظاہری اعمال اور رسمی عبادتوں سے کوئی کام نہیں بنتا، اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف التفات کرنے سے دل کو بچانا اور اعمالِ صالحہ جو بدن سے تعلق رکھتے ہیں اور شریعت نے ان کے بجالانے کا حکم دیا ہے یہ دونوں امور ضروری ہیں،[1] بدنی اعمالِ صالحہ کے بجالانے کے بغیر دل کی سلامتی کا دعویٰ کرنا باطل ہے جس طرح اس دنیا میں بغیر بدن کے روح کا ہونا متصور نہیں ہے اسی طرح بدنی نیک اعمال کے بغیر دل کے احوال کا حاصل ہونا محال ہے۔ بہت سے ملحد (بے دین وگمراہ لوگ) اس زمانے میں اس قسم کے دعوے[2] کرتے ہیں۔ نَجَّانَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ مُعْتَقَدَاتِھِمُ السُّوْءِ بِصَدَقَۃِ حَبِیْبِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ (اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے صدقہ میں ہم کو ان کے ان برے اعتقادات سے نجات بخشے)۔

مقام اخلاص حاصل کرنے کے بیان میں جو کہ شریعت کے تین اجزا میں سے ایک جزو ہے اور اس جزو کے کامل کرنے میں طریقت اور حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں اور اس کی مثل دوسرے امور کے بیان میں، یہ بھی شیخ محمد چتری کی طرف صادر فرمایا۔

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَنُسَلِّمُ (ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں)۔ اے میرے مخدوم! سلوک کی منزلیں اور جذبہ کے مقامات طے کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس سیر و سلوک سے مقصود مقام اخلاص کا حاصل کرنا ہے جو آفاقی و انفسی (بیرونی و اندرونی) معبودوں کی فنا پر موقوف ہے اور یہ اخلاص

---

[1] قال اللہ تعالیٰ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۔ وایضاً قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلًا۔

[2] (یعنی وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو نیک اعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہمارے لئے قلبی احوال کافی ہیں (اعاذنا اللہ من ہذہ الخرافات)

طریقت اور حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں۔

شریعت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے کیونکہ شریعت کے تین جزو ہیں: علم، عمل اور اخلاص۔ پس طریقت اور حقیقت دونوں شریعت کے جزو اخلاص کو کامل کرنے میں شریعت کے خادم ہیں، اصلی مقصد تو یہی ہے، مگر ہر شخص کی سمجھ یہاں تک نہیں پہنچتی، اکثر اہلِ دنیا خواب وخیال کے ساتھ مطمئن ہوگئے ہیں اور انھوں نے اخروٹ اور منقی (یعنی معمولی چیزوں) کو کافی سمجھ لیا ہے، وہ شریعت کے کمالات کو کیا جانیں اور طریقت وحقیقت کی اصلیت تک کیسے پہنچ سکتے ہیں، یہ لوگ شریعت کو پوست خیال کرتے ہیں اور حقیقت کو مغز (گودا) جانتے ہیں اور نہیں جانتے کہ معاملہ کی حقیقت کیا ہے، وہ صوفیوں کی (حالتِ سکر میں کہی ہوئی) باطل باتوں پر دھوکا کھائے ہوئے ہیں اور احوال ومقامات پر فریفتہ ہیں۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ سَوَاءَ الطَّرِيْقِ وَالسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔

بلند مرتبہ وروشن سنتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی پیروی کرنے کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ طریقت وحقیقت دونوں شریعت کو کامل کرنے والی ہیں۔ اور علومِ شرعیہ وعلومِ صوفیہ کے درمیان جو کہ صدیقیت کے مقام میں (جو ولایت کے مرتبوں میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے فائض ہوتے ہیں ہرگز کوئی مخالفت نہیں ہے اور اس کے مناسب بیان میں شیخ درویش[ع] کی طرف صادر فرمایا۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے نبیؐ اور آپ کی بزرگ اولاد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل (ہمارے) ظاہر وباطن کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلند وروشن سنت کی پیروی سے زینت وآراستہ فرمائے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام جہانوں کے پروردگار (حق تعالیٰ) کے محبوب[له] ہیں،

له عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا وانا حبیب اللہ ولا فخر۔ (رواہ الترمذی والدارمی) یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب (محبوب) ہوں اور میں بغیر فخر کے کہتا ہوں"۔ جاننا چاہئے کہ اگرچہ تمام انبیاء ورسل بلکہ تمام مومنین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے محبوب ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ لیکن یہاں محبوبیت کے کمال کے اعلیٰ مرتبہ کا ذکر ہے۔

ع مکتوبات شریفہ میں شیخ درویش کے نام حسب ذیل تین مکتوبات ہیں: دفتر اول مکتوب ۴۱، ۴۲ اور ۹۷۔ آپ امرائے سلطنت میں سے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ تینوں مکتوبات میں نصائح کے علاوہ کسی نہ کسی کے لئے امداد وسفارش کا ذکر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل

جو چیز عمدہ اور پسندیدہ ہے وہ مطلوب و محبوب کے لئے ہے، اسی لئے حق سبحانہٗ وتعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم آیت ۴ ۶۸) (ترجمہ: بیشک (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ البتہ بڑے اخلاق والے ہیں) اور نیز حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (یٰسٓ آیت ۳ ۳۶) (ترجمہ: بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں اور سیدھے راستہ پر ہیں) اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (الانعام آیت ۱۵۳ ۶) (ترجمہ: بیشک یہ میرا راستہ سیدھا ہے پس تم اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو) ـــ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے (اس تیسری آیتِ کریمہ میں) آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملّت کو صراطِ مستقیم فرمایا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے طریقوں کو (محض) راستوں میں داخل فرمایا اور ان کی پیروی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور آنسرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا شکر ظاہر کرنے، مخلوق کو خبردار کرنے اور ان کو ہدایت کرنے کے طور پر فرمایا ہے خَيْرُ الْهُدٰى هَدْيُ مُحَمَّدٍ[1] (سب ہدایتوں سے بہتر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے)۔ نیز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا: اَدَّبَنِيْ رَبِّيْ فَاَحْسَنَ تَاْدِيْبِيْ[2] (ترجمہ: میرے رب نے مجھے ادب سکھایا پس مجھ کو بہت ہی اچھا ادب سکھایا) ـــ اور باطن ظاہر کی تکمیل کرنے والا ہے، اور اس کو مکمل کرنے والا ان دونوں میں بال بھر بھی مخالفت نہیں رکھتا۔ مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل میں جھوٹ کا خیال بھی نہ آنے دینا طریقت و حقیقت ہے (یعنی) اگر یہ خیال کا نہ آنے دینا تکلّف اور مشقّت سے ہے تو طریقت ہے اور اگر تکلّف کے بغیر حاصل ہے تو حقیقت ہے۔ پس دراصل باطن جو کہ طریقت و حقیقت کہلاتا ہے ظاہر کو جو کہ شریعت ہے پورا اور کامل کرنے والا ہے۔

پس اگر طریقت و حقیقت کے راستوں پر چلنے والوں کو اثنائے راہ میں ایسے امور پیش آئیں جو بظاہر شریعت کے خلاف ہوں تو وہ سُکرِ وقت (مستی) کی کیفیت اور وجد و حال کے غلبہ کے باعث ہوں گے، اگر اُن کو اس مقام سے گذار کر صحو (ہوش) میں لے آئیں تو یہ (شریعت سے) مخالفت بالکل رفع ہو جاتی ہے اور وہ متضاد (ایک دوسرے کے مخالف) علوم سب کے سب دُور ہو جاتے ہیں۔

---

[1] یہ حدیث امام مسلمؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

[2] اس حدیث کو ابن سمعانیؒ نے ادب الاملاء میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، امام سیوطی رحمہ اللہ نے جامع صغیر میں صحیح کہا ہے، اور امام سخاویؒ نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے معنی صحیح ہیں۔

مثلاً صوفیائے کرام کی ایک جماعت سُکر کی وجہ سے احاطۂ ذاتی کی قائل ہوئی ہے اور حق سبحانہ وتعالٰی کو بالذات (بلاکیف) عالَم کا محیط جانتے ہیں اور یہ حکم اہلِ حق علمائے کرام کی آراء کے مخالف ہے کیونکہ وہ (علمائے حق) احاطۂ علمی کے قائل ہیں[۱] حقیقت میں علماء کی آراء درستی کے زیادہ قریب ہیں - جبکہ یہی صوفیائے کرام اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ ذاتِ حق تعالٰی وتقدس کسی حکم کی پابند نہیں ہوتی اور کسی علم سے معلوم نہیں ہوتی تو اس میں احاطہ وسریان (سرایت کرنا) کا حکم لگانا اس قول کے مخالف ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حق تعالٰی کی ذات بیچون وبیچگون (بے مثل وبے کیف) ہے کسی حکم کو اس ذات کی طرف راہ نہیں، وہاں صرف حیرت ونادانی ہے اور اس مقام میں خالص جہل اور محض حیرانی وپریشانی ہے، اس پاک بارگاہ میں احاطہ وسریان کی کیا مجال، مگر یہ کہ ان صوفیائے کرام کی جانب سے جو ان احکام کے قائل ہیں یہ عذر کیا جائے کہ ذات سے ان کی مراد تعین اول ہے اور چونکہ وہ اس (تعین اول) کو متعین پر زائد نہیں جانتے اس لئے اس تعین کو عینِ ذات کہتے ہیں اور وہ تعین اول جس کو وحدت سے تعبیر کیا گیا ہے تمام ممکنات میں جاری وساری ہے تو اس لحاظ سے) احاطۂ ذاتی کا حکم کرنا درست ہے -

یہاں ایک دقیقہ (باریک نکتہ) ہے، جاننا چاہئے کہ حق تعالٰی کی ذات علمائے اہلِ حق کے نزدیک بے چون وبے چگون (بے مثل وبے کیف) ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے اس پر زائد ہے، وہ تعین بھی اگر ان کے نزدیک ثابت ہو جائے تو زائد ہی ہوگا اور اس کو حضرت بیچون (بے مثل) کی ذات سے باہر ہی جانیں گے اس لئے اس کے احاطہ کو احاطۂ ذاتی نہیں کہیں گے . پس علماء کی نظر ان صوفیوں سے بلند ہوئی، اور اُن صوفیوں کے نزدیک جو ذاتِ حق ہے وہ ان علماء کے نزدیک ماسوا میں داخل ہے اور قرب ومعیتِ ذاتی بھی اسی قیاس پر ہے - اور باطنی معارف اور شریعت کے ظاہری علوم کے درمیان اس حد تک پورے کامل طور پر موافقت کا ہونا کہ چھوٹی سے چھوٹی چیزوں میں بھی مخالفت کی مجال نہ رہے صدیقیت کے مقام میں حاصل ہوتی ہے جو ولایت کے مقامات میں سب سے اعلٰی مقام ہے اور صدیقیت کے مقام کے اوپر مقامِ نبوت ہے، جو علوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے پہنچے ہیں وہ صدیق (رضی اللہ عنہ) کو الہام کے ذریعہ منکشف ہوئے ہیں - ان دونوں علموں (علمِ نبی وعلم صدیق) میں وحی اور الہام کے فرق کے سوا اور کوئی فرق نہیں ہے تو پھر دونوں میں مخالفت کی کیا مجال ہوگی - اور مقامِ صدیقیت سے نیچے

---

[۱] اس مسئلہ میں حضرت مجددؒ کی تحقیق وہ ہے جو جلد اول مکتوب ۲۶۶ میں آپ نے تحریر فرمائی ہے -

جو مقام بھی ہوگا اس میں ایک قسم کا سُکر پایا جائیگا، کامل صحو (پوری طرح ہوش) مقامِ صدیقیت میں ہے اور بس۔

وحی اور الہام میں فرق

اور ان دونوں علموں کے درمیان دوسرا فرق یہ ہے کہ وحی کا حکم قطعی ہے اور الہام کا ظنّی، کیونکہ وحی فرشتے کے واسطے سے آتی ہے اور فرشتے معصوم[1] ہیں اور ان میں خطا کا احتمال نہیں ہے، الہام اگرچہ بلند مقام رکھتا ہے جو کہ قلب ہے اور قلب عالم امر سے ہے لیکن قلب کا عقل اور نفس کے ساتھ ایک قسم کا تعلق ثابت ہے اور نفس اگرچہ تزکیہ کے ساتھ مطمئنہ ہو گیا ہو لیکن، بیت

ہر چند کہ مطمئنہ گردد	ہرگز ز صفاتِ خود نہ گردد
(ترجمہ: نفس گو مطمئنہ ہو جائے	خاصیت اپنی چھوڑتا ہی نہیں)

اس لئے اس مقام میں خطا کی گنجائش ظاہر ہو گئی۔

جاننا چاہیئے کہ نفس کے مطمئنہ ہو جانے کے باوجود اس کی صفات کے باقی رکھنے میں بہت سے فائدے اور منافع ہیں، اگر نفس کو اس کی اپنی صفات کے ظہور سے بالکل روک دیا جائے تو ترقی کا راستہ بند ہو جائے گا اور روح فرشتے کا حکم پیدا کرلے گی اور اپنے (ایک ہی) مقام میں بند ہو کر رہ جائے گی (کیونکہ) اس (روح) کی ترقی نفس کی مخالفت کے سبب سے ہے اگر نفس میں مخالفت نہ رہے تو (روح کو) ترقی کہاں سے ہوگی۔

سرورِ کائنات علیہ من التحیات اتمہا ومن التسلیمات اکملہا جب کفار کے جہاد سے واپس تشریف لائے تو فرمایا رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ[2] (یعنی ہم نے جہادِ اصغر (قتال بالکفار) سے جہادِ اکبر (جہادِ نفس) کی طرف رجوع کیا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں نفس کے جہاد کو جہادِ اکبر فرمایا۔

اور اس مقام میں نفس کی مخالفت عزیمت اور اولیٰ کے ترک کرنے میں ہے بلکہ حتی الامکان اس ترکِ عزیمت کا ارادہ کرنے میں ہے کیونکہ اس مقام میں نفس کی مخالفت ترکِ عزیمت کے تحقق و ثبوت سے ناممکن ہے اور اسی ارادہ کی وجہ سے اس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بارگاہ میں اسقدر ندامت و پشیمانی، التجا اور آہ و زاری حاصل ہوتی ہے کہ ایک سال کا کام اس کو ایک گھڑی میں حاصل ہو جاتا ہے۔

---

[1] قال اللہ تعالیٰ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (تحریم آیت ۶) یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ ان کو حکم دیتا ہے وہی کرتے ہیں۔ نیز فرمایا وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ الآیہ (مریم آیت ۶۴)

[2] اس حدیث کو خطیبؒ نے اپنی تاریخ میں حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے اور علامہ سیوطیؒ نے اس کی تائید میں متعدد حدیثیں نقل کی ہیں۔

آنحضرتؐ کی متابعت حق تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے

اب ہم اصل بات بیان کرتے ہیں، یہ بات (شرعی اور عقلی طور پر) مقرر و ثابت ہے کہ جس چیز میں محبوب کے اخلاق و عادات پائے جائیں محبوب کے تابع ہونے کی وجہ سے وہ چیز بھی محبوب ہو جاتی ہے اور آیتِ کریمہ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران آیت ۳۱ پ۳) (یعنی تم میری پیروی کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے) میں اس رمز کا بیان ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت میں کوشش کرنا مقامِ محبوبیت تک لیجانے والی ہے۔ پس ہر عقلمند سمجھ دار شخص پر واجب ہے کہ ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کامل طریقے پر اتباع کرے۔

بات بہت لمبی ہو گئی، معذور فرمائیں۔ بات کا جمال چونکہ جمیلِ مطلق (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ہے تو جسقدر بھی لمبی ہو جائے اچھا ہی ہے: لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (الکہف آیت ۱۰۹ پ۱۸) (یعنی اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائیں تو سمندر ختم ہو جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم اتنے ہی اور سمندر لے آئیں)۔

اب بات کو کسی اور طرف لیجانا چاہیے۔ اس دعائیہ خط کا حامل مولانا محمد حافظ، صاحبِ علم اور کثیر العیال (بال بچہ دار) ہے، گذارہ کے اسباب حاصل نہ ہونے کی وجہ سے لشکر کی طرف متوجہ ہوا ہے اگر توجہ فرما کر فتح کی نشان والی اور سرداری و شرافت کے مرتبہ والی سرکار شیخ جیو سے وظیفہ یا کچھ امداد مذکورہ شیخ کے لئے حاصل کر دیں تو آپ کی عین نوازش ہوگی، زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔

مکتوب ۴۲ چہل و دوم

اس بیان میں کہ قلب کی حقیقتِ جامعہ سے غیر اللہ کی محبت کا زنگ دور کرنے کے لئے سب سے بہتر مصقلہ (زنگ دور کرنے والی چیز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنا ہے۔

یہ بھی شیخ درویش کی طرف صادر فرمایا۔

سَلَّمَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَسُبْحَانَهٗ وَاَبْقَاكُمْ (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو سلامت اور قائم رکھے)۔ انسان جب تک پراگندہ تعلقات کی میل کچیل سے آلودہ ہے (محبوبِ حقیقی سے) محروم اور مہجور (جدا) ہے حقیقتِ جامع[1]

---

[1] جاننا چاہیے کہ قلبِ صنوبری (جسمانی دل) قلبِ حقیقی کا آشیانہ ہے اور قلبِ حقیقی جس کو حقیقتِ جامع بھی کہتے ہیں عالمِ امر سے ہے۔

(دل) کے آئینہ کو غیر اللہ کی محبت کے زنگ سے صاف کرنا ضروری ہے، اور اس زنگ کو دُور کرنے کے لئے سب سے بہتر مصقلہ (زنگ دُور کرنے والی چیز) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشن و بلند سنت کی پیروی کرنا ہے۔ اتباعِ سنت کا وارد و دار نفسانی عادتوں کے ہٹانے اور ظلمانی رسموں کے دور کرنے پر ہے ــــ

فَطُوْبٰی لِمَنْ شُرِّفَ بِهٰذِهِ النِّعْمَةِ الْعُظْمٰی وَوَیْلٌ لِّمَنْ حُرِمَ مِنْ هٰذِهِ الدَّوْلَةِ الْقُصْوٰی

(ترجمہ: پس اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس کو اس بڑی نعمت کا شرف حاصل ہوا اور اس شخص کے لئے افسوس ہے جو اس اعلیٰ دولت سے محروم رہا)۔

باقی مطلب یہ ہے کہ میرے عزیز بھائی جناب میاں مظفر ولد شیخ گھورن مرحوم امراء و شرفاء میں سے ہیں اور بزرگوں کی اولاد ہیں، ان کے متعلقین بہت سے لوگ ہیں اور ان کی حالت قابلِ رحم ہے، زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (آپ پر اور ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر سلام ہو)۔

مکتوب ۴۳
چہل و سوم

اس بیان میں کہ توحید دو[۲] قسم کی ہے شہودی[۱] اور وجودی[۲]، اور جو توحید کہ ضروری ہے وہ توحیدِ شہودی ہے جس کے ساتھ فنا وابستہ ہے اور توحیدِ شہودی عقل اور شرع کے مخالف نہیں ہے بخلاف توحیدِ وجودی کے اور ان مشائخ کے اقوال کو جو توحید کے دیکھنے والے ہیں توحیدِ شہودی کی طرف تاویل کرنی چاہیئے تاکہ مخالفت کی گنجائش نہ رہے اور توحیدِ شہودی عین الیقین کے مقام میں ہے جو کہ حیرت کا مقام ہے اور جب اس مقام سے گذر کر حق الیقین کے مقام میں پہنچتے ہیں تو اس قسم کے احوال سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ اور اس مضمون کے مناسب سوالات و جوابات اور وضاحت کرنے والی مثالوں کے بیان میں، سرداری کی پناہ والے اور شرافت کے سرمایہ والے شیخ فرید[۱] بخاری کی طرف صادر فرمایا۔

---

[۱] سیادت پناہ نواب شیخ فرید بخاری کے نام مکتوبات شریفہ میں کُل بائیس[۲۲] مکتوبات ہیں یعنی دفتر اول مکتوب نمبر ۴۳ تا ۴۵ - ۶۳ - ۶۴ - ۱۰۳ - ۱۵۲ - ۱۶۳ - ۱۶۵ - ۱۹۳ - ۲۱۳ - ۲۳۳ - ۲۶۹ - جہانگیر بادشاہ نے آپ کی حسنِ خدمات کے صلہ میں مرتضیٰ خاں کا خطاب سرفراز کیا (توزکِ جہانگیری ص ۳۲) غالباً اسی بنا پر مکتوب ۲۶۹ میں مرتضیٰ خاں نام درج ہے۔ شیخ فرید ولد شیخ احمد صحیح النسب سید تھے، آپ کا نسب نو واسطوں سے حضرت سید جلال الدین اعظم حسینی بخاری تک پہنچ کر ستائیس[۲۷] واسطوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہی ہوتا ہے (از تجلیاتِ ربانی ص ۵۶) شیخ فرید دہلی میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علوم کے بعد اکبر بادشاہ کے ملازم ہو گئے (باقی بر صفحہ آئندہ)

سَلَّمَکُمُ اللہُ تَعَالٰی وَسُبْحَانَہٗ وَعَصَمَکُمْ عَمَّا یَصِمُکُمْ وَصَانَکُمْ عَمَّا شَانَکُمْ (اللہ تعالیٰ آپ کو (ظاہری و باطنی آفتوں سے) سلامت رکھے اور اس چیز سے بچائے جو آپ کو عیب لگائے اور اس چیز سے محفوظ رکھے جو آپ کے لئے برائی کا سبب ہو)۔

توحید وجودی و شہودی کا بیان

جو توحید مرحلہ سلوک طے کرنے کے عرصہ میں اس بزرگ گروہ (صوفیائے کرام) کو حاصل ہوتی ہے وہ دو قسم کی ہے: توحیدِ وجودی[1] اور توحیدِ شہودی[2]۔ توحید شہودی ایک ذات ہی کو دیکھنا ہے یعنی سالک کو ایک ذات کے سوا کچھ مشہود نہیں ہوتا اور توحیدِ وجودی ایک ہی ذات کو موجود جاننا ہے اور اس کے غیر کو نیست و نابود سمجھنا (اور اس ایک ذات کے سوا باقی سب کو) عدم (یعنی نیست و نابود) جاننے کے باوجود اس کی جلوہ گاہیں اور مظاہر کو ایک سمجھنا ہے۔ پس توحیدِ وجودی علم الیقین کی قسم سے ہے اور توحیدِ شہودی عین الیقین کی قسم سے، توحیدِ شہودی اس راستہ کی ضروریات میں سے ہے کیونکہ فنا اس توحید کے بغیر متحقق نہیں ہوتی، اور مرتبۂ عین الیقین بھی اس کے بغیر میسر نہیں ہوتا کیونکہ اس (ذات) کے غلبہ کے باعث ایک کو دیکھنے سے اس کے ماسوا کا نہ دیکھنا لازم آتا ہے بخلاف توحیدِ وجودی کے کہ وہ ایسی نہیں ہے یعنی اس میں ایسا ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ علم الیقین اس معرفت کے بغیر حاصل ہے اس لئے کہ (کسی چیز کا) علم الیقین حاصل ہونے سے اس کے ماسوا کی نفی لازم نہیں آتی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس ایک کے علم کے غلبہ کے وقت اس کے ماسوا کے علم کی نفی لازم آتی ہے۔

مثلاً جس شخص کو آفتاب کے وجود کا یقین حاصل ہوگیا تو اس کو اس یقین کے غلبہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس وقت ستاروں کو معدوم اور نیست و نابود جانے، لیکن جس وقت وہ آفتاب کو دیکھے گا تو یہ ضروری ہے کہ وہ ستاروں کو نہیں دیکھ سکے گا اور آفتاب کے سوا اس کو اور کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اور اس وقت جبکہ وہ ستاروں کو نہیں دیکھ رہا ہے جانتا ہے کہ ستارے نیست و نابود نہیں ہیں بلکہ جانتا ہے کہ ستارے موجود ہیں لیکن چھپے ہوئے ہیں اور آفتاب کے نور کی روشنی میں مغلوب ہیں اور یہ شخص اس جماعت (گروہ) کے خیال کا انکار کرتا ہے جو اس وقت میں ستاروں کے وجود کی نفی کرتے ہیں اور جانتا ہے کہ یہ معرفت

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) اور اپنی معاملہ فہمی، ذہانت، ایمانداری، دیانتداری اور بہادری کی وجہ سے بہت جلد شہرت حاصل کرلی۔ گجرات اور پنجاب کے گورنر بھی رہے۔ شیخ فرید درویش صفت امیر تھے جن پر مشائخ کو بھی رشک آتا تھا۔ آپ کا دستر خوان بڑا وسیع تھا۔ شیخ کے رہنے کا مکان بھی معمولی سا تھا لیکن جگہ جگہ سرائیں تعمیر کرائیں۔ غرض شیخ فضائل کثیرہ کے حامل تھے۔ ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی۔ چراغ دہلی کے راستہ پر آپ کا مزار ہے۔

(حاشیہ صفحۂ ہذا) [1] علم الیقین کا مطلب بالتفصیل اور عین الیقین و حق الیقین کا اجمالی طور پر حضرت مجددؒ نے دفتر دوم مکتوب ۴۴ میں بیان کیا ہے۔

یعنی ستاروں کے وجود کی نفی کرنا خلافِ واقع ہے ـــ پس توحیدِ وجودی کہ جس میں ایک ذات واحد حق تعالیٰ تقدس کے ماسوا کی نفی کا نام ہے عقل و شرع کے خلاف ہے، بخلاف توحیدِ شہودی کے کہ (صرف) ایک دیکھنے میں (عقل و شرع کی) کوئی مخالفت نہیں ہے، مثلاً آفتاب کے طلوع ہونے کے وقت ستاروں کی نفی کرنا اور ان کو نیست و نابود جاننا حقیقت کے خلاف ہے لیکن ستاروں کو اس وقت نہ دیکھنے میں (عقل و شرع کی) کچھ مخالفت نہیں ہے بلکہ یہ نہ دیکھنا آفتاب کے نور کے ظاہر ہونے کے غلبہ اور دیکھنے والے کی نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے ہے۔ اگر دیکھنے والے کی نگاہ اسی آفتاب کے نور سے سرمہ آلود ہو جائے (یعنی روشن ہو جائے) اور قوت پیدا کرلے تو وہ ستاروں کو آفتاب سے جدا دیکھ لے گا اور یہ دیکھنا حق الیقین کے مقام میں سے ہے۔

پس بعض مشائخ کے جو اقوال ظاہر میں شریعتِ حقہ کے مخالف نظر آتے ہیں اور بعض لوگ ان اقوال کو توحیدِ وجودی سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً ابن منصور[1] الحلاج کا اَنَا الْحَقُّ کہنا اور بایزید بسطامی[2] کا سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ کہنا اور اسی قسم کے دوسرے اقوال، بہتر اور مناسب یہ ہے کہ ان اقوال کو توحیدِ شہودی پر محمول کیا جائے اور (عقل و شریعت کی) مخالفت کو دور کیا جائے، جس وقت ماسوائے حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان کی نظر سے پوشیدہ ہو گیا تو اس حالت کے غلبہ کے وقت ان بزرگوں نے یہ الفاظ کہہ دیئے، اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سوا اور کچھ ثابت نہیں کیا۔ انا الحق کے معنی یہ ہیں کہ حق ہے نہ کہ میں ـــ چونکہ وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتا اس لئے اپنے آپ کو ثابت نہیں کرتا، نہ یہ کہ وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور اس کو حق کہتا ہے یہ البتہ کفر ہے۔

یہاں کوئی شخص یہ نہ کہے کہ اثبات نہ کرنا (غیر حق کی) نفی تک پہنچا دیتا ہے اور یہ عین توحیدِ وجودی ہے کیونکہ ہم (اس کے جواب میں) کہتے ہیں کہ اثبات نہ کرنے سے (غیر حق کی) نفی لازم نہیں آتی،

---

[1] ابن منصور یعنی حسین بن منصور حلاج، کنیت ابو المغیث، وطن بیضائے فارس ہے۔ منصور حلاج کے حالات سے متعلق کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے آپ کو اولیائے کرام میں شمار کیا ہے اور بعض نے آپ کو گمراہ کہا ہے۔ بہرحال حکومتِ وقت نے شریعت کی خلاف ورزی کے جرم میں ۲۴ ذیقعدہ ۳۰۹ھ / ۹۲۲ء منگل کے دن بغداد میں آپ کو قتل کر دیا۔

[2] آپ کا اسم گرامی طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشان تھا اور کنیت ابو یزید، لقب سلطان العارفین اور وطن بسطام تھا اسی لئے بسطامی مشہور ہوئے۔ آپ کے دادا آتش پرست تھے بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ نے حضرت جعفر صادقؒ کی روحانیت سے فیض حاصل کیا۔ احمد خضرویہ، ابو حفص، یحییٰ بن معاذ کے ہم عصر ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے تھے کہ راہِ توحید کے سالکوں کی انتہا بایزید کی ابتدا کے برابر ہے۔ تہتر۷۳ سال کی عمر میں ۲۳۴ھ یا ۲۶۱ھ ۱۵ شعبان کو بسطام میں وفات پائی۔

بلکہ اس مقام میں حیرت ہے، یہاں تمام احکام ساقط ہو چکے ہیں — اور سبحانی کہنے میں بھی حق تعالیٰ کی تنزیہ ہے نہ کہ اس کی اپنی، کیونکہ وہ خود اپنی نظر سے پوری طرح دور ہو چکا ہے اور کوئی حکم اس کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا۔ اور اس قسم کی باتیں عین الیقین کے مقام میں جو کہ حیرت کا مقام ہے بعض سالکوں سے ظاہر ہوتی ہیں اور جب اس مقام سے ترقی دے کر حق الیقین کے مقام میں پہنچاتے ہیں تو وہ بزرگ اس قسم کے کلمات سے اجتناب کرنے لگتے ہیں اور اعتدال کی حد سے تجاوز نہیں کرتے۔

ہمارے زمانے میں اس گروہ کے بہت سے لوگ جو صوفیوں کے لباس میں اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں توحیدِ وجودی کو عام کرنے میں مصروف ہیں اور اس کے عام کرنے ہی کو کمال سمجھتے ہیں اور عین الیقین کی بجائے علم الیقین ہی میں رُکے ہوئے ہیں اور اقوالِ مشائخ کی تاویل اپنے خیال کے مطابق کرتے ہیں اور خود کو مقتدائے زمانہ بنائے بیٹھے ہیں اور اپنے کھوٹے (بے رونق) . . . . . بازار کو ان خیالی باتوں کے ساتھ رونق دے رہے ہیں۔ اور اگر بالفرض گذشتہ زمانے کے بعض مشائخ کی عبارتوں میں جو ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے واضح طور پر توحیدِ وجودی ظاہر ہوتی ہے تو ان کی ایسی باتوں پر یہ قیاس کرنا چاہئے کہ انھوں نے ابتداء میں علم الیقین کے مقام میں اس قسم کے الفاظ کہے ہیں، اور آخر کار ان کو اس مقام سے ترقی دیکر عین[1] الیقین تک لے گئے ہیں۔

اس جگہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ توحیدِ وجودی والے حضرات بھی جس طرح ایک ہی ذات کو جانتے ہیں (اسی طرح) ایک ہی کو دیکھتے بھی ہیں پس ان کو عین الیقین سے بھی کچھ حصہ حاصل ہے۔ تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس توحید (وجودی) والے حضرات نے توحیدِ شہودی کی مثالی صورت[2] کو دیکھا ہے نہ یہ کہ وہ اس توحید (شہودی) کے ساتھ متحقق ہو گئے ہیں، توحیدِ شہودی کو اپنی اس مثالی صورت کے ساتھ

---

[1] جیسا کہ بعض عارفوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی عارف اپنے شعور سے بالکل بے خبر ہو جائے اور اپنے آپ کو وہی دیکھے اور ہُو ہُو کہے تو وہ معذور ہے کیونکہ وہ اپنی حقیقت حال سے واقف نہیں ہے اور جب وہ ہوشیار ہو جاتا اور اپنی حقیقتِ حال سے خبردار ہو جاتا ہے تو پھر خود ہی کہتا ہے کہ میرا کمال یہ ہے کہ میں عبد اللہ (اللہ کا بندہ) ہوں، چنانچہ حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں کہ اگر میں نے کسی دن سبحانی ما اعظم شانی کہا تو میں اس روز کافر مجوسی ہوں اور میں آج اپنا زُنّار توڑتا ہوں اور کہتا ہوں اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ (از رسالہ عقائد صوفیہ)

[2] کسی چیز میں اور اس کی مثالی صورت میں بہت فرق ہے اور اسی طرح کسی چیز کے دیکھنے میں اور اس چیز سے متصف ہونے میں نمایاں فرق ہے سمجھیے۔

کچھ مناسبت نہیں ہے، کیونکہ اس توحید کے حاصل ہونے کے وقت حیرت ہے، اس مقام میں کسی امر کے ساتھ حکم نہیں لگایا جاسکتا اور توحیدِ وجودی والا اُس توحیدِ شہودی کی مثالی صورت کا مشاہدہ کرنے کے باوجود علم الیقین والوں میں سے ہے کیونکہ وہ ماسوا اللہ کے وجود کی نفی کرتا ہے، اور یہ نفی مقولہ علم الیقین کے احکام میں سے ایک حکم ہے، اور حیرت اور علم ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

پس ثابت ہو گیا کہ توحیدِ وجودی والے کو عین الیقین سے کچھ بھی حصہ حاصل نہیں ہے، ہاں البتہ توحیدِ شہودی والے حضرات کو اگر مقام حیرت کے بعد ترقی واقع ہو جائے تو معرفت کے مقام میں جو کہ حق الیقین ہے پہنچ جاتے ہیں اور اس مقام میں علم اور حیرت دونوں جمع ہو جاتے ہیں اور جو علم مقامِ حیرت کے بغیر اور مقامِ حیرت سے پہلے ہے وہ علم الیقین ہے۔

یہ جواب ایک مثال سے واضح ہو جاتا ہے مثلاً کسی شخص نے اپنے اندر بادشاہت کے مقام کے ساتھ مناسبت رکھنے کی وجہ سے خواب میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھا اور بادشاہت کے لوازم (یعنی لینا دینا، حکم کرنا، منع کرنا، تخت نشین ہونا، اور شاہانہ لباس و تاج پہننا وغیرہ) اپنے اندر پائے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ وہ بادشاہ نہیں ہوا ہے بلکہ بادشاہت کی مثالی صورت کو اپنے آپ میں دیکھا ہے اور حقیقت میں بادشاہت کو اس مثالی صورت کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے۔ ہاں وہ شہود اگرچہ مثالی صورت میں ہوا ہے لیکن اس مثالی صورت کی حقیقت سے اس شخص کے متصف ہونے کی استعداد کی خبر دیتا ہے، اگر وہ شخص بہت ریاضت و مجاہدہ کرے اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی عنایت بھی اس کے شامل حال ہو جائے تو اس (بلند) مقام (بادشاہت) پر پہنچ جائے لیکن قوت سے فعل (یعنی قابلیت سے حصول) تک پہنچنے میں بہت فرق ہے، بہت سے لوہے آئینہ بننے کی قابلیت رکھتے ہیں لیکن جب تک وہ آئینہ نہ بن جائیں بادشاہوں کے ہاتھ میں نہیں پہنچتے اور ان کا جمال حاصل نہیں کر سکتے۔

میں کہاں پہنچ گیا، مگر میں کہتا ہوں کہ ان دقیق (پیچیدہ و مشکل) علوم کے لکھنے کا سبب یہ ہے کہ اس زمانے کے اکثر لوگ بعض تقلید کے طور پر اور بعض (بغیر ذوق کے) محض علم کی بنا پر اور بعض ذوق ملے ہوئے علم کے ساتھ اگرچہ قلیل ہو اور بعض الحاد و زندقہ (بے دینی) کے باعث اس توحیدِ وجودی سے وابستہ ہیں اور سب کچھ حق تعالیٰ سے جانتے ہیں بلکہ حقیقت میں سب کو حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اس حیلہ سے اپنی گردنوں کو شرعی پابندیوں کی رسی سے آزاد کرتے ہیں اور شرعی احکام بجا لانے میں سستی

کرتے ہیں اور اس معاملہ پر بہت ہی مسرور و خوش ہیں، اور اگر شرعی احکامات کے بجالانے کا اقرار بھی کریں تو ان کو طفیلی جانتے ہیں اور اصلی مقصود شریعت کے سوا کچھ اور خیال کرتے ہیں حَاشَا وَ کَلَّا ثُمَّ حَاشَا وَ کَلَّا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ ھٰذَا الْاِعْتِقَادِ السُّوْءِ (ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسے بُرے اعتقاد سے ہم کو بچائے)

طریقت اور شریعت ایک دوسرے کا عین ہیں، ان کے درمیان بال برابر بھی مخالفت واقع نہیں ہے فرق صرف اجمال و تفصیل اور استدلال و کشف کا ہے، جو کچھ بھی شریعت کے مخالف ہے وہ مردود ہے کُلُّ حَقِیْقَۃٍ رَدَّتْہُ الشَّرِیْعَۃُ فَھُوَ زَنْدَقَۃٌ (ہر وہ حقیقت جس کو شریعت نے رد کر دیا ہو زندقہ (بے دینی) ہے) شریعت کو اپنی جگہ پر قائم رکھ کر حقیقت کو طلب کرنا بہادروں کا کام ہے، رَزَقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمُ الْاِسْتِقَامَۃَ عَلٰی مُتَابَعَۃِ سَیِّدِ الْبَشَرِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ ظَاھِرًا وَّبَاطِنًا (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو ظاہر و باطن میں حضرت سید البشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر استقامت نصیب فرمائے۔ آمین۔)

طریقت اور شریعت ایک دوسرے کا عین ہیں

معرفت کی پناہ والے ہمارے قبلہ گاہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کچھ عرصہ تک توحید وجودی کا مشرب رکھتے تھے اور اپنے رسالوں اور مکتوبات میں بھی اس کا اظہار فرمایا کرتے تھے، لیکن آخر کار حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی نہایت مہربانی کے ساتھ اس مقام سے ترقی عطا فرما کر شاہراہ پر ڈال دیا اور اس معرفت کی تنگی سے رہائی عنایت فرمائی۔ میاں عبد الحق[1] نے جو کہ حضرت قدس سرہٗ کے مخلص دوستوں میں سے ہیں بیان کیا ہے کہ حضرت (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ نے اپنی مرض موت سے ایک ہفتہ پہلے فرمایا کہ "مجھ کو عین الیقین سے معلوم ہو گیا کہ توحید وجودی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ اور ہی ہے"۔ اس سے پہلے بھی میں جانتا تو تھا لیکن اب ایک قسم کا دوسرا یقین حاصل ہو گیا ہے۔ اور یہ فقیر (حضرت مجدد قدس سرہ) بھی کچھ مدت تک حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی خدمت میں اسی توحید وجودی کا مشرب رکھتا تھا اور اس طریقہ کی تائید میں بہت سے کشفی حالات و واردات ظاہر ہوتے تھے لیکن حق تعالیٰ جل شانہٗ کی عنایت نے اس مقام سے ترقی دے کر اس مقام کے ساتھ جس کو کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا مشرف فرمایا ہے اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہے۔

میاں شیخ زکریا[2] اپنے پرگنہ (ضلع کا ایک حصہ) سے بار بار لکھتے ہیں اور آپ کی خدمت عالیہ میں

۱؎ غالباً حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ مراد ہیں ——— ۲؎ شیخ زکریا، برادر شیخ سلطان (یعنی حضرت مجددؒ کے خسر) ہیں جو کسی پرگنہ کے کروڑی (تحصیلدار) تھے (زبدۃ المقامات ۲۴۷ وغیرہ) دفتر اول مکتوب ۵ میں بھی شیخ زکریا کیلئے سفارش فرمائی ہے۔

بہت نیازمندی کی نسبت ظاہر کرتے ہیں اور کروڑی گری (یعنی تحصیلداری کے عہدہ) سے ہراساں و پریشان ہیں اور عالم اسباب میں آپ کی بزرگ جناب میں التجا و اعتصام رکھتے ہیں بظاہر آپ کی بلند توجہ کے بغیر اور کوئی ٹھکانا اور جائے پناہ نہیں رکھتے، امیدوار ہیں کہ جس طرح پہلے آپ ان پر نوازش فرماتے رہے ہیں اب بھی دستگیری (مدد) فرماتے رہیں گے اور حوادث کے بھیڑیوں سے ان کو محفوظ رکھیں گے، کمالِ ادب کے باعث آپ کی خدمت میں عرض کرنے کی جرأت نہیں کرتے، فقیر کے ذریعہ اپنے احوال کا اظہار چاہتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ ان کا سوال قبول فرمائیں گے۔

یہ مکتوب گرامی بھی سرداری و تعریف کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف حضرت خیر البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح و نعت میں اور اس بیان میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شریعت کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے بہتر ہیں اور آپ کی شریعت کے جھٹلانے والے اور منکر لوگ بنی آدم میں سب سے بدتر ہیں، اور آپ کی روشن سنت کی پیروی کی ترغیب میں تحریر فرمایا۔

آپ کا بزرگ و بلند مرحمت نامہ عزیز ترین زمانہ میں شرف صدور ہوا اور اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حمد و احسان ہے کہ آپ نے فقرِ محمدی علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والسلام کی کچھ میراث حاصل کی ہے، فقراء سے محبت کرنا اور ان سے میل جول رکھنا اسی کا نتیجہ ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ بے سروساماں فقیر اس کے جواب میں اس کے سوا اور کیا لکھے کہ عربی عبارت میں چند فقرے جو آپ کے جدِ بزرگوار خیر العرب (یعنی جو اہلِ عرب میں سب سے بہتر اور اہلِ عجم میں بدرجۂ اولیٰ سب سے بہتر ہیں) صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں ماثور ہیں لکھدے اور اس سعادت نامہ کو اپنی آخرت کی نجات کا وسیلہ بنائے۔ اور اس سے مقصود یہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و تعریف کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اپنے کلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس تذکرہ سے آراستہ و مزین کرے۔ شعر

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ ... لٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

(ترجمہ شعر فارسی: گر در سخن نہ گفتم وصفِ محمدی را ... لیکن سخن ستودم با نسبتِ محمدؐ

(ترجمہ شعر اردو): ادا حق ہو نہیں سکتا محمدؐ کی ستائش کا　　مگر مقبول ہوگا اس کی برکت سے سخن میرا

(یعنی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کا حق ادا نہیں کر سکتا لیکن آپ کے اِسم گرامی سے اپنے کلام کو آراستہ و مزین کرتا ہوں)

حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار ہیں[1] اور قیامت کے روز آپؐ کے تابع و فرمانبردار تمام انبیائے کرام کے تابع و فرمانبرداروں سے زیادہ ہوں گے، اور آپؐ[2] اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب[ع] اولین و آخرین سے زیادہ بزرگ و معزز ہیں، آپؐ[3] قیامت کے روز سب سے پہلے قبر مبارک سے باہر تشریف لائیں گے اور آپؐ ہی سب سے اول شفاعت کریں گے اور سب سے پہلے آپؐ ہی کی شفاعت قبول کی جائے گی اور آپؐ ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے پس اللہ تعالیٰ آپؐ کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیگا، اور آپؐ[4] ہی قیامت کے روز لواءِ حمد (اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش کا جھنڈا) اٹھانے والے ہیں حضرت آدمؑ اور دیگر تمام انبیا علیہم السلام اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے، اور وہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام[5] ہی کی ذات گرامی ہے جس نے فرمایا نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ وَنَحْنُ السَّابِقُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الحدیث یعنی قیامت کے دن ہم ہی (وجود و ظہور کے اعتبار سے) آخرین ہیں اور ہم ہی (مرتبہ اور روزِ قیامت قبر سے اٹھنے کے اعتبار سے) سابقین و اولین ہیں۔ اور آپؐ نے فرمایا[6] "میں یہ بات بغیر کسی فخر کے کہتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں، اور میں تمام انبیاء و مرسلین کا قائد و پیشرو ہوں اور بلا فخر کہتا ہوں کہ ۔۔۔ میں تمام نبیوں کا خاتم (مہر اور آخری نبی) ہوں، اور میں بلا فخر کہتا ہوں کہ میں[7] محمد بن عبد اللہ ابن عبد المطلب ہوں، بیشک جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھ کو سب سے بہتر مخلوق (یعنی انسان) میں پیدا کیا پھر ان کو دو گروہ (عرب و عجم) بنایا اور مجھے ان میں سے بہترین گروہ میں بنایا پھر اُن کو قبیلوں میں تقسیم کیا تو مجھے ان میں سے بہترین قبیلے میں بنایا، پھر ان کو گھروں میں تقسیم کیا تو مجھے ان میں سے

---

[1] یہ مضمون امام مسلمؒ کی روایت سے ماخوذ ہے ۔۔۔ [2] یہ مضمون ترمذی اور دارمی کی روایت سے ماخوذ ہے ۔۔۔

[3] ماخوذ من حدیث رواہ مسلم ۔۔۔ [4] ماخوذ من حدیث رواہ الترمذی والدارمی ۔۔۔ [5] رواہ الدارمی ۔۔۔ [6] رواہ الترمذی۔

[ع] اس حدیث میں اولین و آخرین سے مراد تمام انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور اگر اولین میں ملائکہ کو بھی داخل کیا جائے تو کوئی بعید نہیں ہے۔ (شیخ عبد الحق قدس سرہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل

بہترین گھر میں پیدا کیا پس میں ذاتؑ و گھر کے لحاظ سے سب مخلوق سے بہتر ہوں اور جبؐ قیامت کے روز لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں (قبر سے) باہر نکلوں گا اور جب تمام بنی آدم حق تعالیٰ کے سامنے گروہ در گروہ پیش ہوں گے تو میں ان سب کا قائد و رہنما ہوں گا اور جب وہ سب خاموش ہوں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا، اور جب وہ (جنّت میں داخل ہونے سے میدانِ حشر میں) روک دیئے جائیں گے تو میں ان کا شفیع ہوں گا، اور جب وہ (دیگر انبیا علیہم السلام کے جوابوں سے) ناامید ہو جائیں گے تو میں ان کو (شفاعت کی) بشارت دینے والا ہوں گا، اس دن کرامت (رحمت و بزرگی) اور جنّت (کے دروازوں) کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور لواء حمد بھی میرے ہاتھ میں ہوگا، اور میں اپنے رب کے نزدیک تمام اولاد آدم میں سب سے بزرگ ہوں، ہزار ایسے خادم (حور و غلمان) میرے گرد طواف کریں گے جو خوشنما آبدار سفید صدف کے اندر چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہوں گے، اور جب قیامت کا دن ہوگا تو میں تمام انبیائے کرامؑ کا امام اور ان کا خطیب اور ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور مجھے اس بات پر فخر نہیں ہے۔

اگر حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی صفات نہ ہوتی تو حق سبحانہٗ و تعالیٰ خلقت کو پیدا نہ فرماتا اور اپنی ربوبیت (رب ہونے کو) ظاہر نہ فرماتاؑ، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نبی تھےؑ جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے (یعنی آدم علیہ السلام پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کے پتلے کے لئے کیچڑ تیار ہوئی تھی)۔

---

[1] رواہ الترمذی۔ [2] رواہ الترمذی ورواہ فی شرح السنۃ وھذا کلہ ملتقط من المشکوٰۃ۔

ع اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ یقول اللہ وعزتی وجلالی لولاک لما خلقت الدنیا ولولاک لما خلقت الجنۃ واوردہ فی المواھب معزیا الی ابن طغربک بلفظ لولاہ ما خلقتک خطابا لآدم علیہ السلام ولا خلقت سماء ولا ارضا ثم قال ویشھد لھذا ما رواہ الحاکم فی صحیحہ عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان آدم رأی اسم محمد مکتوبا علی العرش وان اللہ قال لآدم لولا محمد ما خلقتک قال الزرقانی روی ابو الشیخ والحاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسیٰ آمن بمحمد ومر امتک ان یؤمنوا بہ فلولا محمد ما خلقت آدم ولا الجنۃ ولا النار الحدیث واقرہ السبکی فی شفاء الاسقام والبلقینی فی فتاواہ ومثلہ لایقال رأیا وعند الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما رفعہ اتانی جبریل فقال ان اللہ یقول لولاک ما خلقت الجنۃ ولولاک ما خلقت النار قلت معنی ھذا الحدیث لاشبھۃ فی صحتہ ومطابقتہ لنفس الامر عند کافۃ الصوفیۃ وعامۃ من سواھم فھو صحیح ان شاء اللہ تعالیٰ ھذا کلہ ما قالہ العلامۃ محمد مراد المکی معرب المکتوبات۔

ع یہاں سے معلوم ہوا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحب نسبِ عظیم ہوتا ہے، دوسری احادیث سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے، لیکن نبوت فضلِ خداوندی ہے نسب سے اس کا کوئی تعلق نہیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ، اور دوسری جگہ فرماتا ہے... واللہ یختص برحمتہ من یشاء، ایضاً وکان فضل اللہ علیک عظیما (الآیۃ)... (مرتب عفی عنہ)

شعر: نماند بعصیاں کسے در گرو — کہ دارد چنیں سید پیشرو

نہیں ہے خوف کچھ عصیاں کا اس کو — محمدؐ پاک جس کا پیشوا ہو

پس بلاشک وشبہ سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے افضل ہیں آیت کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ الخ (آل عمران آیت ۱۱۰) (یعنی تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام امتوں سے بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئیں) اُن پر صادق آتی ہے، اور اس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جھٹلانے والے بنی آدم میں سب سے بدتر ہیں آیت اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا سورۂ توبہ آیت ۹۷ (یعنی صحرانشین لوگ کفر ونفاق میں زیادہ سخت ہیں)۔ ان کے حال کا پتہ دیتی ہے ـــــ دیکھئے کس خوش نصیب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن وبلند سنت کی پیروی نصیب فرماتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسندیدہ شریعت کی پیروی سے سرفرازی بخشتے ہیں۔

آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے برحق ہونے کی تصدیق کرتے ہوئے تھوڑا سا عمل بجالانا بھی عمل کثیر کے برابر شمار ہوتا ہے۔ اصحاب کہف (رضی اللہ عنہم) نے یہ اعلیٰ درجات صرف ایک ہی نیکی کے ذریعے سے حاصل کئے ہیں اور وہ نیکی یہ تھی کہ وہ دشمنانِ دین کے غلبہ کے وقت نورِ ایمان ویقین کے ساتھ حق تعالیٰ کے دشمنوں (کے مقام) سے ہجرت کر گئے تھے۔ مثلاً دشمنوں اور مخالفوں کے غلبہ کے وقت اگر سپاہی تھوڑا سا بھی تردد کریں تو وہ اسقدر نمایاں اور معتبر ہوتا ہے کہ امن کی حالت میں اس سے کئی گنا تردد بھی معتبر نہیں ہوتا۔

نیز چونکہ آں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رب العالمین کے محبوب ہیں اس لئے آپ کی متابعت کرنے والے بھی آپ کی متابعت کے باعث محبوبیت کے درجہ کو پہنچ جاتے ہیں کیونکہ محبت کرنے والا (مُحِبّ) جس شخص میں اپنے محبوب جیسے اخلاق وعادات دیکھتا ہے اس شخص کو بھی اپنا محبوب ہی جانتا ہے اور مخالفوں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ شعر

محمدؐ عربی کابروے ہر دو سرا است — کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ او

محمدؐ عربی دو جہاں کی عزت ہیں — جو منکر آپ کے ہیں مبتلائے ذلت ہیں

اگر ظاہری ہجرت میسر نہ ہو سکے تو باطنی ہجرت کو پوری طرح مدنظر رکھنا چاہئے، مخلوق کے درمیان رہ کر ان سے الگ رہنا چاہئے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور امر (راستہ) پیدا فرمادے گا۔

نوروز کا موسم آگیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ ان ایام میں وہاں کے رہنے والے لوگ معاملہ کو پراگندہ

رکھتے ہیں لہذا اس ہنگامے کے گذر جانے کے بعد اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آنجناب کی ملاقات کا شرف حاصل ہوگا زیادہ طول کلامی موجب تکلیف ہے۔ ثَبَّتَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی جَادَّۃِ اٰبَائِکُمُ الْکِرَامِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلَیْھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ (اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے بزرگ آباؤ اجداد کے طریق پر ثابت قدم رکھے آپ پر اور ان پر قیامت تک سلامتی ہو)۔

مکتوب ۴۵ چہل و پنجم

یہ بھی سرداری و شرافت کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا۔ یہ مکتوب آپ نے اپنے پیر دستگیر کے اس دنیائے فانی سے رحلت فرمانے کے بعد لکھا تھا اور چونکہ آپ کے پیر و مرشد بزرگوار کی خانقاہ کے فقرا کی نظام تقویت شیخ فرید موصوف سے منسوب تھی اس لئے اس کے شکر کا اظہار فرمایا ہے اور انسان کی جامعیت کی وجہ بیان کی ہے جو کہ انسان کے کمال کا سبب بھی ہے اور اس کے نقصان کا سبب بھی اور ساتھ ہی ماہِ مبارک رمضان شریف کے فضائل اور اس کے مناسب امور ذکر فرمائے ہیں۔

ثَبَّتَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی جَادَّۃِ اٰبَائِکُمُ الْکِرَامِ وَسَلَّمَکُمْ عَنْ مُّوْجِبَاتِ التَّلَھُّفِ وَالتَّاَسُّفِ بِمُرُوْرِ الشُّھُوْرِ وَالْاَیَّامِ (اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے بزرگ آبا و اجداد کے راستہ پر ثابت قدم رکھے اور مہینوں و ایام کے گذرنے کے ساتھ ساتھ غم و اندوہ کے اسباب سے سلامت رکھے)۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کے دوست اس حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[1] (یعنی آدمی اُسی کے ساتھ ہے جس کے ساتھ اس کو محبت ہوتی ہے) کے مطابق حق تعالیٰ کے ساتھ ہیں لیکن ان کا بدنی تعلق اس معیت و اتصال کے درمیان ایک قسم کا مانع[2] ہے۔ اس مادی جسم اور ظلمانی ڈھانچے سے الگ و جدا ہونے کے بعد تمام قرب در قرب اور اتصال در اتصال ہے، فقولہ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ (موت ایک پل ہے جو ایک دوست کو دوسرے دوست سے ملاتا ہے) میں اس حقیقت کا بیان ہے اور آیت کریمہ مَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَاءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ (سورۂ عنکبوت آیت ۵، ۲۹) (جو شخص اللہ تعالیٰ کا دیدار چاہتا ہے تو (اس کو جان لینا چاہئے کہ) اللہ تعالیٰ کا وعدہ (یعنی موت) آنے والا ہے)۔ جس کا مضمون مشتاقین کے لئے باعث تسلی ہے، اللہ تعالیٰ اس آیت مبارکہ میں

---

[1] رواہ الشیخان۔ [2] چونکہ بدن کھانے پینے اور لباس وغیرہ کا محتاج ہے تو خواہ وہ کتنا ہی نورانی ہو جائے اپنے طبعی تقاضوں سے فارغ نہیں ہوتا پس یہ طبعی تقاضے اس کو حق تعالیٰ کے ساتھ کامل اتصال و تعلق قائم کرنے میں ایک حد تک مانع ہوتے ہیں۔

اسی رمز کو بیان فرماتا ہے لیکن ہم پسماندوں و عاجزوں کا حال بزرگوں کی حضوری کی دولت کے بغیر خراب و ابتر ہے (یعنی ہمارے پیر و مرشد اس دار فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے اور ترقی کی بلندی کو پہنچ گئے لیکن ہم ان کے بعد دنیا میں رہ جانے والے مریدین کا حال ان کی عدم موجودگی کے باعث خراب و ابتر ہے، مؤلف)

اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی روحانیات سے فیض حاصل کرنا چند شرطوں پر مشروط ہے کہ جن کے پورا کرنے کی ہر شخص میں طاقت نہیں ہے (یعنی بزرگوں کی وفات کے بعد ان کی ارواح سے فیض حاصل کرنا جن شرطوں پر موقوف ہے ان کا پوری طرح حق ادا کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، مؤلف) لیکن اللہ تعالیٰ منعمِ حقیقی کا حمد و احسان ہے کہ اس ہولناک حادثہ اور وحشتناک واقعہ کے بعد ان بے سر و سامان فقراء کا مُربّی و مددگار بھی دین و دنیا کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلِ بیت میں سے مقرر ہوا ہے جو کہ اس سلسلۂ عالیہ کے انتظام کا سبب اور نسبتِ نقشبندیہ کی جمعیت کا وسیلہ ہے بیشک یہ نسبتِ عالیہ جو کہ اس ملک میں بہت غریب و نادر ہے اور اس نسبت والے حضرات اس ملک میں بہت ہی تھوڑے ہیں چونکہ یہ اہلِ بیت[۵۱] کی نسبت ہے تو اس نسبت کا مربی بھی اہلِ بیت ہی میں سے ہونا مناسب ہے اور اس نسبت کو تقویت دینے کا ذریعہ بھی انہی اہلِ بیت میں سے ہونا اولیٰ و بہتر ہے تاکہ اس دولتِ عظمیٰ کی تکمیل کسی غیر کے حوالہ نہ ہو جائے۔ جس طرح اس بڑی نعمت (یعنی نسبت نقشبندیہ) کا شکر فقراء پر واجب ہے اسی طرح اس دولت (یعنی کسی اہلِ بیت مثلاً شیخ فرید کی تربیت میں ہونے) کا شکر بھی ان کے ذمہ لازم ہے۔

انسان باطنی اور ظاہری جمعیت کا محتاج ہے۔

انسان جس طرح باطنی جمعیت کا محتاج ہے اسی طرح وہ ظاہری جمعیت کی بھی احتیاج رکھتا ہے بلکہ یہ احتیاج مقدم[۵۲] ہے کیونکہ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محتاج انسان ہے اور اس کا سب سے زیادہ محتاج ہونا اس کی جامعیت کے سبب سے لاحق ہوا ہے، اور جو کچھ سب مخلوق کے لئے درکار ہے وہ سب اس اکیلے کو درکار ہے، اور یہ جس جس چیز کا محتاج ہے اور اس کے ساتھ تعلق بھی رکھتا ہے اس لئے اس کے تعلقات سب سے زیادہ واقع ہوئے ہیں اور ہر تعلق سے اللہ تعالیٰ و تقدس جل سلطانہٗ کی جناب سے روگردانی

---

۵۱ یعنی سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ اہلِ بیتِ نبوت رضی اللہ عنہم کے طریق سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

۵۲ یعنی ظاہری جمعیت کی احتیاج باطنی جمعیت کی احتیاج پر مقدم ہے کیونکہ ظاہری جمعیت باطنی جمعیت کے لئے تمہید اور ذریعہ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے "پراگندہ روزی پراگندہ دل"۔ اور جیسا کہ کہا گیا ہے "کہ مزدورِ خوش دل کند کار بیش" (سعدیؒ)

لازم آتی ہے، پس انسان اس لحاظ سے مخلوقات میں سب سے زیادہ محروم ہوگیا ؎

پایۂ آخر آدم ست و آدمی　گشت محرومی از مقامِ محرمی
گر نہ گردد باز مسکیں زیں سفر　نیست از وے ہیچ کس محروم تر[1]

(ہے نزولِ آخری میں آدمی　پس ہے محرومِ مقامِ محرمی
گر نہ لوٹے اس سفر سے وہ غریب　کیا کہوں پس ہے نہایت بدنصیب

اور حالانکہ تمام مخلوقات سے اس (انسان) کے افضل و اشرف ہونے کا سبب بھی یہی وجہِ جامعیت ہے اسی لئے اس کا آئینہ پورا و کامل　اور جو کچھ تمام مخلوقات کے آئینوں میں ظاہر ہے وہ سب کچھ اس کے آئینوں میں روشن و ظاہر ہے، پس اس جہت سے تمام مخلوقات سے بہتر انسان ہوا، اور اسی جہت سے تمام موجودات سے بدتر بھی یہی (یعنی انسان ہی) ہے۔ اسی نوعِ انسانی میں سے حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات بھی ہیں اور اسی سے ابوجہل[2] علیہ اللعنۃ بھی تھا، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان فقراء کی ظاہری جمعیت کے ذمہ دار آپ ہی ہیں اور باطنی جمعیت کے بارے میں بھی اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ (بیٹا اپنے باپ کا ہمراز و نمونہ ہوتا ہے) کے مصداق آپ کے متعلق بڑی کامل امید ہے۔ اور چونکہ آپ کا بزرگ عنایت نامہ رمضان المبارک کے مہینے میں شرف صدور لایا ہے اس لئے (اس فقیر کے) دل میں خیال آیا کہ اس بڑی قدر و منزلت والے مہینے کے کچھ فضائل لکھے۔

جاننا چاہیے کہ رمضان المبارک کا مہینہ بہت بزرگی والا مہینہ ہے، نفلی عبادات نماز، ذکر اور صدقہ وغیرہ جو اس مہینے میں ادا کی جائے وہ دوسرے دنوں کے فرض ادا کرنے کی برابر ہے[3] اور اس مہینے میں کسی فرض عبادت کا ادا کرنا دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے ادا کرنے کے برابر ہے۔ ایک فضیلت یہ ہے

رمضان المبارک کے فضائل و برکات

---

[1] ترجمہ عربی اشعار: وھم تبتنا الانسان فی اخرالوریٰ　لذلک عن عز الحضور تاخرا
فان لم یعد من بعدہ واغترابہ　فلا شئ محروم کانس من الوریٰ

[2] یہ ملعون آنحضرتؐ کا رشتہ میں چچا تھا اور آپ کی دشمنی میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ سنہ ۲ھ میں مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان پہلی جنگ بدر کے مقام پر ہوئی جس میں کفار مکہ کے بڑے بڑے سرداروں کے ساتھ یہ بھی مارا گیا اور مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی۔ حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

دریں چمن گل بے خار کس نچید آرے　چراغِ مصطفوی با شرار بولہبی است

[3] یہ مضمون اس حدیث سے ماخوذ ہے جس کو بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (المشکوٰۃ)

کہ اگر کوئی شخص اس مبارک مہینے میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے تو اس کو بخش دیتے ہیں اور اس کی گردن کو دوزخ کی آگ سے آزاد کر دیتے ہیں اور اس (افطار کرانے والے) کو اس روزہ دار کے اجر کے برابر اجر عطا فرماتے ہیں بغیر اس کے کہ اس روزہ دار کے اجر میں سے کچھ کم کریں، اور اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے غلاموں سے خدمت لینے میں کمی کرے تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے اور اس کو دوزخ کی آگ سے آزاد فرما دیتا ہے۔ رمضان المبارک کے مہینے میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ قیدیوں کو آزاد فرما دیا کرتے تھے اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ مانگتا[1] آپ اس کو عطا فرما دیتے تھے۔

اگر کسی شخص کو اس ماہِ مبارک میں خیرات اور اعمالِ صالحہ کی توفیق حاصل ہو جائے تو تمام سال اس کو ان اعمال کی توفیق شاملِ حال رہتی ہے اور اگر کسی کا یہ مہینہ اعمالِ صالحہ سے پراگندگی و کوتاہی میں گذرا تو اس کا تمام سال پراگندگی و کوتاہی میں گذرتا ہے (لہٰذا) جہاں تک ہو سکے اس مہینے میں اعمالِ صالحہ پر جمعیت و پابندی میں کوشش کرنی چاہیئے اور اس مہینے کو غنیمت جاننا چاہیئے۔

اور اس ماہِ مبارک[2] کی ہر رات میں کئی ہزار دوزخ کے مستحق آدمیوں کو آزادی ملتی ہے۔ اور اس[3] مہینے میں بہشت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے اور رحمت کے دروازے کھول دیتے ہیں۔

اور افطار میں[4] جلدی کرنا اور سحری کھانے میں تاخیر کرنا سنت ہے اور اس بارے میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

[1] یہ سب مضمون بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے (مشکوٰۃ) — [2] رواہ الترمذی وابن ماجہ واحمد فی حدیث طویل وللہ عتقاء من النار وذلک کل لیلۃ ای من رمضان (المشکوٰۃ) — [3] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا دخل رمضان فتحت ابواب السماء وفی روایۃ فتحت ابواب الجنۃ وغلقت ابواب جھنم وسلسلت الشیاطین وفی روایۃ فتحت ابواب الرحمۃ، متفق علیہ (المشکوٰۃ)

[4] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ احب عبادی اعجلھم فطرا۔ رواہ الترمذی وعن سھل قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لایزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر متفق علیہ۔ نیز بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سحری کھانے اور صبح کی نماز شروع کرنے کے درمیان اتنی دیر کا فاصلہ ہوتا تھا جتنی دیر میں آدمی قرآن کریم کی پچاس آیتیں تلاوت کرلے۔ نیز ان سے مروی ہے قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لایزال الدین ظاھرا ما عجل الناس الفطر لان الیھود والنصاریٰ یؤخرون رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ (المشکوٰۃ)۔

مبالغہ (یعنی بہت تاکید) فرماتے تھے۔ اور شاید سحری کھانے میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرنے میں اپنے عاجز و محتاج ہونے کا اظہار ہے جو کہ بندگی کے مقام کے مناسب ہے۔ اور کھجور یا چھوہارے سے[1] افطار کرنا سنت ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی[2] (یعنی پیاس دور ہوگئی اور رگیں تر ہوگئیں اور اجر ثابت ہوگیا انشاء اللہ تعالیٰ) ——— اس ماہ مبارک میں نماز تراویح کا ادا کرنا اور (نماز تراویح میں) قرآن مجید کا ختم کرنا سنت موکدہ ہے اور اس سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں وَفَّقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِحُرْمَةِ حَبِيْبِهٖ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ (اللہ سبحانہ اپنے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کے طفیل ہم کو ان کاموں کی توفیق عطا فرمائے)۔

باقی آپ کو یہ تکلیف دی جاتی ہے کہ آپ کا عنایت نامہ عین ماہ رمضان المبارک میں پہنچا ورنہ حکم بجا لانے میں اپنے آپ کو معاف نہ رکھتا، ماہ مبارک مذکور کے بعد کی بابت بات کرنا غیب کے متعلق حکم کرنا ہے اور (دنیا میں زندہ رہنے کی) بڑی لمبی امید کی خبر دینے والا بننا ہے (جو کہ مذموم ہے)۔ غرضکہ جس طرح آپ کی مرضی ہوگی اس میں (یہ فقیر) کسی طرح بھی اپنے آپ کو معاف نہ رکھے گا کیونکہ آپ کے ظاہری و باطنی حقوق ہم فقراء کے ذمہ ثابت و لازم ہیں حضرت قبلہ گاہی (ہمارے پیرو مرشد) قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ جیو[3] کے حقوق تم سب پر ثابت و مقرر ہیں (کیونکہ) اس جمعیت کا باعث آپ ہی ہیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو اپنے حبیب پاک علیہ وعلیہم الصلوات و التسلیمات اور آپ کی آل اطہار کے طفیل ہمیشہ پسندیدہ اعمال کی توفیق رفیق بخشے۔ اس سے زیادہ لکھنا آپ کو تکلیف دینا ہے۔

---

[1] عن ابن عامر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افطر احدکم فلیفطر علی تمر فانہ برکۃ فان لم یجد فلیفطر علی ماء فانہ طھور رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد وابن ماجہ والدارمی ولم یذکر فانہ برکۃ غیر الترمذی۔

[2] رواہ ابوداؤد نیز افطار کے وقت یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ رواہ ابوداؤد مرسلاً (المشکوٰۃ)۔ ۵۷

[3] شیخ جیو سے مراد شیخ فرید۔ یعنی آپ کو شیخ جیو بھی کہا جاتا تھا اور اکبر نامہ میں شیخ فرید بخشی بیگی بھی ہیں (تجلیات ربانی)

مکتوب ۴۶
چہل و ششم

یہ مکتوب بھی سرداری و شرافت کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا، اس بیان میں کہ حق تعالیٰ و تقدس کا وجود اور اس کی وحدت بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی نبوت اور وہ تمام احکام جو آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے بدیہی ہیں اور کسی فکر و دلیل کے محتاج نہیں ہیں اور ان سب کے بدیہی (یعنی جس میں دلیل کی حاجت نہ ہو) ہونے کی وضاحت کے لئے بہت سے دلائل بیان فرمائے ہیں۔

ثَبَّتَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَلٰى جَادَّةِ اٰبَائِكُمُ الْكِرَامِ عَلٰى اَوَّلِهِمْ وَاَفْضَلِهِمْ اَوَّلًا وَعَلٰى بَوَاقِيْهِمْ ثَانِيًا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (اللہ سبحانہٗ آپ کو اپنے بزرگ آباؤ اجداد کے راستہ پر ثابت قدم رکھے، اول ان سب میں سے اول و افضل پر اور پھر باقی سب پر صلوٰۃ و سلام ہو)۔

حق تعالیٰ و تقدس کا وجود اور اسی طرح اس کی وحدت بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کی نبوت بلکہ جو کچھ آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں وہ سب بدیہی ہیں اور کسی فکر و دلیل کے محتاج نہیں ہیں بشرطیکہ انسان کی قوتِ مُدرکہ تمام ردّی آفتوں اور باطنی بیماریوں (مثلاً تکبر، حسد، طولِ امل، طمع، ریا اور بغض وغیرہا) سے صحیح و سالم و محفوظ ہو۔ ان امور میں نظر و فکر کرنا قوتِ مدرکہ میں کسی (باطنی) بیماری و آفت کے موجود ہونے تک ہے لیکن امراضِ قلبی سے نجات حاصل کرنے اور باطنی آنکھ کا پردہ دُور ہو جانے کے بعد بداہت کے سوا اور کچھ نہیں ہے، مثلاً صفراوی مزاج والا آدمی جب تک مرضِ صفرا میں گرفتار ہے قند و مصری کی شیرینی اس کے نزدیک دلیل کی محتاج ہے لیکن اس مرض (صفرا) کے دُور ہو جانے کے بعد قند و مصری کی شیرینی پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی، اور جس احتیاج کا مبدا، آفت و بیماری کا وجود ہے وہ بداہت کے مخالف نہیں ہے۔ بیچارہ احول (بھینگا ٹیڑھی آنکھ والا آدمی) جس کو ایک آدمی دو نظر آتے ہیں اور اس شخص کے ایک نہ ہونے کا حکم کرتا ہے وہ معذور ہے اور احول میں بیماری کا وجود اس شخص کی وحدت کو بدیہی ہونے سے خارج نہیں کرتا اور نہ ہی اس کو دلیل و نظر کا محتاج کرتا ہے۔

اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ استدلال کا میدان بہت تنگ ہے اور دلیل کے ذریعہ

یقین کا حاصل ہونا بہت دشوار ہے، پس یقینی ایمان حاصل کرنے کے لئے قلبی امراض کو دور کرنے کی فکر کرنا ضروری ہے۔ صفراوی مزاج والے کو قند و مصری کی شیرینی کا یقین حاصل کرنے کے لے صفرا کی بیماری کا دور کرنا اس بات سے زیادہ ضروری ہے کہ قند و مصری کی شیرینی کے یقین پر دلیل قائم کرے۔ بھلا اس کو دلیل کے ساتھ یقین کس طرح حاصل ہو سکتا ہے جبکہ اس کا وجدان (باطنی ذوق و علم) صفرا کی بیماری کے باعث قند و مصری کے تلخ ہونے کا حکم کرتا ہے جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس کا یہی حال ہے۔

نفسِ امارہ بالذات (فطری طور پر) شرعی احکام کا منکر ہے اور طبعی طور پر اُن کے برخلاف حکم کرنے والا ہے۔ پس ان سچے احکام کا دلیل کے ذریعے یقین حاصل کرنا جبکہ استدلال کرنے والے کا وجدان ان کا انکار کرتا ہو نہایت دشوار ہے، پس نفس کا تزکیہ (یعنی رذائل سے پاک کرنا) نہایت ضروری ہے۔ تزکیہ حاصل کئے بغیر یقین کا حاصل کرنا بہت دشوار ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (سورہ الشمس ۹۱ آیت ۹، ۱۰) (تحقیق وہ فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور وہ ناکام ہوا جس نے نفس کو برائیوں میں ڈالا) پس ثابت ہو گیا کہ اس روشن شریعت اور واضح ملت کا انکار کرنے والا قند و مصری کی شیرینی کے منکر کی طرح ہے

مصرعہ: خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست

(ترجمہ: دیکھ سکتا نہیں جو نابینا ⁞ اس میں سورج کی کچھ نہیں ہے خطا ⁞ دن کو دیکھا اگر نہ چمگادڑ)

پس سیر و سلوک و تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب سے مقصود ان باطنی آفتوں اور قلبی امراض کو دور کرنا ہے جن کی طرف آیتِ کریمہ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (بقرہ ۲ آیت ۱۰) (ان کے دلوں میں مرض ہے) میں خبر دی گئی ہے تاکہ ایمان کی حقیقت حاصل ہو جائے، اور ان امراض و آفات کے موجود ہوتے ہوئے اگر ایمان حاصل ہے تو وہ صرف ظاہر کے اعتبار سے ہے کیونکہ نفسِ امارہ کا وجدان (باطنی ذوق) اس کے برخلاف حکم کرتا ہے اور اپنے کفر (سرکشی) کی حقیقت پر سنقد اور اڑا ہوا ہے، اس قسم کے ایمان اور ظاہری تصدیق کی مثال ایسی ہے جیسے قند و مصری کی مٹھاس کے ساتھ صفراوی مزاج والے کا ایمان ہوتا ہے کیونکہ اس کا وجدان اس کے (ایمان کے) خلاف گواہ ہے، شکر کی مٹھاس کے ساتھ حقیقی یقین کا حاصل ہونا مرض صفرا کے دور ہو جانے کے بعد ہی پایا جاتا ہے۔ پس تزکیۂ نفس اور اس کے مطمئنہ ہو جانے کے بعد ایمان کی حقیقت حاصل ہوتی ہے اس کا ایمان وجدانی ہو جاتا ہے اور اس قسم کا ایمان زوال سے محفوظ ہے آیتِ کریمہ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورہ یونس آیت ۶۲) (یاد رکھو!

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں نہ ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے) ایسے ایمان والے لوگوں کے حق میں صادق آتی ہے شَرَّفَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِشَرَفِ ھٰذَا الْاِیْمَانِ الْکَامِلِ الْحَقِیْقِیِّ بِحُرْمَۃِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الْقُرَشِیِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوٰتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا (اللہ تعالیٰ اپنے امی قرشی نبی محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے طفیل اس قسم کے کامل اور حقیقی ایمان کو مشرف فرمائے، آمین)

مکتوب ۴۷

چہل و ہفتم

یہ بھی سرداری کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا سابقہ صدی کی شکایات کے بیان میں جس میں کہ کفار نے غلبہ حاصل کرلیا تھا اور اہل اسلام ذلیل و بے قدر ہوگئے تھے اور اس بات کی ترغیب میں کہ اگر ابتدائے بادشاہت میں دین کی ترویج و اشاعت میسر آجائے تو بہتر ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا شخص درمیان میں آکر اہل اسلام کے کارخانہ میں خلل ڈالدے اور سابقہ صدی کے رنگ میں رنگ دے۔

ثَبَّتَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی جَادَّۃِ اٰبَائِکُمُ الْکِرَامِ عَلٰی اَفْضَلِھِمْ سَیِّدِ الْکَوْنَیْنِ اَوَّلًا وَعَلٰی بَوَاقِیْھِمْ ثَانِیًا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ (حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو اپنے بزرگ آباؤ اجداد کے راستہ پر ثابت قدم رکھے اور ان میں سے پہلے افضل اور دونوں جہاں کے سردار پر اور پھر باقی سب پر صلوٰۃ وسلام اور تحیۃ ہو)

دنیا جہان کے ساتھ بادشاہ کی نسبت ایسی ہے جیسا کہ بدن کے ساتھ دل کی نسبت، کہ اگر دل اچھا و درست ہے تو بدن بھی صحیح ہے اور اگر دل خراب ہو جائے تو بدن بھی بیکار ہو جاتا ہے۔ بادشاہ کے درست و بہتر ہونے میں جہان کی درستی و بہتری ہے اور اس کے بگڑنے پر جہان کا بگڑنا (ملک کا خراب ہونا) موقوف ہے ـــــ آپ جانتے ہیں کہ گذشتہ صدی میں اہلِ اسلام کے سر پر کیا کیا (مصیبتیں) گذری ہیں، گذشتہ صدیوں (یعنی ابتدائے اسلام) میں نہایت قلت وغربت کے باوجود اہلِ اسلام کی خرابی و تباہی بھی اس سے زیادہ نہیں ہوئی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر اور کفار اپنے طریقہ پر قائم تھے۔ آیۃ کریمہ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ (سورہ الکٰفرون آیت ۶) (تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین) میں اسی حقیقت کا بیان ہے ـــ اور گذشتہ صدی میں کفار غلبہ پا کر دارِ اسلام میں کھلم کھلا کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلامی احکام کے جاری کرنے سے عاجز تھے اور اگر وہ (ایسا) کرتے تھے تو قتل کر دیئے جاتے تھے۔

ہائے ہلاکت، ہائے مصیبت، ہائے افسوس اور غم! حق تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصدیق کرنے والے تو ذلیل و خوار تھے اور آپ کے منکر لوگ عزت والے اور معتبر تھے، مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی ماتم پرسی کرتے تھے اور مخالف دشمن ہنسی و مذاق کے ساتھ اُن کے زخموں پر نمک چھڑکتے تھے، ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پردہ میں چھپا ہوا تھا اور حقانیت کا نور باطل کے پردوں میں گوشہ گیر ہو گیا تھا۔

آج جبکہ دولتِ اسلام کی رکاوٹوں کے زوال کی خوشخبری اور بادشاہِ اسلام کی تخت نشینی کی بشارت خاص و عام کے کانوں تک پہنچی ہے تو اہلِ اسلام نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ وہ بادشاہ کے معاون و مددگار ہوں اور شریعت کے رواج دینے اور مذہب کو قوت پہنچانے میں اس کی رہنمائی کریں، خواہ یہ امداد دینا اور قوت پہنچانا زبان سے ہو سکے یا ہاتھوں سے میسر ہو۔ سب سے بڑھ کر امداد یہ ہے کہ کتاب و سنت اور اجماعِ امت کے مطابق مسائلِ شرعیہ کو بیان کیا جائے اور کلامیہ عقائد کو ظاہر کیا جائے تاکہ کوئی بدعتی اور گمراہ شخص درمیان میں آکر راستے سے نہ ہٹا دے اور کام خراب نہ کر دے ــــــ اس قسم کی امداد علمائے حقانی کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ آخرت کی طرف توجہ رکھتے ہیں، دنیا دار علماء جن کا مقصد کمینی دنیا حاصل کرنا ہے ان کی صحبت زہرِ قاتل ہے اور ان کا فساد متعدی ہے (یعنی ایک سے دوسرے کو لگنے والا ہے) ؎

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند ۔۔۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند

(عالم جو کامرانی و تن پروری کرے ۔۔۔ بھٹکا ہوا ہے آپ وہ کیا رہبری کرے)

گزشتہ صدی میں جو بھی مصیبت اسلام اور اہلِ اسلام کے سر پر آئی وہ اسی جماعت کی بدبختی و بیباکی کی وجہ سے تھی، یہی لوگ (علمائے سوء) بادشاہوں کو راہِ راست سے بھٹکاتے تھے، بہتر فرقے جنھوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہے ان سب کے مقتدا و پیشوا یہی بُرے علماء ہوئے ہیں، بہت کم لوگ ہیں جو علماء کے بغیر گمراہ ہوئے ہوں اور ان کی گمراہی کا اثر دوسرے لوگوں تک پہنچا ہو، اور اس زمانے کے اکثر صوفی نما جاہل لوگ علماءِ سوء (بُرے علماء) کا حکم رکھتے ہیں ان کا فساد بھی متعدی ہے (یعنی اس کی برائی بھی دوسروں تک پہنچتی ہے) اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص امداد کی طاقت کے باوجود کسی قسم کی مدد میں بھی کمی کرے اور اسلام کے کارخانے میں خلل واقع ہو جائے تو وہ امداد میں کوتاہی کرنے والا شخص معتوب (یعنی سزا کا مستحق) ہوگا۔ اسی لئے یہ کم سرمایہ حقیر فقیر بھی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو دولتِ اسلام کے

احیائے دین کی ترغیب

مددگاروں کے گروہ میں داخل کرے اور اس بارے میں کوشش کرے، مَنْ کَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ[1] (جس نے کسی قوم کی جمعیت کو زیادہ کیا وہ انہی میں سے ہے) کے مواقف امید ہے کہ اس بے استطاعت کو بھی اس بزرگ جماعت (مددگارانِ اسلام) میں داخل کریں۔ یہ فقیر اپنے آپ کو اس بڑھیا کی طرح خیال کرتا ہے جس نے اپنا تھوڑا سا سوت لے کر حضرت یوسف علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خریداروں کے سلسلہ میں شامل کر لیا تھا۔ انشاء اللہ العزیز جلد ہی یہ فقیر حاضر خدمت ہونے کے شرف سے مشرف ہو گا۔ آنجناب کی بزرگ ذات سے توقع ہے کہ جب حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ کو ذاتی طاقت و قوت اور بادشاہ کا قرب پورے طور پر عطا فرمایا ہے تو حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی شریعت کے رواج دینے میں خلوت و جلوت اور ظاہر و باطن میں کوشش کرتے رہیں گے اور مسلمانوں کو ذلت و پستی سے نکالیں گے۔

مولانا حامد کا وظیفہ سرکار بلند اقبال سے مقرر ہے، گذشتہ سال حاضر ہو کر اس نے حضور سے حاصل کر لیا تھا، اس سال بھی امیدوار ہو کر حاضر ہو رہا ہے، حق تعالیٰ آپ کو حقیقی و مجازی دولت میسر فرمائے۔

مکتوب ۴۸ (چہل و ہشتم)

یہ مکتوب بھی سرداری و شرافت کی پناہ والے شیخ فرید بخاری کی طرف علمائے کرام اور طالبانِ علوم حاملانِ شریعت کی تعظیم کی ترغیب دینے کے بیان میں صادر ہوا۔

نَصَرَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَلَى الْأَعْدَاءِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ (اللہ تعالیٰ سبحانہٗ سردار انبیاء علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کے طفیل آپ کو دشمنوں پر فتح و نصرت عطا فرمائے)۔

آپ کا مرحمت نامہ گرامی جس سے آپ نے ہم فقیروں کو نوازا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا آپ نے مولانا محمد قلیج مؤفق کے خط میں تحریر فرمایا تھا کہ طالب علموں اور صوفیوں کے لئے کچھ خرچ بھیجا

---

[1] اس حدیث کو ابو یعلی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں وَمَنْ رَضِيَ عَمَلَ قَوْمٍ كَانَ شَرِيْكَ مَنْ عَمِلَ بِهٖ یعنی جو شخص کسی قوم کے کسی کام پر راضی ہوا وہ اس پر عمل کرنے والے کا شریک ہوا۔

گیا ہے۔ طالب علموں کے ذکر کو صوفیوں (کے ذکر) پر مقدم کرنا آپ کی بلند ہمتی ہے بہت ہی اچھا معلوم ہوا۔ اَلظَّاهِرُ عُنْوَانُ الْبَاطِنِ (ظاہر باطن کا عنوان ہوتا ہے) کے مضمون کے مطابق امید ہے کہ آپ کے باطن شریف میں بھی اس بزرگ جماعت کو (صوفیوں پر) مقدم کرنا پیدا ہو گیا ہو گا کُلُّ اِنَاءٍ یَتَرَشَّحُ بِمَا فِیْہِ (ہر برتن سے وہی چیز نکلتی ہے جو اس کے اندر ہوتی ہے) ع

از کوزہ بروں ہماں تراود کہ در وست (نکلتا ہے وہی برتن سے جو کچھ اس کے اندر ہے)

اور طالب علموں کے مقدم کرنے میں شریعت کو رواج دینا ہے (کیونکہ) شریعت کے اٹھانے اور قائم کرنے والے یہی لوگ ہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کا مذہب وملت انہی کے ساتھ قائم ہے۔ کل قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھیں گے تصوف کے متعلق نہیں پوچھیں گے، جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے احکام بجالانے پر منحصر ہے۔ انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم نے جو کہ تمام کائنات میں سب سے بہتر ہیں (اپنی اپنی) شریعتوں کی طرف دعوت دی ہے، اور نجات کا انحصار اسی پر رہا ہے اور ان بزرگوں کی پیدائش سے مقصود شریعتوں کی تبلیغ ہے پس سب سے بڑی نیکی شریعت کے رواج دینے اور اس کے حکموں میں سے کسی حکم کے زندہ کرنے میں کوشش کرنا ہے خصوصاً ایسے زمانے میں جبکہ اسلامی شعائر (نشانات وارکان) بالکل مٹ گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کے راستہ میں کروڑوں روپیہ خرچ کرنا بھی شرعی مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ کو رواج دینے کے برابر نہیں ہے کیونکہ اس فعل (شرعی مسائل کی ترویج) میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا (پیروی کرنا) ہے جو کہ مخلوقات میں سب سے زیادہ بزرگ ہیں اور اس فعل میں ان بزرگوں کے ساتھ شریک ہونا ہے۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ سب سے کامل نیکیاں انہی بزرگوں کو عطا ہوتی ہیں اور کروڑوں روپیہ خرچ کرنا تو ان بزرگوں کے علاوہ دوسروں کو بھی میسر ہے۔

اور (ایک دلیل) یہ بھی ہے کہ احکام شریعت کے بجالانے میں نفس کی پوری پوری مخالفت ہوتی ہے کیونکہ شریعت نفس کے مخالف وارد ہوتی ہے اور اموال کے خرچ کرنے میں تو کبھی نفس بھی موافقت کر لیتا ہے ہاں البتہ اموال کا خرچ کرنا اگر شریعت کی تائید اور مذہب کی ترویج کے لئے ہو تو اس کا بہت بڑا درجہ ہے اور اس نیت کے ساتھ ایک جیتل (دام) کا خرچ کرنا کسی اور نیت سے کئی لاکھ (روپیہ) خرچ کرنے کے برابر ہے۔

یہاں کوئی یہ سوال نہ کرے کہ (ما سوا اللہ میں) گرفتار طالب علم (ما سوا اللہ سے) آزاد صوفی سے

ترویج شریعت کے فضائل

کس طرح مقدم ہوگا ـــــ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اُس (آزاد صوفی) نے بات کی حقیقت کو حاصل نہیں کیا اور طالب علم باوجود (ماسوا اللہ کی) گرفتاری کے خلقت کی نجات کا سبب ہے کیونکہ احکام شرعی کی تبلیغ اس کو حاصل ہے اگرچہ وہ خود اس سے نفع حاصل نہیں کرتا اور صوفی نے (ماسوی اللہ سے) آزادی کے باوجود اپنے نفس کو خلاص کر لیا ہے (اس لئے) خلقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ جس شخص کے ساتھ بکثرت لوگوں کی نجات وابستہ ہو وہ اس شخص (آزاد) سے بہتر ہے جو صرف اپنی نجات کے درپے ہو۔

ہاں البتہ جس صوفی کو فنا و بقا اور سیر عن اللہ و باللہ کے بعد دنیا (مخلوق) کی طرف لوٹا دیا گیا ہو اور خلقت کی دعوت (یعنی مخلوق کو راہِ راست کی طرف لانے کا فریضہ انجام دینے) کے مقام میں لے آئے ہوں، اس کو مقامِ نبوت سے حصہ حاصل ہے اور شریعت کی تبلیغ کرنے والوں میں داخل ہے وہ بھی علمائے شریعت کا حکم رکھتا ہے (یعنی وہ بھی عالمِ شریعت ہے) ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴)

(یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)

یہ بھی سرداری کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف صادر ہوا ـــــ جو کہ ان دونوں دولتوں کے جمع کرنے، یعنی ظاہر کو احکام شرعیہ کے ساتھ آراستہ کرنے اور باطن کو ماسوائے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی گرفتاری سے آزاد کرنے کی ترغیب میں ہے۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو ظاہری دولت اور باطنی سعادت سے سرفرازی حاصل کرنے والا بنائے، حقیقت میں ظاہری دولت یہ ہے کہ انسان اپنے ظاہر کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت کے احکام کے ساتھ آراستہ کرے، اور باطنی سعادت یہ ہے کہ بندہ اپنے باطن کو ماسوائے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی گرفتاری سے آزاد کرے۔ دیکھئے کس صاحبِ نصیب کو ان دونوں بزرگیوں سے مشرف کرتے ہیں۔ ع

کار این ست و غیر ازیں ہمہ ہیچ　　(ہے یہی مقصود اصلی اور سب کچھ ہیچ ہے)

زیادہ لکھنا آپ کو تکلیف دینا ہے۔ والسلام۔

مکتوب ۵۰ (پنجاہم)

یہ بھی سرداری کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف صادر ہوا ——— کمینی دنیا کی مذمت کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے حبیب سید البشر صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل جو کہ کجی چشم سے پاک ہیں، اپنے ماسوا کی غلامی سے آزادی مرحمت فرما کر پوری طرح اپنی جناب کا گرفتار بنائے۔

دنیا ظاہر میں میٹھی اور صورت میں تر و تازہ معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں زہرِ قاتل و متاعِ باطل اور بے فائدہ گرفتاری ہے، اس کا مقبول ذلیل و خوار اور اس کا عاشق مجنوں ہے، اس کا حکم اس نجاست کی طرح ہے جس پر سونا منڈھا (چڑھا) ہوا ہو، اور اس کی مثال اس زہر کے مانند ہے جس میں شکر ملی ہوئی ہو۔ عقلمند وہ ہے جو ایسے کھوٹے متاع پر فریفتہ نہ ہو اور اس طرح کے خراب اسباب کا طالب نہ ہو ——— اور (فقہا و علما نے) کہا ہے کہ[1] "اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرا مال اہلِ زمانہ میں سے کسی عقلمند کو دیں تو زاہد کو دینا چاہئے جو کہ دنیا کی طرف رغبت نہیں رکھتا اور دنیا سے بے رغبتی اس کی نہایت عقلمندی کی وجہ سے ہے" ——— اس سے زیادہ لکھنا طولِ کلامی ہے۔

باقی یہ تکلیف دی جاتی ہے کہ فضائل مآب شیخ زکریا[2] اس سال اور اس عمر میں کروڑی گری یعنی تحصیلداری میں گرفتار ہیں، اس گرفتاری کے باوجود محاسبۂ عاجلہ یعنی دنیاوی محاسبہ سے جو محاسبۂ آجلہ یعنی آخرت کے محاسبہ کی بہ نسبت بہت آسان ہے ہراساں و پریشان ہیں اور عالمِ اسباب میں قابلِ وثوق بڑا وسیلہ آپ ہی کی بزرگ توجہ کو جانتے ہیں، امید ہے کہ نئے دفتر میں بھی ان کا نام ظاہر ہو جائے گا۔ کہ شیخ مذکور آپ کی بلند درگاہ کے خادموں میں سے ہیں ؎

توم را دل دہ و دلیری بیں　　روبۂ خویش خواں و شیری بیں

دل مجھے دے، میری دلیری دیکھ　　لومڑی اپنی جان، شیری دیکھ

نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی بزرگ آل کے طفیل آپ کو ظاہری و باطنی دولت حاصل ہو۔

بصرف للعلماء

---

[1] در مختار باب الوصیۃ میں ہے: ولو اوصی للعقلاء الی الزاہدین لانہم ہم العقلاء فی الحقیقۃ۔
[2] مکتوب ۳۴ میں بھی آپ کے لئے سفارش فرما چکے ہیں۔ آپ حضرت مجددؒ کے خسر شیخ سلطان کے بھائی ہیں۔

مکتوب ۵۱ پنجاہ و یکم

یہ مکتوب بھی سرداری کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف روشن شریعت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے رواج دینے کی ترغیب میں صادر ہوا۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی جناب میں دعا ہے کہ اُن بزرگانِ کرام کی اولاد کے وجود شریف کے وسیلہ سے روشن شریعت کے ارکان (یعنی شہادتین، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج) اور منور ملتِ اسلامیہ کے احکام قوت پکڑیں اور رواج پائیں۔ ع کار این ست و غیر ازیں ہمہ ہیچ (کام بس یہ ہے، باقی سب کچھ ہیچ ہے)
(ترجمہ اردو وعربی: یہی ہے ہی مقصود اصلی اور سب کچھ ہیچ ہے۔ ھٰذَا ھُوَ الْاَمْرُ وَالْبَاقِیْ مِنَ الْعَبَثِ)

آج بیچارے اہلِ اسلام کے لئے اس طرح کی گمراہی کے بھنور میں نجات کی امید بھی حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات انماہا ومن التحیات والتسلیمات اکملہا کے اہلِ بیت کی کشتی سے ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِیْ کَمَثَلِ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا ھَلَکَ[۱]
(میرے اہلِ بیت کی مثال حضرت نوحؑ کی کشتی کی مانند ہے جو اس پر سوار ہوا وہ بچ گیا اور جو اس سے پیچھے رہا وہ ہلاک ہوگیا)۔

آپ اپنی بلند ہمت کو پوری طرح سے اس بات (ترویج شریعت) پر لگا دیں تاکہ یہ بہت بڑی سعادت حاصل ہو جائے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے فضل و کرم سے (آپ کو) جاہ و جلال اور عظمت و شوکت سب کچھ حاصل ہے۔ ذاتی شرافت کے ہوتے ہوئے اگر یہ (ترویج شریعت کی) مزید سعادت بھی اس کے ساتھ شامل ہو جائے تو آپ سبقت کی گیند سعادت کے چوگان (بلے) کے ساتھ سب سے آگے لے جائیں گے (یعنی بہت بڑی سعادت حاصل کر لیں گے)۔ یہ حقیر فقیر شریعتِ حقہ کے رواج دینے اور تائید کے بارے میں اس قسم کی باتوں کے اظہار کے ارادہ سے آنجناب کی طرف متوجہ ہے۔

ہلالِ ماہِ رمضان المبارک دہلی شریف میں دیکھا۔ حضرت والدۂ بزرگوار کی مرضی ٹھہرنے کے بارے میں معلوم ہوئی (اس لئے) ختمِ قرآن مجید کے سننے تک ٹھہرا رہا وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (آئندہ جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو)۔ دونوں جہان کی سعادت آپ کو نصیب فرمائے۔

---

[۱] مشکوٰۃ میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے اور مسند احمد و بزار میں حضرت ابن عباسؓ و ابن الزبیر سے اور حاکم نے حضرت ابی ذرؓ سے روایت کیا ہے۔

مکتوب ۵۲ پنجاہ و دوم

یہ مکتوب بھی سرداری کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا ــــــ نفس امارہ کی مذمت، اس کے ذاتی مرض اور اس مرض کو دور کرنے کے علاج کے بیان میں۔

آپ کا بزرگ مرحمت نامہ کہ جس سے آپ نے شفقت و مہربانی فرماتے ہوئے اپنے مخلص دعا گو کو ممتاز فرمایا تھا اس کے مضمون کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کے جدِ بزرگوار علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے، آپ کی قدر و منزلت کو بلند فرمائے، آپ کے سینے کو (اپنی معرفت کے لئے) کھول دے اور آپ کے کام کو آسان کر دے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ظاہری و باطنی متابعت پر ثابت قدم رکھے اور اس عاجز آمین کہنے والے پر رحم فرمائے۔ (آمین)

دیگر یہ کہ بدخو مصاحب اور بُری عادت والے ہمنشین کے بارے میں چند فقرے تحریر کئے جاتے ہیں (امید ہے) قبولیت کے کانوں سے سنیں گے۔

(میرے) مخدوم و مکرم! انسان کا نفسِ امارہ جاہ و ریاست کی محبت پر پیدا کیا گیا ہے اس کی تمام ہمت و کوشش اپنے ہمعصروں پر بلندی حاصل کرنا ہے اور وہ فطری طور پر اس بات کا خواہاں ہے کہ تمام مخلوقات اس کی محتاج اور اس کے اوامر و نواہی کے تابع ہو جائے اور وہ خود کسی ایک کا بھی محتاج اور محکوم نہ ہو، اس کا یہ دعویٰ الوہیت خدا ہونے اور خدائے بے مثل جل سلطانہٗ کے ساتھ شرکت کا دعویٰ ہے بلکہ وہ بدبخت شرکت پر بھی راضی نہیں ہے (بلکہ) چاہتا ہے کہ حاکم صرف وہی ہو اور سب اس کے محکوم ہوں۔

نفس امارہ کی مذمت اور علاج

حدیث قدسی میں آیا ہے: عَادِ نَفْسَكَ فَاِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِي[1] (یعنی اپنے نفس سے دشمنی رکھو کیونکہ بلاشک و شبہ وہ میری دشمنی پر کمربستہ ہے) پس جاہ و ریاست، بڑائی اور تکبر وغیرہ نفس کی خواہشات حاصل کرنے کے ساتھ نفس کی تربیت کرنا حقیقت میں خدائے عزوجل کے دشمن کی مدد کرنا اور اس کو تقویت دینا ہے، اس بات کی برائی کو اچھی طرح جان لینا چاہئے۔

نیز حدیث قدسی میں وارد ہے: اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ اِزَارِي فَمَنْ نَازَعَنِي فِي شَيْءٍ

---

[1] بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ داؤد علیہ السلام کی حدیثِ قدسیات میں سے ہے۔

مِنْهُمَا اَدْخَلْتُهٗ فِی النَّارِ وَلَا اُبَالِیْ[۵۱] (یعنی بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے پس جس نے ان دونوں میں سے کسی ایک بات میں مجھ سے جھگڑا کیا تو میں اس کو دوزخ میں داخل کروں گا اور مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں) ــــ

کمینی دنیا حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے نزدیک اس وجہ سے ملعونہ ومبغوضہ[۵۲] (یعنی لعنت کی ہوئی اور غضب کی ہوئی) ہے کہ دنیا کا حصول نفس کی خواہشات کے حاصل ہونے میں معاون و مددگار ہے پس جو کوئی (اللہ تعالیٰ کے) دشمن کی مدد کرے وہ بالضرور لعنت کے لائق ہے ــــــ اور فقر جو حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے فخر بن گیا[۵۳] (اس کی وجہ یہ ہے کہ) فقر میں نفس کی نامرادی اور اس کے عجز کا حصول ہے ــــــ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے مقصود اور شرعی احکامات میں حکمت کی وجہ یہی ہے کہ نفسِ امارہ عاجز اور خراب ہو جائے (کیونکہ) شرعی احکامات نفسانی خواہشات کو دُور کرنے کے لئے وارد ہوئے ہیں، جس قدر شریعت کے مطابق عمل کیا جائے گا اسی قدر نفسانی خواہشات زائل ہوتی جائیں گی، یہی وجہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانی کے دُور کرنے میں شرعی احکامات میں سے ایک حکم بجالانا اُن ہزار سالہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے بہتر ہے جو اپنی طرف سے کی جائیں، بلکہ یہ ریاضتیں اور مجاہدے جو روشن شریعت کے مطابق واقع نہیں ہوئے نفسانی خواہشات کو مدد اور قوت دینے والے ہیں۔ ــــــ برہمنوں اور جوگیوں نے ریاضتوں اور مجاہدوں میں کمی نہیں کی ہے لیکن ان میں سے کوئی چیز (ان کے لئے) فائدہ مند نہیں ہوئی اور نفس کی تقویت و پرورش کے سوا (ان کو) اور کچھ حاصل نہیں ہوا ــــــ مثلاً زکوٰۃ کی ادائیگی میں جس کا کہ شریعت نے حکم دیا ہے ایک دانگ (دمڑی) خرچ کرنا نفس کے تخریب (وذلیل) کرنے میں (بغیر امر شرعی) اپنی مرضی سے ہزار دینار خرچ کرنے سے زیادہ فائدہ مند ہے اور شریعت کے حکم سے عید الفطر کے دن

---

۵۱ رواہ مسلم علی ما فی المشکوٰۃ، مراد یہ ہے کہ یہ دو صفتیں حق تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہیں ان ہر دو صفات میں شریک ہونے اور ان سے متصف ہونے کی کسی کو مجال نہیں ہے ــــــ ۵۲ اس میں ان احادیث کی طرف اشارہ ہے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں ــــــ ۵۳ اس میں قول الفقر فخری کی طرف اشارہ ہے جو لوگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے طور پر مشہور ہے۔ علامہ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور امام ابن تیمیہؒ نے کہا کہ یہ قول باطل ہے، اور قاضی عیاض نے اس قول کو مذکورہ الفاظ کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ذکر کیا ہے جیسا کہ بعض نسخوں میں یہ الفاظ ہیں العجز فخری۔ ملا علی قاریؒ نے شفا کی شرح میں کہا ہے کہ اس قول کا موضوع وباطل ہونا سنت وحدیث ہونے کے اعتبار سے ہے نہ کہ اس کے معنی کے اعتبار سے کیونکہ یہ معنی مطلقاً کتاب اللہ میں مذکور ہیں چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ۔

کھانا خواہش (نفسانی) کے دور کرنے میں اپنی مرضی سے کئی سال کے روزے رکھنے سے زیادہ فائدہ مند ہے، اور نماز فجر کی دو رکعتوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا جو کہ سنتوں میں سے ایک سنت[1] کا بجا لانا ہے اس بات سے کئی درجے بہتر ہے کہ تمام رات نفل نماز ادا کرتا رہے اور فجر کی نماز جماعت کے بغیر ادا کرے[2]۔

غرضکہ جب تک نفس کا تزکیہ نہ ہو جائے اور دماغ سرداری کے مالیخولیا کی پلیدی سے پاک نہ ہو جائے نجات محال ہے، اس مرض کے دور کرنے کی فکر ضروری ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اسی مرض میں ابدی موت آجائے۔

کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جو آفاقی (بیرونی) و انفسی (اندرونی) معبودوں کی نفی کے لئے وضع کیا گیا ہے نفس کے پاک صاف کرنے میں بہت ہی مفید اور نہایت مناسب ہے۔ بزرگانِ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے نفس کے تزکیہ کے لئے اسی کلمۂ طیبہ کو اختیار فرمایا ہے ؎

تا بجاروب لا نہ روبی راہ نہ رسی در سرائے اِلَّا اللّٰه

(ترجمہ) لا کی جھاڑو سے نہ ہو جبتک صفائی راہ کی باب اِلَّا اللّٰه میں داخل نہیں ہوگا کبھی

جب نفس سرکشی کے مقام میں آجائے اور عہد شکنی کرے تو اس کلمہ کی تکرار سے ایمان کو تازہ کرنا چاہیئے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ بِقَوْلِ[3] لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (کی تکرار) سے اپنے ایمان کو تازہ کرلیا کرو) بلکہ ہر وقت اس کلمہ کی تکرار ضروری ہے اس لئے کہ نفسِ امارہ ہمیشہ ناپاکی (پلیدی) کے مقام میں ہے۔ اس کلمہ طیبہ کی فضیلتوں کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر سب آسمانوں اور زمینوں (اور ان کے درمیان کی چیزوں کو ترازو کے) ایک پلڑے میں رکھیں اور اس کلمۂ طیبہ کو دوسرے پلڑے میں، تو یہ کلمہ والا پلڑا یقیناً دوسرے پلڑے پر بھاری ہوگا[4] — اس شخص پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کو لازم پکڑے۔

کلمۂ طیبہ کے فضائل

[1] اس میں جماعت کے سنت ہونے کی طرف اشارہ ہے، ہدایہ میں ہے "یعنی جماعت سنتِ مؤکدہ ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جماعت سننِ ہدیٰ میں سے ہے اس سے سوائے منافق کے اور کوئی مسلمان روگردانی نہیں کرتا"۔ — [2] قال عمرؓ لان اشھد صلوٰۃ الصبح فی جماعۃ احب الی من ان اقوم لیلۃ (رواہ مالک)۔ — [3] امام جزری نے حصن حصین میں کہا ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جددوا ایمانکم قیل یارسول اللہ وکیف نجدد ایماننا قال اکثروا من قول لا الٰہ الا اللہ (اط) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ایمان کو تازہ کرلیا کرو، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنے ایمان کو کس طرح تازہ کیا کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کثرت سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا کرو۔ اس کو احمد و طبرانی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے — [4] اس حدیث کو ابن حبان و نسائی نے حضرت ابو سعیدؓ سے اور بزار نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

یہ مکتوب بھی سرداری کی نسبت والے شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ بُرے علماء کا اختلاف دنیا کی تباہی کا باعث ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

ثَبَّتَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی جَادَّۃِ اٰبَآئِکُمُ الْکِرَامِ (اللہ سبحانہٗ آپ کو بزرگ آبا و اجداد کے راستہ پر ثابت قدم رکھے) ــــــ سنا گیا ہے کہ بادشاہِ اسلام (جہانگیر) نے مسلمانی کی نیک فطرت پر ہونے کی وجہ سے جو کہ وہ اپنی ذات میں رکھتا ہے آپ سے فرمایا ہے کہ "دیندار علماء میں سے چار شخص (علماء) مہیا کریں جو کہ دربارِ شاہی میں حاضر رہ کر شرعی مسائل بیان کیا کریں تاکہ (بادشاہ سے) خلافِ شرع کوئی امر واقع نہ ہو"۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ (اس پر اللہ سبحانہٗ کی حمد و ثنا ہے) ــــــ

مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھ کر اور کونسی خوشی ہوگی اور ماتم زدوں کو اس سے بہتر اور کونسی خوشخبری ہوگی، لیکن چونکہ یہ فقیر بھی اسی (دینی) غرض کے لئے آپ کی خدمتِ عالیہ کی طرف متوجہ ہے جیسا کہ کئی مرتبہ اس امر کا اظہار کیا جا چکا ہے اس لئے اس بارے میں کہنے اور لکھنے سے اپنے آپ کو ہرگز معاف نہیں رکھ سکے گا، امید ہے کہ مجھے معذور قرار دیں گے کیونکہ صَاحِبُ الْغَرَضِ مَجْنُوْنٌ (غرض مند دیوانہ ہوتا ہے)، (یہ فقیر) عرض کرتا ہے کہ ایسے دیندار عالم جو حُبِّ جاہ و ریاست سے خالی ہوں اور شریعت کی ترویج اور ملتِ (اسلامیہ) کی تائید کرنے کے علاوہ اور کچھ مطلب نہ رکھتے ہوں بہت کم بلکہ کم سے کم ہیں۔ حُبِّ جاہ ہونے کی صورت میں ان علماء میں سے ہر ایک اپنی ایک الگ لائن اختیار کرے گا اور اپنی بزرگی کا اظہار کرے گا اور اختلافی باتیں درمیان میں لاکر اس کو بادشاہ کے قرب کا وسیلہ بنائے گا لامحالہ دین کی مہم ضائع ہو جائے گی ــــــ گذشتہ زمانہ (عہدِ اکبری) میں بھی علماء کے اختلافات نے دنیا کو بلا و مصیبت میں ڈال دیا تھا اور (اب بھی) وہی بُرے علماء کی صحبت کا اندیشہ درپیش ہے، اس صورت میں (شریعت کی) ترویج کی کیا گنجائش ہے، بلکہ (یہ) دین کی خرابی کا باعث ہوگا، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ ذٰلِکَ وَمِنْ فِتْنَۃِ الْعُلَمَآءِ السُّوْءِ (اللہ تعالیٰ سبحانہٗ اس امر سے اور بُرے علماء کے فتنہ سے بچائے)۔ ــــــ اگر اس غرض کے لئے (صرف) ایک عالم (دین) کا انتخاب کرلیں تو بہتر معلوم ہوتا ہے اور

علماء کا اختلاف دین کی خرابی کا باعث ہے

اگر علمائے آخرت میں سے (یعنی جو دنیا سے بے رغبت ہو) کوئی دستیاب ہو جائے تو بہت بڑی سعادت ہے کیونکہ اس کی صحبت سرخ گندھک (یعنی اکسیر کی مانند) ہے اور اگر (ایسا عالم) نہ مل سکے تو صحیح غور و فکر کے بعد اس قسم کے علماء (یعنی علماء سوء) میں سے کسی بہتر کا انتخاب کرلیں، مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّهٗ (جو چیز پورے طور پر حاصل نہ ہو سکے اس کو بالکل نہیں چھوڑ دینا چاہئے، یعنی جس قدر بھی حاصل ہو سکے حاصل کرلی جائے)۔

میں نہیں سمجھتا کہ (اس کے سوا اور) کیا لکھوں (کہ) جس طرح مخلوق کی نجات علماء کے وجود کے ساتھ وابستہ ہے دنیا کا خسارہ بھی انہی پر موقوف ہے۔ علماء میں سے بہترین عالم تمام دنیا کے انسانوں میں سب سے بہتر ہے اور علماء میں سے بدترین عالم تمام دنیا کے انسانوں میں سب سے بدتر ہے[۱]۔ (کیونکہ) ہدایت اور گمراہی ان ہی کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے ــــــــ کسی بزرگ نے ابلیسِ لعین کو دیکھا کہ فارغ و بیکار بیٹھا ہے، اس نے اس (بیکاری) کا سبب پوچھا۔ اس (ابلیس) نے جواب دیا کہ اس وقت کے علماء (سوء) میرا کام کر رہے ہیں اور بہکانے و گمراہ کرنے میں وہ کافی ہیں ؎

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند　　او خویشتن گم است کرا رہبری کند

ترجمہ) عالم جو کامرانی و تن پروری کرے　　بھٹکا ہوا ہے آپ وہ کیا رہبری کرے

غرض (امید ہے کہ) اس بارے میں صحیح و کامل غور و فکر سے کام لے کر کوئی قدم اٹھائیں گے، جب کام ہاتھ سے جاتا رہے تو پھر اس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ شرم آتی ہے کہ اس قسم کی باتیں صحیح دانائی و عقلمند حضرات کے سامنے ظاہر کرے لیکن (فقیر) اس مقصد کو اپنی سعادت کا وسیلہ جانتے ہوئے آپ کو تکلیف دیتا ہے۔[۲]

---

[۱] اس میں ان احادیث کی طرف اشارہ ہے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں جیسا کہ حضرت احوص بن حکیمؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا ان شر الشر شرار العلماء وان خير الخير خيار العلماء رواه الدارمی (المشكوٰة) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بروں میں سب سے برے لوگ برے علماء ہیں اور نیکوں میں سب سے نیک لوگ نیک علماء ہیں۔

[۲] اس مکتوب میں حضرت مجدد صاحبؒ نے شریعت کی ترویج و اشاعت کے لئے علماء سے متعلق چند بصیرت افروز نکات بیان فرمائے ہیں: یعنی [۱] ایسے علماء ہونے چاہئیں جو حبِ جاہ و ریاست سے بے نیاز ہوں اور [۲] ترویج شریعت کے علاوہ ان کا کوئی مقصد نہ ہو [۳] اگر ایسا صرف ایک ہی عالم مل جائے تو کافی ہے، اس لئے کہ مخلوق کی ہدایت و گمراہی دونوں انہی علماء سے وابستہ ہے۔ بہترین عالم تمام انسانوں سے بہتر ہے اور بدترین عالم بدترین خلائق ہے ــــــــ

مکتوب ۵۴ پنجاہ و چہارم

یہ مکتوب بھی سرداری کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ بدعتی کی صحبت سے بچنا لازم و ضروری ہے، بدعتی کی صحبت کا ضرر کافر کی صحبت کے ضرر سے بھی بڑھ کر ہے اور بدعتی فرقوں میں سب سے بدترین فرقہ شیعہ شنیعہ ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل جو کجی چشم سے پاک ہیں آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے اور آپ کی قدر و منزلت بلند کرے اور آپ کے کام میں آسانی عطا فرمائے اور آپ کو شرح صدر مرحمت فرمائے ــــــ مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ[۱] (جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی بجا نہیں لاتا) ــــــ پس ہم فقیروں پر آپ کے احسانات کا شکر (دو وجہ سے) لازم ہے۔ اول اس لئے کہ ہمارے حضرت خواجہ (پیر و مرشدنا خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی ظاہری جمعیت کا سبب آپ ہی ہوئے ہیں، ہم نے آپ ہی کے طفیل اس (ظاہری) جمعیت (کی حالت) میں حق سبحانہ و تعالیٰ کی طلب کی اور بہت سے فائدے حاصل کئے ــــــ دوسرے كَبُرْتُ بِمَوْتِ الْكُبَرَاءِ (بڑوں کی موت کی وجہ سے میں بڑا سمجھ لیا گیا ہوں) کے مصداق جب نوبت اس طبقہ (حضرت مجدد قدس سرہ) تک پہنچی تو فقراء کے اجتماع کا ذریعہ اور طالبانِ (طریقت) کے انتظام کا باعث بھی آپ ہی ہیں جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاءِ (یعنی حق تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے) ؎

گر بر تنِ من زباں شود ہر موئے　　یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

(ترجمہ: ہر رُواں تن کا اگر زباں ہو جائے　　شکر کیا ہو ادا ہزار سے ایک

آرزو یہی ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو آپ کے جد بزرگوار سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل دنیا و آخرت میں نامناسب و ناشائستہ امور سے محفوظ رکھے۔

یہ فقیر آپ کی صحبت با عظمت سے دور پڑا ہوا ہے، معلوم نہیں کہ آپ کی مجلس شریف میں

---

[۱] اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو ترمذی نے ابواب البر والصلہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس کو روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں من لا یشکر الناس لا یشکر اللہ اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

کس قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور خلوت وجلوت میں آپ کا غمخوار کون ہے ؂

خوابم بشد از دیدہ دریں فکر جگر سوز　　کا غوشِ کہ شد منزل وآسائش خوابت

(ترجمہ: تمام شب مجھے اس فکر میں نہ نیند آئی　　کہ کس کی گود میں تو نے گذاری رات اپنی)

یقین جانئے کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے بھی زیادہ ہے، اور تمام بدعتی فرقوں میں سب سے بُرا وہ فرقہ ہے جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحابؓ کے ساتھ بُغض رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں ان کو کفار کے نام سے موسوم فرماتا ہے (یعنی) لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (فتح ۴۸ آیت ۲۹) (تاکہ کفار کو ان (اصحاب رسول کریم) کے سبب سے غصہ میں ڈالے) ـــــ قرآن مجید اور شریعت کی تبلیغ اصحابِ (کرام) ہی نے کی ہے، جب ان پر طعن کیا جائے گا تو قرآن وشریعت پر طعن لازم آئے گا۔ قرآن مجید کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع کیا ہے، اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مطعون ہوں گے تو قرآن مجید بھی مطعون ہوگا، اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَمَّا يَعْتَقِدُ الزَّنَادِقَةُ (اللہ تعالیٰ ہمیں ان زندیقوں کے اعتقادات سے بچائے) ـــــ جو اختلافات اور جھگڑے اصحاب کرام علیہم الرضوان کے درمیان واقع ہوئے تھے وہ نفسانی خواہشوں پر محمول نہیں ہیں (اس لئے کہ) حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت (بابرکت) میں (رہ کر) ان کے نفسوں کا تزکیہ ہو گیا تھا اور (اُن کا نفس) امّارہ پن سے آزاد ہو چکا تھا، میں اسقدر جانتا ہوں کہ اس معاملہ میں حضرت امیر (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) حق پر تھے اور ان کے مخالف (حضرت امیر معاویہ وغیرہ رضی اللہ عنہم) خطا پر تھے، لیکن یہ خطا، خطائے اجتہادی ہے جو (ان کو) فسق کی حد تک نہیں پہنچاتی، بلکہ اس قسم کی خطا میں ملامت کی بھی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ایسی خطا کرنے والے کو بھی ثواب کا ایک درجہ حاصل ہے ـــــ اور یزید بدنصیب اصحاب کرامؓ میں سے نہیں ہے، اس کی بدبختی میں کس کو کلام ہے، جو کام اس بدبخت نے کیا (یعنی واقعہ کربلا) کوئی کافر فرنگ بھی نہیں کرتا۔ اہلِ سنت وجماعت کے بعض علماء نے جو اس پر لعنت کرنے کے بارے میں توقف کیا ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ اس سے راضی ہیں بلکہ اس کے اپنے کئے سے رجوع وپشیمانی اور توبہ کے احتمال کی رعایت کرتے ہوئے کیا ہے۔

آپ کی مجلس شریف میں قطب زمان بندگی مخدوم جہانیاں[1] (قدس سرہ العزیز) کی معتبر کتابوں میں سے

[1] حضرت میر سید جلال الدین بخاریؒ جو حضرت شیخ جلال الدین شریف اللہ سرخ بخاری اُوچی کے پوتے ہیں اور سید احمد کبیر بن سید جلال اللہ بن سرخ برادر حقیقی سید صدر الدین کے صاحبزادے ہیں۔ آپ پیدائشی ولی تھے، بچپن ہی سے بزرگی کے آثار آپ کی پیشانی حال سے نمایاں تھے۔ آپ سات سال کے تھے کہ آپ کے والد بزرگوار آپ کو شیخ جمال الدین خنداں روؒ کی خدمت میں لے گئے (باقی برصفحہ آئندہ)

ہر روز کچھ پڑھا جانا چاہئے تاکہ (لوگوں کو) معلوم ہو جائے کہ انھوں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کرام کی کس طرح تعریف کی ہے اور کس ادب کے ساتھ ان کو یاد کیا ہے، تاکہ (صحابہؓ کے) بد خواہ مخالفین شرمندہ ذلیل ہوں، اس زمانہ میں اس بداندیش گروہ (رافضیوں) کی بہت کثرت ہوگئی ہے اور گرد و نواح میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں اسی لئے اس بارے میں چند کلمات لکھے گئے ہیں تاکہ آپ کی صحبت مبارک میں اس قسم کے بداندیش لوگوں کے لئے کوئی گنجائش نہ ہو۔ ثَبَّتَکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَی الطَّرِیْقَۃِ الْمَرْضِیَّۃِ (اللہ تعالیٰ آپ کو پسندیدہ طریقہ پر (اہل سنت وجماعت کے طریقہ پر) ثابت قدم رکھے)۔

مکتوب ۵۵
پنجاہ و پنجم

محبت کے اظہار میں سیادت پناہ شیخ عبد الوہاب بخاری[۳] کی طرف صادر ہوا۔

کچھ عرصہ سے فقیر کے دل میں آپ کے ملازموں (یعنی آنجناب) کی محبت پیدا ہوگئی ہے، یہ اس رابطہ و تعلق سے الگ ہے جو کہ پہلے سے ثابت تھا، (اسی بنا پر (یہ فقیر) بے اختیار (آپ کے حق میں) غائبانہ دعا[۱] میں مشغول ہے اور چونکہ سرور کائنات فخر موجودات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات نے فرمایا ہے مَنْ اَحَبَّ اَخَاہُ فَلْیُعْلِمْہُ اِیَّاہُ[۲] (جو شخص اپنے (کسی مسلمان) بھائی سے محبت کرے تو اسے چاہئے کہ اس کو بتا دے) (اسی لئے) اپنی محبت کا ظاہر کرنا اولیٰ اور زیادہ مناسب جانا اور اس محبت کے وسیلے سے جو کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے ساتھ پیدا ہوگئی ہے بڑی امید حاصل ہوگئی ہے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ان (حضرات اہل بیتؓ) کی محبت پر استقامت نصیب فرمائے۔

لہ یہ عجیب بات ہے کہ بھاولپور والے اوچ میں بھی حضرت جلال الدین بخاری کا مزار ہے اور ریاست دیر والے اوچ کے قریب تالاش میں بھی ان کا مزار ہے۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اور ان کی دست بوسی سے مشرف کرایا، شیخ بہت خوش ہوئے اور مخدوم کے حق میں دعا فرمائی کہ تم خاندان اور مشائخ عظام کے خاندان کو روشن کرو گے۔ اور جاننا چاہئے کہ حضرت مخدوم جہانیاں چودہ خانوادوں میں خلیفہ تھے آپ نے دو مرتبہ ربع مسکوں کی سیر کی اور سینکڑوں فقراء و مشائخ کو دیکھا اور ان سے فیوض و برکات حاصل کیں اور کلاہ و خرقۂ خلافت پایا لیکن آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ سے محبت و اعتقاد تھا آپ کی ولادت ۷۰۷ھ اور وفات ۷۸۵ھ یا ۷۸۸ھ میں ہوئی۔ (خزینۃ الاصفیا بتغیر)

(حاشیہ صفحہ ھذا) ۱۔ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَسْرَعَ الدُّعَاءِ اِجَابَۃً دَعْوَۃُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام اِذَا دَعَا الرَّجُلُ لِاَخِیْہِ بِظَہْرِ الْغَیْبِ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ اٰمِیْنَ وَلَکَ بِمِثْلٍ رواہما ابو داؤد۔

۲۔ اس کو امام احمد نے اور امام بخاری نے الادب المفرد میں اور امام ترمذی نے زہد کے بیان میں اور ابن حبان و حاکم نے روایت کیا ہے (شرح جامع صغیر)

۳۔ مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام صرف دو مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۵۵، ۵۶۔ شیخ عبد الوہاب بن یوسف بن عبد الوہاب حسینی بخاری اوچی حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد میں سے تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے علماء و مشائخ سے علم حاصل کیا (باقی بر صفحہ آئندہ)

یہ مکتوب بھی شیخ عبدالوہاب کی طرف ایک سید صاحب کی سفارش میں صادر فرمایا۔

سادات کثیر البرکات کی پاک بارگاہ آنحضرت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جزئیت یعنی اولاد ہونے کے باعث اس سے بلند تر ہے کہ (یہ فقیر) اپنی ناقص زبان سے ان کی تعریف و توصیف کر سکے مگر یہ کہ اس کو اپنی سعادت کا وسیلہ جانتے ہوئے اس بارے میں جرأت کرتا ہے بلکہ اس تعریف کے وسیلے سے خود اپنی ستائش کرتا ہے اور ان کی محبت کو جس کے لئے ہمیں امر کیا گیا ہے ظاہر کرتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُّحِبِّیْھِمْ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَعَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (یا اللہ! اپنے حبیب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل ہمیں سادات کے ساتھ محبت کرنے والوں میں سے بنا)۔

حامل عریضۂ نیاز میر سید احمد ساداتِ سامانہ میں سے ہیں، طالب اور صالح شخص ہیں، معاش کی تنگی کے باعث آپ کی جانب متوجہ ہوئے ہیں، آپ کی بلند سرکار میں کچھ گنجائش ہو تو موصوفِ مذکور اسی کے لائق و مستحق ہیں ورنہ اپنے مخلصوں میں سے کسی کی طرف (ان کی) سفارش فرمائیں تاکہ تنگیٔ معاش کی طرف سے مطمئن ہو جائیں، چونکہ یقین تھا کہ خود آنجناب فقراء اور محتاجوں کے بارے میں اور خصوصاً ساداتِ عظام کی امداد کے بارے میں پوری توجہ فرماتے ہیں اس لئے یہ چند کلمات لکھنے کی جرأت کی گئی ہے ـــــ روانگی کے وقت اگرچہ وہ رخصت کی سعادت سے بہرہ ور نہیں ہو سکے تاہم مخلصوں کے گروہ میں شامل ہیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اُن کی محبت و اخلاص پر استقامت مرحمت فرمائے۔ زیادہ لکھنا گستاخی ہے۔

شیخ محمد یوسف[۱] کی طرف نصیحت کے بارے میں صادر ہوا۔

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) عہد اکبری اور اوائل جہانگیری میں آپ دہلی کی حکومت پر متعین تھے ۱۰۲۰ھ کے بعد حج و زیارات سے مشرف ہوئے پھر واپس ہندوستان آگئے۔ (نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۶۶ و مآثر الامراء ج ۲ ص ۴۰۴)

(حاشیہ صفحہ ہدا) ۱ مکتوبات شریف میں شیخ محمد یوسف کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے، آپ کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ لیکن مکتوب شریف سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سید تھے اور کسی اچھے عہدے پر فائز تھے ممکن ہے کہ یہ عبدالوہاب حسینی اوچی کے صاحبزادے ہوں جن کے نام

حق سبحانہٗ وتعالیٰ بطفیل آنحضرت سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا آپ کو اپنے بزرگ آباواجداد کے طریقہ پر ثابت قدم رکھے آپ کے خاندان میں بزرگی ورثہ میں چلی آرہی ہے آپ اپنی زندگی ایسے انداز پر بسر کریں کہ اس وراثت کا استحقاق حاصل ہو جائے، اپنے ظاہر کو ظاہر شریعت کے ساتھ اور اپنے باطن کو شریعت کے باطن کے ساتھ جس کو حقیقت سے تعبیر کرتے ہیں آراستہ وپیراستہ رکھیں کیونکہ حقیقت وطریقت (دونوں) سے مراد شریعت کی حقیقت اور اس حقیقت کی طریقت ہے نہ یہ کہ شریعت کوئی اور چیز ہے اور طریقت وحقیقت کوئی اور چیز۔ کیونکہ یہ الحاد وزندقہ (بے دینی) ہے۔ فقیر کا گمان آپ کے بارے میں بہت نیک ہے، بعض واقعات اس حقیقت پر گواہ ہیں، اور اس معاملہ کا کچھ حصہ آپ کے والد بزرگوار علیہ الرحمۃ کے سامنے بھی ظاہر کر دیا تھا۔

باقی مقصود یہ ہے کہ شیخ عبد الغنی بہت صالح ونیک ذات شخص ہے اگر کسی کام کے لئے آپ کی خدمت عالیہ میں رجوع کرے تو (امید ہے کہ) آپ توجہ فرمائیں گے۔ والسلام والاکرام۔

مکتوب ۵۸
پنجاہ وہشتم

جناب سیادت مآب سید محمود[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ یہ راہ جس کے طے کرنے کے ہم درپے ہیں کل سات قدم ہے اور اس بیان میں کہ دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے برخلاف مشائخ نقشبندیہ نے سیر کی ابتدا عالم امر سے اختیار کی ہے اور ان بزرگوں کا طریقہ (بعینہٖ) اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

آپ کا بزرگ عنایت نامہ صادر ہوا، چونکہ اُس سے اس بزرگ گروہ (حضرات نقشبندیہ) کی باتیں سننے کا شوق معلوم ہوا، اس لئے آپ کی خواہش پوری کرنے اور مقصود کی طرف رغبت دلانے کیلئے چند باتیں تحریر کی جاتی ہیں۔

---

[1] مکتوبات شریفہ میں کل پانچ مکتوب آپ کے نام ہیں دفتر اول میں ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱ اور دفتر دوم میں ۸۳ نمبر کا مکتوب ہے ـــــ غالباً آپ سید محمود بارہہ ہیں۔ سنبھل وطن تھا۔ شجاعت وسخاوت میں مشہور تھے۔ اکبر نے پنج ہزاری کی خلعت سے نوازا۔ ایک مرتبہ کسی نے مذاق میں آپ سے کہہ دیا کہ آپ سادات سے نہیں معلوم ہوتے۔ آپ اسی وقت اس آگ میں جا کر کھڑے ہو گئے جو ملنگ فقیر دھونی کے لئے جلائے رکھتے ہیں اور فرمایا "اگر سیدم آتش کارگر نیست و اگر سید نیستم می سوزم دلیل دیگر از حسب و نسب ندارم" اور تقریباً ایک ساعت اس آگ میں کھڑے رہے لوگوں نے منت سماجت کی تو باہر آئے۔ مخملی جوتا جو آپ کے پاؤں میں تھا اس کا رواں تک نہ جلا۔ (ذخیرۃ الخوانین ج ۲ ص ۱۸۲) سنہ ۱۰۴۰ھ میں وفات پائی۔

لطائف سبعہ کا بیان

میرے مخدوم! یہ راستہ جس کے طے کرنے کے ہم درپے ہیں انسان کے سات لطیفوں کی تعداد کے مطابق (یعنی قلب[۱]، روح[۲]، سر[۳]، خفی[۴]، اخفی[۵] اور قالب[۶] و نفس[۷]) کل سات قدم ہے، (جن میں سے) دو[۲] قدم عالمِ خلق میں ہیں جو کہ قالب یعنی بدنِ عنصری اور نفس سے تعلق رکھتے ہیں اور پانچ قدم عالمِ امر میں ہیں جو کہ (لطائف) قلب[۱]، روح[۲]، سر[۳]، خفی[۴] اور اخفی[۵] کے ساتھ وابستہ ہیں، اور ان سات قدموں میں سے ہر ایک قدم میں دس ہزار پردے پھاڑنے پڑتے ہیں خواہ وہ پردے نورانی ہوں یا ظلمانی[۱]۔ اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّ ظُلْمَۃٍ[۲] (بیشک اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمات کے ستر ہزار پردے ہیں)۔

اور پہلا[۱] قدم جو عالمِ امر میں رکھتے ہیں (اس میں) تجلّیِ افعال ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے[۲] قدم میں تجلّیِ صفات اور تیسرے[۳] قدم میں تجلیاتِ ذاتیہ میں (سیر) شروع ہوتی ہے علیٰ ہذا القیاس (باقی لطائف میں) ان کے درجات کے تفاوت کے لحاظ سے ترقی ہوتی جاتی ہے جیسا کہ اس راستہ کے سالکوں پر مخفی نہیں ہے، اور ان سات قدموں میں سے ہر ایک قدم پر (سالک) اپنے آپ سے دُور اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے نزدیک ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ان قدموں کے پورا ہونے تک حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا قرب بھی پورے طور پر حاصل ہو جاتا ہے۔ پس اس وقت وہ فنا و بقا سے مشرف ہو جاتے ہیں اور ولایتِ خاصہ کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے دوسرے سلسلوں کے مشائخ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے برخلاف اس سیر کی ابتدا عالمِ امر سے اختیار کی ہے اور عالمِ خلق کو بھی اسی سیر کے ضمن میں طے کر لیتے ہیں اسی لئے طریقۂ نقشبندیہ سب طریقوں سے اقرب ہوا یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی نہایت ان کی ابتدا میں درج ہو گئی ہے۔ مصرعہ

قیاس کن زِ گلستانِ من بہارِ مرا (ترجمہ: قیاس کر مرے گلشن سے تو بہار مری)

ان بزرگوں کا طریقہ بعینہٖ اصحابِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریقہ ہے کیونکہ ان حضرات (اصحاب کرامؓ) کو حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی پہلی ہی صحبت میں انتہا کے ابتدا میں

---

[۱] جاننا چاہئے کہ ظلمانی پردوں سے مراد غفلت کے پردے ہیں جو کہ انسان کے دس لطیفوں کی کدورت سے پیدا ہوتے ہیں اور نورانی پردوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے پردے ہیں (قاضی ثناء اللہ پانی پتی) واضح ہو کہ لطائف عشرہ کو لطائفِ سبعہ کی طرف راجع کرتے ہیں یعنی پانچ عالمِ امر کے اور دو عالمِ خلق کے پس ان ساتوں لطیفوں میں سے ہر ایک کے حصہ میں دس ہزار حجاب ہوئے۔

[۲] یہ حدیث قدسی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے قول سے مشکوٰۃ شریف میں مروی ہے، علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور امام سیوطیؒ نے اس کو ایک طویل حدیث میں بیان کیا ہے۔

درج ہونے کے طریق پر وہ کمال حاصل ہو جاتا تھا جو امت کے کامل اولیاء اللہ کو انتہا میں بھی شاذ و نادر ہی حاصل ہوتا ہے، اسی لئے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) کا قاتل وحشی[1] جو ایک ہی مرتبہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا خواجہ اویس قرنی[2] رحمہ اللہ سے جو کہ تابعین میں سب سے بہتر ہیں (کئی درجہ) افضل ہے ــــــ حضرت عبد اللہ[3] بن مبارک علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ حضرت امیر معاویہ[4] رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمرؓ بن عبد العزیز[5] رضی اللہ عنہ (یعنی ان دونوں میں کون افضل ہے) تو آپ نے فرمایا "وہ گرد و غبار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (جہاد کے سفر میں) امیر معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں پڑا ہے وہ عمر بن عبد العزیزؒ سے کئی درجہ بہتر ہے" ــــــ پس سوچنا چاہئے کہ جس گروہ کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا درج ہو تو ان کی انتہا کہاں تک ہو گی اور دوسروں کی علم و فہم میں کس طرح سمائے گی۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (مدثر آیت ۳۱) (تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا)۔

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن و قصور	حاش للہ کہ بر آرم بزباں ایں گلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند	روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را
(ترجمہ) اگر کوئی ناداں کرے طعن اس گروہِ پاک پر	حاش للہ گر زباں پر لاؤں میں اس کا گلہ
کُل جہاں کے شیر وابستہ ہیں اس زنجیر سے	لومڑی توڑے گی کیونکر مکر سے یہ سلسلہ

رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَإِيَّاكُمْ مَحَبَّةَ هٰذِهِ الطَّائِفَةِ الْعَزِيْزِ وُجُوْدُهَا (حق تعالیٰ ہم کو اور آپ سب کو اس عزیز الوجود گروہ کی محبت عطا فرمائے)۔ کاغذ اگرچہ چھوٹا ہے لیکن (اس پر) اعلیٰ معارف اور بلند قدر حقائق درج ہوئے ہیں امید ہے کہ اُن کو عزیز رکھیں گے، والسلام۔

---

[1] حضرت وحشیؓ ابن حرب مولیٰ جبیر ابن مطعم نے کفر کی حالت میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو غزوۂ احد میں شہید کر دیا تھا اس کے بعد آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسیلمہ کذاب کو جہنم واصل کیا۔

[2] حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ تابعین میں سب سے بہتر ایک شخص اویس نامی ہے اس کی والدہ اس کے ساتھ ہے اور اس کے جسم پر سفید داغ ہے پس تم اس سے دعائے مغفرت کی درخواست کرنا (مشکوٰۃ)۔

[3] حضرت عبد اللہ بن مبارک تبع تابعین میں بلند درجہ رکھتے ہیں، بمقام مرو سنہ ۱۱۸ھ میں ولادت ہوئی۔ اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء سے دینی علوم حاصل کئے اور علمِ حدیث میں امتیازی درجہ پایا۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں صحابہ کرام کا نمونہ تھے۔ سنہ ۱۸۱ھ ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی ــــــ [4] حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ فتح مکہ کے دن ایمان لائے، آپ کاتبانِ وحی میں سے ہیں، جمادی الاول سنہ ۴۱ھ میں تخت خلافت پر متمکن ہوئے اور ستتر سال کی عمر میں رجب سنہ ۶۰ھ کو انتقال ہوا۔

[5] حضرت عمرؒ بن عبد العزیز بن مروان بن حکم بن ابی العاص اُموی امیر المومنین خلیفۂ مسلمین ہوئے ہیں، اپنے زمانے کے قطب تھے اور خلفائے راشدین میں آپ کو شمار کیا جاتا ہے۔ سنہ ۶۱ھ یا ۶۳ھ میں حلوان مضافات مصر میں ولادت ہوئی سنہ ۹۹ھ میں خلافت ملی اور سنہ ۱۰۲ھ میں وفات پائی۔

مکتوب ۵۹
پنجاہ و نہم (عربی و فارسی)

یہ مکتوب بھی سید محمود کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ آدمی کو نجاتِ ابدی حاصل کرنے کے لئے تین چیزیں لازمی ہیں اور [1] اس بیان میں کہ اہلِ سنت وجماعت کی پیروی کے بغیر نجات حاصل ہونا محال ہے، اور [2] اس بیان میں کہ علم وعمل شریعت سے حاصل ہوتے ہیں اور اخلاص طریقۂ صوفیہ پر چلنے سے وابستہ ہے، اور [3] اس بیان میں کہ عمل کا اخلاص اولیاء اللہ کو تمام افعال واعمال اور حرکات وسکنات میں حاصل ہے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت محمد مصطفیٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شریعت کے سیدھے راستے پر استقامت نصیب فرما کر کامل طور پر اپنی پاک بارگاہ کا گرفتار بنائے۔

آپ کا مکتوبِ شریف اور محبت نامۂ لطیف صادر ہو کر خوشی کا باعث ہوا اور فقراء کے ساتھ آپ کی محبت کی تمہیدات اور اس بلند مرتبہ گروہ کے ساتھ آپ کا اخلاص واضح ہوا، اللہ تعالیٰ (اس محبت و اخلاص کو) اور زیادہ کرے ـــــ آپ نے فوائد (یعنی پند ونصائح) طلب کئے تھے، اے میرے مخدوم! انسان کو ابدی نجات حاصل کرنے کے لئے تین چیزیں لازمی ہیں: علم [1]، عمل [2] اور اخلاص [3]۔

علم بھی دو قسم کا ہے، ایک [1] وہ علم ہے جس سے مقصود عمل ہے جس کا متکفل (ذمہ دار) علم فقہ ہے، دوسرا [2] علم وہ ہے جس سے مقصود صرف اعتقاد اور دل کا یقین حاصل ہوتا ہے جو علم کلام (عقائد کے علم) میں فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت وجماعت کے صحیح قیاس وعقائد کے موافق تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، ان بزرگانِ دین کے اتباع کے بغیر نجات حاصل ہونا محال ہے اور اگر بال برابر بھی ان کی مخالفت ہے تو خطرہ ہی خطرہ ہے، یہ بات صحیح کشف اور صریح الہام کے ساتھ بھی یقین کے درجہ کو پہنچ چکی ہے اس میں کسی قسم کے اختلاف کا شبہ وگنجائش نہیں ہے ــــــ پس اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس کو ان کی پیروی کی توفیق حاصل ہوئی اور ان کی تقلید سے مشرف ہوا، اور اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جس نے ان کی مخالفت کی اور ان سے منحرف ہو گیا اور ان کے اصولوں سے روگردانی کی اور ان کے گروہ سے نکل گیا۔ لہٰذا وہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور انھوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے (آخرت میں) رویتِ باری تعالیٰ اور شفاعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی فضیلت اور

صحابۂ کرامؓ کی افضلیت ان پر پوشیدہ رہی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی محبت اور حضرت بتول (فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا)[1] کی اولاد کی دوستی سے محروم رہے، غرض وہ اس بڑی نیکی سے محروم کردیئے گئے جو اہل سنت وجماعت نے حاصل کی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت

اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اُن میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، امام شافعیؒ نے جو کہ صحابۂ کرام کے حالات کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے ہیں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگ بہت بیقرار ہوگئے تھے (کہ کس کو اپنا امیر بنائیں) پس انھوں نے آسمان کی چھت کے نیچے حضرت ابوبکر صدیق[2] رضی اللہ عنہ سے بہتر و بزرگ کوئی شخص نہ پایا لہذا انھوں نے ان کو اپنا والی بنالیا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول اس بات پر صریح نص ہے کہ تمام صحابۂ کرام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے پر متفق ہیں، پس ان کی افضلیت پر اجماع صدر اول میں ثابت ہوچکا ہے لہذا یہ اجماع قطعی ہوا جس کا انکار جائز نہیں ہے ——

اہل بیت کی فضیلت

اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی مانند ہے جو اس پر سوار ہوا وہ نجات پاگیا اور جو اس سے دور رہا وہ ہلاک ہوگیا —— بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کرامؓ کو ستاروں کی مانند قرار دیا ہے اور لوگ ستاروں سے راستہ (کی سمت) معلوم کرتے ہیں، اور اہل بیت عظام کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی سے تشبیہ دی ہے اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کشتی کے سوار کے لئے ستاروں کی رعایت رکھنا ضروری ہے تاکہ وہ ہلاک ہونے سے بچ جائے۔ اور ستاروں کو مدنظر رکھے بغیر نجات (ہلاکت سے بچنا) قطعی ناممکن ہے۔

اور یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ بلاشبہ بعض صحابہؓ کے انکار سے تمام صحابہؓ کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی فضیلت میں سب صحابہؓ شریک ہیں اور (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی)

---

[1] حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی عظمت و بزرگی اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں ۲ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شادی ہوئی، اولاد امجاد میں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں حضرت ام کلثومؓ اور حضرت زینبؓ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد رمضان المبارک ۱۱ھ میں انتقال فرمایا۔

[2] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام گرامی عبد اللہ تھا آپ کا سلسلۂ نسب ساتویں پشت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ سے مل جاتا ہے یہ فخر صرف آپ ہی کو حاصل ہے کہ آپ کے والدین اور اولاد سب صحابی ہیں۔ کیونکہ داماد کے مقابلے میں خُسر کا درجہ بڑا ہوتا ہے اس اعتبار سے آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفۂ اول ہوئے پھر دوسرے خسر حضرت عمرؓ خلیفۂ دوم ہوئے پھر دامادوں میں حضرت عثمانؓ ذو النورین خلیفۂ سوم بعد ازاں دوسرے داماد حضرت علیؓ خلیفۂ چہارم ہوئے ۔۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ دو سال تین ماہ نو دن سریر آرائے خلافت رہ کر تریسٹھ سال کی عمر میں ۲۳ جمادی الاخری ۱۳ھ کو وصال فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی سعادت سے مشرف ہوئے۔

صحبت کی فضیلت تمام فضیلتوں اور کمالات سے بڑھ کر ہے، یہی وجہ ہے کہ اویس قرنیؓ جو کہ تمام تابعین میں بہتر ہیں آنسرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچے۔ پس صحبت کی فضیلت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے، کیونکہ ان کا ایمان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت اور نزولِ وحی کی برکت سے شہودی ہو گیا تھا، اور صحابۂ کرام کے بعد کسی کو ایمان کا یہ مرتبہ نصیب نہیں ہوا، اور اعمال ایمان پر مرتب ہوتے ہیں (یعنی اعمال ایمان کے ثمرات و نتائج ہیں) اور ان کا کمال ایمان کے کمال کے مطابق ہوتا ہے۔

اور جو لڑائی جھگڑے (مثلاً جنگ جمل و صفین وغیرہ) ان (صحابۂ کرام) کے درمیان واقع ہوئے ہیں وہ سب نیک گمانوں اور کامل حکمتوں پر محمول ہیں، وہ نفسانی خواہشات اور جہالت سے صادر نہیں ہوئے تھے بلکہ اجتہاد و علم کی رُو سے تھے اور اگر ان میں سے بعض حضرات نے اجتہاد میں خطا کی ہے تو اجتہاد میں خطا کرنے والے کے لئے بھی حق سبحانہ و تعالیٰ کے نزدیک ایک درجہ ثواب ہے اور یہی افراط و تفریط کے درمیان سیدھا راستہ ہے جس کو اہلِ سنت و جماعت نے اختیار کیا ہے اور یہی زیادہ سلامتی کا طریقہ اور زیادہ مضبوط راستہ ہے،

غرضکہ علم و عمل (دونوں) شریعت سے حاصل ہوتے ہیں، اور اخلاص جو کہ علم و عمل کے لئے روح کی طرح ہے اس کا حاصل ہونا صوفیہ کے طریقہ پر چلنے سے تعلق رکھتا ہے۔ (سالک) جب تک سیر الی اللہ[1] قطع نہ کر لے اور اور سیر فی اللہ حاصل نہ ہو جائے اخلاص کی حقیقت سے دُور اور مخلصوں کے کمالات سے محروم ہے، ہاں عام مومنوں کو بھی تعمل و تکلف کے ساتھ بعض اعمال میں مجمل طور پر اخلاص حاصل ہو جاتا ہے لیکن جس اخلاص کو ہم بیان کر رہے ہیں وہ تمام اقوال و افعال اور حرکات و سکنات میں تکلف و بناوٹ کے بغیر اخلاص ہے، اور یہ اخلاص آفاقی و انفسی معبودوں کی نفی کرنے پر موقوف ہے جو فنا و بقا کے ساتھ وابستہ ہے اور ولایتِ خاصہ کے مرتبہ تک پہنچاتا ہے۔ جو اخلاص حیلہ و تکلف کا محتاج ہے وہ ہمیشہ قائم نہیں رہتا (اخلاص میں) دوام (ہمیشگی) حاصل ہوتے ہیں جو کہ مرتبۂ حق الیقین میں ہوتا ہے بے تکلف ہونا ضروری ہے۔

پس اولیاء اللہ جو کچھ کرتے ہیں حق سبحانہ و تعالیٰ کے لئے کرتے ہیں نہ کہ اپنے نفس کے لئے کیونکہ ان کا نفس حق تعالیٰ پر قربان ہو چکا ہے، اخلاص حاصل ہوتے ہیں ان کے لئے نیت کا صحیح کرنا ضروری نہیں ہے ان کی نیت فنا فی اللہ و بقا باللہ سے درست ہو چکی ہے۔ مثلاً جو شخص اپنے نفس کا گرفتار ہے وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے نفس کے لئے کرتا ہے خواہ وہ (اس کی نیت کرے یا نہ کرے، اور جب یہ نفس کی گرفتاری سے

---

[1] سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کی تحقیق دفتر اول مکتوب ۱۴۴ میں درج ہے۔

دور ہو جائے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی گرفتاری اس کی جگہ قائم ہو جائے تو بالضرور وہ جو کچھ کریگا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے کریگا خواہ وہ اس کی نیت کرے یا نہ کرے، نیت کا ہونا ظنی امر میں ضروری ہے یقینی و متعین امر میں تعین نیت کی ضرورت نہیں ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاۤءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ (یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

دائمی اخلاص والا شخص مُخْلَصْ بفتح لام ہے اور جس شخص کو دوام حاصل نہیں ہے اور (ابھی) اخلاص کا کسب کرتا ہے وہ مُخْلِصْ بکسر لام ہے اور ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔ اور صوفیہ کے طریقہ سے جو نفع علم و عمل میں حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ علم کلام واستدلال سے تعلق رکھنے والے علوم کشفی ہو جاتے ہیں، اور اعمال کے ادا کرنے میں نہایت آسانی پیدا ہو جاتی ہے اور جو سستی نفس و شیطان کی جانب سے واقع ہوتی ہے وہ دور ہو جاتی ہے۔ ع

این کار دولت است کنوں تا کرا رسد　　(یہ ہے عظیم کام، ملے دیکھئے کسے)

وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔ (اور اول و آخر (یعنی ہر حالت میں) سلامتی ہو)

یہ مکتوب بھی سیادت پناہ سید محمود کی طرف صادر فرمایا ـــــ خطرات و وساوس کے پورے طور پر دُور کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی مقدس جناب کی دائمی گرفتاری سے مشرف فرمائے کیونکہ حقیقی نجات اسی گرفتاری میں ہے۔ خطراتِ (نفسانی) اور وساوس کا دُور ہونا حضرات خواجگان (نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقے میں کامل طور پر حاصل ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس بزرگ خاندان کے بعض مشائخ نے خطرات کے دور کرنے کے لئے چلّہ کھینچا ہے اور ان پورے چالیس دنوں میں اپنے باطن کو خطرات و وساوس کے آنے سے باز رکھا ہے۔

حضرت خواجہ احرار[۱] قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے اس مقام میں فرمایا ہے کہ خطرات و وساوس کے دفع کرنے سے

۱؎ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ حضرت مولانا یعقوب چرخی کے اجل خلفاء میں سے ہیں، مجددِ وقت تھے، بادشاہ وقت آپ کا مرید تھا، مولانا جامی آپ کے خلفاء میں سے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے "مرا برائے ترویج شریعت و توہین بدعت مامور ساختہ اند"۔ پیشہ کاشتکاری تھا بہت مالدار تھے۔ آپ کی ولادت رمضان سنہ ۸۰۶ھ باغستان علاقہ تاشقند اور وفات ربیع الاول سنہ ۸۹۵ھ میں ہوئی۔ مزار سمرقند میں ہے۔ مزید حالات کے لئے "رشحات" ملاحظہ ہو۔

وہ خطرات مراد ہیں جو مطلوب کی طرف دائمی توجہ کے روکنے والے ہیں نہ کہ مطلق طور پر خطرات کا دفع کرنا، اور اس سلسلۂ عالیہ کے مخلصین میں سے ایک درویش (غالباً خود حضرت مجددؒ) اس آیت وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ (سورہ الضحیٰ آیت ۱۱) (اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کرو) کے مصداق اپنا حال اس طرح بیان کرتا ہے کہ "خطرات دل سے اس حد تک دور ہو جاتے ہیں کہ اگر بالفرض اس صاحبِ دل کو حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر دی جائے تب بھی (تمام عمر میں) کوئی خطرہ ہرگز اس کے دل میں نہیں آئے گا" بغیر اس بات کے کہ وہ اس خطرے کے دور کرنے میں کسی قسم کا تکلف کرے، کیونکہ جو حالت تکلف سے حاصل کی جاتی ہے وہ ایک وقت تک محدود ہوتی ہے دائمی نہیں ہوتی، بلکہ اگر وہ خطرات کے لانے میں کئی سال تک تکلف کرے تو بھی خطرات کا گذر نہیں ہو سکتا (اس مقصد کے حصول کے لئے) چلّہ کا مقرر کرنا بناوٹ و تکلف کی خبر دیتا ہے، تکلف و بناوٹ مرتبہ طریقت میں ہے اور حقیقت وہ ہے جو بناوٹ و تکلف سے خالی ہو ـــــ یادکرد[1] (مرتبہ) طریقت میں ہے اور یادداشت[2] (مرتبہ) حقیقت میں ـــــ پس ثابت ہوا کہ عشرہ و اربعین کے ذریعہ سے تکلف کے ساتھ خطرات کے روکنے میں جو کہ ایک خاص وقت تک محدود ہے مطلوب کی طرف دائمی توجہ کا حاصل ہونا محال ہے کیونکہ تکلف مرتبۂ طریقت میں ہے اور یہ کہ مرتبۂ طریقت میں دوام ممکن نہیں ہے (بلکہ مرتبۂ حقیقت میں ہے) اور یہ بات کہ دوام مرتبۂ حقیقت میں ہے اس وجہ سے ہے کہ تکلف کو اس مقام میں گنجائش نہیں ہے۔

پس مرتبۂ تکلف میں خطرات کا آنا بیشک دوام توجہ کا مانع ہے اور دائمی نگرانی جو اس سلسلۂ عالیہ کے مبتدیوں کو حاصل ہوتی ہے وہ کچھ اور ہے اور دائمی توجہ جس کو ہم بیان کر رہے ہیں اس سے مراد یادداشت ہے جو کہ کمال کا انتہائی درجہ ہے ـــــ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فرمایا ہے کہ یادداشت کے آگے پنداشت (وہم و گمان) ہے، یعنی اور کوئی مرتبہ نہیں ہے۔

---

[1] یادکرد سے مراد لسانی و قلبی ذکر ہے یعنی حق تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کو دور کرنا ہے۔ جاننا چاہئے کہ جب تک سالک طریقت و تصنع میں ہے اور اس کو حقیقت و ملکہ حضور حاصل نہیں ہوا وہ یادکرد کے مقام میں ہے اور جب حضور و دوام حاصل ہو جائے اور یادکرد کے تکلف سے چھٹکارا حاصل کر لے اور ایسا ملکہ حاصل ہو جائے کہ نفی کرنے سے بھی اس کی نفی نہ ہو سکے تو مقام یادداشت حاصل ہو جاتا ہے (از مکتوبات خواجہ محمد معصوم قدس سرہ)

[2] یادداشت سے مراد ہر وقت اور ہر حالت میں بطریقِ ذوق حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یادداشت حضورِ بے غیبت کو کہتے ہیں اور اہلِ تحقیق بزرگوں کے نزدیک حُبِّ ذاتی کے وسیلہ سے شہودِ حق کا دل پر غلبہ ہونا حصولِ یادداشت کہلاتا ہے اور اس کو مشاہدہ کہتے ہیں اور حق یہ ہے کہ وہ مقام جس میں تمام توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے فنائے تام و بقائے کامل کے بغیر حاصل نہیں ہوتی (از ضیاء القلوب حاجی امداد اللہ صاحبؒ)۔

اس قسم کے حالات ظاہر کرنے سے مقصود اس طریقۂ عالیہ کے طالبوں کو رغبت دلانا ہے، اگرچہ اس سے منکروں کا انکار ہی زیادہ ہوگا۔ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا (بقرہ آیہ ۲۶) (اس سے بہت سے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور بہت سے ہدایت پاتے ہیں)۔ **مثنوی**

ہرکس افسانہ بخواند افسانہ است　　وانکہ دیدش نقدِ خود مردانہ است

آب نیل است و بقبطی خون نمود　　قومِ موسیٰؑ را نہ خون بود آب بود

(ترجمہ) جس نے افسانہ کہا اس کے لئے افسانہ ہے　　جو اسے سمجھے حقیقت بس وہی فرزانہ ہے

قبطیوں کے حق میں آبِ نیل یکسر خون ہوا　　قومِ موسیٰؑ کے لئے وہ خون نہیں تھا آب تھا

مکتوب ۶۱ شصت و یکم

یہ مکتوب بھی سیادت مآب سید محمود کی طرف صادر ہوا ـــــــ شیخ کامل و مکمل کی صحبت کی ترغیب اور ناقص شیخ کی صحبت سے بچنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے حبیب سید البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل جو کہ کجی چشم سے پاک ہیں اپنی طلب میں زیادتی مرحمت فرماکر ہر اس چیز سے بچائے جو مطلوب تک پہنچنے کی مانع ہے۔ آپ کا عنایت نامہ شرف صدور لایا چونکہ طلب و شوق کی خبر اور درد و تشنگی کا پتہ دینے والا تھا نظر میں بہت ہی پسند آیا کیونکہ طلب مطلوب کے حاصل ہونے کی بشارت دیتی ہے اور درد مقصود تک پہنچنے کی تمہید ہے ـــــــ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ "اگر نخواستے داد، نداد ے خواست" (یعنی اگر اللہ تعالیٰ دینا نہ چاہتا تو طلب عطا نہ فرماتا) (پس یہ طلب و درد اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دینا چاہتا ہے)۔ پس طلبِ دولت حاصل ہونے کو بہت بڑی نعمت جان کر ہر اس چیز سے بچنا چاہیئے جو اس کے مخالف ہے ایسا نہ ہو کہ اس میں کوئی فتور واقع ہو جائے اور اس حرارت میں کوئی ٹھنڈک (سستی) اثر کر جائے۔ اور اس کی محافظت کا سب سے بڑا ذریعہ اس دولت کے حاصل ہونے کا شکر ادا کرنا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (سورہ ابراہیم آیہ ۱۴) (بالضرور اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تم کو اور زیادہ دوں گا)۔ اور (دوسرا ذریعہ) حضرت قدس جل سلطانہ کی جناب میں عاجزی و زاری کرنا ہے تاکہ حق تعالیٰ اس کی

طلب و درد کے چہرے کو اپنے لازوال جمال کے کعبہ سے نہ ہٹائے۔ اگر التجا و تضرع کی حقیقت حاصل نہ ہو تو ظاہری تضرع و نیازمندی کی صورت کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہئے: وَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا[1] (یعنی اگر رونا نہ آئے تو رونے والوں کی سی صورت بنالو) میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے —

(طلب و درد کی) یہ محافظت کامل و مکمل (خود کامل و مکمل کرنے والے) شیخ کے ملنے تک ہے۔ اس کے بعد اپنی تمام مرادیں اس بزرگ کے سپرد کر دینی چاہئیں اور (اس کی خدمت میں) مردہ بدست غسال (غسل دینے والا) کی طرح ہو جانا چاہئے — فنائے اول فنافی الشیخ ہے اور یہی فنا پھر فنافی اللہ کا وسیلہ بن جاتی ہے —

زاں روئے کہ چشمِ تست احول　　معبودِ تو پیرِ تُست اول

(ترجمہ) ابھی جب تک ہے تیری آنکھ احول　　ہے مرشد ہی تیرا معبود اول

کیونکہ فائدہ پہنچانا اور فائدہ حاصل کرنا دونوں طرف کی مناسبت پر موقوف ہے اور ابتدا میں طالبِ طریقت کو اپنی نہایت پستی و کمینگی کے باعث حق تعالیٰ عز سلطانہ کی پاک بارگاہ کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہوتی اس لئے دونوں طرف[2] (یعنی خالق و مخلوق کے درمیان) تعلق والا ایک واسطہ (برزخ) ہونا ضروری ہے اور وہ شیخِ کامل و مکمل ہے، اور طلب میں فتور و سستی واقع ہونے کا سب سے بڑا قوی سبب شیخِ ناقص کی طرف رجوع کرنا ہے، جس نے ابھی اپنا جذبہ و سلوک کا کام پورا نہیں کیا اور شیخی و پیری کی مسند پر بیٹھ گیا اس کی صحبت طالب کے لئے زہرِ قاتل ہے اور اس کی طرف رجوع کرنا مہلک مرض ہے، اس قسم کے شیخ کی صحبت طالب کی بلند استعداد کو پستی میں لے آتی ہے اور بلندی سے پستی کے غار میں گرا دیتی ہے —— مثلاً جو مریض ناقص طبیب سے علاج کرائے وہ اپنی بیماری کے زیادہ کرنے میں کوشش کرتا ہے اور اپنے مرض کے زائل کرنے کی قابلیت کو ضائع کر دیتا ہے، اگرچہ ابتدا میں وہ دوائی مرض میں کچھ تخفیف کر دے لیکن حقیقت میں وہ عین مضر ہے۔ یہ مریض اگر بالفرض کسی حاذق (تجربہ کار) طبیب کے پاس جائے تو وہ طبیب پہلے تو اس

---

[1] اس قول میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو شرح السنہ میں حضرت انسؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا "اے لوگو! رویا کرو پس اگر تم رو سکو تو تکلف و بناوٹ سے رونے والوں کی سی صورت بنالیا کرو (الحدیث) (مشکوۃ)

[2] چونکہ مرید گرفتارِ عالم سفلی ہے اس لئے وہ عالم علوی سے مناسبت نہیں رکھتا تاکہ ذاتِ حق سے بلا واسطہ فیوض و برکات اخذ کر سکے اس لئے اس کو ایک ایسے واسطہ کی ضرورت ہے جو ذو جہتین ہو یعنی عالم علوی پر کافی حصہ حاصل کر کے مخلوق کی دعوت و ارشاد کے لئے عالم سفلی کی طرف رجوع کر چکا ہو تاکہ وہ عالم علوی کی مناسبت کی وجہ سے عالمِ غیب سے فیوضات اخذ کر کے عالم سفلی کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے طالبوں کو وہ فیوضات پہنچائے۔

دوا کی تاثیر کو زائل کرنے کی فکر کرے گا اور مسہلات کے ساتھ اس کا علاج کرے گا۔ اس تاثیر کے زائل ہو جانے کے بعد (اصلی) مرض کے دور کرنے کی طرف توجہ کرے گا۔

ان بزرگواروں قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریق کا دارومدار (پیر کی) صحبت پر ہے اور (صرف) کہنے سننے سے کوئی کام نہیں بنتا بلکہ طلب میں سستی پیدا ہو جاتی ہے ـــــــ امید ہے کہ کچھ دنوں کے بعد دہلی و آگرہ کی طرف ہمارا سفر واقع ہو جائے اگر آپ (وہاں) تنہا تشریف لائیں اور آمنے سامنے کچھ حاصل کر کے جلدی واپس چلے جائیں تو اس کی گنجائش ہے، اس سے زیادہ لکھنا آپ کو تکلیف دینا ہے۔

بقیہ سوالوں کا جواب یہ ہے کہ جناب بزرگی کی پناہ والے اور معارف کے جاننے والے میاں شیخ تاج اس صوبہ (علاقہ) میں غنیمت ہیں اور بزرگ ہیں لیکن آپ کی استعداد کو ان کے طریقہ سے بہت کم مناسبت ہے اور مناسبت کے تعلق کے بغیر مطلوب کا حاصل ہونا دشوار ہے اور (آئندہ) آپ کو اختیار ہے، اگر کبھی کبھی اپنے کچھ حالات تحریر فرماتے رہیں تاکہ اس طرف سے بھی کچھ لکھا جاتا رہے تو بہت ہی مناسب ہے کیونکہ اخلاص کا سلسلہ اس طرح پر ہمیشہ حرکت میں رہتا ہے۔ والسلام

مکتوب ۶۲
شصت و دوم

جناب میرزا حسام الدین احمد[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ وہ جذبہ جو سلوک سے پہلے ہے وہ اصلی مقصود نہیں ہے بلکہ منازلِ سلوک کو آسانی سے قطع کرنے کا وسیلہ ہے اور وہ جذبہ جو سلوک کے بعد حاصل ہوتا ہے اصلی مقصود ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــــ وصول الی اللہ کے طریقہ کے دو جزو ہیں: جذبہ[1] اور سلوک[2]، یا دوسرے لفظوں میں تصفیہ[1] و تزکیہ[2]، جو جذبہ سلوک پر مقدم ہے وہ اصلی مقاصد میں سے نہیں ہے اور جو تصفیہ تزکیہ سے پہلے ہوتا ہے وہ بھی اصلی مطالب میں سے نہیں ہے ہاں وہ جذبہ جو سلوک کے تمام ہونے کے بعد ہوتا ہے اور وہ تصفیہ جو تزکیہ حاصل ہونے کے بعد ہوتا ہے

ـــــــ
[1] میرزا حسام الدین احمدؒ کا مختصر تذکرہ اور مکتوبات کی تفصیلات کے لئے دفتر اول مکتوب ۳۲ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

جو کہ سیر فی اللہ[1] میں ہے البتہ وہ مقاصدِ مطلوبہ میں سے ہے۔ سابقہ جذبہ اور تصفیہ جو سلوک کے راستوں کی آسانی کے لئے ہے سلوک کے بغیر مقصد حل نہیں ہوتا اور (سلوک کی) منزلیں طے کئے بغیر مطلوب کا جمال ظاہر نہیں ہوتا، پہلا جذبہ دوسرے جذبے کے لئے (حقیقت کے بالمقابل) صورت کی مانند ہے حقیقت میں (یہ دونوں) ایک دوسرے کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتے ——— پس اس سلسلۂ عالیہ کے مشائخ کی عبارتوں میں جو انتہا کا ابتدا میں درج ہونا مذکور ہے اس سے مراد انتہا کی صورت کا ابتدا میں درج ہونا ہے ورنہ انتہا کی حقیقت ابتدا میں نہیں سما سکتی، اور نہایت کو بدایت کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں ہے اور اس موضوع کی تحقیق اس رسالہ (مکتوب)[2] میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے جو جذبہ و سلوک وغیرہ کی تحقیق میں لکھا گیا ہے ——— مختصر یہ ہے کہ صورت سے گذر کر حقیقت تک پہنچنا ضروری ہے اور حقیقت کو چھوڑ کر صرف صورت پر اکتفا کرنا سراسر (مقصد سے) دوری ہے۔ حَقَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِالْحَقِیْقَۃِ الْحَقَّۃِ وَجَنَّبَنَا عَنِ الصُّوْرَۃِ الْبَاطِلَۃِ بِحُرْمَۃِ النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ وَاٰلِہِ الْاَبْرَارِ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمْ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَکْمَلُہَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَفْضَلُہَا (حق تعالیٰ سبحانہ اپنے نبی مختار اور آپ کی آل ابرار علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ہم کو اصلی حقیقت پر ثابت قدم رکھے اور صورتِ باطلہ سے بچائے۔

مکتوب ۶۳

شصت و سوم

یہ مکتوب سرداری کی پناہ والے اور ستائش کے سرمایہ والے شیخ فرید[3] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام دین کے اصول میں متفق ہیں اور ان بزرگوں کا اختلاف صرف فروعِ دین میں ہے اور ان (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے بعض متفق علیہ کلمات کے بیان میں۔

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلٰی جَادَّۃِ اٰبَائِکُمُ الْکِرَامِ عَلٰی اَفْضَلِہِمْ اَصَالَۃً وَعَلٰی بَوَاقِیْہِمْ مُتَابَعَۃً الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو آپ کے بزرگ باپ داداؤں کے سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھے

---

[1] جاننا چاہئے کہ سیر فی اللہ و سیر الی اللہ اور سیر عن اللہ باللہ و سیر فی الاشیاء کے معنی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے دفتر اول مکتوب ۱۴۲ میں جو کہ حافظ محمود لاہوری کے نام ہے اس میں تفصیل سے تحریر فرمائے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

[2] یعنی دفتر اول مکتوب ۲۸۷ بنام حقائق آگاہ میاں غلام محمد برادر حقیقی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ و نیز دفتر ثانی مکتوب ۴۲ بنام خواجہ جمال الدین حسین۔

[3] شیخ فرید کا مختصر تذکرہ اور ان کے نام مکتوبات کی تفصیل وغیرہ کیلئے دفتر اول مکتوب ۴۳ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

ان میں سب سے افضل پر اصلی طور پر اور باقی سب پر متابعت کے طور پر صلوٰۃ وسلام ہو)

انبیاءِ کرام، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اُن سب پر بالعموم اور ان میں سے افضل پر بالخصوص اللہ تعالیٰ کی رحمتیں وسلام وتحیات وبرکات ہوں، کیونکہ ان بزرگوں کے طفیل ایک عالم کو دائمی نجات کی سعادت حاصل ہوئی ہے اور ہمیشہ کی گرفتاری سے آزادی نصیب ہوئی ہے، اگر ان حضرات کا وجود شریف نہ ہوتا تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ جو کہ غنی مطلق ہے دنیا جہان کو اپنی ذات تعالیٰ وصفات مقدسہ کی نسبت کچھ خبر نہ دیتا اور اس کی طرف راستہ نہ دکھاتا اور کوئی شخص اس کو نہ پہچانتا اور (شرع شریف کے) اوامر و نواہی کہ جن کے ساتھ اپنے بندوں کو محض اپنے فضل وکرم سے ان کے نفع کے لئے مکلّف بنایا ہے ان کے بجا لانے کی تکلیف نہ دیتا اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ امور اور اس کے ناپسندیدہ امور سے جدا نہ ہوتے —— پس اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر کس زبان سے ادا ہو سکتا ہے اور کس کو یہ طاقت ہے کہ اس کے شکر سے عہدہ برآ ہو سکے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَھَدٰنَآ اِلَی الْاِسْلَامِ وَجَعَلَنَا مِنْ مُّصَدِّقِی الْاَنْبِیَآءِ عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم پر انعام کیا اور ہم کو اسلام کی طرف ہدایت کی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے والوں میں سے بنایا)۔

تمام انبیاء اصول دین میں متفق ہیں

اور یہ بزرگواران (یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) دین کے اصول میں (سب) متفق ہیں[1] اور حق تعالیٰ وتقدس کی ذات وصفات، حشر ونشر، رسولوں کے بھیجنے، فرشتوں کے نازل ہونے، وحی کے وارد ہونے، جنت کی نعمتوں اور دوزخ کا عذاب دائمی وابدی ہونے کے بارے میں ان سب کی بات ایک ہی ہے، اور ان کا اختلاف صرف ان بعض احکام میں ہے جو دین کے فروع سے تعلق رکھتے ہیں، (کیونکہ) حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہر زمانے میں ہر اولوالعزم پیغمبر پر اس زمانہ والوں کے مناسب بعض احکام کے ساتھ وحی بھیجی ہے اور اور مخصوص احکام کے ساتھ مکلّف فرمایا ہے —— احکامِ شرعیہ میں نسخ[2] وتبدیلی کا ہونا حق تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر ہے اور ایسا بھی بہت دفعہ ہوا ہے کہ ایک ہی صاحبِ شریعت پیغمبر پر مختلف وقتوں میں ایک دوسرے کے برخلاف احکام نسخ وتبدیل کے طور پر وارد ہوئے ہیں۔

---

[1] قال اللہ تعالیٰ انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ (نساء آیۃ ۱۶۳) (یعنی ہم نے تم پر وحی کی جس طرح کہ ہم نے نوح (علیہ السلام) پر اور ان کے بعد آنے والے نبیوں پر وحی کی تھی۔

[2] یہاں جاننا چاہئے کہ احکام شرعیہ تکلیفیہ میں نسخ احکام تکوینیہ تکلیفیہ میں نسخ کی مانند ہے اور جو استبعاد کہ نظام تشریعی میں کافروں کے شبہات ڈالنے کی وجہ سے دل میں قائم ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نظام تکوینی کا حال دیکھنے سے دور ہو جاتا ہے۔

اور ان بزرگوں (انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے متفقہ کلمات میں سے چند کلمات یہ ہیں: — حق تعالیٰ سبحانہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا[1] — حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے سے منع کرنا۔ — حق سبحانہ وتعالیٰ کے سوا مخلوقات میں سے کسی کو اپنا رب نہ بنانا — یہ حکم (یعنی نفی عبادت غیر حق) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہی مخصوص ہے، ان (انبیاء علیہم السلام) کے متبعین کے علاوہ اور لوگ اس دولت سے مشرف نہیں ہوئے، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی نے بھی اس قسم کے کلمات نہیں کہے ہیں۔

منکرینِ نبوت، اگرچہ اللہ تعالیٰ کو واحد (ایک) کہتے ہیں لیکن ان کا حال دو باتوں سے خالی نہیں ہے یا تو وہ اہل اسلام کی تقلید کرتے ہیں یا واجب الوجود ہونے میں تو اس کو واحد مانتے ہیں لیکن استحقاقِ عبادت میں (واحد) نہیں مانتے — اور اہلِ اسلام کے نزدیک حق سبحانہ وتعالیٰ واجب الوجود ہونے میں بھی واحد ہے اور عبادت کا مستحق ہونے میں بھی — کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے مراد جھوٹے خداؤں کی عبادت کی نفی کرنا اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت کا ثابت کرنا ہے۔

اور دوسری بات جو ان بزرگوں (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ مخصوص ہے وہ یہ ہے کہ وہ سب اپنے آپ کو دیگر لوگوں کی طرح بشر (انسان) جانتے ہیں اور عبادت کے لائق اللہ تعالیٰ ہی کو جانتے ہیں اور لوگوں کو اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اس (حق تعالیٰ) کو مخلوق میں حلول کرنے اور مخلوق کے ساتھ اتحاد سے پاک بتاتے ہیں — لیکن نبوت کا انکار کرنے والے لوگ ایسے نہیں ہیں بلکہ ان کے سردار اپنی خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو اپنے اندر حلول کیا ہوا ثابت کرتے ہیں اور عبادت کا حق دار ہونے اور معبود ہونے (یعنی خدا، الٰہ ہونے) کے نام کا اپنے اوپر اطلاق کرنے سے اجتناب نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ وہ بندگی سے پاؤں باہر نکال کر بُرے افعال اور بد اعمال میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور (اُن بُرے افعال کو) مباح جاننے کا راستہ ان پر کشادہ ہو جاتا ہے اور وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ یہ (باطل) معبودوں کے لئے کوئی چیز منع نہیں ہے اور (یہ باطل معبود) جو کچھ کہتے ہیں وہ اس کو درست جانتے ہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں یہ اس کو مباح سمجھتے ہیں، یہ لوگ خود بھی گمراہ ہو گئے اور انھوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا پس ان کے لئے اور ان کے متبعین و پیروکاروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

---

[1] اس میں آیت شریف قل یٰاَھل الکتٰب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہٖ شیئًا (آل عمران آیت ۶۴) کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

اور ایک اور بات جس پر انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام متفق ہیں اور ان منکروں کو اس دولت سے کچھ نصیب نہیں ہے، یہ ہے کہ فرشتے جو مطلق (یعنی بالکل) معصوم ہیں اور کسی قسم کا تعلق و آلودگی نہیں رکھتے یہ حضرات ان کے نازل ہونے کے قائل ہیں اور ان (فرشتوں) کو (اللہ تعالیٰ کی) وحی کے امین اور کلام الٰہی کے اٹھانے والے جانتے ہیں۔ پس یہ حضرات جو کچھ کہتے ہیں حق تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں اور جو کچھ پہنچاتے ہیں حق تعالیٰ ہی کی طرف سے پہنچاتے ہیں، اور ان (پیغمبروں) کے اجتہادی احکام کی بھی وحی کے ذریعہ سے تائید کی جاتی ہے، اگر بالفرض (کسی پیغمبر) سے کوئی لغزش (اجتہادی خطا) واقع ہو جاتی تھی اسی وقت حق تعالیٰ اس کا تدارک (اصلاح) وحی قطعی کے ساتھ فرما دیتا تھا ——— لیکن منکروں کے سردار[۵۱] جو کہ الوہیت کے مدعی ہیں جو کچھ کہتے ہیں اپنی طرف سے کہتے ہیں اور اپنے الٰہ (معبود) ہونے کے گمان کے باعث اسی کو درست جانتے ہیں، پس انصاف سے کام لینا ضروری ہے، جو شخص کہ نہایت بے عقلی کی وجہ سے اپنے آپ کو خدا کہے اور عبادت کا مستحق جانے اور اس فاسد گمان سے ناشائستہ افعال اس سے سرزد ہوں اس کی باتوں کا کیا اعتبار ہے اور اس کی پیروی پر کیا انحصار ہے۔ مصرع

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست　　　سال اچھا ہے وہی جس کی بہار اچھی ہے

اس قسم کی باتوں کا ظاہر کرنا مزید وضاحت کے لئے ہے ورنہ حق باطل سے جدا ہے اور نور اندھیرے سے نمایاں ہے: وَجَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل[۱۷] آیت ۸۱) (دین حق آگیا اور دین باطل نیست و نابود ہو گیا بیشک باطل نیست و نابود ہونے والا ہی ہوتا ہے)۔ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰى مُتَابَعَةِ هٰؤُلَآءِ الْاَكَابِرِ عَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا (یا اللہ! تو ہم کو اول و آخر انہی بزرگوں یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت پر ثابت قدم رکھ)۔

باقی مقصود یہ ہے کہ سرداری کی پناہ والے میاں پیر کمال کو آپ خوب اچھی طرح جانتے ہیں، اس بارے میں مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس قدر لکھنا ضروری ہے کہ فقیر کو کچھ عرصے سے ان کی ملاقات کا شرف حاصل ہے ایک مدت سے آپ کی قدم بوسی کا شوق رکھتے ہیں لیکن اس عرصہ میں ان کو کچھ ضعف لاحق ہو گیا تھا ایک مدت دراز تک صاحب فراش تھے اب صحت حاصل ہونے کے بعد آپ کی خدمتِ عالیہ کی طرف متوجہ ہوئے ہیں آپ کی عنایت کے امیدوار ہیں۔

---

[۵۱] انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے منکروں کے سردار۔

یہ مکتوب بھی سیادت و ستائش کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا ——— جسمانی و روحانی لذت اور رنج و غم کے برداشت کرنے کی ترغیب اور اس کے مناسب بیان میں۔

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَعَافَاکُمْ فِی الدَّارَیْنِ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الثَّقَلَیْنِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سید الثقلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل آپ کو دونوں جہان میں سلامتی و عافیت کے ساتھ رکھے) ——— دنیا کی لذت اور رنج و غم دو قسم کے ہیں: جسمانی اور روحانی؛

دنیوی لذت اور رنج و غم کی حقیقت

جس چیز میں جسم کے لئے لذت ہے روح کے لئے اس میں درد و رنج ہے، اور جس چیز سے جسم کو رنج پہنچتا ہے روح کو اس سے لذت حاصل ہوتی ہے، پس روح اور جسم ایک دوسرے کی ضد ہیں ——— اس جہاں میں چونکہ روح جسم کے مقام میں اُتری ہوئی ہے اور جسم و جسمانی کی گرفتار ہو گئی ہے اس لئے روح بھی جسم کے حکم میں ہو گئی ہے، اس کی لذت سے لذت یاب اور اس کے رنج و الم سے دردمند ہو گئی ہے، یہ عوام کالانعام کا مرتبہ ہے (آیۂ کریمہ) ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ (سورۂ تین آیت ۹۵) (پھر ہم اس کو سب سے کمتر مخلوق کے درجے میں لوٹا لائے۔ (یعنی انسان نے کافر ہو کر اپنی فطرتِ سلیمہ کو ضائع کر دیا) انہی کے حال پر صادق آتی ہے۔ اگر روح اس گرفتاری سے رہائی حاصل نہ کرے اور اپنے اصلی وطن کی طرف رجوع نہ کرے تو ہزار ہزار افسوس ہے ؎

پایہ آخر آدم است و آدمی	گشت محروم از مقام محرمی
گر نہ گردد باز مسکیں زیں سفر	نیست از وے ہیچ کس محروم تر

(ترجمہ)

ہے نزولِ آخری میں آدمی	پس ہے محرومِ مقامِ محرمی
گر نہ لوٹے اس سفر سے وہ غریب	کیا کہوں بس ہے نہایت بدنصیب

یہ روح کی بیماری ہی کی وجہ سے ہے کہ (انسان) اپنے درد و رنج کو لذت اور لذت کو درد و رنج سمجھتا ہے جیسا کہ صفراوی مزاج والا شخص صفرا کی بیماری کے باعث شیرینی کو کڑوی محسوس کرتا ہے۔ پس عقلمندوں پر اس مرض کے دور کرنے کی فکر کرنا لازم ہے تاکہ جسمانی رنج و مصائب میں خوش و خرم زندگی بسر کریں بیت

از پئے ایں عیش و عشرت ساختن	صد ہزاراں جاں بباید باختن
(ترجمہ) اس طرح کے عیش و عشرت کے لئے	صد ہزاراں جان کی بازی کرے

اور جب اچھی طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر دنیا میں درد و رنج اور مصیبت نہ ہوتی تو پھر دنیا کی قدر و قیمت جَو کے ایک دانہ کے برابر بھی نہ ہوتی، اس (دنیا) کی ظلمتوں اور تاریکیوں کو (یہاں کے) مصائب و حوادثات زائل کرتے ہیں، حوادثات کی تلخی کڑوی دوا کی طرح نفع دینے والی ہے جو کہ مرض کو دور کرتی ہے ــــ

ــــ اس فقیر کو محسوس ہوا ہے کہ لوگ عام دعوتوں میں جو کھانا پکاتے ہیں وہ خالص نیت کا لحاظ نہیں کرتے اس کے کھانے والوں میں سے بعض لوگ گلہ و شکایت کرتے ہوئے اُٹھتے ہیں اور اس کھانے اور صاحبِ طعام میں نقص و عیب نکالتے ہیں اور صاحبِ طعام کا دل اس بات سے شکستہ ہو جاتا ہے، تو صاحبِ طعام کی یہی شکستگی اس ظلمت کو جو نیت میں خلوص نہ ہونے کی وجہ سے کھانے میں آگئی تھی دُور کر دیتی ہے اور قبولیت کے مقام میں لے آتی ہے۔ اگر اس جماعت کی طرف سے گلہ و شکوہ نہ ہوتا اور صاحبِ طعام کے دل میں انکساری و عاجزی پیدا نہ ہوتی تو کھانا سراسر ظلمت و کدورت سے بھرا رہتا، اس صورت میں قبولیت کی امید کی کیا گنجائش ہوتی۔

ــــ پس کام کا دارومدار شکستگی اور بیچارگی پر ہے اور ہم نازمیں پلے ہوئے عیش و عشرت کے طالبوں کے لئے یہ کام مشکل ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ[۵۱] (ذاریات آیت ۵۶) (اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے) نصِ قاطع ہے۔ اور عبادت سے مراد عاجزی و انکساری ہے، پس انسان کی پیدائش سے مقصود (خالقِ کائنات کے سامنے) عاجزی و انکساری کرنا ہے، خاص طور پر مسلمانوں اور دیندار لوگوں کے لئے کیونکہ دنیا اُن کے لئے قید خانہ ہے۔ قید خانہ[۵۲] میں عیش و عشرت ڈھونڈنا عقل سے دُور ہے پس آدمی کے لئے محنت اٹھانے کی مشق کے سوا کوئی چارہ نہیں اور اس بوجھ کے اٹھانے کی ورزش سے کوئی بچاؤ کا راستہ نہیں۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کے جدِ بزرگوار علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا کے طفیل ہم بے طاقتوں کو اس حقیقت پر استقامت مرحمت فرمائے۔

یہ مکتوب خانِ اعظم[۵۳] کی طرف صادر فرمایا ــــ اسلام کے ضعیف ہونے اور مسلمانوں کی خواری و عاجزی پر رنج و افسوس کرنے اور اہلِ اسلام کو قوت دینے اور شرعی احکام جاری کرنے پر ترغیب و تحریص دینے کے بارے میں۔

---

[۵۱] صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الدنیا سجن المومن و جنۃ الکافر (مشکوۃ) ــــ [۵۲] (بر صفحہ آئندہ)

اَیَّدَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَنَصَرَکُمْ عَلٰی اَعْدَاءِ الْاِسْلَامِ فِیْ اِعْلَاءِ الْاَحْکَامِ (اللہ تعالیٰ آپ کو (شرعی) احکام کے بلند کرنے میں دشمنانِ اسلام پر مدد و نصرت عطا فرمائے) ـــــــ مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا نے فرمایا ہے: اَلْاِسْلَامُ بَدَأَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ[۱] (یعنی اسلام غریب (بے وطن و بےکس) ہی ظاہر ہوا اور عنقریب ایسا ہی ہو جائے گا جیسا کہ شروع میں تھا پس غریبوں کے لئے خوشخبری ہے) ـــــــ اسلام کی غربت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ کافر کُھلم کُھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں، بے خوف وخطر ہر کوچہ و بازار میں کفر کے احکام جاری اور اہلِ کفر کی تعریف کرتے ہیں اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے روک دیئے گئے ہیں اور شریعت کے احکام بجالانے کی صورت میں ان کی مذمت اور ان پر طعنہ زنی کی جاتی ہے۔ بیت

پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمہ وناز   بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

(ترجمہ) تیری تو رُخ کو چھپائے ہو دیو ناز کرے   یہ حال دیکھ کے حیرت سے ہوش جاتے رہے

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ (اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اس کی تعریف ہے) عقلمندوں نے کہا ہے: اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّیْفِ (شریعت تلوار کے نیچے ہے) اور شرع شریف کی رونق بادشاہوں کے ساتھ وابستہ ہے (اور اب) قضیہ برعکس ہو گیا ہے اور معاملہ بدل گیا ہے، ہائے افسوس صد افسوس!! آج ہم آپ کے وجود شریف کو غنیمت جانتے ہیں اور اس ضعیف وشکست خوردہ معرکہ میں آپ کے سوا کسی کو دشمن کے مقابلہ میں آنے والا بہادر ولڑاکا نہیں جانتے، حق تعالیٰ اپنے نبی مکرم اور آپ کی بزرگ آل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات کے طفیل آپ کا مددگار وناصر ہو ـــــــ حدیث شریف میں آیا ہے لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُقَالَ لَہٗ اِنَّہٗ مَجْنُوْنٌ[۲] (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) ایماندار نہیں ہوگا جبتک کہ اس کو دیوانہ نہ کہا جائے)۔ اس وقت وہ جنون جو غیرتِ اسلام کی زیادتی پر مبنی ہے آپ ہی کی ذات میں محسوس ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ (اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے)۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) [۵۲] مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام صرف ۲ دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۶۵- ۶۶- خان اعظم مرزا عزیز کوکہ اکبر بادشاہ کے ہم عمر اور ہم شیر تھے ہمیشہ شاہی قرابت اور انتہائی نوازشوں سے سرفراز رہے۔ جہانگیر نے بھی آپ کی خوب عزت کی، تاریخ دانی میں بے مثل اور سلاستِ زبان میں بے نظیر تھے ۱۰۰۲ھ میں حج کیا اور ۱۰۳۳ھ احمد آباد میں انتقال ہوا میت کو دہلی لاکر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے قرب میں دفن کیا گیا۔ (مآثر الامراء ج ۱ ص ۶۷۱ و تزک جہانگیری)

(حاشیہ صفحہ ھذا) [۱] یہ روایت صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے اور ابن ماجہ وطبرانی میں ہے۔ [۲] اس حدیث کو روایت کیا ابن حبان و احمد و ابو یعلیٰ و ابن سنی نے حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے۔

آج وہ دن ہے کہ تھوڑے سے عمل کو بہت بڑے اجر اور نہایت قدر کے ساتھ قبول فرماتے ہیں ـــــ اصحابِ کہف سے ہجرت کے سوا اور کوئی عمل ظاہر نہیں ہوا جس نے اس قدر اعتبار و فضیلت حاصل کر لی ہے ـــــ امن و امان اور دشمنوں سے سکون کے وقت کے برخلاف سپاہی اگر دشمنوں کے غلبے کے وقت تھوڑی سی بھی بھاگ دوڑ کریں تو بڑی قدر حاصل کر لیتے ہیں ـــــ یہ قولی جہاد جو آج آپ کو حاصل ہے جہادِ اکبر ہے اس کو غنیمت جانیں اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ (کیا اور زائد ہے) کہیں، اور اس قولی جہاد کو جہادِ قتال سے بہتر جانیں ـــــ ہم جیسے بے دست و پا، عاجز، فقراء اس دولت سے محروم ہیں ؎

هَنِيئًا لِّأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

(ترجمہ) مبارک نعمتیں جنّت کی ہوں اصحابِ جنّت کو مبارک جرعہ تو شی غم کی ہو بیمار الفت کو

؎ دادیم ترا ز گنج مقصود نشان گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

(ترجمہ) نشاں بتلا دیا ہم نے تجھے گنج سعادت کا اگر ہم نے نہیں پایا تو شاید تجھ کو مل جائے

حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرمایا کرتے تھے "اگر من شیخی کنم ہیچ شیخے در عالم مرید نیابد اما مرا کارِ دیگر فرمودہ اند و آں ترویج شریعت و تائیدِ ملّت است" (یعنی اگر میں پیری مرشدی کروں تو دنیا میں کسی پیر و مرشد کو کوئی مرید نہ ملے لیکن مجھے کسی اور کام کا حکم ہے اور وہ شریعت کی ترویج اور مذہب کی تائید ہے) ـــــ اسی لئے بادشاہوں کی صحبت میں جایا کرتے اور اپنے تصرف سے ان کو مطیع بنایا کرتے تھے اور ان کے ذریعہ سے شریعت کو رواج دیتے تھے ـــــ (میں بھی) یہی التماس کرتا ہوں کہ جب حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس بزرگ خاندان کے بزرگوں (حضرات نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ آپ کی محبت کی برکت سے آپ کی بات میں تاثیر بخشی ہے اور آپ کی مسلمانی کی عظمت اہل زمانہ کی نظروں میں ظاہر ہو گئی ہے تو آپ کوشش فرمائیں، کم از کم اتنا تو ہو کہ اہلِ کفر کے بڑے بڑے احکام (شعائر کفر) جو اہلِ اسلام میں رائج ہو گئے ہیں مٹ جائیں اور نیست و نابود ہو جائیں، اور اہلِ اسلام ان خلافِ شریعت امور سے محفوظ رہیں جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنَّا وَعَنْ جَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرَ الْجَزَاءِ (اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور سب مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے)۔

اس سے پہلی سلطنت (اکبری دور) میں حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کے ساتھ دشمنی معلوم ہوتی تھی اور اس (موجودہ سلطنت) میں ظاہری طور پر وہ عناد نہیں ہے اگر ہے تو بے علمی کی وجہ سے،

ڈر یہ ہے کہ ایسا نہ ہو یہاں بھی عناد و دشمنی تک نوبت نہ آجائے اور مسلمانوں پر معاملہ اس سے بھی زیادہ تنگ ہو جائے

مصرع   چو بید بر سر ایمانِ خویش می لرزم   (مثالِ بید لرزتا ہوں اپنے ایمان پر)

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلٰی مُتَابَعَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔

(اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر ثابت قدم رکھے)

فقیر ایک تقریب پر یہاں آیا تھا، یہ نہ چاہا کہ آپ کو اپنے آنے کی اطلاع نہ دے اور بعض نفع بخش باتیں نہ لکھے اور (آپ کے ساتھ) اپنی طبعی محبت کی جو کہ فطری مناسبت[1] کی وجہ سے ہے (آپ کو) خبر نہ دے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَنْ اَحَبَّ اَخَاہُ فَلْیُعْلِمْہُ اِیَّاہُ. یعنی جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی سے محبت کرے تو اس کو چاہئے کہ اپنی محبت کا اس پر اظہار کر دے، وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی جَمِیْعِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (آپ پر اور تمام ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر سلام ہو)۔

یہ مکتوب بھی خان اعظم کی طرف صادر ہوا ——— طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی تعریف اور اس طریقہ کی اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طریقہ کے ساتھ مناسبت کے بیان میں اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی دوسروں پر افضلیت کے بیان میں اگرچہ وہ اویس قرنیؓ ہوں یا عمر مروانی (یعنی حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ) ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام) ——— حضراتِ خواجگان (نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ کی بنا اندراج نہایت در بدایت (ابتدا میں انتہا درج ہونا) پر مبنی ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فرمایا ہے کہ ہم انتہا کو ابتدا میں درج کرتے ہیں، اور یہ طریقہ بعینہٖ اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ ہے کیونکہ ان بزرگوں کو آنسرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی ہی صحبت میں وہ کمال حاصل ہو جاتا تھا کہ اُمت کے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکات

[1] یعنی ہماری اور آپ کی فطرت و خلقت میں ایک گونہ مناسبت ہے اسی وجہ سے یہ آپس کی محبت کا سبب بنی ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ارواح فوج در فوج ہیں جن میں آپس میں مناسبت ہوئی ان میں الفت و محبت پیدا ہو گئی اور جن میں مناسبت پیدا نہیں ہوئی ان کے درمیان اختلاف واقع ہو گیا۔

اولیاء کو نہایت النہایت (نہایت انتہائی مقام) میں اس کمال میں سے بہت تھوڑا سا حصہ حاصل ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشیؓ جو اپنے اسلام لانے کے شروع زمانہ میں صرف ایک ہی مرتبہ سید اولین و آخرین علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کی صحبت کے شرف سے مشرف ہوئے تھے حضرت اویس قرنیؒ سے جو کہ تابعین میں سب سے بہتر ہیں افضل ہو گئے، جو کچھ حضرت وحشیؓ کو حضرت خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی ہی صحبت میں حاصل ہوا حضرت اویس قرنیؒ کو اس خصوصیت (یعنی خیر التابعین ہونے کے باوجود) انتہا میں بھی حاصل نہیں ہوا۔ پس لازمی طور پر سب سے بہتر زمانہ اصحاب کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کا زمانہ ہوا، اور لفظ ثُمَّ[1] نے دوسروں کا معاملہ پیچھے ڈال دیا اور درجہ کی دوری کی طرف اشارہ کیا۔

ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن مبارک قدس سرہ سے پوچھا کہ (امیر المومنین) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا (امیر المومنین) حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ؟ آپ نے فرمایا وہ غبار جو (جہاد کے سفر میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا وہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے کئی درجے بہتر ہے، پس اسی لئے ان حضرات کا سلسلہ سلسلۃ الذہب ہوا اور دوسرے طریقوں پر اس طریقۂ عالیہ کی فضیلت ایسی ہی ہے جیسے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ کی فضیلت دوسرے زمانوں پر واضح ہو چکی ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نہایت فضل و کرم سے ابتدا ہی میں اس پیالہ سے ایک گھونٹ پی چکے ہوں ان کے کمالات کی حقیقت پر اطلاع پانا ان کے سوا دوسروں کے لئے مشکل ہے، ان کی نہایت دوسروں کی نہایت سے بلند تر ہو گی۔ مصرعہ

قیاس کن زگلستان من بہار مرا (میری بہار کا اندازہ میرے باغ سے کر)

مصرعہ سالے کہ نکوست از بہارش پیداست (سال اچھا ہے وہی جس کی بہار اچھی ہے)

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (سورۂ جمعہ ۶۲ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) ——— حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرمایا کرتے تھے "ما فضلیانیم" (ہمارے سب کام اللہ تعالیٰ کے فضل سے وابستہ ہیں) اللہ تعالیٰ اپنے نبی قریشی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہم کو اور آپ کو ان بزرگوں کے محبوں اور متابعت کرنے والوں میں سے بنائے۔

---

[1] عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (متفق علیہ)۔

خان خاناں[۱] کی طرف ایک محتاج کی سفارش میں صادر فرمایا۔

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلٰی مُتَابَعَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ ظَاھِرًا وَّبَاطِنًا وَیَرْحَمُ اللّٰہُ عَبْدًا کَانَ اٰمِیْنًا (حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو ظاہر و باطن میں سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی متابعت پر ثابت قدم رکھے اور اس بندے پر رحم فرمائے جس نے آمین کہی) ——— دو ضروری کاموں نے بے اختیار اس بات پر آمادہ کیا کہ آپ کو تکلیف دی جائے۔ ——— امر اول[۱]: تکلیف کے گمان کو دور کرنے بلکہ محبت و اخلاص کے حاصل ہونے کا اظہار ہے ——— اور دوسرا امر[۲] ایک محتاج کی حاجت کی طرف اشارہ ہے جو کہ بزرگی اور نیکی سے آراستہ اور معرفت و شہود سے پیراستہ ہے، نسب (پدری رشتہ) کے لحاظ سے کریم اور حسب (مادری رشتہ) کی رو سے شریف ہے۔

میرے مخدوم! حق بات کے ظاہر کرنے میں ایک قسم کی تلخی ہے اگرچہ وہ شدت و ضعف کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، کوئی نہایت سعادتمند ہونا چاہئے جو اس تلخی کو شہد کی طرح پی جائے اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ (کیا اور بھی ہے) کہے ——— احوال کا تغیر و تبدل امکان کی صفت[۲] کے لوازمات سے ہے، جو لوگ مرتبہ تمکین تک پہنچ چکے ہیں وہ بھی تلوین کی سرشت رکھتے ہیں، بیچارہ ممکن کبھی صفات جلالیہ کے غلبہ سے مغلوب ہے اور کبھی صفات جمالیہ کا محکوم، کبھی قبض[۳] کے مقام میں ہے اور کبھی بسط کے، اور ہر موسم کے احکام جدا ہیں، گذشتہ کل جو حالت تھی وہ آج نہیں ہے: قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ یُقَلِّبُھَا کَیْفَ یَشَاءُ[۴] (مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے جس طرح چاہتا ہے اس کو پلٹ دیتا ہے) والسلام

۱ؔ خان خاناں (عبد الرحیم) کا مختصر تذکرہ اور ان کے نام مکتوبات کی تفصیل کے لئے دفتر اول مکتوب ۲۳ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

۲ؔ یعنی ممکن کے لئے احوال کا مختلف ہونا لازمی ہے ہمیشہ ایک حالت و کیفیت پر رہنا واجب الوجود لایزال کی شان ہے پس اللہ تعالیٰ الآن کما کان ہے ——— ۳ؔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ (۲/۲۴۵) (اللہ ہی تنگی میں مبتلا کرتا ہے اور وہی فراخی عطا کرتا ہے)

۴ؔ اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ہے جس کو مسلم و ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اس حدیث کے الفاظ مشکوٰۃ شریف میں اس طرح ہیں ان قلوب بنی آدم کلھا بین اصبعین من اصابع الرحمٰن کقلب واحد یصرفہ کیف یشاء (بیشک تمام بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی مانند ہیں جس کو اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے پھرا دیتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمام اشیاء میں تصرف کرنے پر قادر ہے۔ حدیث میں اصابع کا ذکر متشابہات میں سے ہے جس کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

مکتوب ۶۸
شصت و ہشتم

یہ مکتوب بھی خان خاناں کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ تواضع، دولتمندوں کو زیب دیتی ہے اور استغنا و بے نیازی فقراء کے لئے زیبا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْخَیْرُ فِیْمَا صَنَعَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ (جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے اسی میں بہتری ہے) ــــــ میرے مخدوم! ؎

من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو می گویم	تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال
(ترجمہ) ادا کرتا ہوں حق تبلیغ کا اور تجھ سے کہتا ہوں	مری باتوں سے ہو تجھ کو نصیحت یا ملال آئے

تواضع دولتمندوں[1] (کی طرف) سے اچھی ہے اور استغنا و بے نیازی فقراء (کی طرف) سے، اس لئے کہ معالجہ اضداد (بالمقابل چیزوں) کے ساتھ ہوتا ہے، آپ کے تینوں خطوں میں استغنا کے سوا اور کچھ مفہوم نہیں ہوا، اگرچہ آپ کا مقصود تواضع تھا مثلاً اخیر کے مکتوب میں لکھا ہوا تھا کہ "حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو" اس عبارت کو اچھی طرح غور فرمائیں کہ کہاں لکھنی چاہیئے، بیشک آپ نے فقراء کی بہت خدمت کی ہے لیکن خدمت کے آداب کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ (خدمت کا) ثمرہ اس پر مرتب ہو وَبِدُوْنِھَا خَرْطُ الْقَتَادِ (اور اس کے بغیر بے فائدہ تکلیف اٹھانا ہے) ــــــ ہاں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے متقی لوگ تکلف سے بری ہیں اَمَّا التَّکَبُّرُ مَعَ الْمُتَکَبِّرِیْنَ صَدَقَۃٌ (لیکن تکبر کرنے والوں کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ ہے) ــــــ کسی شخص نے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے متعلق کہا کہ یہ شخص متکبر ہے، آپ نے (اس کے جواب میں) فرمایا کہ میرا تکبر کبریا (حق تعالیٰ) کی جانب[2] سے ہے؛ ــــــ آپ اس گروہ کو ذلیل و خوار نہ سمجھیں، رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ[3] (بہت سے ایسے گرد آلود پراگندہ بالوں والے درویش جن کو لوگ اپنے دروازوں سے دھکیل دیتے ہیں ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پورا کر دیتا ہے) حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے ؎

---

[1] شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

تواضع زگردن فرازاں نکوست	گدا گر تواضع کند خوئے اوست

[2] یعنی میرا تکبر کرنا حق تعالیٰ کے لئے ہے اپنے نفس کے لئے نہیں ہے [3] رواہ مسلم علی مافی المشکوٰۃ۔

۵ اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(ترجمہ) بہت تھوڑی کہی ہے ڈرتے ڈرتے داستاں دل کی نہ ہو دل تیرا آزردہ وگرنہ بات ہے لمبی

آپ کے عزیز دوستوں اور دلی مخلصوں کو چاہیئے کہ حقیقتِ امر کو مدنظر رکھیں اور جو کچھ آپ کی خدمت میں پہنچائیں صحیح صحیح واقعہ بیان کریں اور جو مشورہ دیں اس میں آپ کی صلاح کو ملحوظ رکھیں نہ کہ اپنی مصلحتوں کو کیونکہ یہ محض خیانت ہے ـــــــ اس سفر کی علّتِ غائیہ (اصلی غرض) یہ بھی تھی کہ آپ کو کچھ نفع وفائدہ حاصل ہو لیکن عالم اسباب میں آپ کے دوستوں اور مخلصوں نے نہیں چھوڑا (کہ اپنے آپ کو آپ تک پہنچا سکوں)۔ اس طرف سے کوئی کوتاہی نہ سمجھیں، اگرچہ یہ باتیں تلخ معلوم ہوتی ہیں لیکن آپ کی خوشامد کرنے والے بہت ہیں، انہی پر اکتفا کریں (اور فقرا سے خوشامد وچاپلوسی کی امید نہ رکھیں) فقراء کی دوستی سے مقصود پوشیدہ عیبوں پر اطلاع پانا اور چھپی ہوئی بُری عادتوں کا ظاہر ہونا ہے لیکن جان لیں کہ اس قسم کی باتوں کا ظاہر کرنا آپ کو آزار ورنج دینے کی غرض سے نہیں ہے بلکہ خیر خواہی اور دل سوزی کی وجہ سے ہے، آپ یقین جانیں۔

خواجہ محمد صدیق اگر ایک روز پہلے آجاتا تو امید تھی کہ فقیر ہر حال میں اپنے آپ کو آپ کی خدمت میں پہنچاتا لیکن سرہند کے سفر کے دوران ان سے ملاقات ہوئی اس لئے معذور رکھیں گے۔ اَلْخَیْرُ فِیْمَا صَنَعَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ (اسی میں بہتری ہے جو اللہ تعالیٰ کرے)۔

مکتوب ۶۹ شصت و نہم

یہ مکتوب بھی خان خاناں کی طرف صادر ہوا ـــــــ تواضع کے بیان میں جو کہ دونوں جہان کی بلندی (عزت) کا باعث ہے اور اس بیان میں کہ نجات فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت وجماعت کی متابعت پر وابستہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ (تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اللہ کے رسول پر صلوٰۃ وسلام ہو) ـــــــ آپ کا محبت نامۂ گرامی جو کہ آپ نے برادرم مولانا محمد صدیق کے ہمراہ ارسال فرمایا تھا موصول ہوا، آپ نے بڑی مہربانی فرمائی: جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاءِ

(اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے) ــــــ چونکہ آپ نے فقراء کے آداب کو مدنظر رکھا ہے اور تواضع سے گفتگو کی ہے (لہٰذا) امید ہے کہ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ[1] (جس نے اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لئے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ نے اس کو بلند کردیا) کے مصداق یہ فروتنی و عاجزی دینی و دنیوی سربلندی اور عزت کا سبب ہو جائے گی بلکہ ہو گئی ہے آپ کو بشارت و مبارک ہو۔ جب آپ نے انابت اور رجوع کے الفاظ استعمال کئے ہیں تو ایسا تصور فرمائیں کہ یہ انابت درویشوں میں سے کسی درویش کے ہاتھ پر واقع ہوئی ہے اس کے نتائج و ثمرات کے امیدوار رہیں لیکن جہاں تک ہو سکے اس کے حقوق کو (پوری طرح) بجالانا چاہیے۔

(یہ فقیر) وصیتوں اور نصیحتوں میں سے کیا لکھے اور علوم و معارف میں سے کیا ظاہر کرے کیونکہ علمائے مجتہدین اور صوفیائے محققین شکر اللہ تعالیٰ سعیہم (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے) نے اس امر کی شرح اور تفصیل میں کوئی کوتاہی روا نہیں رکھی ہے اور اس بے سروسامان کے مسوّدوں کو بھی ظاہری طور پر بعض دوست آپ کی خدمت میں لے گئے ہیں (امید ہے کہ) آپ کی نظر شریف سے گذرے ہوں گے ــــــ مختصر یہ ہے کہ نجات کا طریقہ افعال و اقوال اور اصول و فروع میں اہل سنت و جماعت کَثَّرَھُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ (اللہ تعالیٰ ان کی کثرت فرمائے) کی متابعت کرنے میں ہے، پس یہی فرقہ ناجیہ (نجات پانے والا ہے) اور اس کے سوا جتنے فرقے ہیں سب زوال کے مقام میں اور ہلاکت کے کنارے پر ہیں، خواہ آج اس بات کو کوئی جانے یا نہ جانے لیکن کل قیامت کے روز ہر ایک جان لے گا اور (اس وقت کا جاننا) اس کو کچھ نفع نہ دے گا۔ اَللّٰھُمَّ نَبِّہْنَا قَبْلَ اَنْ یُّنَبِّہَنَا الْمَوْتُ (اے اللہ! ہمیں قبل اس کے کہ موت ہمیں بیدار کرے (اس غفلت سے) بیدار کر)۔

میرے سرداری کی پناہ والے سید ابراہیم چونکہ قدیم سے آپ کی بلند درگاہ سے تعلق رکھتے ہیں اور دعا کرنے والوں کے سلسلہ میں شامل ہیں آپ کے کرم و بخشش کے لئے لازم ہے کہ ان کی دستگیری فرمائیں گے تاکہ اس فقر اور بڑھاپے کے زمانے میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ فارغ البالی سے گذارہ کر سکیں اور آپ کے لئے دونوں جہان کی سلامتی کی دعا میں مشغول رہیں۔ والسلام۔

---

[1] اس کو ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے اور ایک عزیزی نے کہا کہ اس کے اسناد حسن ہیں (معرب)۔

مکتوب ۷ ہفتادم

یہ مکتوب بھی خانِ خاناں کی طرف صادر ہوا ـــــ اس بیان میں کہ جس طرح انسان کے لئے اس کی جامعیت اس کے قرب کا باعث ہے اسی طرح اس کی یہی جامعیت اس کے بُعد کا سبب بھی ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

ثَبَّتَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی جَادَّۃِ الشَّرِیْعَۃِ الْمُصْطَفَوِیَّۃِ عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو شریعتِ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر ثابت قدم رکھے) اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے "آمین" کہا ـــــ جس طرح انسان کی جامعیت اس کے لئے حق تعالیٰ کے قُرب اور کرامت و فضیلت کا سبب ہے اسی طرح اس کی حق تعالیٰ سے دُوری اور گمراہی وجہالت ہونے کا باعث بھی وہی جامعیت ہے ـــــ اس کو قربِ حق اس وجہ سے ہے کہ اس کا آئینہ (قلب) مکمل و اتم ہے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی تمام اسماء و صفات بلکہ تجلیاتِ ذاتیہ کے ظہور کی بھی قابلیت رکھتا ہے، حدیث قدسی لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ [۱] (نہ میری زمین میری وسعت رکھتی ہے اور نہ میرا آسمان لیکن میرے مومن بندے کا دل میری وسعت رکھتا ہے) میں اسی بیان کی طرف اشارہ ہے اور اس (بندہ) کا (حق تعالیٰ سے) بُعد (دُوری) اس سبب سے ہے کہ وہ دنیا کی تمام جزئیات (چیزوں) میں سے ہر جزئی (چیز) کی طرف حاجتمند ہے کیونکہ اس کو سب چیزیں درکار ہیں ـــ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (بقرہ آیت ۲۹) (یعنی جو کچھ بھی زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے) ـــ اس احتیاج کے باعث اس کو تمام اشیاء کے ساتھ گرفتاری ہے جو اس کے بُعد اور گمراہی کا سبب ہو گئی ہے ؎

پایہ آخر آدم است و آدمی	گشت محروم از مقامِ محرمی
گر نہ گردد باز مسکیں زیں سفر	نیست از وے ہیچ کس محروم تر

ترجمہ

(ہے نزولِ آخری میں آدمی	پس ہے محروم مقامِ محرمی
گر نہ لوٹے اس سفر سے وہ غریب	کیا کہوں بس ہے نہایت بد نصیب

[۱] اس حدیث کو امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے لیکن اس میں لا یسعنی کی بجائے لم یسعنی ہے اور ولکن یسعنی کی بجائے وسعنی ہے اور دیگر کتب حدیث مسند الفردوس و مسند احمد وغیرہ میں دوسرے الفاظ کے ساتھ اسی معنی کی روایت مذکور ہے۔

پس تمام مخلوقات میں بہتر بھی انسان ہی ہے اور کائنات میں سب سے بدتر بھی انسان ہی ہے جیسا کہ حبیب رب العالمین حضرت محمد مصطفےٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات بھی انسانوں میں سے ہی ہیں اور زمین و آسمان کے پروردگار خدائے پاک کا دشمن ابوجہل لعین بھی انہی میں سے ہے۔ پس لامحالہ جبتک ان سب کی گرفتاری سے نجات حاصل نہ ہوجائے اور ایک ذات کی جو ایک ہونے سے یعنی وحدت[۱] سے بھی منزہ و پاک ہے کی گرفتاری حاصل نہ ہوجائے اس وقت تک خرابی ہی خرابی ہے لیکن مَالَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا یُتْرَكُ كُلُّهٗ[۲] (جو چیز پوری حاصل نہ ہوسکے اس کو بالکلیہ چھوڑا بھی نہ جائے یعنی جسقدر ملے حاصل کرلی جائے) کے موافق اپنی چند روزہ زندگی کو صاحب شریعت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی متابعت میں بسر کرنا چاہئے کیونکہ آخرت کے عذاب سے رہائی اور دائمی نعمتوں سے کامیابی حاصل کرنا اسی اتباع کی سعادت پر وابستہ ہے۔ پس بڑھنے والے مالوں (نقدی اور سونا چاندی) اور چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ بقدر واجب پورے طور پر ادا کرنی چاہئے اور اس کو مالوں اور مویشیوں کے ساتھ تعلق نہ ہونے کا وسیلہ بنانا چاہئے اور لذیذ کھانوں اور نفیس کپڑوں میں نفس کی لذت ملحوظ نہیں رکھنی چاہئے۔ بلکہ کھانے اور پینے کی چیزوں میں اس کے سوا اور کوئی نیت نہ ہونی چاہئے کہ عبادات کے ادا کرنے پر قوت حاصل ہو، اور نفیس کپڑوں کو آیت کریمہ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف آیت ۳۱) اَیْ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ (ہر مسجد یعنی نماز کے وقت اپنی زینت حاصل کرلیا کرو) کے حکم کے مطابق مذکورہ و ماموره آیت زینت کی نیت پر پہننا چاہئے اور کسی نیت کو اس میں نہیں ملانا چاہئے ـــــ اور اگر نیت کی حقیقت میسر نہ ہو تو اپنے آپ کو تکلف کے ساتھ اس نیت پر لانا چاہئے فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا[۲] (پس اگر خود بخود رونا نہ آئے تو تکلف کے ساتھ رو ؤ یعنی رونے والوں کی شکل بناؤ) ـــــ اور ہمیشہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا و تضرع (آہ و زاری) کرتے رہنا چاہئے کہ حقیقی نیت حاصل ہوجائے اور تکلف جاتا رہے ؎

آنکہ در ساختہ است قطرۂ بارانی را ‏ ‏ ‏ می تواند کہ دہد اشک مرا حسنِ قبول

(ترجمہ : کیا عجب ہوجائے گر مقبول یہ گریہ مرا ‏ ‏ ‏ قطرۂ باراں کو تونے لولوئے لالہ کیا)

---

[۱] یہاں ایک دقیق نکتہ ہے وہ یہ کہ ایک کا استعمال اس جگہ کیا جاتا ہے جہاں دو تین چار کا امکان موجود ہو لیکن جہاں سرے سے دو تین چار کا کوئی امکان ہی نہ ہو تو پھر وہاں ایک کی صفت استعمال کرنا غیر ضروری بلکہ غلط ہوگا۔ واحد (ایک) منقسم ہے اور احد (یکتا، اکیلا) غیر منقسم، جو حق تعالیٰ سبحانہٗ کی شایانِ شان ہے۔

[۲] اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو شرح السنہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے۔

علیٰ ہذا القیاس تمام امور میں دیندار علماء کے فتویٰ کے مطابق جنھوں نے عزیمت کا راستہ اختیار کیا ہے اور رخصت سے پرہیز کیا ہے زندگی بسر کرنی چاہئے اور اس کو آخرت کی دائمی نجات کا وسیلہ بنانا چاہیے: مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (النساء آیت ۱۴۷) (اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تم کو کیوں عذاب دے گا)۔

میرزا داراب[1] ابن خان خاناں کی طرف صادر ہوا ـــــــ اس بیان میں کہ منعم کا شکر منعم علیہ پر واجب ہے اور شکر کی ادائیگی شریعت کی اطاعت کرنے پر ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

اَیَّدَکُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَنَصَرَکُمْ (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کی مدد و نصرت فرمائے) ـــــــ

عقلی اور شرعی طور پر انعام کرنے والے کا شکر انعام کئے ہوئے شخص پر واجب ہے اور معلوم ہے کہ جسقدر نعمت حاصل ہو اسی قدر شکر بھی واجب ہوتا ہے، پس جسقدر زیادہ نعمت حاصل ہوگی شکر بھی اسی قدر زیادہ واجب ہوگا، لہذا دولت مندوں پر ان کے درجات کے تفاوت کے مطابق فقراء کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ شکر واجب ہوا، یہی وجہ ہے کہ اس امت کے فقراء دولتمندوں سے پانچسو سال پہلے بہشت میں جائیں گے[2] ـــــــ اور منعم حقیقی (حق تعالیٰ) کا شکر اول فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت کے عقائد کے مطابق اپنے عقیدوں کو درست کرنا ہے ـــــــ دوم اس فرقۂ عالیہ (اہلسنت وجماعت) کے ائمہ مجتہدین کے اجتہادات کے موافق شرعی عملی احکامات کا بجالانا ہے ـــــــ سوم اس فرقۂ عالیہ کے صوفیۂ کرام کے سلوک کے مطابق تصفیہ وتزکیہ حاصل کرنا ہے۔ اور اس آخری (یعنی تیسرے)

---

[1] میرزا داراب خاں کے نام چار مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۷۱، ۲۱۵، ۲۲۹۔ اور دفتر دوم مکتوب ۷۸ ہیں۔ آپ میرزا عبدالرحیم خان خاناں کے صاحبزادے نہایت لائق وفائق اور بہت سی خوبیوں سے آراستہ تھے۔ جہانگیر نے آپ کو ایک ہزاری کا منصب دے کر برار واحمد نگر کے صوبے کا حاکم مقرر کیا پھر ۱۰۳۲ھ میں بعض شکوک کی بنا پر جہانگیر کے حکم سے مہابت خاں نے آپ کو قتل کر دیا۔ (ماثر الامراء ج ۲ ص ۱۴)

[2] اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو امام ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: یدخل الفقراء الجنة قبل الاغنیاء بخمسمائة عام مقدار نصف یوم ـــــ اور ابن ماجہؒ نے حضرت ابوسعیدؓ سے اور امام مسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔

رکن کا وجوب استحسان کے طور پر ہے بخلاف پہلے دو رکنوں (عقائد و اعمالِ شرعیہ) کے، کیونکہ اصل اسلام انہی دو رکنوں سے وابستہ ہے، اور اسلام کا کامل ہونا اس ایک رکن (یعنی تصفیہ و تزکیہ) پر موقوف ہے۔ اور جو عمل ان تینوں ارکان کے مخالف ہے اگرچہ وہ سخت ریاضتوں اور مشکل مجاہدوں میں سے ہو معصیت اور منعم حقیقی جل سلطانہٗ کی نافرمانی و ناشکری میں داخل ہے۔

ہندوستان کے برہمنوں اور یونان کے فلسفیوں نے ریاضتوں اور مجاہدوں میں کوئی کمی نہیں کی لیکن (چونکہ) ان کی ریاضتیں انبیا علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کے موافق واقع نہیں ہوئیں اس لئے سب مردود ہیں اور وہ آخرت کی نجات سے بے نصیب ہیں ــــــ پس آپ پر ہمارے آقا و مولا ہمارے گناہوں کی شفاعت کرنے والے، ہمارے دلوں کے طبیب سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین مہدیین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی متابعت لازم ہے۔

مکتوب ۷۲
هفتاد و دوم

خواجہ جہاں[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ دین کو دنیا کے ساتھ جمع کرنا دشوار ہے پس آخرت کے طالب کو دنیا کا ترک کرنا ضروری ہے اور اگر حقیقی ترک میسر نہ ہو تو ضروری ہے کہ ترکِ حکمی ہی کرے اور اس کے مناسب بیان میں۔

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَعَافَاکُمْ (اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت و عافیت سے رکھے) مصرعہ

مَا اَحْسَنَ الدِّیْنُ وَالدُّنْیَا لَوِ اجْتَمَعَا ‏ ‏ ‏ دین و دنیا جمع ہو جائیں تو کیا ہی خوب ہے

دین اور دنیا کا جمع کرنا متضاد چیزوں کو جمع کرنا ہے پس طالبِ آخرت کے لئے دنیا کا ترک کرنا ضروری ہے، اور چونکہ اس زمانہ میں اس کا حقیقی ترک میسر نہیں ہو سکتا بلکہ دشوار ہے، ناچار ترکِ حکمی ہی اختیار کر لینا چاہیئے ــــــ اور ترکِ حکمی سے مراد یہ ہے کہ دنیاوی امور میں روشن شریعت کے حکم کے مطابق عمل کرنا چاہیئے اور کھانے پینے کی چیزوں اور رہنے سہنے کے مکانات میں شرعی حدود کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے اور ان حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے۔ بڑھنے والے مالوں اور چرنے والے جانوروں میں فرض شدہ زکوٰۃ

[1] مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام صرف دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۲۵-۷۲۔ لہٰذا آپ کے متعلق مکتوب ۲۵ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

ادا کرنی چاہیے، اور جب احکام شرعیہ کے ساتھ آراستگی حاصل ہوگئی تو دنیا کے ضرر و تکلیف سے نجات حاصل ہوگئی اور (دنیا) آخرت کے ساتھ جمع ہوگئی۔ اور اگر کسی کو اس قسم کا ترکِ حکمی بھی میسر نہ ہو تو ایسا شخص بحث سے خارج ہے وہ تو منافق کے حکم میں ہے کیونکہ صرف ظاہری ایمان آخرت میں اس کو کوئی فائدہ نہیں دے گا، اس کو (ایسے ایمان سے) صرف یہ فائدہ حاصل ہو جاتا ہے کہ اس کے جان و اموال محفوظ ہو جاتے ہیں

؎ من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو می گویم تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

(ترجمہ: ادا کرتا ہوں حق تبلیغ کا اور تجھ سے کہتا ہوں مری باتوں سے ہو تجھ کو نصیحت یا ملال آئے)

دیکھئے ایسا صاحب نصیب کون شخص ہے جو اس قدر دنیاوی شان و شوکت، اس قدر خدام لشکر، اور اتنے لذیذ و مرغن کھانوں اور نفیس و قیمتی لباس کے باوجود حق بات کو قبولیت کے کانوں سے سنے،

؎ گوشش از بارِ دُرگراں شدہ است نشنود نالہ و فغان مرا

(ترجمہ: کان اس کے موتیوں کے بوجھ ہی سے ہیں بس گراں اس لئے وہ سن نہیں سکتے مری آہ و فغاں)

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی شریعت کی متابعت کی توفیق عطا فرمائے۔

باقی مقصود یہ ہے کہ میاں شیخ زکریا[1] جو پہلے کروڑی (تحصیلدار) تھے آجکل قید خانہ میں ہیں، عالم فاضل آدمی ہیں، شامتِ اعمال سے ایک مدت ہوگئی کہ قید خانہ میں بند ہیں، بڑھاپے کی کمزوری گذارے کی تنگی اور مدتِ قید کی درازی کے باعث تنگ و عاجز آکر اس فقیر کو لکھا ہے کہ لشکر (چھاؤنی) میں آکر ہمارے چھڑانے کی کوشش کریں راستہ کی مسافت کا زیادہ ہونا (آپ کے پاس) آنے سے مانع ہے چونکہ میرے بھائی خواجہ محمد صادق[3] (صدیق) آپ کی خدمت میں آرہے ہیں ناچار چند کلمات لکھ کر آپ کو تکلیف دے رہا ہوں، امید ہے کہ اس ضعیف بوڑھے کے حق میں توجہ عالی مبذول فرمائیں گے کیونکہ وہ عالم بھی ہے اور بوڑھا بھی۔ والسلام اولاً و آخراً۔

قلیج اللہ بن قلیج خاں[2] کی طرف صادر فرمایا ـــــ دنیا اور اہل دنیا کی مذمت، بیفائدہ علوم

[1] آپ حضرت مجددؒ صاحب کے خسر شیخ سلطان کے بھائی ہیں دفتر اول مکتوب ۴۳ میں بھی آپ کے لئے سفارش ہے۔
[2] قلیج اللہ بن قلیج خاں کے نام تین مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۷۳-۱۸۴- دفتر دوم مکتوب ۳۲۔ مآثر الامراء کے بیان کے مطابق آپ جہانگیری دور کے امراء میں سے تھے ـــــ [3] کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے اور اصل نام محمد صدیق معلوم ہوتا ہے۔

حاصل کرنے کی برائی، فضول مباحات سے بچنے اور خاص طور پر عین زمانۂ شباب میں
خیرات وصدقات کرنے اور اعمال صالحہ بجالانے کی ترغیب اور اس کے مناسب بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشن شریعت کے سیدھے راستہ پر استقامت نصیب فرمائے ـــــــ اے فرزند! دنیا آزمائش اور امتحان کی جگہ ہے، اس کے ظاہر کو طرح طرح کی باطل آرائشوں سے ملمع وآراستہ کیا گیا ہے، اس کی صورت کو وہمی خط وخال اور زلف ورخسار سے پیراستہ کیا گیا ہے، دیکھنے میں شیریں اور تروتازہ نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں عطر لگا ہوا مُردار اور مکھیوں کیڑوں سے بھری ہوئی کوڑی (کوڑا ڈالنے کی جگہ) اور پانی کی طرح نظر آنے والا سراب اور زہر کی مانند شکر ہے، اس کا باطن سراسر خراب وابتر ہے ـــــــ اس قدر گندگی کے باوجود اپنے اہل (دنیاداروں) کے ساتھ اس (دنیا) کا معاملہ اس سے بھی بدتر ہے جو بیان ہوسکے، اس (دنیا) کا فریفتہ ودیوانہ، جادو کا مارا ہوا ہے، اس کا گرفتار مجنون اور فریب خوردہ ہے۔ جو شخص اس کے ظاہر پر فریفتہ ہوا دائمی خسارہ کے داغ سے داغدار ہوا، اور جس نے اس کی شیرینی اور تروتازگی پر نظر کی دائمی شرمندگی اس کے نصیب میں آئی۔

سرورِ کائنات حبیب رب العالمین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیات نے فرمایا ہے مَا الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ اِلَّا ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِيَتْ اِحْدٰهُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰى[1] (دنیا اور آخرت دونوں آپس میں سوکنیں ہیں (یعنی ایک مرد کے نکاح میں ۲ عورتوں کی مانند ہیں) ان دونوں میں سے اگر ایک راضی ہوگی تو دوسری ناراض) ـــــــ پس جس نے دنیا کو راضی کیا آخرت اس سے ناراض ہوگئی، ناچار وہ آخرت سے بے نصیب ہوگیا۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ مِنْ مَحَبَّتِهَا وَمَحَبَّةِ اَهْلِهَا (حق تعالیٰ ہمیں اور آپ کو دنیا اور اہلِ دنیا کی محبت سے بچائے)۔

اے فرزند! کیا تو جانتا ہے کہ دنیا کیا چیز ہے؟ دنیا وہی ہے جو تجھے حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے دور کردے۔[2] پس بیوی بچے، مال وجاہ وریاست، لہو ولعب اور لایعنی (بیکار) کاموں میں مشغول ہونا یہ سب دنیا میں داخل ہے (جبکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کردیں) اور وہ علوم بھی جو آخرت میں کام نہیں آئیں گے وہ بھی سب

---

[1] احمد وحاکم وطبرانی وابن حبان نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے "من احب دنیاہ اضر باٰخرتہ ومن احب آخرتہ اضر بدنیاہ فآثروا ما یبقی علیٰ ما یفنیٰ" یعنی جس نے اپنی دنیا کو دوست رکھا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت کو دوست رکھا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا، پس باقی کو فانی پر اختیار کرو۔

[2] مولانا رومی رحمۃ اللہ نے اپنی مثنوی میں اس مضمون کو اس شعر میں ادا فرمایا ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بُدن　　نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دنیا میں داخل ہیں ——— اگر علم نجوم و منطق و ہندسہ اور حساب وغیرہ بے فائدہ علوم کارآمد ہوتے تو سب فلاسفہ اہلِ نجات میں سے ہوتے ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عَلَامَۃُ اِعْرَاضِہٖ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُہٗ بِمَا لَا یَعْنِیْہِ[1] (بندہ کا بے فائدہ (فضول کاموں میں مشغول ہونا اللہ تعالیٰ کی اس سے روگردانی (منہ پھیر لینے) کی علامت ہے) ؎

ہرچہ جز عشقِ خدائے احسن است — گر شکر خوردن بود جان کندن است

(ترجمہ: عشقِ حق کے سواہے جو بھی چیز — خواہ میٹھی ہو، جان کا ہے روگ

اور یہ جو بعض (علماء) نے کہا ہے کہ علمِ نجوم کی نماز کے اوقات پہچاننے کے لئے ضرورت پڑتی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اوقاتِ نماز کا پہچاننا علمِ نجوم کے بغیر حاصل نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ علم نجوم بھی اوقات پہچاننے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو علم نجوم نہیں جانتے لیکن نماز کے اوقات کو نجوم کے جاننے والوں سے بہتر جانتے ہیں ——— علم منطق و حساب اور اس قسم کے دوسرے علوم جن کا مجمل طور پر حاصل کرنا بعض شرعی علوم میں ضروری ہے ان کے حاصل کرنے کی جو وجہ بیان کرتے ہیں وہ بھی قریب یہی ہے ——— غرضکہ بہت سے حیلوں کے بعد ان علوم میں مشغول ہونے کا جواز پیدا ہوتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ان علوم کے پڑھنے سے احکامِ شرعیہ کی معرفت اور علمِ کلام کی دلیلوں کی تقویت کے سوا اور کوئی غرض مدِ نظر نہ ہو ورنہ (ان علوم میں مشغول ہونا ہرگز جائز نہیں ہوگا ——— انصاف کرنا چاہیئے کہ جس مُباح امر کے اختیار کرنے سے واجب امور فوت ہو جائیں وہ اباحت کی حد سے خارج ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان علوم میں مشغول ہونے سے شرع کے ضروری علوم میں مشغول ہونا فوت ہو جاتا ہے۔

اے فرزند! حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی کمال درجہ کی مہربانی سے تجھ کو ابتدائے جوانی میں توبہ کی توفیق مرحمت فرمائی ہے اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے درویشوں میں سے ایک درویش کے ہاتھ پر انابت و رجوع الی الحق عطا فرمایا تھا، میں نہیں جانتا کہ نفس و شیطان کے ہاتھ سے تجھ کو اُس توبہ پر ثابت و قائم رہنا نصیب ہوا یا نہیں، استقامت مشکل نظر آتی ہے کیونکہ عین جوانی کا زمانہ ہے اور تمام

فضول کاموں میں مشغول نہ ہونا چاہئے

[1] یہ روایت، ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً مذکور ہے اور اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور نووی رحؒ نے اس کو حسن کہا ہے اور ابن عبد البرؒ نے کہا کہ علی متقی نے جوامع الکلم میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے الفاظ کے ساتھ مرفوعاً ذکر کیا ہے اور ابن حجرؒ نے شرح اربعین میں کہا من علامات اعراض اللہ تعالیٰ عن العبد ان یجعل شغلہ فیما لا یعنیہ یہ قول حسن ہے۔

دنیاوی اسباب حاصل ہیں اور اکثر مصاحب و ہمنشین نامناسب و ناموافق ہیں ؎

ہمہ اندرز من بتو ایں است — کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

(ترجمہ: مری تجھ کو نصیحت بس یہی ہے — کہ گھر رنگین ہے تو بچہ ابھی ہے)

اے فرزند! کام کرنے کا یہی ہے کہ فضول مباحات سے پرہیز کیا جائے اور بقدرِ ضرورت مباحات پر کفایت کرنی چاہیئے، اور ان میں بھی عبادت کے معمولات ادا کرنے پر جمعیت حاصل ہونے کی نیت ہونی چاہیئے مثلاً خوراک سے مقصود طاعات و عبادات ادا کرنے کی قوت حاصل ہونا اور پوشاک سے مقصود ستر عورت اور گرمی و سردی کا دور کرنا ہے، پس تمام ضروری مباحات کو اسی پر قیاس کر لیا جائے۔

اکابرِ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے عزیمت پر عمل کرنا اختیار کیا ہے اور رخصت سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے، بقدرِ ضرورت پر اکتفا کرنا بھی ایک درجہ عزیمت ہے، اور اگر (عزیمت کی) یہ دولت میسر نہ ہو تو مباحات (جائز امور) کے دائرہ سے باہر قدم نہ نکالنا چاہیئے اور حرام و مشتبہ چیزوں کے نزدیک نہ جانا چاہیئے —— حق تعالیٰ نے نہایت کرم فرما کر مباح امور کے ساتھ نہایت کامل اور پورے طور پر ناز و نعمت حاصل کرنا جائز فرما دیا ہے اور ان نعمتوں کا دائرہ بہت وسیع کر دیا ہے، ان نعمتوں اور لذتوں سے قطع نظر کونسا عیش اس کے برابر ہے کہ اس شخص کا مولیٰ (حق تعالیٰ) اس کے کام سے راضی ہو جائے اور کونسا ظلم اس کے برابر ہو سکتا ہے کہ اس کا مالک (حق تعالیٰ) اس کے اعمال کی وجہ سے ناراض ہو جائے —— رَضَاءُ اللّٰہِ تَعَالٰی فِی الْجَنَّۃِ خَیْرٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ وَسُخْطُ اللّٰہِ تَعَالٰی فِی النَّارِ شَرٌّ مِّنَ النَّارِ (جنت میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی جنت سے بہتر ہے اور دوزخ میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی دوزخ سے بدتر ہے)۔

یہ انسان اپنے مولیٰ کے حکم کا محکوم (تابع) غلام ہے، اس کو خود مختار نہیں بنایا گیا ہے کہ جو چاہے کرتا رہے، اس کو آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا ہے کہ اس سے باز پرس نہ ہوگی[1] —— فکر کرنی چاہیئے اور عقلِ دور اندیش سے کام لینا چاہیئے ورنہ کل قیامت کے روز ندامت اور خسارہ کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا — کام کرنے کا وقت جوانی کا زمانہ ہے، جوانمرد وہی ہے جو اس وقت کو ضائع نہ کرے اور فرصت کو غنیمت جانے، ممکن ہے کہ (کارکنانِ قضا و قدر) اس کو بڑھاپے تک پہنچنے نہ دیں اور اگر پہنچنے بھی دیں تو (شاید) جمعیت حاصل نہ ہو اور اگر جمعیت حاصل ہو گی تو ضعف و سستی کے وقت کام کرنا مشکل ہوگا[2] —— اس وقت

۱ے یہ مضمون "کیا انسان گمان کرتا ہے کہ وہ یونہی چھوڑ دیا جائیگا" (سورۂ قیمٰہ آیت ۳۶) سے اور "پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور باز پرس ہوگی" (۸/۱۰۲) سے ماخوذ
۲ے اس مضمون کو کسی نے اس طرح نظم کیا ہے ؎ کہ جوانی میں عبادت کاہلی اچھی نہیں۔ جب بڑھاپا آگیا پھر بات کچھ بنتی نہیں۔ ہے بڑھاپا بھی غنیمت گر جوانی جا چکی۔ پھر بڑھاپا بھی نہ ہوگا موت جس دم آگئی۔

جبکہ جمعیت کے تمام اسباب میسر ہیں اور والدین کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ہے کہ اس کے معاش کا فکر بھی ان کے سر پر ہے اور فرصت کا وقت اور قوت و استطاعت کا زمانہ ہے تو پھر کونسا عذر ہے جس کی بنا پر آج کا کام کل پر ڈالا جائے اور اسباب کو تاخیر میں کھینچا جائے (یعنی آج نہیں کل کرلیں گے ایسا نہیں کرنا چاہیے) ــــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ھَلَکَ الْمُسَوِّفُوْنَ[1] (سَوْفَ اَفْعَلُ میں کہنے والے یعنی آج کل کرنے والے ہلاک ہوگئے) ــــــ ہاں اگر کمینی دنیا کے کاموں کو کل پر ڈالیں اور آج آخرت کے اعمال میں مشغول ہو جائیں تو بہت ہی اچھا ہے جیسا کہ اس کے برعکس کرنا بہت ہی بُرا ہے (یعنی اعمالِ آخرت کو کل پر ڈالنا اور اعمالِ دنیا میں آج مشغول ہونا) ــــــ اس نوجوانی کے وقت میں جبکہ دین کے دشمنوں یعنی نفس و شیطان کا غلبہ ہے تھوڑا عمل بھی اس قدر معتبر ہے کہ ان (دین کے دشمنوں) کا غلبہ نہ ہونے کے وقت اس سے کئی گنا زیادہ عمل بھی اتنا معتبر نہیں ہے۔ سپاہ گری کے قاعدہ کے مطابق دشمنوں کے غلبہ کے وقت کام کرنے والے سپاہیوں کی بہت زیادہ قدر ہوتی ہے اس وقت ان کا تھوڑا سا تردد بھی اس قدر معتبر اور نمایاں ہوتا ہے کہ دشمنوں کی شرارت سے امن کے وقت میں اس کا اسقدر اعتبار نہیں ہوتا۔

اے فرزند! انسان جو کہ خلاصۂ موجودات ہے اس کے پیدا کرنے کا مقصد صرف کھیل کود اور کھانا سونا نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود بندگی کے معمولات کا ادا کرنا اور ذلت و انکساری و عاجزی و احتیاج اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی جناب میں ہمیشہ التجا و گریہ وزاری کرنا ہے۔ وہ عبادت جس کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت نے بیان فرمایا ہے اور جس کے ادا کرنے سے مقصود بندوں کے فائدے اور مصلحتیں ہیں اور حق تعالیٰ جل شانہٗ کی مقدس بارگاہ کو اس سے کچھ نفع نہیں پہنچتا، ان سب کو احسان مانتے ہوئے دل و جان سے ادا کرنی چاہیے اور نہایت فرمانبرداری و تسلیم کے ساتھ اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حق تعالیٰ نے غنیٔ مطلق ہونے کے باوجود اپنے بندوں کو اوامر و نواہی سے سرفراز فرمایا ہے ہم محتاجوں کو اس نعمت کا شکر پوری طرح ادا کرنا چاہیے اور نہایت احسانمندی کے ساتھ احکام کی بجا آوری میں کوشش کرنی چاہیے۔

---

[1] کہتے ہیں کہ ان الفاظ کے ساتھ کوئی حدیث نہیں ملی، البتہ دیلمی نے مسند الفردوس میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے التسویف شعار الشیطان یلقیہ فی قلب المؤمن اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت ہے ایاک والتسویف بالتوبۃ، امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں مرسل روایت کی ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت ہے لعن اللہ المسوفات۔ (المعرب)

وہ فرزند (یعنی آپ) جانتا ہے کہ دنیا داروں میں سے کوئی شخص جو ظاہری جاہ و شوکت رکھتا ہو اگر اپنے ماتحت متعلقین میں سے کسی کو کوئی خدمت سپرد کرے جبکہ اس خدمت میں حکم دینے والے کا بھی نفع ہو تو یہ ماتحت شخص اس حکم کو کسقدر عزیز رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ ایک عظیم القدر شخصیت نے اس کو اس خدمت پر مامور فرمایا ہے لہذا اس کو نہایت احسانمندی کے ساتھ وہ خدمت بجالانی چاہیئے، تو پھر کیا مصیبت ہے کہ اس کو حق تعالیٰ جل سلطانہ کی عظمت اس شخص کی عظمت سے بھی بہت کم نظر آتی ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے احکام بجالانے میں کوشش نہیں کرتا۔ شرم آنی چاہیئے اور اپنے آپ کو خواب خرگوش سے بیدار کرنا چاہیئے ـــــــ حق تعالیٰ جل شانہٗ کے حکموں کو بجانہ لانا ان دو باتوں سے خالی نہیں ہے یا تو وہ شرعی خبروں کو جھوٹ جانتا ہے اور ان پر یقین نہیں کرتا، یا اللہ تعالیٰ کے امر کی عظمت وشان اس کی نظر میں اہلِ دنیا کی عظمت وشان کی نسبت بہت حقیر ہے۔ اس امر کی برائی کو اچھی طرح ملاحظہ کرلینا چاہیئے۔

اے فرزند! جس شخص کا جھوٹ بارہا تجربہ میں آچکا ہو، اگر وہ یہ کہے کہ دشمن پوری قوت کے ساتھ فلاں قوم پر شب خون ماریں گے (رات کے وقت اچانک قتال کریں گے) تو اس قوم کے عقلمند لوگ اپنی حفاظت کے درپے ہوجائیں گے اور اس مصیبت کے دور کرنے کی فکر کریں گے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ خبر دینے والا شخص جھوٹ کے ساتھ بدنام ہے لیکن کہتے ہیں کہ خطرہ کے گمان کے وقت عقلمندوں کے نزدیک احتراز لازم ہے۔

مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت مبالغہ کے ساتھ آخرت کے عذاب سے آگاہ فرمادیا ہے لیکن لوگ اس کا کچھ اثر قبول نہیں کرتے (کیونکہ) اگر اس کا اثر قبول کریں تو اس کے دفع کرنے کی فکر بھی کریں، حالانکہ اس کے دفع کرنے کی تدبیر بھی لوگوں نے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم کرلی ہے پس یہ کیسا ایمان ہے کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر اُس جھوٹے کی خبر کے برابر بھی اعتبار نہیں رکھتی ـــــــ صرف ظاہری اسلام نجات نہیں بخشتا، یقین (کامل کا درجہ جو کہ باطنِ اسلام ہے) حاصل کرنا چاہیئے، یقین تو کہاں ظن بھی حاصل نہیں ہے بلکہ وہم کا درجہ بھی نہیں ہے، کیونکہ عقلمند لوگ خطرات وہلاکت کے وقت وہم کا بھی اعتبار کرلیتے ہیں، اور ایسا ہی حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے کلام مجید میں فرماتا ہے: وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ[۴۹] (سورۃ الحجرات آیت ۱۸) (یعنی جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان سب اعمال کو دیکھ رہا ہے)۔ اس کے باوجود لوگوں سے بُرے اعمال سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ اگر اُن کو معلوم ہوجائے

کہ ایک ادنیٰ درجہ کا شخص ان کے اعمال سے خبردار ہے تو کوئی بُرا فعل ہرگز اس کی نظر کے سامنے نہ کریں گے ——— پس ایسے لوگوں کا معاملہ دو[2] حالتوں سے خالی نہیں ہے یا تو وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی خبر کا یقین نہیں رکھتے یا حق تعالیٰ کے مطلع ہونے کا اعتبار نہیں کرتے۔ پس (آپ ہی بتائیے) اس قسم کا کردار ایمان سے ہے یا کفر سے تعلق رکھتا ہے ——— پس اس فرزند (آپ) پر لازم ہے کہ نئے سرے سے ایمان کی تجدید کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے: جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ بِقَوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ[1] (کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کہہ کر اپنے ایمان کو تازہ کر لیا کرو)۔ اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ناپسندیدہ امور سے از سرِ نو خالص توبہ کرے[2]۔ جن کاموں سے منع فرمایا ہے اور جن کو حرام قرار دیا ہے ان سے بچتا رہے۔ پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے، اگر قیامِ لیل اور تہجد کی نماز بھی میسر ہو جائے تو عین سعادت ہے ——— اور مال کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی ارکان اسلام[3] میں سے ہے اس کو بھی ضرور ادا کرے۔ اس کی ادائیگی کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنے مال سے جس قدر فقرا کا حق (زکوٰۃ) ہے ہر سال کے حساب سے علیحدہ کر دے اور زکوٰۃ کی نیت سے محفوظ رکھتے ہوئے تمام سال میں زکوٰۃ کے مصارف میں خرچ کرتا رہے۔ اس طریقے سے ہر مرتبہ دیتے وقت زکوٰۃ ادا کرنے کی نئی نیت کرنا ضروری نہیں ہے صرف زکوٰۃ کا حصہ علیحدہ کرتے وقت ایک دفعہ کی نیت ہی کافی ہے ——— معلوم ہے (یعنی آپ کو اندازہ ہوگا) کہ پورے سال میں فقرا و مستحقین پر کس قدر خرچ کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ زکوٰۃ کی نیت سے نہیں ہے اس لئے وہ زکوٰۃ کے حساب میں شمار نہیں ہوگا اور مذکورہ بالا صورت میں زکوٰۃ بھی ادا ہو جاتی ہے اور بے اندازہ خرچ سے بھی چھٹکارا مل جاتا ہے، اور اگر بالفرض سال میں اس قدر (بقدر حصہ زکوٰۃ) فقراء پر خرچ نہ ہو سکے اور کچھ باقی بچ جائے تو اس کو اسی طرح اپنے مال سے علیحدہ محفوظ رکھیں (اور آئندہ سال خرچ کریں) ہر سال اسی طرح عمل کرتے رہیں، جب فقرا کا مال جدا ہو جاتا ہے تو اگر آج اس کے ادا کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی تو شاید کل توفیق ہو جائے۔

اے فرزند! چونکہ نفس بالذات (فطرۃً) بہت بخیل ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لانے میں سرکش واقع ہوا ہے اس لئے ناچار مبالغہ سے بات کہی جاتی ہے ورنہ فی الحقیقت اموال واملاک سب

ارکانِ اسلام کی ادائیگی کی تاکید

---

[1] اس کو احمد وطبرانی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے جددوا ایمانکم قیل یارسول اللہ وکیف نجدد ایماننا قال اکثروا من قول لا الٰہ الا اللہ ——— [2] اس میں اس آیت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے یا ایھا الذین اٰمنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا (سورۂ تحریم آیت ۸ [66]) ——— [3] قال علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان رواہ مسلم وبخاری عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

اللہ تعالیٰ کی ہیں، انسان کی کیا مجال ہے کہ اس (کی ادائیگی) میں دیر کرے، لہٰذا نہایت احسان مانتے ہوئے تمام زکوٰۃ ادا کردینی چاہئے ـــــ اور اسی طرح باقی تمام عبادات میں اپنے آپ کو کسی وجہ سے بھی معاف نہ رکھے اور بندوں کے حقوق ادا کرنے میں پوری طرح کوشش کرنی چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رہ جائے، اس جگہ (دنیا میں) اس حق کا ادا کرنا آسان ہے نرمی اور خوشامد سے بھی دوسرے کا حق رفع ہوسکتا ہے، آخرت میں مشکل ہے اس کا کوئی حل نہ ہوگا ـــــ شرعی احکام علمائے آخرت سے دریافت کرنے چاہئیں، ان کی بات میں بڑی تاثیر ہے شاید ان کے انفاس کی برکت سے اس پر عمل کی توفیق بھی حاصل ہوجائے، اور علمائے دنیا سے جنھوں نے علم کو مال وجاہ کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے دور رہنا چاہئے لیکن اگر متقی پرہیز گار عالم نہ ملے تو مجبوراً بقدر ضرورت ان کی طرف رجوع کیا جائے، وہاں میاں حاجی محمد اُترہ علمائے دیندار میں سے ہیں اور میاں شیخ علی اُترہ خود تمہارے واقف ہیں غرضیکہ یہ دونوں بزرگ اس علاقہ میں غنیمت ہیں شرعی مسائل کی تحقیق وتفتیش میں ان کی طرف رجوع کرنا زیادہ مناسب ہے۔

اے فرزند! ہم فقراء کو دنیاداروں کے ساتھ کیا مناسبت کہ ہم ان کے نیک وبد کی نسبت گفتگو کریں، شرعی نصیحتیں اس بارے میں نہایت کامل اور پورے طور پر وارد ہوتی ہیں فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ، (سورۂ انعام آیت ۱۴۹) (پس کامل دلیل اللہ ہی کی ہے)۔ لیکن چونکہ اس فرزند نے توبہ وانابت (رجوع) کے لئے فقراء کی طرف رجوع کیا تھا اسی مناسبت کے باعث اکثر اوقات دل کی توجہ اس فرزند کے حال پر مبذول رہتی ہے اور وہی توجہ اس گفتگو کا باعث ہوئی ہے ـــــ میں جانتا ہوں کہ اکثر نصیحتیں اور یہ مسائل اس فرزند کے کانوں تک (پہلے سے) پہنچے ہوئے ہوں گے لیکن مقصود عمل ہے نہ کہ صرف علم ـــــ جو بیمار اپنی بیماری کی دوائی کا علم رکھتا ہے جب تک وہ اس دوا کو نہ کھائے گا صحت حاصل نہیں ہوگی، دوا کا صرف علم ہونا فائدہ نہیں کرے گا۔ یہ سب اصرار ومبالغہ عمل کے لئے ہے علم خود حجت کو درست کردیتا ہے (یعنی قیامت کے دن اس پر حجت قائم کرے گا کہ علم کے باوجود عمل کیوں نہیں کیا تھا ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهٖ (یعنی قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جس کو اس کے علم سے کچھ نفع حاصل نہ ہوا ہو)۔

لہ اس حدیث کو ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور طبرانی نے صغیر میں اور بیہقی نے شعب میں اور ابن عدی اور حاکم نے مستدرک میں مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے۔ نیز ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال ان من اشر الناس عند اللہ منزلۃ یوم القیمہ عالم لم ینتفع بعلمہ۔ اس کو دارمی نے روایت کیا ہے (مشکوۃ)۔

وہ فرزند جان لے کہ سابقہ توبہ و انابت نے جمعیتِ قلبی والے (اہل اللہ) کی صحبت کی کمی کے باعث اگرچہ کچھ فائدہ نہیں پہنچایا لیکن اس فرزند کے جوہر استعداد کے نفیس ہونے کی خبر ضرور دیتی ہے، امید ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس توبہ و انابت کی برکت سے آخر کار اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق نصیب فرمائے گا اور اہلِ نجات میں سے بنائے گا ـــــ بہرحال آپ اس گروہ (اہل اللہ) کی محبت کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور ان لوگوں کے ساتھ التجا و عاجزی اپنا شعار بنائیں اور منتظر رہیں کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان لوگوں کی محبت کے وسیلہ سے اپنی محبت سے مشرف فرمائے اور پوری طرح اپنی طرف کھینچ لے اور ان جنجالوں (غیر شرعی دنیاوی تعلقات) سے بالکل آزاد کردے۔ مثنوی

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت	ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتلِ غیرِ حق براند	در نگر زاں پس کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت	شاد باش اے عشقِ شرکت سوز زفت

(ترجمہ) جبکہ روشن عشق کا شعلہ ہوا	ماسوا معشوق کے سب جل گیا
غیرِ حق کو تیغ لا سے قتل کر	بعد ازاں کر اس کے باقی پر نظر
رہ گیا اللہ باقی سب فنا	عشقِ شرکت سوز تجھ کو مرحبا

مکتوب ۷۴ (عربی و فارسی) ہفتاد و چہارم

میرزا بدیع الزماں[۲] کی طرف صادر ہوا ـــــ فقراء کی محبت اور ان کی طرف توجہ کرنے پر ترغیب اور صاحبِ شریعت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع کی نصیحت کے بیان میں۔

آپ کا مکتوب شریف و مراسلہ لطیف صادر ہوا۔ الحمد للہ کہ اس کے مضمون سے فقراء کی محبت اور درویشوں کی طرف توجہ معلوم ہوئی جو کہ سعادتوں کا سرمایہ ہے، کیونکہ یہ لوگ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ہمنشین ہیں[۱]

۱؎ جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے "انا معہ اذا ذکرنی" اور درویش کبھی یادِ حق سے غافل نہیں ہوتا چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ الخ

۲؎ میرزا بدیع الدین کے نام صرف دو مکتوب ہیں یعنی دفتر اول مکتوب ۷۴ - ۷۵ - آپ آقائے ملا دولت داد کے صاحبزادے اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی اولاد میں سے تھے اور آقائے ملا تصوف میں اپنے چچا شیخ نجیب الدین سہروردیؒ سے مستفیض تھے۔ میرزا کی ایک بیٹی ارادت خاں میر اسحاق شاہجہانی سے منسوب تھی۔ (مآثر الامراء ج ۱ ص ۱۱۶ ترجمہ)

اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا جلیس بدنصیب نہیں ہوتا۔[1] اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم فقرائے مہاجرین کے طفیل حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے فتح طلب کرتے تھے[2] اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی شان میں فرمایا ہے: رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ[3] (بہت سے بکھرے ہوئے بالوں والے گرد آلو اور دروازوں سے ہٹائے ہوئے لوگ ایسے ہیں کہ اگر (کسی کام کی) حق تعالیٰ پر (بھروسہ کرکے) قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ضرور اس قسم کو پورا کردیتا ہے)۔

خلافِ شرع القاب پر تنبیہ

اے سعادت مند! آپ کے مکتوب گرامی میں ایک فقرہ خَدِیْوِ نَشْأَتَیْن (دونوں جہاں کا مالک) درج تھا۔ یہ ایسی تعریف ہے جو واجب الوجود جل شانہٗ (حق تعالیٰ) کی ذات کے لئے مخصوص ہے، بندۂ مملوک کو جو کسی شے پر قادر نہیں ہے کیا حق حاصل ہے کہ کسی وجہ سے بھی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ شرکت حاصل کرے اور خداوندی کے راستہ پر چلے، خاص طور پر عالم آخرت میں جبکہ حقیقی و مجازی ہر طرح کی مالکیت و ملکیت حضرت مالک یوم الدین کے ساتھ مخصوص ہے (چنانچہ) قیامت کے روز حق سبحانہٗ وتعالیٰ پکارے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (آج کس کی بادشاہی ہے) پھر خود ہی اس کے جواب میں فرمائے گا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (سورۂ مومن آیت ۱۶ پ۲۴) (خدائے واحد و قہار کی ہے)۔

اس دن بندوں کیلئے خوف اور دہشت کے سوا اور کچھ ثابت نہیں ہے اور حسرت و ندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے قرآن مجید میں اس روز کی سختی اور مخلوق کے انتہائی اضطراب و بیقراری کی خبر دیتا ہے جیسا کہ خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے: اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝ (سورہ الحج آیت ۱و۲ پ۱۷) (بیشک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی (ہولناک) شے ہے، اس دن تم دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی (عورتیں) اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی اور ہر حاملہ کا حمل گرجائے گا اور تم لوگوں کو نشہ والوں کی طرح لڑکھڑاتے ہوئے دیکھو گے حالانکہ وہ نشہ کی حالت میں نہیں ہوں گے لیکن (وجہ یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کا عذاب نہایت سخت ہے)۔ ؎

در آں روز کز فعل پرسند قول اولو العزم را دل بلرزد ز ہول

---

[1] بخاریؒ نے ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے هم الجلساء لا يشقى جليسهم اور مسلم کی روایت میں ہے هم القوم لا يشقى بهم جليسهم۔ [2] اس کو شرح السنہ میں روایت کیا ہے (مشکوٰۃ)

[3] اس کو مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے (مشکوٰۃ)۔

بجائیکہ دہشت برند انبیاؑ	تو عذر گنہ را چہ داری بیا
(آہ اُس پرسشِ عمل کے روز	دل اولوالعزم کا بھی لرزے گا
انبیاؑ بھی ڈریں گے دہشت سے	معذرت کس طرح تُو کرلے گا؟)

ترجمہ

باقی نصیحت یہ ہے کہ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت لازم پکڑیں کیونکہ آخرت کی نجات آپ کی متابعت کے بغیر محال ہے، اور دنیا کی زیب وزینت کی طرف التفات وتوجہ نہ کریں اور دنیا کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کو کوئی اہمیت نہ دیں (یعنی ان دونوں حالتوں کو یکساں جانیں) کیونکہ دنیا اللہ تعالیٰ کی مبغوضہ (ناپسندیدہ ومکروہ) ہے، حق تعالیٰ کے نزدیک اس کی قدر ومنزلت کچھ بھی نہیں، پس بندوں کے نزدیک اس کا عدم (یعنی نہ ہونا) اس کے وجود (یعنی ہونے) سے بہتر ہونا چاہئے اور اس کی بیوفائی اور جلدی جاتے رہنے (یعنی دولت کے زوال) کے قصے مشہور ہیں بلکہ مشاہدہ میں آچکے ہیں۔ پس اہلِ دنیا کے حال سے عبرت حاصل کریں جو پہلے گذر چکے ہیں۔ وَفَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ لِمُتَابَعَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی توفیق عنایت فرمائے) آمین۔

یہ مکتوب بھی میرزا بدیع الزماں کی طرف صادر فرمایا ــــــ سب سے پہلے عقائد کی درستی اور فقہ ضروری احکام جاننے کے ساتھ سید الکونین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت پر ترغیب کے بیان میں اور اس بیان میں کہ حق تعالیٰ سے وسیلہ یا بلا وسیلہ اسی کو طلب کرنا چاہئے اور اس کے مناسب بیان میں۔

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَعَافَاکُمْ (اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو سلامت اور عافیت سے رکھے ــــــ دونوں جہان کی سعادت کی دولت سید کونین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت پر وابستہ ہے (جبکہ وہ متابعت) اس نہج (طریق) پر ہو جس کو اہلِ سنت وجماعت کے علماء نے بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ان کو ان کی کوششوں کی جزائے خیر عطا فرمائے ــــــ سب سے پہلے اپنے عقیدوں کو ان بزرگوں کی صحیح آراء کے مطابق درست کرنا چاہئے۔ پھر حلال وحرام، فرض وواجب، سنت ومستحب اور مباح ومشتبہ کا علم حاصل کرنا چاہئے (یعنی علم فقہ حاصل کرنا چاہئے جو ان سب امور کا متکفل ہے)

اور اس علم کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے ـــــ ان اعتقادی و عملی دو بازوؤں (پروں) کے حاصل ہو جانے کے بعد اگر سعادتِ ازلی مدد فرمائے تو عالمِ قدس کی طرف پرواز حاصل ہو جاتی ہے وَبِدُوْنِهَا خَرْطُ الْقِتَادِ (ورنہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے) ـــــ اور کمینی دنیا اس لائق نہیں ہے کہ اس کو اصلی مطالب میں سے شمار کریں اور اس کے مالی وجاہ کے حاصل ہونے کو اصلی مقاصد سے خیال کریں۔ بلند ہمت ہونا چاہئے اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے بوسیلہ یا بے وسیلہ اسی کو طلب کرنا چاہئے ع

کار این ست و غیر ایں ہمہ ہیچ (ترجمہ: کام اصلی یہی ہے باقی ہیچ ہے)

جب آپ نے توجہ کر کے دعا طلب کی ہے تو بُشْرٰی لَکُمْ سَالِمًا وَّ غَانِمًا آپ کو بشارت ہو کہ سلامتی کے ساتھ اور مالِ غنیمت حاصل کر کے واپس آئیں گے) لیکن ایک شرط کو مدِ نظر رکھیں اور وہ یہ ہے کہ آپ کی توجہ کا قبلہ ایک ہونا چاہئے، توجہ کے قبلہ کا متعدد بنانا اپنے آپ کو تفرقہ (انتشار) میں ڈالنا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ "ہر کہ یکجا ہمہ جا و ہر کہ ہمہ جا ہیچ جا" (یعنی جو ایک جگہ ہے وہ ہر جگہ ہے اور جو ہر جگہ ہے وہ کسی جگہ بھی نہیں) ـــــ حق سبحانہٗ و تعالیٰ حضرت محمد مصطفےٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شریعت کے سیدھے راستہ پر استقامت نصیب فرمائے۔ اور اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کے راستے پر چلا اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتحیات کی متابعت کو لازم پکڑا)

مکتوب ۷۶ (عربی و فارسی)

هفتاد و ششم
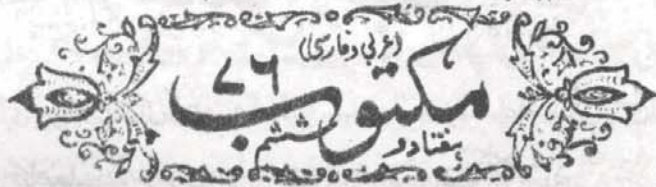
قلیج خاںؒ[1] کی طرف صادر ہوا ـــــ اس بیان میں کہ ترقی ورع و تقویٰ (پرہیز گاری) سے وابستہ ہے، اور فضول مباحات کے ترک کرنے کی ترغیب میں، اور اگر یہ میسر نہ ہو تو محرمات سے بچتے ہوئے فضول مباحات کے دائرے کو تنگ تر رکھنا چاہئے اور اس بیان میں کہ محرمات سے بچا جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَبِهٖ نَسْتَعِیْنُ (اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے اور اسی کے ساتھ مدد مانگتا ہوں) اللہ تعالیٰ سبحانہٗ اپنے حبیب سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل جو کہ کجی چشم سے پاک ہیں آپ کو ہر اس چیز سے بچائے جو آپ کے لئے موجبِ عار ہو، اور ہر

---

[1] قلیج خاں کا مختصر تذکرہ اور ان کے نام مکتوبات کی تفصیل کے لئے دفتر اول مکتوب ۴۴ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

اس چیز سے محفوظ رکھے جو آپ کو عیب لگائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (سورہ حشر آیت ۵۹) (یہ رسول جو کچھ تم کو دے اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے رُک جاؤ) ——— (لہٰذا) نجات کا مدار دو[۲] چیزوں پر ہوا، (یعنی اوامر[۱] کا بجا لانا اور نواہی[۲] سے رُک جانا۔ اور ان دونوں جزو میں سے جزوِ آخر زیادہ عظمت والا ہے جس کو ورع وتقویٰ (پرہیزگاری) سے تعبیر کیا گیا ہے ———

ذُكِرَ رَجُلٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ بِعِبَادَةٍ وَاجْتِهَادٍ وَذُكِرَ اٰخَرُ بِرِعَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا تَعْدِلُ بِالرِّعَةِ شَيْئًا يَعْنِي الْوَرَعَ[۱]۔ وَقَالَ اَيْضًا عَلَيْهِ مِنَ الصَّلَوٰتِ اَتَمُّهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا مِلَاكُ دِيْنِكُمُ الْوَرَعُ[۲]۔ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کا ذکر عبادت واجتہاد کے ساتھ کیا گیا (یعنی وہ بڑا عبادت وریاضت میں مشغول رہتا ہے) اور دوسرے شخص کا ذکر ورع (تقویٰ) کے ساتھ۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ورع یعنی پرہیزگاری کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ اور نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تمہارے دین کا مقصود ورع یعنی پرہیزگاری ہے) ——— اور انسان کی فرشتوں پر فضیلت اسی جزوِ (آخر) سے ثابت ہے اور قربِ الٰہی کے درجوں پر ترقی بھی اسی جزو سے ثابت ہے کیونکہ فرشتے پہلے جزو میں شریک ہیں اور ترقی ان میں مفقود ہے، پس جزوِ ورع وتقویٰ کا مدِ نظر رکھنا اسلام کے اعلیٰ ترین مقاصد اور دین کی نہایت اہم ضروریات میں سے ہے، اور یہ جزو جس کا مدار حرام چیزوں سے بچنے پر ہے کامل طور پر اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ فضول (غیر ضروری) مباحات سے پرہیز کیا جائے اور بقدرِ ضرورت مباحات پر کفایت کی جائے کیونکہ مباحات کے اختیار کرنے میں باگ ڈور کا ڈھیلا چھوڑ دینا مشتبہ چیزوں (کے اختیار کرنے) تک پہنچا دیتا ہے اور مشتبہ حرام کے نزدیک ہے، مَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّقَعَ فِيْهِ[۳] (جو شخص چراگاہ کے گرد پھرا قریب ہے کہ اس میں جا پڑے)۔

ورع وتقویٰ کی فضیلت

پس ورع وتقویٰ کامل طور پر حاصل کرنے کے لئے بقدرِ ضرورت مباحات پر کفایت کرنا لازمی ہے

---

[۱] اس حدیث کو ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد حسن ہیں۔

[۲] اس روایت کو بیہقی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: وفضل فی علم خیر من فضل فی عبادۃ وملاک الدین الورع (مشکوٰۃ) ——— [۳] اس میں اس طویل حدیث کے ایک حصہ کی طرف اشارہ ہے جس کو امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور وہ بھی اس شرط پر کہ اس میں عبادت و اعمال کرنے کی نیت ہو ورنہ اسقدر (مباحات اختیار کرنا) بھی وبال ہے
اور اس کا قلیل بھی کثیر کا حکم رکھتا ہے ـــــــ اور چونکہ فضول مباحات سے کلی طور پر بچنا ہر زمانہ
میں اور خاص طور پر اس زمانے میں بہت دشوار ہے (اس لئے) حرام چیزوں سے بچتے ہوئے حتی الامکان
فضول مباحات اختیار کرنے کا دائرہ بہت تنگ کرنا چاہئے اور اس اختیار کرتے میں ہمیشہ شرمندہ
پشیمان ہونا اور توبہ و استغفار کرنا چاہئے اور اس (فضول مباحات) کو محرمات میں داخل ہونے کی کھڑکی
جانتے ہوئے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں التجا و گریہ وزاری کرتے رہنا چاہئے، شاید کہ یہ ندامت
(پشیمانی) واستغفار اور التجا و تضرع اُس فضول مباحات سے بچنے کا کام کر جائے اور اس کی آفت سے
محفوظ و مامون کر دے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں: اِنْکِسَارُ الْعَاصِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ صَوْلَۃِ الْمُطِیْعِیْنَ (گنہگاروں
کی انکساری و عاجزی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرمانبرداروں کے دبدبہ (جد و جہد) سے زیادہ محبوب ہے)۔ اور حرام چیزوں
سے بچنا بھی دو قسم پر ہے ایک قسم وہ ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حقوق سے تعلق رکھتی ہے، اور دوسری
قسم وہ ہے جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہے، اور دوسری قسم کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے
(کیونکہ) اللہ تعالیٰ غنی مطلق اور ارحم الراحمین (سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے) اور بندے فقرا و محتاج
اور بالذات بخیل و کنجوس ہیں (اس لئے ان کے اُن کے حقوق کی ادائیگی زیادہ ضروری ہے) ـــــــ

حقوق العباد کی اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: مَنْ کَانَتْ لَہٗ مَظْلِمَۃٌ لِاَخِیْہِ مِنْ عِرْضِہٖ اَوْ شَیْءٍ
فَلْیَتَحَلَّلْہُ مِنْہُ الْیَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَّا یَکُوْنَ دِیْنَارٌ وَّلَا دِرْھَمٌ اِنْ کَانَ لَہٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ بِقَدْرِ
مَظْلِمَتِہٖ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَہٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَیِّئَاتِ صَاحِبِہٖ فَحُمِلَ عَلَیْہِ[۱۵] (اگر کسی شخص پر اس کے بھائی
کی عزت و آبرو یا اور کسی قسم کا کوئی حق ہے تو اس کو چاہئے کہ آج ہی اس سے معاف کرا لے قبل اس کے کہ اُس کے
پاس نہ کوئی دینار رہے اور نہ درہم، (کیونکہ قیامت کے دن) اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوگا تو بقدر ظلم اس سے
بدلہ میں لے لیا جائے گا (اور صاحبِ حق کو دیدیا جائے گا) اور اگر اس کی نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحبِ حق کی برائیاں
لے کر اس پر ڈالی جائیں گی)۔

وَقَالَ اَیْضًا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِیْنَا

---

۱۵ اس کو امام بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَّصِيَامٍ وَّزَكٰوةٍ وَّيَاْتِيْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ[1] صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ (اور نیز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ

مفلس کون شخص ہے؟ حاضرین صحابہؓ نے عرض کیا ہم میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس درہم واسباب کچھ نہ ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ سب کچھ لے کر آئے (لیکن ساتھ ہی) اس نے کسی کو گالی بھی دی ہو اور کسی کو تہمت بھی لگائی ہو اور کسی کا مال بھی کھایا ہو اور کسی کا خون بہایا ہو اور کسی کو مارا ہو، پس ہر ایک حقدار کو اس کی نیکیوں میں سے اس کے حق کی برابر نیکیاں دیدی جائیں گی اور اگر حقداروں کے حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو اُن حقداروں کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے پھر اس کو دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا)۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔

مفلس کون؟

دوسری بات یہ ہے کہ (یہ فقیر) آپ کی تعریف اور شکر گذاری کا اظہار کرتا ہے کہ شہر عظیم لاہور میں آپ کے وجود کی وجہ سے اس گئے گذرے زمانہ میں بہت سے شرعی احکام رائج ہو گئے ہیں اور وہاں دین کو تقویت اور مذہب کی ترویج حاصل ہو گئی ہے اور وہ شہر (لاہور) فقیر کے نزدیک ہندوستان کے تمام شہروں کی نسبت "قطبِ ارشاد" کی مانند ہے، اس شہر کی خیر و برکت ہندوستان کے تمام شہروں میں پھیلی ہوئی ہے اگر وہاں دین رواج پذیر ہے تو سب جگہ ایک درجہ رواج متحقق ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کا معاون و مددگار ہو ——— قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ[2] (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق کا مددگار رہے گا اور جو اس گروہ کی ذلت و خواری کا ارادہ کریگا وہ اس کو کچھ ضرر نہ دے سکے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائیگا اور وہ اپنے حال پر قائم ہوں گے)۔

شہر لاہور کی فضیلت

---

[1] اس کو امام مسلمؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ——— [2] اس کو حاکم نے حضرت عمرؓ سے نیز حاکم و ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، نیز ابن ماجہ نے مغیرہ بن شعبہ سے اور ابوداؤد نے عمران بن حصین سے روایت کیا ہے۔ ان تینوں روایتوں کے الفاظ مختلف ہیں مگر معنی سب کے ایک ہی ہیں۔

چونکہ معرفت کی پناہ والے ہمارے قبلہ گاہ حضرت خواجہ (باقی باللہ قدس سرہ) کے ساتھ آپ کی محبت کے تعلق کا رشتہ محکم تھا اس بنا پر یہ چند کلمات لکھ کر اس جنّی نسبت کو حرکت میں لایا ہے اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہے ——— حامل مکتوب دعا نیک و صالح آدمی اور شریف زادہ ہے ایک حاجت لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے، امید ہے کہ اس کے بارے میں توجہ شریف فرما کر اس کی حاجت روائی فرمائیں گے ——— حضور نبی کریم اور آپ کی بزرگ اولاد علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل حقیقی دولت اور ابدی سعادت آپ کو حاصل ہو ——— میرے سیادت مآب میر سید جمال الدین کو غریبانہ دعائیں پہنچائیں۔

مکتوب ۷۷

هفتاد و هفتم

جباری خاں[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ خدائے بے مثل و بے مثال کی عبادت (اخلاص کے ساتھ) کب حاصل ہوتی ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

بعد از خدائے ہر چہ پرستند ہیچ نیست　　بے دولت است آنکہ بہ ہیچ اختیار کرد

(ترجمہ:- بجز حق کے وہ جس کو پوجتے ہیں ہیچ و باطل ہے　　جو باطل کی کرے پوجا بڑا بدبخت و جاہل ہے)

بے مثل و بے مثال خدائے تعالیٰ جل سلطانہٗ کی (خالص) عبادت اُس وقت میسر ہوتی ہے جبکہ تمام ماسویٰ اللہ کی غلامی سے آزاد ہو کر توجہ کا قبلہ ذاتِ احدیت کے سوا اور کچھ نہ رہے اور اس توجہ کا مصداق (یعنی علامت و نشانی) حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے انعام (نعمت دینا) و ایلام (رنج والم دینا) کا برابر ہونا ہے، بلکہ اس مقام کے حاصل ہونے کے شروع میں رنج والم، انعام کی بہ نسبت زیادہ مرغوب و پسندیدہ ہوتا ہے، اگرچہ آخر میں تفویض (اپنا ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے) تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور (انعام و ایلام) جو کچھ (حق تعالیٰ کی طرف سے) پہنچتا ہے اس کو زیادہ بہتر و مناسب

---

[1] آپ کے نام مکتوبات میں تین مکتوب ہیں یعنی دفتر اول مکتوب ۷۷-۸۷-۹۷- جباری خاں یا جباری بیگ نامی ایک شخص مجنون خاں تاقشال کے صاحبزادے اور حضرت میرزا مظہر جان جاناںؒ کے اجداد میں سے تھے۔ مجنون خاں کے انتقال کے بعد جباری خاں برائے نام سردار تھے اور اُن کے چچا بابا خاں سرداری کے فرائض انجام دیتے تھے۔ (مآثر الامراء، ج۱، ص ۳۸۹)

حضرت میرزا مظہر جان جاناںؒ ابن میرزا جان ابن میرزا عبد السبحان بن میرزا محمد امان بن شاہ بابا سلطان ابن بابا خان بن امیر غلام محمد بن امیر محمد بن خواجہ رستم شاہ بن امیر کمال الدین۔ پھر انیس ۱۹ واسطوں سے (اور محمد بن حنفیہؒ کے توسط سے) حضرت علی رضی اللہ عنہ تک سلسلہ پہنچتا ہے۔

* باباخان ابن امیر غلام محمد کے بھائی مجنوں خان تاقشال تھے انہی کے بیٹے جاری خان تھے۔

جانتا ہے ـــــ وہ عبادت جو (جنت کی) رغبت اور (دوزخ کے) خوف کی وجہ سے ہو در حقیقت وہ عبادت اپنی ہی عبادت ہے اور اس سے مقصود اپنی نجات اور خوشی ہے ـــ؎

تا تو در بندِ خویشتن باشی عشق گوئی دروغ زن باشی

(ترجمہ:- جب تلک ہے فکر اپنے آپ کی داستانِ عشق ہے جھوٹی تری)

اس دولت کا حاصل ہونا فنائے مطلق پر موقوف ہے اور یہ توجہ (ذاتِ احدیت کی طرف) محبتِ ذاتیہ کا نتیجہ اور ولایتِ خاصۂ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے ظہور کا مقدمہ ہے، اس نعمتِ عظمیٰ (ولایتِ خاصۂ محمدیہ) کا حاصل ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی کامل متابعت پر موقوف ہے اسلئے کہ ہر نبی علیہم الصلوات والتسلیمات کی شریعت جو براہِ نبوت اس کو عطا فرمائی گئی ہے اس کی ولایت کے مناسب ہے کیونکہ ولایت میں کلی طور پر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے اور جب نبوت (کے مقامِ دعوت وارشاد) میں لے آتے ہیں تو (وہ نبی) اسی نور کے ساتھ آتا ہے اور اسی کمال کو مخلوق کی توجہ کے ساتھ جمع کرتا ہے اور مقامِ نبوت کے کمالات حاصل ہونے کا سبب بھی وہی نور ہے اور اسی لئے بعض (اہلِ سکر) بزرگوں نے کہا ہے کہ نبی کی، ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے ـــــ پس اسی لئے ہر پیغمبر کی شریعت اس کی ولایت کے مناسب ہوتی ہے اور اس شریعت کی پیروی اس (نبی کی) ولایت تک پہنچنے کے لئے لازمی ہے۔

اور اگر لوگ یہ سوال کریں کہ آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کے بعض متبعین کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت سے کچھ بھی حاصل نہیں ہے بلکہ دوسرے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قدم پر ہیں اور ان کی ولایت سے حصہ رکھتے ہیں ـــــ تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت تمام شریعتوں کی جامع ہے اور جو کتاب (قرآن مجید) آپ پر نازل ہوئی ہے تمام آسمانی کتابوں کو شامل ہے پس اس شریعت کی پیروی گویا تمام شریعتوں کی پیروی ہے لہٰذا ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق انبیائے کرامؑ میں سے کسی ایک نبی کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے کہ (جس سے) اس کی ولایت کو اخذ کرتا ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی ولایتوں پر حاوی ہے۔ پس ان ولایتوں تک پہنچنا اس ولایتِ خاصہ کے اجزا میں سے کسی ایک جزو تک پہنچنا ہے اور اس ولایت

(خاصۂ محمدیہ) تک نہ پہنچنے کا سبب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل درجے کی متابعت میں کمی ہے اور کمی کے بھی مختلف درجے ہیں، اس لئے ولایت کے درجات میں تفاوت ہوجاتا ہے اور اگر آپؐ کا کامل درجے اتباع حاصل ہوجائے تو آپؐ کی ولایت تک پہنچنا ممکن ہے ــــ یہ اعتراض اس وقت وارد ہوتا جب کہ دوسرے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کے متبعین کو ولایتِ خاصۂ محمدی علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام حاصل ہوتی اور جب ایسا نہیں ہے تو اعتراض بھی کوئی وارد نہیں ہوتا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَھَدٰنَا اِلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ وَالدِّیْنِ الْقَوِیْمِ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم پر انعام فرمایا اور سیدھے راستہ اور مضبوط دین کی طرف ہدایت فرمائی) صراط مستقیم اسی (دین) کے مضبوط راستے اور واضح و روشن شریعت سے مراد ہے۔ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (سورۂ یٰسین آیت ۳، ۳۶) (بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں اور صراطِ مستقیم پر ہیں) اسی حقیقت کی دلیل ہے ــــ رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِیَّاکُمْ کَمَالَ اتِّبَاعِ شَرِیْعَتِهٖ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بِحُرْمَةِ کُمَّلِ اَتْبَاعِهٖ وَمُعَظَّمِ اَوْلِیَائِهٖ رِضْوَانُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ اٰمِیْنَ (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل متبعین اور بزرگ اولیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طفیل آپ کی شریعت کی کامل ترین اتباع نصیب فرمائے، آمین) ــــ اس دعا نامہ کا لانے والا چونکہ ان حدود (یعنی آپ کی طرف) جانے والا تھا اس لئے ان چند کلمات کے ساتھ محبت کے سلسلہ کو حرکت دینے والا ہوا ہوں ــ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ لَدَیْکُمْ (آپ پر سلام اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رحمت ہو)۔

مکتوب ۷۸ (ہفتاد و ہشتم)
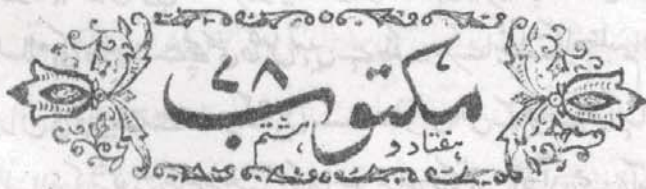
یہ مکتوب بھی جباری خاں کی طرف صادر ہوا ــــ سفر در وطن اور سیر آفاقی وانفسی کی حقیقت (ومعنی) کے بیان میں اور اس بیان میں کہ اس دولت کا حاصل ہونا صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع سے وابستہ ہے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ آنحضرت علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شریعتِ حقہ کے راستہ پر استقامت مرحمت فرمائے ــــ چند دن ہوئے کہ دہلی اور آگرہ کے سفر سے واپسی واقع ہوئی ہے

اور وطنِ مالوف (پیارے وطن) میں آرام حاصل ہوا ہے۔ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ[۵۱] (وطن کی محبت ایمان کے امور میں سے ہے) شاملِ حال ہے، وطن میں پہنچنے کے بعد اگر سفر ہے تو وطن میں ہے۔

"سفر در وطن"[۵۲] مشائخ خاندانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے اکابرین کے مقررہ اصولوں میں سے ہے، اس سفر کی چاشنی اس طریق میں ابتدا ہی میں میسر ہو جاتی ہے اور اندراج النہایت فی البدایت (ابتدا میں انتہا کے درج ہونے) کے طریق پر حاصل ہو جاتی ہے، (کارکنانِ قضا و قدر) اگر اس گروہ میں سے کسی جماعت کو مجذوب سالک بنانا چاہتے ہیں تو بیرونی (یعنی آفاقی) سیر میں ڈال دیتے ہیں اور اس سیرِ آفاقی کے تمام (مکمل) ہونے کے بعد سیرِ انفسی میں کہ جس سے مراد "سفر در وطن" ہے کچھ آرام دیتے ہیں۔

مصرع: ایں کار دولت است کنوں تا کرا رسد (ترجمہ: بڑی اعلیٰ ہے دولت، دیکھئے اب کس کو ملتی ہے)

مصرع: هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا (ترجمہ: مبارک نعمتیں جنت کی ہوں اربابِ جنت کو)

اس نعمتِ عظمیٰ تک پہنچنا سیدِ اولین و آخرین علیہ و علیٰ آلہ من الصلوات افضلہا و من التحیات اکملہا کے اتباع سے وابستہ ہے، جب تک اپنے آپ کو پوری طرح شریعت میں گُم نہ کریں اور اوامر کے بجا لانے اور نواہی سے رُک جانے کے ساتھ پوری طرح آراستہ نہ ہو جائیں اس دولت و نعمت کی خوشبو جان کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتی۔ شریعت کی مخالفت کے باوجود اگرچہ بال برابر ہی ہو، احوال و مواجید حاصل ہو جائیں تو (وہ سب) داخلِ استدراج ہیں، آخرکار اس کو رسوا و ذلیل کریں گے۔ محبوب ربّ العالمین علیہ و علیٰ آلہ من الصلوات افضلہا و من التحیات اکملہا کی اتباع کے بغیر خلاصی (عذابِ آخرت سے رہائی) ممکن نہیں ہے چند روزہ زندگی کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں میں مشغول رکھنا چاہیئے۔ یہ کیا زندگی اور کونسا عیش ہے کہ اس شخص کا مولیٰ (آقا) اس کے فعل سے ناراض ہو۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس کے تمام کُلّی و جزئی حالات پر مطلع اور حاضر و ناظر ہے، شرم کرنی چاہیئے۔

---

۵۱ مشہور یہ ہے کہ یہ حدیث ہے، امام سخاویؒ نے فرمایا کہ میں اس کے حدیث ہونے سے واقف نہیں ہوں لیکن اس کے معنی صحیح ہیں۔

۵۲ "سفر در وطن" سے مراد سیرِ انفسی ہے اس کو جذبہ بھی کہتے ہیں، سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں کی ابتدا اسی سیر سے ہوتی ہے اور سیرِ آفاقی اسی سیر کے ضمن میں طے ہو جاتی ہے اور دوسرے سلسلوں میں سیرِ آفاقی سے کام کی ابتدا ہوتی ہے اور ان کی انتہا سیرِ انفسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ سیرِ انفسی سے کام کی ابتدا ہونا سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی خصوصیت ہے اور اندراج نہایت در بدایت کے یہی معنی ہیں کہ سیرِ انفسی جو کہ دوسروں کی نہایت ہے وہ اس سلسلہ کے اکابر کی بدایت ہے۔ سیرِ آفاقی مطلوب کو اپنے سے باہر ڈھونڈنا ہے اور سیرِ انفسی اپنے آپ میں آنا اور اپنے دل کے گرد پھرنا ہے اور اسی معنی میں کہا ہے ؎

ہمچو نابینا مبر ہر سوئے دست ٭ با تو در زیرِ گلیم است ہر چہ ہست — (از مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ)

بالفرض اگر لوگ جان لیں کہ کوئی شخص ان کے ناپسندیدہ افعال اور عیبوں سے واقف ہو جائے گا تو (ایسی صورت میں) اس کے سامنے ان سے کوئی ناشائستہ امر واقع نہیں ہوتا اور وہ نہیں چاہتے کہ وہ شخص ان کے عیبوں پر مطلع ہو جائے، تو پھر اُن پر کیا مصیبت ہوئی کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو حاضر و ناظر جاننے کے باوجود کچھ خوف نہیں کرتے، اور یہ کیسا اسلام ہے کہ حق تعالیٰ کو اس شخص کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا (ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے بُرے اعمال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں) ۔

حدیث شریف جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ بِقَوْلِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ[۵۱] (اپنے ایمان کو کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے تازہ کرتے رہو) کے مطابق اس عظیم الشان کلمہ سے ہر وقت ایمان کو تازہ کرتے رہنا چاہیئے، اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں تمام ناپسندیدہ افعال سے توبہ ورجوع کرنی چاہیئے ممکن ہے کہ پھر دوسرے وقت تک توبہ کا موقع نہ ملے ——— ھَلَکَ الْمُسَوِّفُوْنَ[۵۲] (آج کل کہنے والے یعنی دیر کرنے والے ہلاک ہو گئے) نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی حدیث ہے جس کا مطلب ہے سَوْفَ اَفْعَلُ (آئندہ کر لوں گا) کہنے والے یعنی تاخیر کرنے والے ہلاک ہو گئے ——— فرصت کو غنیمت جاننا چاہیئے اور (اپنے اوقات کو) اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں میں صرف کرنا چاہیئے، توبہ کی توفیق بھی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایتوں میں سے ہے، ہمیشہ حق تعالیٰ سے اس معنی (یعنی اس توفیق) کے خواہاں رہیں ——— اور جو درویش شریعت میں مضبوط قدم رکھتے ہیں اور عالمِ حقیقت کو اچھی طرح پہچانتے ہیں اُن سے دعا طلب کرنی چاہیئے اور مدد لینی چاہیئے تاکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت ان کی کھڑکی سے (یعنی اُن کے طفیل سے) ظاہر ہو کر اپنی پاک بارگاہ کی طرف پوری طرح جذب کر لے اور مخالفت کی اس میں کوئی گنجائش نہ رہے۔ جبتک شریعت کی مخالفت کا راستہ بال برابر بھی کھلا رہے خطرہ کا مقام ہے مخالفت کے تمام راستوں کو بند کرنا چاہیئے۔ بیت

---

۵۱ اس حدیث کی تخریج سے متعلق مکتوب ۵۲ ص ۱۸۱ - اور مکتوب ۷۳ ص ۱۹۳ کا فٹ نوٹ ملاحظہ ہو۔

۵۲ اس حدیث کی تخریج سے متعلق مکتوب ۷۳ ص ۲۲۱ کا فٹ نوٹ ملاحظہ ہو۔

بیت محال است سعدی کہ راہِ صفا توان رفت جُز در پئے مصطفٰے

(ترجمہ:۔ تجھے حاصل نہ ہو جبتک نبیؐ کی پیروی کرنا نہیں ممکن کبھی اہلِ صفا کی راہ پر چلنا)

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور آپؐ کی آل پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلامتی ہو۔

اہل اللہ پر خصوصاً جبکہ پیری و مرشدی کا نام درمیان میں ہو (یعنی جبکہ وہ پیرو مرشد بھی ہو) اور فائدہ حاصل کرنے کا راستہ کھلا ہوا ہو اعتراض نہیں کرنا چاہئے اور اس کو زہر قاتل سمجھنا چاہیے، اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہے، یہ چند باتیں محبت و اخلاص کے تعلق کی بنا پر لکھی گئی ہیں امید ہے کہ ملال کا باعث نہ ہوں گی۔

دوسرے یہ تکلیف دی جاتی ہے کہ ملا عمر اور شاہ حسن شریف زادے اور خاندانی آدمی ہیں اور آپ کی خدمت کے خواہاں ہیں، امید ہے کہ اپنے خاص ملازموں میں داخل فرمالیں گے، اسمٰعیل بھی اسی ارادہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے اگرچہ پیادہ ہے امیدوار ہے کہ اپنی حالت کے مناسب حصہ پالے گا۔ زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔ والسلام مع الاکرام۔
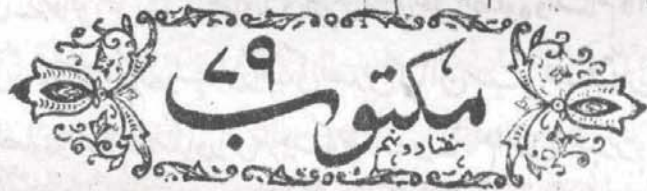
یہ مکتوب بھی جباری خاں کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ یہ روشن شریعت تمام گذشتہ شریعتوں کی جامع ہے اور اس شریعت کے مطابق عمل کرنا تمام شریعتوں کے مطابق عمل کرنا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اللہ تعالیٰ حضرت محمد مصطفٰے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شریعت کے راستہ پر ثابت قدمی و استقامت نصیب فرما کر اپنی پاک بارگاہ کی طرف پوری طرح متوجہ کرلے، چونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے تمام اسمائی و صفاتی کمالات کے جامع ہیں اور ان سب (اسماء و صفاتِ الٰہیہ) کے اعتدال کے طور پر مظہر ہیں، جو کتاب آپ پر نازل ہوئی ہے وہ ان تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ (نچوڑ) ہے جو تمام انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات پر نازل ہوئی ہیں اور نیز وہ شریعت جو آنسرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائی گئی ہے

روشن شریعت کے فضائل

تمام گذشتہ شریعتوں کا خلاصہ (عمدہ حصہ) ہے، اور وہ اعمال جو اس شریعتِ حقہ کے موافق ہیں سب سابقہ شریعتوں کے اعمال میں سے منتخب ہیں بلکہ ملائکہ کرام صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علی نبینا وعلیہم کے اعمال سے بھی منتخب ہیں کیونکہ بعض فرشتوں کو رکوع کا حکم دیا گیا ہے اور بعض کو سجدہ کا اور بعض کو قیام کا، اور اسی طرح گذشتہ امتوں میں سے بعض کو صبح[1] کی نماز کا حکم دیا گیا تھا اور دوسری بعض (امتوں) کو دوسرے (وقت کی) نمازوں کا۔ پس اس شریعت میں گذشتہ امتوں اور مقرب فرشتوں کے اعمال کا خلاصہ اور اُن کا عمدہ حصہ انتخاب کرکے ان کے بجالانے کا حکم دیا گیا ہے لہذا اس شریعت کی تصدیق کرنا اور اس کے مطابق اعمال بجالانا حقیقت میں تمام شریعتوں کی تصدیق کرنا اور ان شریعتوں کے موافق اعمال بجالانا ہے۔

پس اس میں کوئی شک نہیں کہ اس شریعت کی تصدیق کرنے والے (خیر الامم) تمام امتوں سے بہتر ہوئے۔ اور اسی طرح اس شریعت کو جھٹلانا اور اس کے موافق عمل نہ کرنا تمام سابقہ شریعتوں کو جھٹلانا اور ان کے موافق عمل نہ کرنا ہے، اور اسی طرح آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار کرنا تمام اسمائی وصفاتی کمالات کا انکار کرنا ہے اور آپ کی تصدیق کرنا ان سب کی تصدیق کرنا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منکر اور اس شریعت کو جھٹلانے والے تمام امتوں سے بدتر ہوں۔ آیت اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا (توبہ آیت ۹۷) (عرب کے صحرا نشین لوگ کفر و نفاق میں سخت تر واقع ہوئے ہیں) میں اسی طرف اشارہ ہے۔

~ محمد عربی کآبروئے ہر دو سرا ست | کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سرِ اُو

(اردو ترجمہ) عزتِ کونین ہیں حضرت محمد مصطفےٰ | آپ کا منکر ہوا خوار و ذلیل دوسرا

---

[1] حضرت ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ امام طحاویؒ نے حضرت عبیداللہ بن محمد سے انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ جب فجر کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تو آپ نے (شکریہ کے طور پر) دو رکعت نماز ادا کی، اس طرح نمازِ فجر کی ابتدا ہوئی۔ اور ظہر کے وقت جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذبیحہ مینڈھے کی شکل میں قبول ہوا تو آپ نے ظہر کے وقت چار رکعت (شکریہ کے طور پر) ادا کیں، اس طرح نماز ظہر کی ابتدا ہوئی۔ اور جب حضرت عزیر علیہ السلام سو سال کے بعد زندہ ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ کتنی دیر یہاں رہے؟ آپ نے کہا ایک دن پھر آپ نے سورج دیکھا تو فرمایا ایک دن یا اس سے کم، تو آپ نے چار رکعت عصر پڑھیں، اس طرح نماز عصر کی ابتدا ہوئی۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی مغرب کے وقت توبہ قبول ہوئی تو آپ چار رکعت پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے لیکن شدت گریہ کی وجہ سے تین رکعت پڑھنے کے بعد تھک گئے، اس طرح مغرب کی تین رکعتیں قرار پائیں اور نمازِ عشا سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ادا فرمائی۔ آپ سے پہلے کسی کے ہاں عشا کی نماز نہیں تھی۔

خدائے منعم کی حمد اور احسان ہے کہ اس شریعت اور صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے ساتھ آپ کا حُسنِ اعتقاد اور کامل یقین اچھی طرح مشاہدہ ہو چکا ہے اور نامناسب حرکات و افعال پر ہمیشہ آپ کو ندامت لاحق رہی ہے، حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس میں اضافہ عطا فرمائے۔

دیگر التماس یہ ہے کہ حامل رقیمۂ دعا میاں شیخ مصطفیٰ، قاضی شریح[۵۱] کی نسل سے ہیں، ان کے بزرگ اس ملک (ہندوستان) میں بڑی عزت کے ساتھ آئے تھے اور ذرائع معاش و وظائف بکثرت رکھتے تھے، مشارٌالیہ معاش کی تنگی کی وجہ سے لشکر کی طرف متوجہ ہوا ہے اور سندات و فرمان نامے اپنے ہمراہ لایا ہے امیدوار ہے کہ آپ کے وسیلہ سے جمعیت حاصل کر لے زیادہ کیا تکلیف دوں۔ مشارٌالیہ کی سفارش کسی طرح سے صدرِ اعظم کے پاس کر دیں کہ ان کا کام بن جائے اور پریشان حال والوں کی جمعیت کا باعث ہو۔ والسلام والاکرام۔

مکتوب ۸۰

مرزا فتح اللہ حکیم[۵۲] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ تہتر فرقوں میں سے فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت وجماعت کا گروہ ہے اور بدعتی فرقوں کی مذمت اور اس کے مناسب بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت محمد مصطفیٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شریعت کے راستہ پر استقامت نصیب فرمائے۔ مصرعہ

کار این است غیر ایں ہمہ ہیچ (ترجمہ) کام اصلی ہے یہی اس کے سوا سب ہیچ ہے)

---

[۵۱] آپ کا نام قاضی شُریح بن الحارث بن قیس کوفی نخعی قاضی ابو امیہ مخضرم ہے آپ ثقہ ہیں اور ۸۰ھ کے لگ بھگ وفات پائی اور ایک سو آٹھ سال یا اس سے زیادہ عمر پائی۔

[۵۲] میرزا فتح اللہ حکیم کے نام مکتوبات شریفہ میں تین مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۸۰۔ ۸۵۔ ۲۰۲۔ آپ حکیم مسیح الدین ابو الفتح کے بھائی حکیم لطف اللہ کے صاحبزادے تھے، بہت قابل اور صاحب حیثیت شخص تھے لیکن آپ نے جہانگیر کے مقابلہ میں خسرو (شاہجہان) کی حمایت کی اور آصف خاں کے چچازاد بھائی نور الدینؒ مل کر یہ طے کر لیا کہ جیسے ہی موقع ملے خسرو کو قید سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا جائے لیکن بعد میں جہانگیر کو اس سازش کا علم ہو گیا۔ نور الدین اور اس کے کئی ساتھی قتل کر دیئے گئے۔ حکیم فتح اللہ کی تشہیر کی گئی پھر اندھا کر دیا گیا۔ پھر آپ اپنے وطن شیراز چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ کلام اللہ کی تفسیر بھی لکھی تھی۔ (مآثر الامراء ج ۱ ص ۵۵۸، نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۰۳، تجلیات ربانی ص ۱۰۰)

(اگرچہ) تہتّر[۷۳] فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ[۵۱] شریعت کی اتباع کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنی نجات کا یقین رکھتا ہے (جیسا کہ آیتِ شریفہ) كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (روم آیت ۳۲) (یعنی ہر گروہ اس پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے) ان کے حال کے مطابق ہے، لیکن پیغمبر صادق علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا نے ان متعدد فرقوں میں سے ایک "ناجیہ" (نجات پانے والا) فرقے کی تمیز کے لئے جو دلیل بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے :—
اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ (یعنی فرقہ ناجیہ وہ ہے جو اس طریقہ پر ہو جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں) —— صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کا ذکر (کہ جس طریقے پر میں ہوں) کافی ہونے کے باوجود اس مقام پر اصحاب کرام کا ذکر اسی لئے ہو سکتا ہے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ "جو میرا طریقہ ہے وہی میرے اصحاب کا طریقہ ہے —— لہٰذا نجات کا طریقہ ان حضرات کے اتباع پر موقوف ہے جیسا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء آیت ۸۰) (جس نے رسول کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی)۔ پس رسول ؐ کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی اطاعت کے خلاف کرنا سراسر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

رسول اکرمؐ کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

جن لوگوں نے حق تعالیٰ وتقدس کی اطاعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے خلاف تصور کیا ہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کے کفر کی اطلاع دیتا ہے اور ان پر کفر کا حکم لگاتا ہے چنانچہ فرماتا ہے: يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ج (نساء آیت ۱۵۰ و ۱۵۱) (یعنی یہ لوگ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان فرق ڈالیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کا راستہ اختیار کرلیں، یہی لوگ درحقیقت پکے کافر ہیں)۔

پس مذکورہ بالا صورت سے واضح ہو گیا کہ اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طریقے کی پیروی کئے بغیر آنسرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع کا دعویٰ کرنا باطل اور جھوٹ ہے۔

---

[۵۱] اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو ترمذی نے حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر بھی وہ دور آئے گا جو کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا بالکل ویسا ہی آئیگا یہاں تک کہ اگر ان (بنی اسرائیل) میں سے کوئی ایسا ہو جس نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بدکاری کی ہو تو میری امت میں بھی ایسا کوئی ہو گا جو اپنی ماں سے بدکاری کریگا۔ (نیز) بنی اسرائیل بہتّر[۷۲] فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری اُمت تہتّر[۷۳] فرقوں میں بٹ جائیگی اور ایک فرقے کے علاوہ سب کے سب جہنمی ہوں گے۔ آپؐ سے کہا گیا کہ وہ ایک فرقہ کونسا ہے یا رسولؐ اللہ؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ ہے جس پر میں ہوں اور اصحابؓ قائم ہیں (مشکوٰۃ)۔

بلکہ حقیقت میں وہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عین نافرمانی ہے پس اس (صحابۂ کرامؓ سے) مخالفت کے طریقے میں نجات کی کیا گنجائش ہے۔ (حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد) وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ (سورہ مجادلہ آیت ۱۸ پ ۲۸) (اور یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ کسی اچھی حالت (حقیقت) پر ہیں، خبردار ہو جائیے بیشک یہی لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں) ان کے حال کے مطابق ہے اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ وہ فرقہ جس نے آنسرور علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے اصحاب کرام کی متابعت کو لازمی طور پر اختیار کیا ہے اہلِ سنت وجماعت ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے۔ پس یہی لوگ فرقۂ ناجیہ ہیں۔

اور کیونکہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحابِ کرام کو طعن کرنے والے لوگ خود اُن (صحابہ کرامؓ) کے اتباع سے محروم ہیں جیسا کہ شیعہ اور خارجی اور معتزلہ جو خود نیا پیدا شدہ مذہب رکھتے ہیں۔ ان (معتزلہ) کا سردار واصل[1] بن عطا، حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ہے جو ایمان[2] اور کفر کے درمیان واسطہ ثابت کرنے کے باعث امام (موصوف) سے جدا ہو گیا اور امام نے اس کے بارے میں فرمایا اِعْتَزَلَ عَنَّا (ہم سے جدا ہو گیا)۔ باقی تمام فرقوں کو بھی اسی پر قیاس کر لیجئے۔

اور اصحاب کرامؓ کے حق میں طعن کرنا فی الحقیقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں طعن کرنا ہے مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ مَنْ لَّمْ يُوَقِّرْ اَصْحَابَهٗ (جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی عزت و تعظیم نہیں کی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان نہیں رکھتا) — اس لئے کہ ان حضرات کے ساتھ خباثت کرنا ان کے صاحب (یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ خباثت کرنا ہے، اللہ تعالےٰ ہم کو اس برے اعتقاد سے بچائے — اور نیز جو شرعی احکام قرآن وحدیث کے واسطہ سے ہم تک پہنچے ہیں وہ سب انہی (صحابۂ کرامؓ) کی نقل وروایت کے وسیلے سے ہیں، جب وہ (اصحاب کرامؓ) مطعون ہوں گے تو ان کی نقلیں اور روایتیں بھی مطعون ہوں گی۔ اور یہ نقل وروایات ایسی نہیں کہ بعض کے سوا بعض کے ساتھ مخصوص ہوں بلکہ تمام اصحاب کرام عدالت (تقویٰ)، صدق اور (احکام شریعت کی) تبلیغ میں برابر ہیں۔ پس ان میں سے کسی ایک (صحابیؓ) کو بھی طعن وتشنیع کرنے سے دین میں طعن کرنا لازم آتا ہے، اللہ تعالیٰ

کسی صحابی کو مطعون کرنا دین کو مطعون کرنا ہے

---

[1] واصل بن عطا ۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوا اور ۱۳۱ھ میں وفات پائی، اس کی تصنیفات میں سے کتاب اصناف المرجئہ، کتاب التوبہ اور کتاب معانی القرآن ہیں اور یہ اہلِ جمل کی عدالت میں توقف کرتا تھا۔

[2] کیونکہ واصل بن عطا کہتا تھا کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب، مؤمن نہیں ہے۔

اس سے بچائے ـــــــ اور اگر طعن لگانے والے یہ کہیں کہ ہم بھی اصحابِ کرامؓ کی متابعت کرتے ہیں (لیکن) یہ ضروری نہیں کہ ہم سب اصحاب کی متابعت کریں، بلکہ ان کے اجتہادوں کے متضاد اور ان کے مذہبوں کے مختلف ہونے کے باعث ان سب کی متابعت ممکن بھی نہیں ہے ـــــــ تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ بعض اصحاب کی متابعت اس وقت فائدہ مند ہو سکتی ہے جبکہ بعض دوسرے اصحاب کا انکار اس کے ساتھ شامل نہ ہو، ورنہ بعض اصحاب کا انکار کرنے کی صورت میں بعض دوسرے اصحاب کی متابعت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ مثلاً حضرتِ امیر (علی بن ابی طالبؓ) نے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی عزت و تکریم کی ہے اور ان کے مقتدا ہونے کی شان کو جانتے ہوئے ان سے بیعت کی ہے، پس خلفائے ثلثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا انکار کرنے کے باوجود حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی متابعت کا دعویٰ کرنا محض افتراء و بہتان ہے بلکہ وہ (خلفائے ثلاثہ کا) انکار در حقیقت حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار ہے اور ان کے اقوال و افعال کا صریح رد ہے۔

حضرت علیؓ کے لئے تقیہ کا احتمال غلط ہے

اور تقیہ[1] کے احتمال (شک) کو حضرت اسد اللہ (شیرِ خدا یعنی حضرت علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بیان کرنا بھی عقل کی کمی (بیوقوفی) کی وجہ سے ہے۔ صحیح عقل ہرگز اس بات کو جائز نہیں سمجھتی کہ حضرت اسد اللہ (شیرِ خدا) کمال معرفت و شجاعت کے باوجود خلفائے ثلاثہ کے بغض کو تیس سال تک (اپنے سینہ میں) پوشیدہ رکھیں اور ان کے خلاف کچھ ظاہر نہ کریں اور ان کے ساتھ منافقانہ صحبت رکھیں۔ اس قسم کا نفاق کسی ادنیٰ درجے کے مسلمان سے بھی تصور نہیں کیا جا سکتا ـــــــ اس فعل کی برائی کو معلوم کر لینا چاہیئے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کس قسم کی برائی اور کس طرح کا فریب و نفاق منسوب ہو جاتا ہے۔ اور اگر بفرضِ محال حضرت اسد اللہؓ کے حق میں تقیہ جائز بھی ہو تو حضرت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلفائے ثلاثہ کی جو عزت و تعظیم کرتے تھے اور ابتدا سے انتہا تک ان کو بزرگ جانتے رہے ہیں، یہ لوگ اس کا کیا جواب دیں گے، وہاں تقیہ کی گنجائش نہیں ہے، حق بات کی تبلیغ پیغمبر پر واجب ہے، تقیہ کو وہاں داخل کرنا زندقہ (الحاد و کفر) تک پہنچا دیتا ہے۔

---

[1] تقیہ کے معنی ڈرنا اور خوف کرنا ہے اہل شیعہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلفائے ثلاثہ کے ڈر سے ان کی بیعت کر لی تھی اور دل میں ان کی بیعت کو درست نہیں جانتے تھے بظاہر تمام کاموں میں ان کے ساتھ شامل رہتے اور نعوذ باللہ دل میں ان کو غلط کار و بے دین سمجھتے تھے اور اس عقیدہ کو تقیہ سے تعبیر کرتے اور تمام ائمہ و اہلِ بیت کے حق میں ان کے تقیہ کر لینے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ہذہ العقائد الشنیعۃ (مترجم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ (سورہ مائدہ آیت ۶۷) (اے (اللہ کے) رسول! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے اس کو (لوگوں تک) پہنچا دیجئے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو رسالت کا حق ادا نہ کیا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا) ——— کفار کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وحی کو جو اس کے موافق ہوتی ہے ظاہر کر دیتا ہے اور جو وحی اس کے خلاف ہوتی ہے اس کا اظہار نہیں کرتا (بلکہ) اس کو چھپا لیتا ہے" ——— اور یہ بات ثابت ہے کہ نبی کو خطا پر قائم رکھنا جائز نہیں ہے ورنہ اس کی شریعت میں خلل اور نقص پیدا ہو جاتا ہے، پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلفائے ثلاثہ کی تعظیم و توقیر کے خلاف کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ ان (خلفائے ثلاثہ) کی تعظیم و توقیر کرنا خطا سے مامون اور زوال سے محفوظ تھی۔

اب ہم اصل بات کی طرف رُخ کرتے ہیں اور ان کے اعتراض کا جواب زیادہ صاف و واضح طریقہ پر دیتے ہیں کہ اصولِ دین میں تمام اصحاب کرام کی متابعت لازم ہے، اور وہ (صحابہؓ) اصول کے اندر آپس میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں رکھتے تھے، اگر (کچھ) اختلاف ہے بھی تو وہ صرف فروع میں ہے۔ اور جو شخص ان میں سے بعض (صحابہؓ) کو طعن کرتا ہے تو وہ سب کی متابعت سے محروم ہے ——— ہر چند ان (اصحاب کرامؓ) کا کلمہ متفق ہے (یعنی اصولِ دین میں سب کے سب ایک ہی ہیں) لیکن بزرگانِ دین کے انکار کی بد بختی (دوسرے لوگوں کو) اختلاف میں ڈال دیتی ہے اور متفق ہونے سے خارج کر دیتی ہے۔ بلکہ قائل کا انکار اس کے کلام کے انکار تک پہنچا دیتا ہے ——— اور نیز شریعت کے پہنچانے والے سب کے سب اصحاب کرامؓ ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ لِاَنَّ الصَّحَابَةَ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ (کیونکہ تمام صحابہ عادل (متقی) ہیں)۔ ہر ایک (صحابیؓ) سے کچھ نہ کچھ شریعت ہم تک پہنچی ہے اور اسی طرح قرآنِ کریم کو بھی ہر ایک (صحابیؓ) سے ایک آیت یا زیادہ آیتیں لیکر جمع کیا گیا ہے۔ لہٰذا کسی صحابی کا انکار کرنا اس کی تبلیغ کا اور اس سے منقول شدہ آیات کا انکار کرنا ہے۔ پس جب اس منکر کے حق میں پوری شریعت کا بجا لانا ناممکن ہوا تو اس کی نجات اور کامیابی کس طرح ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ (بقرہ آیت ۸۵)

(یعنی کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض حصہ کا انکار کرتے ہو، پس تم میں سے جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کی جزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہوں اور آخرت میں سخت عذاب کی طرف دھکیل دیئے جائیں) ——

اس کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن مجید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جمع کیا ہوا ہے، بلکہ فی الحقیقت قرآن کریم کے جمع کرنے والے حضرت صدیق و حضرت فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔ حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا جمع کیا ہوا قرآن اس قرآن کے علاوہ ہوگا۔ پس سوچنا چاہیئے کہ ان بزرگوں کا انکار حقیقت میں قرآن کریم کے انکار تک پہنچاتا ہے عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہٗ کی پناہ)۔

ایک شخص نے اہل شیعہ کے کسی مجتہد سے سوال کیا "یہ قرآن مجید حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جمع کیا ہوا ہے آپ کا اس قرآن مجید کے متعلق کیا اعتقاد ہے؟" اس نے جواب دیا "میں اس کے انکار میں مصلحت نہیں دیکھتا، کیونکہ اس کے انکار سے تمام دین درہم برہم ہو جاتا ہے" —— علاوہ ازیں عقلمند آدمی ہرگز کبھی اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ آں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے روز ہی باطل امر پر اجماع کر لیں —— اور یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے دن آپؐ کے تینتیس ہزار (۳۳۰۰۰) اصحاب حاضر تھے اور انھوں نے اپنی رضا و رغبت سے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کے ہاتھ پر) بیعت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان سب اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا گمراہی پر جمع ہونا محالات میں سے ہے۔ اور حالانکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ نے فرمایا ہے: لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ[1] (میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی)۔

اور جو توقف ابتداء میں حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے واقع ہوا ہے وہ اس وجہ سے تھا کہ اس مشورہ میں حضرت امیرؓ کو نہیں بلایا گیا تھا چنانچہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا مَا غَضِبْنَا اِلَّا لِتَاَخُّرِنَا عَنِ الْمَشْوَرَۃِ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ اَبَا بَکْرٍ خَیْرٌ مِّنَّا الخ[2] (ہم اس لئے ناراض ہوئے ہیں کہ ہم کو مشورہ میں نہیں بلایا گیا ورنہ یہ تو ہم بھی جانتے ہیں کہ بیشک ابوبکرؓ ہم سے بہتر ہیں)۔ اور ان (حضرت امیرؓ) کو مشورہ میں نہ بلانا بھی کسی مصلحت پر مبنی ہوگا۔ مثلاً اہل بیت نبویؐ کی تسلی کے لئے اس مصیبت کے اول صدمہ کے وقت میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کے پاس موجود ہونا وغیرہ ذالک۔

---

[1] امام سخاوی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس حدیث کا متن مشہور ہے اس کی اسناد کثیر ہیں اور اس کے مرفوع ہونے کے شواہد متعدد ہیں۔ مشکوٰۃ و ترمذی وغیرہ میں اختلاف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مذکور ہے۔

[2] ماخوذ عن تاریخ الخلفاء للسیوطی۔

اور وہ اختلافات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرامؓ کے درمیان واقع ہوئے تھے وہ نفسانی خواہشات کی وجہ سے نہیں تھے کیونکہ ان کے پاکیزہ نفس تزکیہ حاصل کر چکے تھے اور اماّرگی (کے درجے) سے نکل کر اطمینان (کے درجہ) تک پہنچ چکے تھے، ان کی تمام خواہشات شریعتِ مقدسہ کے تابع ہو چکی تھیں بلکہ وہ اختلافِ اجتہاد اور حق بلند کرنے پر مبنی تھا پس ان میں سے (اجتہادی)[۵۱] خطا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک درجہ رکھتا ہے اور صحیح اجتہاد کرنے والے کو تو دو درجے (دوہرا ثواب) حاصل ہوتے ہیں، پس اپنی زبان کو ان کی شان میں گستاخی کرنے سے روکنا چاہیے اور ان سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہیے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ عَنْهَا أَيْدِيَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا أَلْسِنَتَنَا (یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے پس ہمیں اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھنا چاہیے)۔ ــــ اور نیز امام شافعیؒ نے فرمایا ہے: اِضْطَرَّ النَّاسُ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَجِدُوْا تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ خَيْرًا مِّنْ اَبِيْ بَكْرٍ فَوَلَّوْهُ رِقَابَهُمْ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی وفات) کے بعد لوگ بے چین ہو گئے پس انہوں نے آسمان کی چھت کے نیچے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر کسی کو نہ پایا تو اس کو اپنی گردنوں کا والی بنا لیا (یعنی ان کو خلیفہ مقرر کر لیا اور ان کی اطاعت کو لازم جانا) ــــ یہ قول (حضرت امیرؓ کے) تقیہ کی نفی اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت پر حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رضامندی کی صراحت کرتا ہے۔

باقی مقصود یہ ہے کہ میاں بیدن ولد میاں شیخ ابوالخیر بزرگ خاندان سے ہے، آپ کی معیت میں دکن کے سفر پر بھی گیا تھا آپ کی عنایت و توجہ کا امیدوار رہے اور نیز مولانا محمد عارف طالب علم اور بزرگ زادہ ہے اس کا باپ بڑا عالم تھا مدد معاش کی غرض سے حاضر ہوا ہے اور آپ کی توجہ کا امیدوار ہے، والسلام والاکرام۔

مکتوب ۸۱

ہشتاد و یکم

لالہ بیگ[۵۲] کی طرف صادر فرمایا ــــ اسلام کی ترویج پر ترغیب دینے اور اسلام و مسلمانوں کی کمزوری و پستی اور کفار نابہنجار کے غلبے کے بیان میں۔

۵۱؎ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہے وہ یہ ہے: عن عبد اللّٰہ بن عمرو و ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنھم قالا قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم اذا حکم الحاکم فاجتھد واصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتھد واخطأ فلہ اجر واحد متفق علیہ (مشکوٰۃ) ــــ ۵۲؎ لالہ بیگ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ اکبر بادشاہ کے لڑکے سلطان مراد کے بخشی تھے، بہار کے گورنر بھی رہے۔ آپ نے صوفیاء کا ایک بسوط تذکرہ "ثمرات القدس من شجرات الانس" کے نام سے لکھا ہے۔ (برحاشیہ مآثر الامراء ج ۲ ص ۳۸۶) ۱۰۱۶ھ میں بنگالہ میں فوت ہوئے (تجلیات ربانی بحوالہ تاریخ محمدی قلمی)

زَادَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ حَمِیَّۃَ الْاِسْلَامِ (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمارے اور آپ کے اندر اسلامی غیرت و حمیت میں ترقی عطا فرمائے ـــــ تقریباً ایک صدی سے اسلام پر اس قسم کی غربت چھا گئی ہے کہ کفار اسلامی شہروں میں کھلم کھلا کفر کے احکام ہی جاری کرنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل ہی ختم ہو جائیں اور اسلام و اہل اسلام کا کوئی نشان نظر نہ آئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی اسلامی شعار کا اظہار کرتا ہے تو قتل کر دیا جاتا ہے۔ ذبیحۂ گاؤ جو کہ ہندوستان میں اسلام کا ایک بہت بڑا شعار ہے (ختم ہو چکا ہے)، کفار جزیہ دینے پر تو شاید راضی ہو جائیں لیکن گائے کے ذبح کرنے پر ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔ (اب چونکہ جہانگیر کی سلطنت کا آغاز ہے) ابتدا بادشاہت کے زمانے میں اگر اسلامی عقائد نے رواج پالیا اور مسلمانوں نے کچھ حیثیت حاصل کر لی تو بہتر ہے ورنہ نعوذ باللہ اگر یہ کام توقف میں جا پڑا تو مسلمانوں پر کام بہت مشکل ہو جائے گا۔ الغیاث الغیاث ثم الغیاث الغیاث (فریاد ہے فریاد ہے اور پھر فریاد ہے فریاد ہے)۔ دیکھئے کون صاحبِ نصیب اس سعادت کو حاصل کرتا ہے اور کون شاہین (بہادر) اس دولت کو اُچک کر لیجاتا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۝ (سورۂ جمعہ آیت ۴ پ ۲۸) (یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے) ـــــ ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلٰی مُتَابَعَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر ثابت قدم رکھے) وَالسَّلَامُ

مکتوب ۸۲
ہشتاد و دوم

سکندر خاں لودی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ قلب کی سلامتی ماسوی اللہ کے نسیان (نفی) کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور یہ نسیان فنا سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل جو کہ کج چشم سے پاک ہیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے اور اپنے سوا کسی اور کے ساتھ نہ چھوڑے ـــــ جو کچھ ہم پر اور

[1] سکندر خاں لودی کے نام مکتوباتِ شریفہ میں صرف دو مکتوبات ہیں یعنی دفتر اول مکتوب ۸۲ و ۹۳۔ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

آپ پر لازم ہے وہ حق تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز سے دل کو سلامت رکھنا ہے اور یہ (دل کی) سلامتی اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ دل پر ماسوی اللہ کا کچھ بھی گذر نہ رہے، اور غیر اللہ کا دل پر نہ گذرنا ماسوی اللہ کے نسیان یعنی بھول جانے پر وابستہ ہے جس کو اس بلند مرتبہ کے نزدیک فنا سے تعبیر کیا گیا ہے، اگر بالفرض غیر اللہ کو تکلف کے ساتھ بھی دل میں گذاریں تب بھی ہرگز نہ گذرے اور جب تک کام اس درجہ تک نہ پہنچے (دل کی) سلامتی محال ہے، آج (اس زمانہ میں) یہ نسبت کوہ قاف کے عنقا[1] کی طرح نایاب ہے بلکہ اگر بیان کی جائے تو لوگ یقین نہ کریں،

ھَنِیْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُھَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْکِیْنِ مَا یَتَجَرَّعُ

مبارک نعمتیں جنت کی ہوں ارباب جنت کو مبارک جرعہ نوشی غم کی ہو بیمار الفت کو

اس سے زیادہ کیا لکھا جائے، والسلام اولاً و آخراً (اول و آخر سلام ہو)
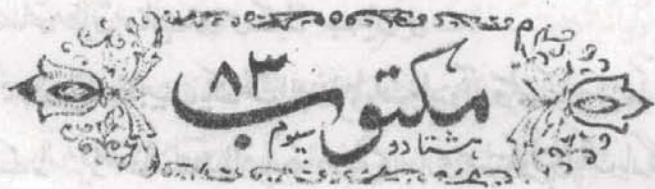
بہادر خاں[2] کی طرف صادر فرمایا ـــــ ظاہری اور باطنی جمعیت کو شریعت و حقیقت کے ساتھ جمع کرنے پر ترغیب دینے کے بارے میں۔

حق سبحانہ و تعالیٰ حضرت سید المرسلین علیہ و علیٰ آلہ و علیہم من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کے طفیل مختلف تعلقات سے نجات عطا فرما کر پوری طرح اپنی پاک بارگاہ کا گرفتار بنائے ؎

ہر چہ جز عشق خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جاں کندن است

(ترجمہ) بجز عشق خدا جو کچھ بھی ہو کتنا ہی احسن ہے اگرچہ ہو وہ شیرینی ولیکن جان کندن ہے

اپنے ظاہر کو روشن شریعت کے ظاہر کے ساتھ آراستہ کرنا اور اپنے باطن کو ہمیشہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کے ساتھ رکھنا بہت بڑا کام ہے، دیکھئے کس صاحب نصیب کو ان دو (۲) بڑی نعمتوں سے مشرف فرماتے ہیں

---

[1] عنقا با لفتح ایک پرندہ ہے جس کی گردن لمبی ہوتی ہے، بعض کے نزدیک یہ فرضی جانور ہے کہ کسی نے اس کو نہیں دیکھا اور قاف ایک پہاڑ کا نام ہے جو تمام دنیا کے گرداگرد واقع ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ زمرد کا پہاڑ ہے۔

[2] مکتوبات شریفہ میں بہادر خاں کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ کا نام ابوالنبی تھا، توران کے بزرگ زادوں میں سے ہیں عبد المومن خاں کے زمانے میں مشہد کے حکمران رہے، اس کے انتقال کے بعد ہندوستان آئے، اکبر نے مناسب عہدہ دیا۔ جہانگیر نے تین ہزار کے منصب اور "بہادر خاں" کے خطاب سے سرفراز کیا۔ (مآثر الامراء ج ۱ ص ۳۹۸)۔

آج (اس زمانے میں) ان دونسبتوں کا جمع کرنا بلکہ صرف ظاہر شریعت پر ہی استقامت حاصل کرنا بہت کم پایا جاتا ہے، سرخ گندھک[1] (اکسیر) سے بھی زیادہ نایاب ہے ——— حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی کمال مہربانی سے ظاہر و باطن میں سید الاولین والآخرین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر استقامت مرحمت فرمائے۔

مکتوب ۸۴
هشتاد و چهارم

سید احمد قادری[2] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ شریعت وحقیقت ایک دوسرے کا عین ہیں اور مرتبۂ حق الیقین تک پہنچنے کی علامت اس مقام کے علوم و معارف کا علوم و معارف شرعیہ کے ساتھ مطابق ہونا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے حبیب پاک سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل جو کہ کجی چشم سے پاک ہیں شریعت کے راستہ پر استقامت عطا فرمائے اور ہماری ساری ہمت کو اپنی پاک بارگاہ کی طرف متوجہ فرما کر کامل طور پر ہمیں اپنے آپ سے دور کردے اور اپنے ماسوا سے کلی طور پر روگردانی نصیب فرمائے۔

مصرع ازہر چہ میرود سخنِ دوست خوشتر است (ترجمہ) بیان محبوب کی باتوں کا ہو جو کچھ بھی احسن ہے

ہر چند جو کچھ دوست کی نسبت کہا جاتا ہے اگرچہ وہ اس کا سخن نہیں ہے لیکن چونکہ اس سخن کو حق تعالیٰ وتقدس کی بارگاہ کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت ثابت ہے اس لئے اس مناسب معنی کو غنیمت جان کر (یہ عاجز) اس بارے میں جرأت اور زبان درازی کرتا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ شریعت وحقیقت ایک دوسرے کا عین ہیں اور حقیقت میں ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہیں ہیں، فرق صرف اجمال و تفصیل اور استدلال و کشف اور غیبت و شہادت اور تعمّل (تکلف سے کرنا) و عدم تعمل (بلا تکلف کرنا) کرنا ہے (یعنی شریعت اجمال واستدلال و غیبت و تعمل ہے اور حقیقت تفصیل و کشف و شہادت و عدم تعمل ہے) ——— جو احکام و علوم روشن شریعت کے

---

[1] سرخ گندھک سے مراد اکسیر ہے کیونکہ اکسیر اسی سے بنائی جاتی ہے اور یا اکسیر طلا (سونے) کا جزو اعظم ہے اور سرخ گندھک نہایت کمیاب ہے (غیاث)۔

[2] سید احمد قادری کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ جہانگیر بادشاہ کے عہد میں صدارت کل کے عہدے پر فائز تھے (مآثر الامراء ج ۲ ص ۴۵۹)۔

مطابق ظاہر اور معلوم ہوئے ہیں، حق الیقین کی حقیقت ثابت ہونے کے بعد یہی احکام و علوم بعینہما تفصیل کے ساتھ منکشف ہو جاتے ہیں اور غیبت سے شہادت میں آ جاتے ہیں اور کسب کی مشقت اور عمل کا تکلف درمیان سے اُٹھ جاتا ہے اور حق الیقین کی حقیقت تک پہنچنے کی علامت اس مقام کے علوم و معارف کا شرعی علوم و معارف کے ساتھ مطابق ہونا ہے اور جب تک بال برابر بھی مخالفت ہے حقائق کی حقیقت تک نہ پہنچنے کی دلیل ہے اور مشائخِ طریقت میں سے جس کسی سے بھی علم و عمل میں جو امر شریعت کے خلاف واقع ہوا ہے وہ سُکرِ وقت پر مبنی ہے اور سُکرِ وقت اس راستہ کے دوران میں ہی واقع ہوتا ہے نہایت النہایت کے منتہیوں کے لئے سب صحو ہے، وقت ان کا مغلوب اور حال[1] و مقام ان کے کمال کا تابع ہے۔[2]

بیت

صوفی ابن الوقت آمد در مثال[2]　　لیک صافی فارغ است از وقت و حال[عہ]

پس ثابت ہو گیا کہ شریعت کے خلاف امر کا صادر ہونا حقیقتِ کار تک نہ پہنچنے کی علامت ہے ــــ بعض مشائخ کی عبارت میں جو واقع ہوا ہے کہ "شریعت حقیقت کا پوست اور حقیقت شریعت کا مغز ہے"۔ ــــ یہ عبارت اگرچہ اس کلام کے کہنے والے کی بے استقامتی کو ظاہر کرتی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ مجمل کو مفصل کے ساتھ وہی نسبت ہے جو پوست کو مغز کے ساتھ ہے، اور استدلال کشف کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا کہ مغز کے مقابلے میں پوست، لیکن مستقیم الاحوال بزرگ اس قسم کی وہم پیدا کرنے والی عبارتیں استعمال کرنا پسند نہیں کرتے اور اجمال و تفصیل و استدلال و کشف کے سوا اور فرق بیان نہیں کرتے۔

ایک شخص نے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس سے سوال کیا کہ "سیر و سلوک سے مقصود کیا ہے؟" آپ نے فرمایا "تاکہ اجمالی معرفت تفصیلی ہو جائے اور استدلالی کشفی ہو جائے"۔ رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ الثَّبَاتَ وَالْاِسْتِقَامَةَ عَلَى الشَّرِيْعَةِ عِلْمًا وَّعَمَلًا صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَسَلَامُهٗ عَلٰى صَاحِبِهَا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو علمی و عملی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر استقامت و ثابت قدمی نصیب فرمائے)۔

باقی یہ تکلیف دی جاتی ہے کہ حامل رقیمہ دعا شیخ مصطفےٰ شُریحی قاضی شریح[3] کی اولاد سے ہے

---

[1] حال و مقام اُن واردات کو کہتے ہیں جو سالک کے دل پر نازل ہوتے ہیں لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ حال کو استقرار نہیں ہے بلکہ بدلتا رہتا ہے اور مقام کو استقرار ہوتا ہے جب تک اس کے آگے کا مقام حاصل نہ ہو اس مقام میں سالک کو قرار رہتا ہے ــــ [2] صوفی ابن الوقت ہوتا ہے یعنی تابع وقت وحال ہوتا ہے جیسا کہ بیٹا باپ کے تابع ہوتا ہے پس اس قسم کا صوفی وقت وحال کا مغلوب ہوتا ہے۔ اور صافی وہ ہے جو کہ وقت اور حال سے فارغ ہے بلکہ وہ ابوالوقت ہوتا ہے کیونکہ وہ وقت اور حال پر غالب ہوتا ہے ــــ [3] شُریح ابن حارث بن قیس کوفی نخعی ابوامیہ رحمہ اللہ۔

[عہ] ترجمہ (وقت کا تابع ہے صوفی مگر یہ صوفی لاابالی بے نیاز از وقت وحال)

ان کے باپ دادا بزرگ تھے، وظائف اور ذرائع معاش بہت رکھتے تھے مشارٌ الیہ (مذکور الصدر) اسبابِ معاش نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہے، سندات اور حکم نامے ہمراہ لیکر لشکر کی طرف متوجہ ہوا ہے، خیال فرما کر اس طرح اس کے حال پر توجہ فرمائیں کہ اس کے لئے جمعیت حاصل ہونے کا سبب ہو جائے اور وہ پریشانی اور پراگندگی سے نجات پائے، زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔

مکتوب ۸۵

ہشتاد و پنجم

میرزا فتح اللہ حکیم[ع] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اعمالِ صالحہ کے بجالانے خصوصاً فرض نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی ترغیب میں اور اس کے مناسب بیان میں۔

وَفَّقَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ لِمَرْضِيَّاتِهٖ (حق تعالیٰ سبحانہٗ آپ کو اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق عطا فرمائے) آدمی کے لئے جس طرح اعتقادات درست کرنے سے چارہ نہیں ہے اسی طرح اعمالِ صالحہ کے بجالانے کا بھی چارہ نہیں ہے اور عبادتوں میں سب سے جامع عبادت اور طاعتوں میں سب سے زیادہ قرب والی طاعت نماز کا ادا کرنا ہے ــــــ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا[۵۱]: اَلصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ فَمَنْ اَقَامَهَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّيْنَ وَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّيْنَ (یعنی نماز دین کا ستون ہے جس نے اس کو قائم کیا اس نے اپنے دین کو قائم کیا اور جس نے اس کو ترک کیا اس نے دین کو گرا دیا) ــــــ اور جس شخص کو ہمیشہ پابندی سے نماز ادا کرنے کی توفیق عنایت فرماتے ہیں اس کو برائیوں اور خلافِ شرع کاموں سے بھی باز رکھتے ہیں، آیتِ کریمہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (بیشک نماز برائیوں اور خلافِ شرع کاموں سے روکتی ہے) (عنکبوت ۲۹ آیت ۴۵) اس بات کی تائید کرتی ہے۔ اور جو نماز ایسی نہیں ہے وہ نماز کی صرف صورت ہے (نماز کی) حقیقت نہیں ہے۔ لیکن حقیقتِ نماز کے حاصل ہونے تک، صورت کو بھی نہیں چھوڑنا چاہئے۔ مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ (جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے اس کو

---

[۵۱] اس حدیث کو دیلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں مرفوعاً روایت کیا ہے، ثم ان الذی خرجہ البیھقی ھی الجملۃ الاولی یعنی الصلوۃ عماد الدین فقط، واما قولہ فمن ترکھا فقد ورد بطرق متعددۃ وبالفاظ مختلفۃ اورھا شارح الاحیاء۔

[ع] میرزا فتح اللہ حکیم کا مختصر تذکرہ دفتر اول کے مکتوب ۸۰ کے حاشیہ پر بلاحظہ فرمائیں۔

بالکل ترک بھی نہیں کرنا چاہئے یعنی جسقدر مل سکے حاصل کرلے)۔ اکرم الاکرمین (حق سبحانہٗ وتعالیٰ) اگر نماز کی صورت کو نماز کی حقیقت کے درجہ میں اعتبار کرلے تو کچھ بعید نہیں ہے ـــــــ پس آپ پر واجب ہے کہ تمام (فرض) نمازوں کو خشوع وخضوع کے ساتھ جماعت سے ادا کریں کیونکہ یہی نجات وکامیابی کا ذریعہ ہے، حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ (المؤمنون آیت ۱و۲) (بیشک ایمان والے لوگوں نے کامیابی حاصل کی جو اپنی نماز میں خشوع وعاجزی کرنے والے ہیں)۔

کام وہی ہے جو اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتے ہوئے کیا جائے، دشمن کے غلبہ کے وقت سپاہی اگر تھوڑی سی جدوجہد بھی کرے تو بڑا اعتبار پیدا کرلیتا ہے ـــــــ جوانوں کی نیکی[1] بھی اسی وجہ سے زیادہ معتبر ہوتی ہے کہ انھوں نے خواہشِ نفسانی کے غلبہ کے باوجود اپنے آپ کو نیکی میں مشغول کیا ہوا ہے، اصحابِ کہف نے اس قدر بزرگی (جو اُن کو حاصل ہے) دین کے مخالف (اپنے وقت کے کافر بادشاہ) سے ہجرت کرنے کی بنا پر حاصل کی ہے ـــــــ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث شریف میں آیا ہے: عِبَادَةٌ فِي الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ[2] (ہرج (فتنہ) کے وقت میں عبادت کرنا ایسا ہے جیسا کہ میری طرف ہجرت کرنا) ـــــــ پس عبادت سے روکنے والی چیز حقیقت میں عین عبادت کا باعث ہے ـــ اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔

میرے فرزند شیخ بہاؤالدین کو فقراء کی صحبت پسند نہیں آتی، دولتمندوں اور منعموں کی طرف مائل و راغب ہے، وہ نہیں جانتا کہ ان کی صحبت زہرِ قاتل ہے اور ان کے مرغن لقمے ظلمت کو بڑھانے والے ہیں، الحذر الحذر ثم الحذر (ان سے بچو بچو، پھر بچو بچو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیث وارد ہے: مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِيٍّ لِغِنَاهُ ذَهَبَ ثُلُثَا دِيْنِهٖ فَوَيْلٌ لِّمَنْ تَوَاضَعَهُمْ لِغِنَاهُمْ[3] (جس شخص نے کسی دولت مند کی اس کی دولت کی وجہ سے تواضع کی اس کے دین کا دو تہائی حصہ تباہ ہوگیا پس افسوس ہے جس نے دولتمندوں کی ان کی دولتمندی کی وجہ سے تواضع کی)۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ (ان کی تواضع سے بچنے کی) توفیق بخشنے والا ہے)۔

---

[1] بخاری ومسلم کی حدیث میں وارد ہے کہ شابٌ نشأ في عبادة الله

[2] رواه مسلم والترمذی وابن ماجه عن معقل بن يسار ـــــ [3] رواه البیهقی فی الشعب و الخطيب عن ابن مسعود بلفظ من دخل على غني فتضعضع له ذهب ثلثا دينه واخراج الديلمي عن حديث ابن ابی ذرؓ لعن الله فقيرا تواضع لغني من اجل ماله من فعل ذلك منهم فقد ذهب ثلثا دينه قال السيوطي ولم يصب ابن الجوزي فی ايراده فی الموضوعات۔

پرگنہ جرک کے ایک حاکم کی طرف صادر فرمایا ـــــ حق تعالیٰ کے ماسوا سے دل کو سلامت رکھنے کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ سید المرسلین علیہ و علیٰ آلہٖ و علیہم من الصلوات افضلہا و من التحیات و التسلیمات اکملہا کے طفیل حدِ اعتدال اور مرکزِ عدالت (مساوات) پر استقامت مرحمت فرمائے ـــــ جو کچھ ہم پر اور آپ پر لازم ہے وہ ماسوائے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی گرفتاری سے دل کو سلامت رکھنا ہے اور یہ سلامتی اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ ماسوی اللہ کا دل پر کچھ بھی گذر نہ رہے۔ اگر بالفرض ہزار سال تک زندگی وفا کرے تب بھی اس نسیان کے باعث جو دل کو ماسوی اللہ سے حاصل ہو چکا ہے دل پر غیر اللہ کا گذر نہ ہو۔

مصرعہ کار اینست وغیر ایں ہمہ ہیچ (ترجمہ) کام اصلی ہے یہی اس کے سوا سب ہیچ ہے

ملاقات کے وقت از روئے کرم آپ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی مہم اور ضروری کام پیش آجائے تو ہمیں لکھ دینا، اسی بنا پر آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ شیخ عبد اللہ صوفی نیک آدمی ہیں بعض ضروریات کی وجہ سے قرضدار ہو گیا ہے، امید ہے کہ قرض سے سبکدوش ہونے میں اس کی مدد فرمائیں گے، والسلام

مکتوب ۸۷
ہشتاد و ہفتم

پہلوان محمود[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ خدائے عز و جل کے دوست کسی کو میسر آجائیں۔

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ تَعَالیٰ وَ ثَبَّتَکُمْ عَلیٰ جَادَّۃِ الشَّرِیْعَۃِ عَلیٰ صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ وَ التَّحِیَّۃُ (اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی شریعت کے راستہ پر ثابت قدمی نصیب فرمائے) ـــــ آپ کے خاندان کے لئے سب سے پہلی خوشخبری یہاں شیخ مزمل[2] کا آنا ہے ان کی صحبت کی برکتیں کیا بیان کی جائیں، یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ حق تعالیٰ عز و جل کے دوست کسی

---

[1] پہلوان محمود کے نام مکتوبات میں تین مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۸۷، ۸۸، ۱۹۷۔ حالات معلوم نہ ہو سکے۔
[2] شیخ مزمل کے مختصر حالات اور مکتوبات کی تفصیل دفتر اول کے مکتوب ۱۵۳ کے حاشیہ پر ملاحظہ ہوں

شخص کو قبول کرلیں، چہ جائیکہ اس کو محبت و قربت سے ممتاز فرمائیں، هُمْ قَوْمٌ لَّا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ[1] (یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہمنشین کبھی بد نصیب نہیں ہوتا) ــــــ غرضکہ اُن کی صحبت کو غنیمت جانیں اور آدابِ صحبت کو مدنظر رکھیں تاکہ تاثیر پیدا ہو، زیادہ کیا لکھے۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۸۸ ہشتاد و ہشتم

یہ مکتوب بھی پہلوان محمود کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ کسی شخص نے ایمان و نیکی کے ساتھ اپنے سیاہ بالوں کو سفید کیا ہو (یعنی ایمان و نیکی کے ساتھ جوان سے بوڑھا ہوا ہو) اور جوانی میں اس پر خوف غالب رہا ہو اور بڑھاپا امید و رجا میں گذرا ہو۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے ــــــ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ کوئی شخص ایمان اور نیکی کے ساتھ اپنے سیاہ بالوں کو سفید کرے (یعنی ایمان و نیکی کے ساتھ جوان سے بوڑھا ہوا ہو) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث شریف میں ہے: مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ غُفِرَ لَهٗ[2] (جو شخص اسلام کی حالت میں بوڑھا ہوا اس کو بخش دیا گیا) ۔ امید کی جانب ترجیح اور مغفرت کا گمان غالب رکھیں کیونکہ جوانی میں خوف زیادہ درکار ہے اور بڑھاپے میں رجا (امید) زیادہ غالب ہونی چاہیے۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۸۹ ہشتاد و نہم

میرزا علی جان[3] کی طرف تعزیت کے سلسلے میں صادر فرمایا۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ شریعتِ مقدسہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے راستہ پر استقامت نصیب فرمائے۔ (آیت شریفہ) كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران ۳ آیت ۱۸۵) (ہر نفس (جاندار) کو موت کا مزا چکھنا ہے) کے حکم کے مطابق آدمی کو موت سے بچنا ناممکن ہے۔ فَطُوْبٰى لِمَنْ طَالَ عُمْرُهٗ وَكَثُرَ عَمَلُهٗ[4] (پس اس

---

[1] بخاری اور مسلم نے الفاظ کے معمولی اختلاف سے اس کو روایت کیا لیکن معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔
[2] ابوداؤد بروایت عمرو بن شعیب اور ترمذی و نسائی میں بروایت کعب بن مرہ بالفاظ مختلفہ۔
[3] میرزا علی جان کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہ ہوسکے۔ [4] برصفحہ آئندہ

شخص کے لئے خوشخبری ہے جس کی عمر لمبی ہوئی اور اس کے نیک عمل بکثرت ہوئے)۔ یہ موت ہی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے مشتاق لوگوں کو تسلی دیتے ہیں، اور ایک دوست کے دوسرے دوست تک پہنچنے کا وسیلہ بناتے ہیں۔ مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ (عنکبوت آیت ۵ پ ۲۰) (جو شخص اللہ تعالیٰ کے ملنے کی امید رکھتا ہو تو بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ آنے والا ہے)۔ ہاں دنیا میں باقی رہنے والوں اور جو دنیا میں (موت کے سبب) نہ وصولِ حق کی دولت حاصل کر سکے اور نہ دنیا کے جھگڑوں سے آزادی حاصل کر سکے ان کا حال خراب و ابتر ہے ——— آپ کے ولی نعمت مرحوم (کا وجود) اس زمانے میں بہت غنیمت تھا، اب آپ پر لازم ہے کہ احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ ادا کریں اور دعا و صدقہ سے ہر وقت اُن کی مدد کریں۔ فَاِنَّ الْمَيِّتَ كَالْغَرِيْقِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِيْقٍ (یعنی پس بیشک میت ڈوبنے والے کی طرح ہوتی ہے اور اس دعا کی منتظر رہتی ہے جو اُسے باپ، یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے)۔

اور نیز چاہئے کہ ان کی موت سے اپنی موت کے لئے عبرت حاصل کریں، اور اپنے آپ کو کامل طور پر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی مرضیات کے سپرد کر دیں، اور دنیا کی زندگی کو دھوکے اور فریب کے سامان کے علاوہ کچھ نہ سمجھیں۔ اگر دنیا کے عیش و آرام کی ذرا سی بھی قدر و قیمت ہوتی تو کفار بدکردار کو (دنیا کے مال و اسباب میں سے) بال برابر بھی کوئی چیز نہ دی جاتی ——— رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمُ الْاِعْرَاضَ عَنْ مَّاسِوَى اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَالْاِقْبَالَ اِلٰى جَنَابِ قُدْسِهٖ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَعَلَيْهِمْ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا وَالسَّلَامُ وَالْاِكْرَامُ (حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وعلیہم اجمعین کے طفیل ہمیں اپنے ماسوا سے روگردانی نصیب فرمائے اور اپنی پاک بارگاہ کی طرف متوجہ فرمائے۔ والسلام والاکرام۔

(حاشیہ از صفحہ گزشتہ) رواہ الطبرانی وابو نعیم فی الحلیۃ بلفظ حسن بدل کثر قال العزیزی اسنادہ حسن۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے عن ابی بکرۃ ان رجلا قال یا رسول اللہ ای الناس خیر قال من طال عمرہ وحسن عملہ قال فای الناس شر قال من طال عمرہ وساء عملہ رواہ احمد والترمذی والدارمی ——— (حاشیہ صفحہ ہذا) اس قول میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو مشکوٰۃ میں بیہقی کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او اخ او صدیق فاذا الحقتہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیہا وان اللہ لیدخل علی اہل القبور من دعاء اہل الارض امثال الجبال وان ہدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لہم انتہی

خواجہ قاسم[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بات پر ترغیب دینے کے بیان میں کہ کامل طور پر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور آج اس دولت کا حاصل ہونا اس سلسلۂ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ توجہ و اخلاص حاصل ہونے پر وابستہ ہے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے طفیل جو کجی چشم سے پاک ہیں کمینی دنیا کو آپ کی (بلند) ہمت کی نظر میں ذلیل و بے قدر کر کے آخرت کے حسن و جمال کے آئینہ میں آراستہ و جلوہ گر فرمائے ــــــ آپ کا محبت نامۂ گرامی مع قابلِ قدر تحفوں کے وصول ہوا، آپ نے کرم فرمایا۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ خَیْرَ الْجَزَاءِ (اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے) ــــــ وہ نصیحت جو دوستوں اور مخلصوں کے لئے ہے وہ سب یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں کامل طور پر توجہ میسر ہو جائے اور حق تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز سے روگردانی حاصل ہو جائے۔ مصرعہ

کار این ست وغیر ایں ہمہ ہیچ (ترجمہ) کام اصلی ہے یہی اس کے سوا سب ہیچ ہے)۔

آج اس دولتِ عظمیٰ کا حاصل ہونا اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے ساتھ توجہ و اخلاص پر وابستہ ہے، بڑی سخت ریاضتوں اور شدید مجاہدوں سے بھی یہ نعمت اس قدر حاصل نہیں ہوتی جس قدر کہ ان بزرگوں کی ایک ہی صحبت میں حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ ان بزرگوں کے طریقہ میں بدایت (ابتدا) میں نہایت (انتہا) درج ہے، یہ حضرات پہلی ہی صحبت میں وہ کچھ بخش دیتے ہیں جو دوسرے سلسلہ کے منتہیوں کو انتہا میں جا کر حاصل ہوتا ہے۔ ان بزرگوں کا طریقہ (بعینہٖ) اصحاب کرامؓ کا طریقہ ہے کیونکہ ان کو حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پہلی ہی صحبت میں وہ کمالات حاصل ہو جاتے تھے جو اولیائے امت کو انتہا میں بھی شاید ہی حاصل ہوں اور یہ بات نہایت کے بدایت میں درج ہونے کے طریق پر ہے پس آپ پر ان بزرگوں کی محبت واجب ہے کیونکہ (اس محبت پر ہی) کام کا دارومدار ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (اور آپ پر اور ہدایت کی پیروی کرنے والوں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کرنے والے سب لوگوں پر سلام ہو)۔

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں لیکن کسی میں خواجہ قاسم، خواجہ محمد قاسم، خواجہ ابو القاسم، مخدوم زادہ محمد قاسم یا ابو القاسم درج ہے دفتر اول ۹۰۔ ۱۵۰۔ ۱۶۸۔ ۱۸۰۔ دفتر دوم میں ۴۷۔ آپ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے پیرو مرشد خواجہ امکنگی کے صاحبزادے ہیں۔

مکتوب ۹۱

نود و یکم

شیخ کبیر[۱] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ عقائد کی درستی اور نیک اعمال کا بجا لانا یہ دونوں عالمِ قدس (عالمِ ملکوت) کی طرف اڑنے (پرواز کے لئے) بال و پر ہیں اور اعمالِ شریعت و احوالِ طریقت سے مقصود تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب ہے۔

رَزَقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمُ الْاِسْتِقَامَۃَ عَلٰی مُتَابَعَۃِ السُّنَّۃِ السَّنِیَّۃِ عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ (حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشن سنت کی متابعت پر استقامت نصیب فرمائے) ـــــــ اصل مقصد یہ ہے کہ اوّل اہلِ سنت وجماعت کی آراء کے موافق عقائد کو درست کرنا چاہیئے کیونکہ فرقۂ ناجیہ (نجات پانے والا گروہ) یہی ہے۔ دوسرے فقہی احکام کے موافق علم و عمل کو (اپنے اوپر) لازم کرلینا چاہیئے۔ ان اعتقادی و عملی دو پروں کے حاصل کرنے کے بعد عالمِ قدس (عالمِ ملکوت) کی طرف پرواز کرنے کا ارادہ کرنا چاہیئے۔ مصرع

کار این است و غیر ایں ہمہ ہیچ[۲] (ترجمہ) کام اصلی ہے یہی اس کے سوا سب ہیچ ہے)

شریعت کے اعمال اور طریقت و حقیقت کے احوال سے مقصود نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ ہے جب تک نفس کا تزکیہ نہ ہوجائے اور قلب میں سلامتی[۳] پیدا نہ ہوجائے ایمانِ حقیقی کہ جس پر نجات کا مدار ہے حاصل نہیں ہوتا۔ اور دل کی سلامتی اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ حق تعالیٰ کے غیر کا خیال دل پر ہرگز نہ گذرے، اگر ہزار سال بھی گذر جائیں تب بھی دل میں غیر اللہ کا خیال نہ گذرے کیونکہ اس وقت دل کو ماسوی اللہ کا نسیان پوری طرح حاصل ہوچکا ہے لہذا اگر تکلف کے ساتھ بھی اس کو (غیر اللہ کی) یاد دلائیں تو وہ یاد نہ کرے، یہ حالت فنا سے تعبیر کی گئی ہے اور یہ اس راستے میں پہلا قدم ہے۔

---

[۱] شیخ کبیر کے نام صرف یہی دو مکتوب ہیں نمبر ۹۱ اور ۹۲۔ غالباً شیخ کبیر بن شیخ منور لاہوری مراد ہیں جنھوں نے فیضی کا تقرب حاصل کرکے اکبر کے دربار میں رسائی حاصل کی (نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۳۱۵، منتخب التواریخ)

[۲] اس مصرعہ کا معرب ملاحظہ ہو: ھذا ھو الامر والباقی من العبث۔

[۳] قرآن کریم میں بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ دو جگہ آیا ہے (۱) اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (شعراء آیت ۸۹) مگر وہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس قلبِ سلیم لے کر آئیگا۔ (۲) اِذْ جَآءَ رَبَّہٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (الصٰفٰت آیت ۸۴) جب وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم لیکر آیا۔

یہ مکتوب بھی شیخ کبیر کی طرف صادر فرمایا ــــ اس بیان میں کہ دل کا اطمینان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ نظر و استدلال سے اور اس کے مناسب بیان میں۔

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ عَلَى الشَّرِيْعَةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ (اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر ثابت قدم رکھے) ــــ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد ۱۳ آیت ۲۸) (خبردار! اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) اطمینانِ قلب حاصل ہونے کا ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے نہ کہ نظر و استدلال (قرائن و دلائل)۔

بیت

پائے استدلالیاں چوبیں بود ۔۔۔ پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

(بحث بے جا ہے فقط کٹھ حجتی ۔۔۔ کاٹھ کے پاؤں میں دم خم کچھ نہیں)

چونکہ ذکر اللہ کے ذریعے حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت حاصل ہو جاتی ہے اگرچہ (ذکر کو) اس پاک ذات کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے۔ مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ (خاک کو پروردگار عالم کے ساتھ کیا نسبت ہے)۔ لیکن ذاکر (ذکر کرنے والا) اور مذکور (جس کا ذکر کیا جائے) کے درمیان ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے جو محبت کا سبب بنتا ہے اور جب محبت غالب ہو گئی تو پھر اطمینان کے سوا کچھ نہیں ہے اور اور جب معاملہ دل کے اطمینان کے حصول تک پہنچ گیا تو اس کو ہمیشہ کی دولت حاصل ہو گئی ؎

ذکر گو ذکر تا ترا جان ست ۔۔۔ پاکئ دل ز ذکرِ رحمٰن ست

(جان جب تک ہے ذکر کرتا رہ ؛ دل کی پاکی خدا کے ذکر سے ہے) ــــ وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔

اطمینانِ قلب صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے

ملا درویش ودی کی طرف صادر فرمایا۔ اس بیان میں کہ تمام اوقات اللہ جل شانہٗ کے ذکر میں مشغول رہنا چاہیے

[illegible] یعنی دفتر اول مکتوب ۱۸۲ اور ۱۳۰ - مزید [illegible]

پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے اور سنن مؤکدہ بجالانے کے بعد اپنے تمام اوقات کو اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ کے ذکر میں مصروف رکھنا چاہئے اور اس کے سوا کسی چیز میں مشغول نہیں ہونا چاہئے خواہ وہ کھانے اور سونے کے اوقات ہوں یا آنے جانے کے اوقات (پس کسی وقت میں بھی ذکر سے غافل نہ ہونا چاہئے) ــــــ ذکر کا طریقہ آپ کو سکھایا ہوا ہے اسی طریقے پر عمل کرتے رہیں، اگر جمعیت اور ذکر میں خلل پائیں تو پہلے خلل کا سبب معلوم کرنا چاہئے پھر اس کے بعد اس کوتاہی کا تدارک کرنا چاہئے اور نہایت عاجزی وآہ وزاری سے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہو کر اس ظلمت کے دور ہونے کی دعا مانگنی چاہئے اور جس شیخ (پیرومرشد) سے ذکر حاصل کیا ہے اس کو وسیلہ بنانا چاہئے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُیَسِّرُ کُلَّ عَسِیْرٍ (حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہر تنگی ومشکل کو آسان کرنے والا ہے) والسلام

خضر خاں لودھی[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ آدمی کو عقائد کی درستی اور اعمال صالحہ کے بجالانے سے چارہ نہیں ہے تاکہ ان دو بازوؤں کے ساتھ عالم حقیقت کی طرف پرواز کرے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت کے راستہ پر استقامت مرحمت فرمائے ــــــ جو کچھ لازمی وضروری ہے (وہ یہ ہے کہ) اوّل فرقۂ ناجیہ (نجات پانے والا گروہ) اہل سنت وجماعت کے صحیح عقائد کے مطابق اپنے عقائد کو درست کرنا ہے۔ دوم یہ کہ فقہی احکام یعنی فرائض وسنن وواجبات ومستحبات وحلال وحرام اور مکروہ ومشتبہ کا علم حاصل کرنے کے بعد ان کے مطابق اعمال کو بجالانا چاہئے جب اعتقادی وعملی یہ دو بازو حاصل ہو گئے تو پھر اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ عالم حقیقت کی طرف پرواز نصیب ہو جائے اور ان دو بازوؤں (تصحیح عقائد واعمال صالحہ) کے حاصل ہوئے بغیر عالمِ حقیقت کی طرف پرواز وحصول محال ہے۔ بیت

محال است سعدی کہ راہِ صفا — تواں رفت جز در پئے مصطفےٰؐ

تجھے حاصل نہ ہو جب تک نبیؐ کی پیروی کرنا — نہیں ممکن کبھی اہلِ صفا کی راہ پر چلنا

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔

[1] خضر خاں لودھی کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے باقی حالات معلوم نہ ہو سکے۔

مکتوب ۹۵
نود و پنجم

سید احمد بجواڑوی[ع] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ آدمی ایک نسخۂ جامع ہے اور اس کا قلب بھی جامعیت کی صفت پر پیدا کیا گیا ہے اور بعض مشائخ کے اقوال جو سُکر کی حالت میں وسعتِ قلب وغیرہ کے متعلق ان سے واقع ہوئے ہیں وہ توجیہات پر محمول ہیں اور اس بیان میں کہ سکر سے صحو افضل ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

وسعتِ قلب کی حقیقت

انسان نسخۂ جامع (جامع شخصیت) ہے، جو کچھ تمام موجودات میں (پایا جاتا) ہے وہ سب کچھ تنہا انسان میں موجود ہے لیکن عالمِ امکان سے حقیقت کے طور پر اور مرتبۂ وجوب سے صورت کے طریق پر ہے اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ[1] (بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو اپنی صورت پر پیدا کیا)۔ اور انسان کا قلب بھی اسی جامعیت پر (پیدا کیا گیا) ہے کہ جو کچھ پورے انسان میں (پایا جاتا) ہے وہ سب کچھ تنہا قلب میں (موجود) ہے، اسی لئے اس کو حقیقتِ جامعہ کہتے ہیں اور اسی جامعیت کی وجہ سے بعض مشائخ نے قلب کی وسعت کی اس طرح خبر دی ہے کہ اگر عرش اور جو کچھ اس میں ہے ان سب کو عارف کے قلب (دل) کے ایک کونے میں ڈال دیں تو کچھ محسوس نہ ہو کیونکہ قلب عناصرِ اربعہ (آگ، آب، اور خاک و باد) افلاک (آسمانوں) و عرش و کرسی و عقل و نفس کا جامع ہے اور مکانی و لامکانی کو شامل ہے پس بالضرور لامکانیت کو شامل ہونے کی وجہ سے عرش و ما فیہا (جو کچھ اس میں ہے ان سب) کی دل میں کوئی مقدار

---

[1] یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو شیخین نے روایت کیا ہے وہ حدیث اس طرح ہے عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خلق اللہ آدم علی صورتہ صولہ ستون ذراعاً الخ علمائے کرام نے اس حدیث کے معنی میں اختلاف کیا ہے بعض نے اس حدیث کی کوئی تاویل بیان نہیں کی اور اس کو متشابہات میں سے شمار کیا ہے اور اس قسم کے متشابہات کی تاویل سے باز رہنا سلفِ صالحین کا مذہب ہے اور بعض علما نے اس کی تاویل کی ہے اور مشہور تاویل یہ ہے کہ "صورت سے مراد صفت ہے" اور اس کی تفصیل بیان کی ہے تفصیل کیلئے اشعۃ اللمعات ملاحظہ فرمائیں۔

ع[ع] مکتوبات میں آپ کے نام دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۹۵ - ۱۰۸ ـــ سید احمد بن محمد بن الیاس حسینی ترغشتی بجواڑوی (بجواڑہ مضافاتِ سرہند میں ہے) آپ علم شریعت و طریقت کے جامع تھے ۱۰۰۱ھ میں تحصیل علوم سے فارغ ہو کر درس و تدریس اور ارشاد و تلقین میں مشغول ہو گئے۔ جہانگیر نے ترکِ آداب کے جرم میں تین سال قلعۂ گوالیار میں قید رکھا آخر خان جہاں لودھی کی سفارش سے رہائی پائی اور وہ اپنے ساتھ دکن لے گیا ایک عرصہ برہان پور میں رہے پھر ۱۰۳۰ھ میں آگرہ آگئے" نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۶۸ و ۶۹) ــــ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے دفتر اول مکتوب ۵۶ و ۲۳۸ میں آپ کے لئے سفارش فرمائی ہے۔

نہیں ہوگی، کیونکہ عرش اور اس میں جو کچھ ہے، وسعت کے باوجود دائرہ امکان میں داخل ہے، مکانی چیز اگرچہ کتنی ہی وسیع ہو لیکن لامکانی کے مقابلہ میں تنگ ہے اور کوئی مقدار نہیں رکھتی —— لیکن مشائخ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں سے صحو والے حضرات جانتے ہیں کہ یہ حکم سُکر پر مبنی ہے اور کسی چیز کی حقیقت اور اس کے نمونے (مثال) کے درمیان تمیز نہ کرنے پر محمول ہے، عرشِ مجید جو کہ ظہورِ تام کا محل ہے اس سے بہت بلند ہے کہ تنگ قلب میں سما سکے، قلب میں عرش کی نسبت جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ عرش کا نمونہ ہے نہ کہ عرش کی حقیقت، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نمونہ کی قلب کے مقابلہ میں جو کہ بے انتہا نمونوں کا جامع ہے کچھ بھی مقدار نہیں ہے، جس آئینہ میں اس قدر بڑا آسمان دوسری چیزوں کے ساتھ دکھائی دیتا ہے نہیں کہہ سکتے کہ وہ آئینہ آسمان سے زیادہ وسیع ہے، ہاں آسمان کی صورت جو آئینہ میں ہے آئینہ کے مقابلہ میں چھوٹا ہے لیکن حقیقتِ آسمان آئینہ سے بہت بڑی ہے، یہ بحث ایک مثال سے واضح ہو جاتی ہے۔

مثلاً انسان میں عنصرِ خاک کے کرہ کا ایک نمونہ پوشیدہ ہے، انسان کی جامعیت پر نظر کرتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ انسان کا وجود عنصرِ خاک کے کرہ سے زیادہ وسیع ہے لہٰذا انسان کے وجود کی کرۂ خاک کے مقابلہ میں ایک حقیر شے کے سوا کچھ مقدار نہیں ہے بلکہ حقیر شے کے نمونہ کو شے جان کر یہ حکم وقوع میں آیا ہے —— اور بعض مشائخ نے جو غلبۂ سکر میں کہا ہے کہ جامعیتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) جامعیتِ الٰہی سے زیادہ جامع ہے اُن کا یہ کلام بھی اسی (سکر کی) قسم سے ہے، چونکہ انھوں نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو امکان اور مرتبۂ وجوب کی حقیقت کا جامع سمجھا ہے اس لئے انھوں نے یہ حکم کیا ہے کہ جامعیتِ محمدی، اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی جامعیت سے زیادہ ہے۔ یہاں بھی انھوں نے صورت کو حقیقت تصور کر کے یہ حکم لگایا ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مرتبۂ وجوب کی صورت کے جامع ہیں نہ کہ (مرتبۂ) وجوب کی حقیقت کے، اور اللہ تعالیٰ حقیقی واجب الوجود ہے، اگر وہ (حضرات) وجوب کی حقیقت اور اس کی صورت کے درمیان تمیز کرتے تو ہرگز ایسا حکم نہ کرتے۔ اس قسم کے سکریہ احکام سے اللہ تعالیٰ کی ذات منزہ اور مبرا ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک بندے، محدود اور متناہی ہیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ وتقدس کی ذات غیر محدود ولامتناہی ہے۔

جاننا چاہئے کہ جو کچھ احکامِ سُکریہ سے ہے وہ سب مقامِ ولایت سے متعلق ہے اور جو کچھ صحو سے ہے وہ مقامِ نبوت سے تعلق رکھتا ہے جو کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے کامل تابعداروں کو

بھی صحو کے واسطہ سے اس مقام سے پیروی کے طور پر حصہ حاصل ہے۔

حضرت شیخ ابو یزید بسطامی قدس سرہٗ کے متبعین سُکر[1] کو صحو پر فضیلت دیتے ہیں، اسی لئے شیخ ابو یزید بسطامی قدس سرہٗ کہتے ہیں: لِوَائِیْ اَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ (میرا جھنڈا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے سے زیادہ بلند ہے) وہ اپنے جھنڈے کو ولایت کا جھنڈا اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے کو نبوت کا جھنڈا جانتے ہیں۔ ولایت کے جھنڈے کو جو سُکر کی طرف رُخ رکھتا ہے نبوت کے جھنڈے پر جو کہ صحو کی طرف رُخ رکھتا ہے ترجیح دیتے ہیں ـــــ اور بعض مشائخ کا یہ کلام اَلْوَلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّۃِ (ولایت نبوت سے افضل ہے) بھی اسی قسم (سُکر) سے ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ولایت میں حق تعالیٰ کی طرف رُخ ہوتا ہے اور نبوت میں مخلوق کی طرف توجہ ہوتی ہے، اور اس میں شک نہیں کہ مخلوق کی طرف توجہ کرنے سے خالق کی طرف توجہ کرنا افضل ہے۔ اور بعض مشائخ نے اس کلام کی توجیہ میں کہا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے۔

اس فقیر کے نزدیک اس قسم کی باتیں بیکار اور فضول ہیں کیونکہ نبوّت میں صرف خلق (مخلوق) ہی کی طرف توجہ نہیں ہوتی بلکہ اس توجہ بخلق کے ساتھ ساتھ وہ حق تعالیٰ کی طرف بھی توجہ رکھتا ہے یعنی اس کا باطن حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کا ظاہر مخلوق کے ساتھ، اور جو شخص اپنی تمام تر توجہ مخلوق کی طرف رکھتا ہو وہ بدبختوں میں سے ہے ـــــ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام موجودات میں سب سے بہتر ہیں اور سب سے بہتر دولت انہی کو نصیب ہوئی ہے، ولایت نبوت کا جزو ہے اور نبوت کُل ہے یہی وجہ ہے کہ نبوت ولایت سے افضل ہے خواہ ولایت نبی کی ہو یا ولی کی ـــــ لہٰذا سُکر سے صحو افضل ہے کیونکہ صحو میں سُکر شامل ہے جس طرح کہ نبوت میں ولایت درج ہے، محض صحو جو کہ عوام الناس کو حاصل ہے وہ بحث سے خارج ہے اس صحو پر (سکر کو) ترجیح دینا کچھ معنی نہیں رکھتا اور وہ صحو جس میں سُکر شامل ہے البتہ سُکر سے افضل ہے ـــــ علوم شرعیہ جن کے صادر ہونے کی جگہ مرتبۂ نبوت ہے سراسر صحو ہے اور ان علوم کے مخالف جو کچھ بھی ہو وہ سُکر سے متعلق ہے، سُکر والا شخص معذور ہے، تقلید کے لائق صحو کے علوم ہیں نہ کہ سُکر کے علوم، ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی تَقْلِیْدِ الْعُلُوْمِ الشَّرْعِیَّۃِ عَلٰی

---

[1] السکر غیبۃ بوارد قوی ولا یکون الا لاصحاب المواجید فاذا کوشف العبد بنعت الجمال حصل السکر وھام القلب وسقط التمییز بین ما لہ وما بلذہ والصحو رجوع الی الاحساس بعد الغیبۃ والعبد فی حال صحوہ یشاھد العلم وفی حال سکرہ یشاھد الحال۔

مَصْدَرِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ یَرْحَمُ اللّٰہُ عَبْدًا قَالَ اٰمِیْنَا اللہ تعالیٰ ہم کو علوم شرعیہ کی تقلید پر ثابت قدم رکھے اور ان علومِ شرعیہ کے مصدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ وسلام اور تحیہ ہو اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جس نے آمین کہا)۔

اور یہ جو حدیث قدسی میں وارد ہے: لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ[1] (میری زمین اور میرا آسمان میری گنجائش نہیں رکھتے لیکن میرے مومن بندے کا دل میری گنجائش رکھتا ہے)۔ اس گنجائش سے مراد مرتبۂ وجوب کی صورت کی گنجائش ہے نہ کہ حقیقت کی، کیونکہ حلول کی وہاں گنجائش نہیں ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے ــــــ پس ظاہر ہوا کہ قلب کا لامکانیت کو شامل ہونا لامکانیت کی صورت کے اعتبار سے ہے نہ کہ اس کی حقیقت کے اعتبار سے کہ عرش و ما فیہ کی اس ذاتِ واجب کے سامنے کچھ مقدار نہیں یہ حکم لامکانیت کی حقیقت کے ساتھ مخصوص ہے۔

مکتوب ۹۶ (نود و ششم)

محمد شریف[ع] کی طرف صادر فرمایا ــــــ تسویف (آج کا کام کل پر ڈالنے) و تاخیر سے منع اور اس سے زجر کرنے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی متابعت پر ترغیب دلانے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اے فرزند! آج جبکہ فرصت کا وقت ہے اور (دل کی) جمعیت (اطمینان) کے اسباب سب میسر ہیں، تسویف (آج کا کام کل پر ڈالنا) اور تاخیر کی گنجائش نہیں ہے، سب سے بہترین اوقات کو جو کہ نوجوانی کا زمانہ ہے بہترین اعمال میں یعنی مولیٰ تعالیٰ و تقدس کی طاعت اور عبادت میں مشغول رکھنا چاہیے۔ شرعی طور پر جو چیزیں حرام و مشتبہ ہیں ان سے بچتے ہوئے پانچوں وقت کی نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا لازمی طور پر اختیار کرنا چاہیے، اور زکوٰۃ کا نصاب[2] موجود ہونے کی

---

[1] اس حدیث کی تخریج مکتوب ۸۷ کے حاشیہ میں درج ہے ــــــ [2] سونے کی زکوٰۃ کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے اور چاندی کا نصاب دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی ہے اور چرنے والے چوپاؤں کی زکوٰۃ کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

[ع] آپ کے نام صرف یہی مکتوب ہے۔ غالباً معتمد خاں بخشی مراد ہیں۔ آپ کا نام محمد شریف تھا اور معتمد خاں خطاب۔ کئی سال تک احدیوں کے بخشی بھی رہے غرض کہ ساری عمر کسی نہ کسی منصب پر فائز رہے۔ آپ کو تاریخ سے بیحد لگاؤ تھا اور تاریخ عالم کی متعدد کتابیں جمع کی تھیں، جہانگیر آپ پر بہت مہربان تھا۔ شاہجہاں کے زمانے میں انتقال ہوا۔ (ذخیرۃ الخوانین ج ۲ ص ۲۵۳)۔

صورت میں زکوٰۃ کا ادا کرنا اسلام کی ضروریات میں سے ہے اس کو بھی خوشی و رغبت سے بلکہ (حق تعالیٰ کا) احسان مانتے ہوئے ادا کرنا چاہئے ـــــ حق تعالیٰ نے اپنا کمال کرم فرما کر سارے دن میں پانچ وقت عبادت کے لئے مقرر کئے ہیں ـــــ اور بڑھنے والے مالوں اور چرنے والے چوپایوں میں سے چالیسواں حصہ تحقیقی طور پر یا اندازاً فقراء کے لئے مقرر فرمایا ہے ـــــ اور مباحات میں تصرف کرنے کا میدان وسیع کر دیا ہے (تو پھر) کس قدر ناانصافی ہے کہ دن رات کی ساٹھ گھڑیوں میں سے دو گھڑی بھی حق تعالیٰ کی عبادت میں خرچ نہ ہوں اور چالیس حصوں میں سے ایک حصہ بھی فقراء کو نہ دیا جائے، اور مباحات کے وسیع دائرے سے باہر نکل کر محرمات و مشتبہات میں جا پڑے ـــــ جوانی کے زمانے میں جبکہ نفس امارہ کے غلبہ اور شیطان لعین کی حکومت کا وقت ہے، تھوڑے سے عمل کو بہت زیادہ اجر کے عوض قبول کرتے ہیں اور کل جبکہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچا دیئے جائیں گے اور حواس اور قوتوں میں سستی پیدا ہو جائے گی اور جمعیت و سکون کے اسباب منتشر ہو جائیں گے، (اس وقت) حسرت و پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا اور بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کل تک مہلت نہ دیں اور ندامت و پشیمانی کا موقع بھی جو کہ ایک قسم کی توبہ ہے میسر نہ ہو اور ہمیشہ کا عذاب اور دائمی سزا جس کی نسبت پیغمبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے خبر دی ہے اور گنہگاروں کو اس سے ڈرایا ہے وہ درپیش ہے اس وعید کے خلاف ہرگز نہ ہوگا اس سے ضرور دوچار ہونا پڑے گا ـــ آج شیطان اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ کے کرم کا دھوکہ دے کر سستی میں ڈالتا ہے اور اس کے عفو و معافی کا بہانہ بنا کر گناہوں کا مرتکب بناتا ہے۔

خوب اچھی طرح جان لیں کہ دنیا کا گھر جو کہ آزمائش و ابتلا کا مقام ہے (یہاں) دشمن اور دوست کو خلط ملط کر دیا گیا ہے اور دونوں کو رحمت میں شامل کر دیا ہے۔ آیت کریمہ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف آیت ۱۵۶) (اور میری رحمت نے سب چیزوں کا احاطہ کر لیا ہے) میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے ـــــ اور قیامت کے روز دشمن کو دوست سے جدا کر دیا جائے گا، آیت کریمہ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (یس ۳۶ آیت ۵۹) (اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ) اسی مضمون کی خبر دے رہی ہے ـــــ اس وقت "رحمت کا قرعہ دوستوں کے نام نکلے گا اور دشمنوں کو مطلقاً محروم اور حقیقتاً ملعون قرار دیا جائیگا۔ آیت کریمہ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (اعراف آیت ۱۵۶) (پس میں عنقریب اس کو ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو مجھ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں

اور جو میری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں) اسی معنی کی شاہد ہے۔ یعنی تحقیق میں اس رحمت کو اُن لوگوں کیلئے خاص کر دوں گا جو کفر اور گناہوں سے بچتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ـــــ پس کرم و رحمت کو آخرت میں نیک کام کرنے والے اور اچھے عمل والے مسلمانوں کے لئے رکھا ہے، ہاں مطلق اہلِ اسلام کے لئے بھی خاتمہ[1] بالخیر ہونے کی صورت میں رحمت کا کچھ حصہ ہے اگرچہ وہ طویل زمانے کے بعد (اپنے اعمالِ بد کی سزا بُھگت کر) دوزخ کے عذاب سے نجات پائیں گے۔ لیکن گناہوں کی سیاہی[2] اور آسمان سے نازل شدہ احکام (خداوندی) کی طرف سے بیباکی اور بے پروائی کرنا (وغیرہ) یہ باتیں ایمان کے نور کو کب سلامت لے جانے دیں گی ـــــ علماء نے فرمایا ہے کہ "(گناہِ) صغیرہ پر اصرار کرنا (گناہِ) کبیرہ[3] تک پہنچا دیتا ہے اور کبیرہ پر اصرار کرنا کفر تک لے جاتا ہے"، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے، ـــ فرد

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم — کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(مختصر تجھ سے کہی ورنہ ہی یہ بات بڑی — محض اس ڈر سے کہ آزردہ نہ ہو دل تیرا)

حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل اپنی رضا کے کاموں کی توفیق عطا فرمائے ـــــ باقی مقصود یہ ہے کہ حاملِ رقیمۂ ہذا مولانا اسحٰق اس فقیر کا آشنا و مخلص ہے اور قدیم زمانے سے ہمسائیگی کا حق بھی رکھتا ہے۔ اگر کوئی مدد و اعانت طلب کرے تو اس کے حال پر توجہ فرمائیں، موصوف کتابت اور انشاء (تحریر) کے فن میں اچھی مہارت رکھتا ہے۔ والسلام

---

[1] متفق علیہ حدیث شریف میں ہے انما الاعمال بالخواتیم یعنی اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہے (جیسے اعمال پر خاتمہ ہوگا وہی معتبر ہونگے)۔

[2] صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان المؤمن اذا اذنب نکتت نکتۃ سوداء فی قلبہ فان تاب واستغفر صقل قلبہ وان لم یتب زادت حتی تعلو قلبہ فذلک الران الذی ذکرہ اللہ فی کتابہ کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون ـــــ

[3] جاننا چاہئے کہ کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر شرع شریف میں کوئی حد مقرر ہو، یا اس پر کوئی وعید وارد ہوئی ہو، یا اس کی ممانعت میں قطعی دلیل وارد ہوئی ہو اور وہ فعل دین کی حرمت کی ہتک کا باعث ہو۔ اور جو گناہ اس قسم کا نہ ہو وہ صغیرہ ہے۔ گناہِ کبیرہ کے درجات مختلف ہیں بعض بعض سے زیادہ بڑے اور زیادہ بُرے ہیں، کذا فی ترجمۃ الشیخ۔ اور روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ کبیرہ گناہوں کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا سات سو تک ہیں ان میں سے اقرب سات تک ہیں سوائے اس کے کہ توبہ و استغفار کے ساتھ کوئی گناہ کبیرہ نہیں ہے اور اصرار کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہے (یعنی وہ صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے)۔

مکتوب ۹۷

عہ

شیخ درویش کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ مامورہ (حکم دی ہوئی) عبادتوں سے مقصود یقین کا حاصل کرنا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ وعلیہم من الصلوات اتمہا ومن التسلیمات اکملہا کے طفیل ہم مفلسوں کو ایمان کی حقیقت سے مشرف فرمائے ـــــ جس طرح انسان کی پیدائش سے مقصود بامورہ (حکم دی ہوئی) عبادتوں کا بجالانا ہے، اسی طرح حکم دی ہوئی عبادتوں کے ادا کرنے سے مقصود یقین کا حاصل کرنا ہے جو کہ ایمان کی حقیقت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آیتِ کریمہ: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر آیت ۹۹) (اور اپنے پروردگار کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھ کو یقین یعنی موت آجائے) میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہو، کیونکہ کلمہ حتّٰی جس طرح نہایت وغایت کے معنی میں آتا ہے سبب اور علت ہونے کے لئے بھی آتا ہے یعنی لِاَجْلِ اَنْ يَّاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (تاکہ تجھ کو یقین حاصل ہو جائے)۔ گویا جو ایمان عبادت ادا کرنے سے پہلے ہے وہ ایمان کی صورت ہے نہ کہ ایمان کی حقیقت جس کو یہاں یقین سے تعبیر کیا گیا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا الآیہ (اے ایمان والو تم ایمان لاؤ الآیہ (نساء آیت ۱۳۶)) اَیِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صُوْرَةً اٰمِنُوْا حَقِيْقَةً بِاَدَاءِ وَظَائِفِ الْعِبَادَاتِ الْمَاْمُوْرَةِ (یعنی اے لوگو! جو ظاہری طور پر ایمان لائے ہو، عباداتِ مامورہ کے وظائف کی ادائیگی کے ساتھ حقیقی طور پر ایمان لاؤ) ـــــ اور فنا و بقا کہ جس کے حاصل ہونے کو ولایت سے تعبیر کرتے ہیں اس سے مقصود صرف یہی یقین ہے اور بس ـــــ اور اگر فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے کچھ اور معنی مراد لئے جائیں جو حالیت (حلول کرنے) اور محلیت (محل خدا ہونے) کے وہم میں ڈالنے والے ہوں تو یہ عین الحاد اور زندقہ ہے، غلبۂ حال اور سکر وقت میں ایسی بہت سی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں کہ جن سے آخر کار گذر جانا چاہئے اور توبہ و استغفار کرنا چاہئے۔

ف۱ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یقین سے مراد موت لی ہے اور کلمہ حتّٰی کو غایت و نہایت کے معنی میں لیا ہے اور عبادت پر استقامت کی طرف اشارہ کیا ہے، حضرت مجدد صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: ہو سکتا ہے کہ حتّٰی علت و سبب کے لئے ہو اور یقین اپنے معنی پر ہو۔

عہ آپ کے نام تین مکتوب ہیں یعنی دفتر اول مکتوب ۳۱، ۴۲، ۹۷۔ لہٰذا مختصر تعارف مکتوب ۳۱ میں ملاحظہ ہو۔

ابراہیم[۱] بن شیبان جو کہ مشائخ طبقات قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ "فنا و بقا کا علم وحدانیت کے اخلاص اور عبودیت کی صحت کے گرد گھومتا ہے اور اس کے ماسوا غلطی اور زندقہ ہے" ـــــ اور حق یہ ہے کہ وہ (ابراہیم) سچ فرماتے ہیں اور یہ کلام ان کی استقامت کی خبر دیتا ہے فنا فی اللہ سے مراد حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی مرضیات میں فنا ہونا ہے اور سیر الی اللہ و سیر فی اللہ وغیرہ اسی قیاس پر ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے جس کی آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ نیکیوں کے آثار والے شیخ اللہ بخش نیکی و تقویٰ و فضیلت سے آراستہ ہیں اور ایک بڑی جماعت ان کے ساتھ وابستہ (تعلق رکھتی) ہے اگر کسی کام کے بارے میں کچھ مدد طلب کریں تو امید ہے کہ ان کے حال پر اپنی بزرگ توجہ فرمائیں گے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (آپ پر اور ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر سلام ہو)۔

عبد القادر[۲] پسر شیخ زکریا کی طرف صادر فرمایا ـــــ احادیث نبویہ علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی روشنی میں نرمی اختیار کرنے اور سختی ترک کرنے کی ترغیب کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ مرکزِ عدالت پر استقامت نصیب فرمائے ـــــ نبی کریم علیہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کی چند احادیث جو تذکیر و وعظ و نصیحت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں لکھی جاتی ہیں حق سبحانہٗ و تعالیٰ اُن کے موافق عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِيْ عَلٰى مَا سِوَاهُ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ (یعنی بیشک اللہ تعالیٰ رفیق ہے (اپنے بندوں پر لطف و نرمی کرنے والا ہے) اور نرمی کرنے پر وہ کچھ عطا فرماتا ہے جو سختی پر اور نرمی کے سوا

---

[۱] ابراہیم بن شیبانؒ جو کہ مشائخ طبقاتِ چہارم سے تعلق رکھتے ہیں آپ کی کنیت ابو اسحٰق ہے جیلانی بزرگ ہیں اپنے زمانے میں ورع و تقویٰ میں اس درجہ کے مقامات رکھتے تھے کہ مخلوق ان کو عاجز ہے۔ عبد اللہ مغربی اور ابراہیم خواص کے اصحاب میں سے ہیں۔ لوگوں نے عبد اللہ (مغربی) سے پوچھا کہ آپ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں آپ نے فرمایا ابراہیم فقرا و اہل آداب پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں ۳۳۷ھ میں وفات پائی۔ آپ فرماتے ہیں جس شخص نے مشائخ کی حرمت نگاہ میں نہ رکھی وہ جھوٹے دعوے و بیہودہ لاف و گزاف میں گرفتار ہے۔ (نفحات)

[۲] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے خسر شیخ سلطان کے بھائی شیخ زکریا کے صاحبزادے ہیں۔

کسی اور چیز پر عطا نہیں کرتا)۔

(۲) اور مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ، (یعنی اپنے اوپر نرمی کو لازم کر اور اپنے آپ کو درشت خوئی اور بیجا گفتگو سے دور رکھ کیونکہ نرمی جس چیز میں بھی ہو اس کو زینت دیتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکل جاتی ہے اس کو عیب دار کر دیتی ہے)۔

(۳) اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ (یعنی جو شخص لطف و نرمی سے (اچھی عادتوں سے) محروم ہے وہ ہر نیکی سے محروم کر دیا جاتا ہے)۔

(۴) اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا (بیشک تم میں سب سے زیادہ محبوب (پسندیدہ) میرے نزدیک وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں)۔ (بخاری)

(۵) اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (جس کو لطف و نرمی کا کچھ حصہ دیا گیا اس کو دنیا و آخرت (کی نیکی) کا حصہ دیا گیا)۔ (شرح السنہ)

(۶) اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيْمَانِ وَالْإِيْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ، (حیا ایمان سے ہے اور (اہل) ایمان جنت میں ہے اور فحش کلامی و بیہودہ گوئی جفا و بدی سے ہے اور (اہل) جفا دوزخ میں ہے)۔ (احمد و ترمذی)

(۷) إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ (بیشک اللہ تعالیٰ حد سے زیادہ تجاوز کرنے والے بیہودہ گو کو دشمن رکھتا ہے)۔ (ترمذی)

(۸) أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَبِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ (کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ کس شخص پر دوزخ کی آگ حرام ہے اور دوزخ کی آگ کس شخص پر حرام ہے؟ (سنو!) عَلٰى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ (ہر ایک نرم و متواضع (آہستہ روی والے) قریب و سہل (نرم طبع و نرم خو) والے پر حرام ہے۔ (ترمذی)

(۹) اَلْمُؤْمِنُوْنَ هَيِّنُوْنَ لَيِّنُوْنَ كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ إِنْ قِيْدَ انْقَادَ وَإِنِ اسْتُنِيْخَ عَلٰى صَخْرَةٍ اسْتَنَاخَ (تمام مومنین نرم طبع (نرمی کے موقع پر) ناک میں نکیل (مہار) والے اونٹ کی طرح مطیع ہوتے ہیں اگر اس (اونٹ) کو آگے سے کھینچا جائے تو مطیع ہو کر چل پڑتا ہے اور جب اس کو کسی پتھر پر بٹھایا جائے تو بیٹھ جاتا ہے۔

(۱۰) مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى أَنْ يُنْفِذَهُ دَعَاهُ اللّٰهُ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ فِيْ اَيِّ الْحُوْرِ شَاءَ (جس نے غصہ کو ضبط کر لیا حالانکہ وہ اس کے جاری کرنے پر (بدلہ لینے پر) قدرت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو سب مخلوق کے سامنے بلائے گا یہاں تک کہ اس کو اختیار دیا جائے گا کہ جس حور کو چاہے پسند کر لے)۔ (ترمذی)

(۱۱) اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَوْصِنِيْ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ (تحقیق ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مجھے وصیت (نصیحت) فرمائیں؟ آپؐ نے فرمایا غصہ مت کیا کر۔ اس نے کئی مرتبہ اپنی بات کو دہرایا (یعنی نصیحت طلب کرنے کے لئے عرض کیا)۔ آپؐ نے (ہر دفعہ یہی جواب میں) فرمایا کہ غصہ مت کیا کر)۔ (بخاری)

(۱۲) اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ (کیا میں تم کو اہلِ جنت کی خبر نہ دوں؟ (سنو) ہر وہ شخص جو ضعیف ہے اور جس کو حقیر سمجھا جائے اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو سچا کر دے، (وہ اہل جنت میں سے ہے)۔ (نیز فرمایا) کیا میں تم کو اہلِ دوزخ کی خبر نہ دوں؟ (سنو) ہر وہ شخص ہے جو سرکش، بدگو، جھگڑالو اور متکبر ہے (وہ اہلِ دوزخ سے ہے)۔ (متفق علیہ)

(۱۳) اِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ فَاِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَاِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ (جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اگر اس وقت وہ کھڑا ہوا ہو تو اس کو چاہئے کہ بیٹھ جائے پس (ایسا کرنے سے) اگر اس کا غصہ دور ہو جائے (تو بہتر ہے) ورنہ اسے چاہئے کہ پہلو پر لیٹ جائے)۔ (احمد و ترمذی)

(۱۴) اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ (بیشک غصہ ایمان کو ایسا بگاڑ دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو بگاڑ دیتا ہے)۔ (بیہقی)۔

(۱۵) مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ نَفْسِهٖ صَغِيْرٌ وَفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيْمٌ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَفِيْ نَفْسِهٖ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ (جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دیتا ہے پس وہ (تواضع و انکساری کرنے والا) اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے لیکن لوگوں کی نظروں میں بڑا ہوتا ہے اور جس شخص نے تکبر کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو حقیر و پست کر دیا پس وہ لوگوں کی نظروں میں صغیر (چھوٹا) ہوتا ہے لیکن خود اپنے آپ کو بڑا خیال کرتا ہے حتیٰ کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور سور سے بھی زیادہ حقیر و خفیف ہوتا ہے (بیہقی)۔

(۱۶) قَالَ مُوْسَی بْنُ عِمْرَانَ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ یَارَبِّ مَنْ اَعَزُّ عِبَادِکَ قَالَ مَنْ اِذَا قَدَرَ غَفَرَ (حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے عرض کیا: اے رب! تیرے نزدیک تیرے بندوں میں سے کون سب سے زیادہ عزیز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ شخص جو (بدلہ لینے پر) قادر ہونے کے باوجود معاف کردے) ۔ (بیہقی) ۔

(۱۷) اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مَنْ خَزَنَ لِسَانَہٗ سَتَرَ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ وَمَنْ کَفَّ غَضَبَہٗ کَفَّ اللّٰہُ عَنْہُ عَذَابَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَمَنِ اعْتَذَرَ اِلَی اللّٰہِ قَبِلَ اللّٰہُ عُذْرَہٗ جس شخص نے اپنی زبان کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ اس کے عیب ڈھانپ لے گا اور جس شخص نے اپنے غصہ کو روکا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس سے اپنا عذاب روک لے گا اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عذر خواہی کی اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول فرمالے گا (اس کو معاف کردے گا) (بیہقی) ۔

(۱۸) اور نیز آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: مَنْ کَانَتْ لَہٗ مَظْلِمَۃٌ لِاَخِیْہِ مِنْ عِرْضِہٖ اَوْ شَیْءٍ فَلْیَتَحَلَّلْ مِنْہُ الْیَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَّا یَکُوْنَ دِیْنَارٌ وَّلَا دِرْھَمٌ اِنْ کَانَ لَہٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِہٖ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَیِّئَاتِ صَاحِبِہٖ فَحُمِلَ عَلَیْہِ (جس شخص پر اپنے کسی (مسلمان) بھائی کا کوئی حق اس کی عزت وآبرو سے یا کسی اور چیز سے ہے (یعنی اس نے کسی کا کوئی مالی یا کوئی اور حق بطور ظلم دبا لیا ہو) تو اس کو چاہئے کہ آج (دنیا ہی میں) اس سے معاف کرالے اُس (قیامت کے) دن سے پہلے، جبکہ اس کے پاس کوئی دینار و درہم نہ ہوگا، (اُس دن) اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے ظلم کے موافق اس سے لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو اس صاحبِ حق (مظلوم) کی برائیاں لے کر اس ظالم کے اوپر ڈال دی جائیں گی) (بخاری) ۔

(۱۹) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوْا الْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَّا دِرْھَمَ لَہٗ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِصَلٰوۃٍ وَّصِیَامٍ وَّزَکٰوۃٍ وَّیَاْتِیْ قَدْ شَتَمَ ھٰذَا وَقَذَفَ ھٰذَا وَاَکَلَ مَالَ ھٰذَا وَسَفَکَ دَمَ ھٰذَا وَضَرَبَ ھٰذَا فَیُعْطٰی ھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ وَھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُہٗ قَبْلَ اَنْ یُّقْضٰی مَا عَلَیْہِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَاھُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْہِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ (یعنی کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ہم میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس درہم (مال) و اسباب کچھ نہ ہو، پس آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے اور ساتھ ہی اس حال میں آئے کہ اس نے کسی کو گالی دی ہے، کسی کو تہمت لگائی ہے، کسی کا مال کھایا ہے، کسی کا خون بہایا ہے اور کسی کو مارا ہے۔ پس اُن میں سے ہر شخص کو اس کی نیکیوں میں سے (بقدرِ حق) دیا جائے گا۔ پھر اگر لوگوں کے وہ حقوق جو اس پر ہیں ادا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو حقداروں کی خطائیں (گناہ) لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے، پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم)

(۲۰) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لکھا کہ آپ مجھے کچھ نصیحت تحریر فرمائیں لیکن بہت نہ ہو (بلکہ مختصر ہو) بس انھوں نے لکھا: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ (آپ پر سلام ہو، اس کے بعد واضح ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جو شخص لوگوں کی ناراضگی کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کی روگردانی اور تکلیف سے محفوظ رکھے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے مقابلہ میں لوگوں کی رضامندی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے حوالہ کر دیتا ہے، اور تجھ پر سلام ہو)[1]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا، حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو ان سب باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہیں۔

یہ حدیثیں اگرچہ ترجمہ کے بغیر لکھی گئی ہیں لیکن شیخ جیو[2] کی خدمت میں حاضر ہو کر ان حدیثوں کے معانی سمجھ کر کوشش کریں کہ ان کے موافق عمل میسر ہو جائے۔ دنیا کا قیام بہت تھوڑا ہے اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور دائمی ہے، عقلِ دُور اندیش سے کام لینا چاہئے اور دنیا کی بے کی تر و تازگی پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیے، اگر دنیا کی وجہ سے کسی کی عزت و آبرو ہوتی تو دنیادار کافر سب سے زیادہ عزت والے ہوتے، دنیا کے ظاہر پر فریفتہ ہونا بے وقوفی ہے، چند روزہ فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور حق تعالیٰ کی خوشنودی میں کوشش کرنا چاہئے اور مخلوقِ خدا پر احسان کرنا چاہئے۔ اَلتَّعْظِيْمُ لِاَمْرِ اللّٰهِ وَالشَّفَقَةُ عَلٰى خَلْقِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم کرنا (یعنی اس کے مطابق عمل کرنا) اور مخلوقِ خدا پر شفقت کرنا) یہ دونوں آخرت کی

---

[1] رواہ الترمذی - اور یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ شریف سے ملتقط ہیں۔ [2] غالباً شیخ جیو سے مراد شیخ زکریا ہیں۔

نجات کے لئے اصل عظیم ہیں، مخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ فرمایا ہے حقیقتِ امر کے مطابق ہے بیہودہ بکواس اور بہکی ہوئی باتیں نہیں ہیں، یہ خواب خرگوش کب تک، آخر اس کا نتیجہ رسوائی در رسوائی اور خواری در خواری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ (مومنون ۲۳ آیت ۱۱۵) (کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں عبث و بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے)۔

اگرچہ معلوم ہے کہ تمہارا وقت اس قسم کی باتیں سننا گوارا نہیں کرتا (کیونکہ) نوجوانی کا آغاز ہے اور دنیوی عیش و آرام سب میسر ہیں اور مخلوق پر حکومت و غلبہ حاصل ہے لیکن آپ کے حال پر جو شفقت ہے وہ (شفقت) اس گفتگو کا باعث ہو رہی ہے۔ ابھی کچھ نہیں بگڑا، توبہ و انابت (رجوع الی اللہ) کا وقت موجود ہے اس کی خبر دینا ضروری ہے ؎

درخانہ اگر کس است یک حرف بس است (گھر میں کوئی ہو تو بس اک بات کافی ہوا سے)

مکتوب ۹۹
نود و نہم

ملا حسن کشمیری[عہ] کی طرف صادر فرمایا ــــــ ایک استفسار کے جواب میں جو دوام آگاہی کی کیفیت اور حالتِ خواب کے ساتھ جو کہ سراسر غفلت اور حواس کی بیکاری کی حالت ہے اس کے جمع ہونے کے بارے میں کیا گیا تھا۔

آپ کا محبت نامہ گرامی شرف صدور لایا، دوام آگاہی کی کیفیت اور نیند کی حالت کے ساتھ اس کے جمع ہونے کے بارے میں جو کہ سراسر غفلت اور حواس کی بیکاری کی حالت ہے اور اس بزرگ سلسلہ کے بعض بزرگوں نے اس دولت کے حاصل ہونے کی خبر دی ہے، جو استفسار آپ نے کیا تھا (معلوم ہوا)

میرے مخدوم! اس اشکال کا حل ایک مقدمہ پر مبنی ہے جس کا بیان کرنا ضروری ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ انسان کی روح کو اس جسمانی صورت کے ساتھ تعلق ہونے سے پہلے ترقی و عروج کا راستہ بند تھا اور وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (صفت ۳۷ آیت ۱۶۴) (ہم میں سے ہر ایک کا مقام مقرر ہے) کے پنجرہ میں محبوس و مقید تھا

[عہ] مکتوبات میں آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۲۷۹ دفتر سوم مکتوب ۱۲۲۔ شیخ حسن کشمیری ثم الدہلوی علم و فضل اور بزرگی میں مشہور تھے طریقت کی تکمیل شیخ نجم چایئں ہمنوی سے کی پھر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی صحبت اختیار کر کے کسبِ فیض کیا۔ حقائق و معارف میں ممتاز تھے سنہ ۱۰۵۱ھ میں وفات ہوئی (نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۳۲) حضرت مجدد صاحبؒ کو حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں آپ ہی لے گئے۔ (زبدۃ المقامات ص ۱۳۸)

لیکن اس جوہرِ نفیس (روح) کی طبیعت و فطرت میں عروج کی استعداد (جسم میں) نزول کی شرط پر امانت رکھی گئی تھی، اسی (استعدادِ مذکورہ) کی بنا پر ہی فرشتے پر اس (انسان) کی فضیلت مقرر فرمائی تھی، حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی نہایت مہربانی سے اس نورانی جوہر کو اس ظلمانی جسم کے ساتھ جمع فرما دیا: سُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ النُّوْرِ وَالظُّلْمَةِ وَقَرَنَ الْاَمْرَ بِالْخَلْقِ (پس پاک ہے وہ ذات جس نے نور اور ظلمت کو جمع کر دیا اور عالمِ امر (روح) کو عالمِ خلق (نفس) کے ساتھ ملا دیا)۔

اور چونکہ یہ دونوں امر حقیقت میں ایک دوسرے کے نقیض وضد واقع ہوئے تھے اس لئے حکیم مطلق (اللہ تعالیٰ) جل شانہٗ نے اس اجتماع کے ثابت کرنے اور اس انتظام کے مقرر کرنے کے لئے روح کو نفس کے ساتھ عشق و محبت کی نسبت عطا فرمائی اور اسی محبت کو ان کے انتظام (آراستگی) کا سبب بنایا۔ آیتِ کریمہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (سورۃ التین ۹۵ آیت ۴، ۵) (البتہ بیشک ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا پھر ہم نے اس کو سب سے نیچے کی طرف لوٹا دیا) میں اسی بیان کی طرف اشارہ ہے ——— اور یہ روح کا تنزل اور اس کی گرفتاری حقیقت میں مَدْحٌ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمَّ (مذمت کے مشابہ مدح کرنے) کی قسم سے ہے ——— پس اس محبت کی نسبت کے باعث روح نے اپنے آپ کو پوری طرح عالمِ نفس میں ڈال دیا اور اپنے آپ کو اس کے تابع کر دیا، بلکہ اپنے آپ کو بھی فراموش کر دیا اور اپنے آپ کو نفسِ امارہ سے تعبیر کر لیا ——— روح کی اصلیت میں یہ ایک دوسری لطافت ہے کہ کمال لطافت کے باعث جس چیز کی طرف متوجہ ہوتی ہے اسی کا حکم اختیار کر لیتی ہے پس جبکہ اس نے اپنے آپ کو فراموش کر دیا ہے تو لازماً اپنی پہلی آگاہی کی نسبت کو بھی جو کہ وجوب تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ میں رکھتا ہے فراموش کر دیتی ہے اور اپنے آپ کو ہمہ تن غفلت میں ڈال دیتی ہے اور ظلمت کا حکم اختیار کر لیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور بندہ نوازی سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور اس (روح) کو ان بزرگوں کے ذریعے سے اپنی طرف بلایا اور روح کو نفس کی مخالفت کے لئے جو اس (روح) کا معشوق ہے حکم فرمایا: فَمَنْ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا وَمَنْ لَّمْ يَرْفَعْ رَاْسَهٗ وَاخْتَارَ الْخُلُوْدَ اِلَى الْاَرْضِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (پس جس شخص نے رجعت قہقری (الٹے پاؤں پھرنا) کیا وہ بڑا کامیاب ہوا اور جس نے اپنا سر نہ اٹھایا اور ہمیشہ زمین میں ہی رہنا اختیار کیا وہ سخت گمراہ ہو گیا) ———

اس مقدمہ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔

اب ہم اس اشکال کا جواب بیان کرتے ہیں کہ اس مقدمہ سے روح کا نفس کے ساتھ جمع ہونا سمجھ میں آگیا بلکہ نفس میں اس کی فنا اور اس کے ساتھ اس کی بقا معلوم ہو چکی ہیں ناچار یہ اجتماع اور انتظام قائم ہے، ظاہر کی غفلت دراصل باطن کی غفلت ہے اور نیند جو کہ ظاہر کی غفلت ہے وہ عین باطن کی غفلت ہوگی، اور جب اس انتظام میں خلل پڑ جائے اور باطن ظاہر کی محبت سے منہ پھیر کر باطنوں کے باطن (مخفی ترین یعنی حق تعالیٰ) کی محبت اس کو حاصل ہو جائے اور وہ فنا و بقا جو فانی کے ساتھ پیدا کی تھی زائل ہونے لگے اور باقی حقیقی (اللہ) تعالیٰ و تقدس کے ساتھ فنا و بقا حاصل کر لے تو اس وقت ظاہر کی غفلت باطن کے حضور میں تاثیر نہیں کرتی، اور کس طرح تاثیر کر سکتی ہے جبکہ باطن نے ظاہر کی طرف پوری طرح پیٹھ کی ہوئی ہے اور باطن میں ظاہر کی طرف سے کوئی شے داخل نہیں ہو سکتی۔ پس جائز ہے کہ ظاہر غافل ہو اور باطن آگاہ ہو وَ لَا مَحْذُوْرَ (اور یہ محال نہیں ہے) ـــــــ مثلاً روغن بادام جب تک کھلی (بادام کا ملغوبہ) میں مخلوط ہے دونوں کا ایک ہی حکم ہے اور جب روغن کھلی سے جدا ہو گیا تو دونوں کے لئے الگ الگ احکام پیدا ہو گئے پس ایک کا حکم دوسرے پر جاری نہیں ہوگا۔

اگر اس قسم کی نعمت والے کو دنیا کی طرف واپس لوٹا دیں اور ایک جہان کو اس کے وجود شریف کی برکت سے نفسانی ظلمتوں سے نکالنا چاہیں تو اس کو سیر عن اللہ باللہ کے طریق پر جہان (دنیا) کی طرف نیچے لے آتے ہیں (پس) اس کی تمام تر توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے بغیر اس کے کہ اس کو ان کے ساتھ کسی قسم کی گرفتاری حاصل ہو کیونکہ وہ اپنی اُسی پہلی گرفتاری پر (ذوق کی) قائم ہے، اس کو بے اختیاری طور پر اس جہان میں لائے ہیں، پس یہ منتہی[1] حق تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ سے روگردانی کرنے اور خلق کی طرف متوجہ ہونے میں ظاہری طور پر تمام مبتدیوں کے ساتھ شریک ہوتا ہے لیکن حقیقت میں (وہ منتہی اور مبتدیوں کے ساتھ) کچھ مناسبت نہیں رکھتا، گرفتاری اور عدم گرفتاری میں بہت بڑا فرق ہے۔

---

[1] جاننا چاہئے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مبتدی اور منتہی کا فرق چار طرح پر بیان فرمایا ہے ـــ (۱) اول یہ کہ مبتدی بخلاف منتہی کے مخلوق کی طرح دنیا میں پھنسا ہوا ہے ـــ (۲) دوم یہ کہ مخلوق کی طرف متوجہ ہونا منتہی کے لئے غیر اختیاری و بغیر رغبت کے صرف رضائے حق کی وجہ سے ہے اور مبتدی میں مخلوق کی طرف رجوع ہونا ذاتی اغراض اور اپنی رغبت سے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر ہے ـــ (۳) سوم یہ کہ مبتدی کو خلق سے روگردانی کر کے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا آسان ہے اور منتہی کے لئے خلق سے روگردانی کرنا محال ہے اور خلق کی طرف متوجہ رہنا اس کے مقام کے لئے لازمی ہے ـــ (۴) چہارم یہ کہ مبتدی صاحب حجابات ہوتا ہے اور منتہی سے حجابات دور ہو جاتے ہیں جیسا کہ مکتوب ہذا میں درج ہے۔

اور نیز مخلوق کی طرف متوجہ ہونے میں یہ منتہی بے اختیار ہے، اس میں وہ اپنی رغبت کچھ نہیں رکھتا بلکہ اس توجہ میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضامندی (مقصود) ہے، اور مبتدی میں (توجہ بخلق) ذاتی اور اپنی رغبت سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے۔

ایک دوسرا فرق اور بیان کرتا ہوں (وہ یہ ہے کہ) مبتدی کے لئے یہ بات آسان ہے کہ عالم کی طرف سے منہ پھیر کر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف توجہ کرلے (لیکن) منتہی کے لئے مخلوق سے روگردانی محال ہے اور ہر وقت مخلوق کی طرف متوجہ رہنا اس کے مقام کو لازم ہے، مگر ہاں جب اس کی دعوت کا کام مکمل ہو جائے اور اس کو دار فنا (دنیا) سے دار بقا (آخرت) کی طرف لے جائیں تو اس وقت اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی[1] کی ندا اس کو سنائی دیتی ہے۔

مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے مقامِ دعوت کے مقرر کرنے میں مختلف باتیں ارشاد فرمائی ہیں، ایک جماعت نے "جمع توجہ بین الحق والخلق" سے تعبیر کیا ہے (یعنی حق اور خلق کے درمیان توجہ کا جمع ہونا بیان کیا ہے) ان کا اختلاف احوال و مقامات کے اختلاف پر مبنی ہے اور ہر ایک نے اپنے مقام کی خبر دی ہے، وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اور حقیقتِ حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے)۔

اور یہ جو سید الطائفہ حضرت جنیدؒ نے فرمایا ہے کہ اَلنِّھَایَۃُ ھِیَ الرُّجُوْعُ اِلَی الْبِدَایَۃِ (نہایت ہی ابتدا کی طرف رجوع کرنا ہے) اسی مقامِ دعوت کے موافق ہے جو اس مسودہ میں لکھا جا چکا ہے، کیونکہ بدایت میں تمام تر توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے ——— حدیث مبارکہ تَنَامُ عَیْنَایَ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ[2] (میری آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا) جو کہ لکھی گئی تھی اس میں دوام آگاہی کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ اپنے اور اپنی امت کے احوال کے جاری ہونے سے غافل نہ ہونے کی خبر دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں نیند وضو کو توڑنے والی نہیں ہوئی۔ اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

---

[1] اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو امام بخاری و مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بیان میں روایت کیا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ "رفیق اعلیٰ" اللہ تعالیٰ کا ایک اسم مبارک ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا گروہ ہے جو کہ اعلیٰ علیین میں رہتے ہیں۔ پس اس جملہ کا ترجمہ یہ ہے کہ "یا اللہ مجھے جماعت اعلیٰ کے ساتھ ملا دے، یا میں رفیق اعلیٰ کو اختیار کرتا ہوں"۔ اور بعض نے "رفیق اعلیٰ" سے بہشت مراد لی ہے۔

[2] یہ حدیث مسند ابوداؤد میں حضرت عائشہ سے مروی ہے۔

اپنی امت کی حفاظت کے بارے میں چرواہے (جانوروں کے محافظ) کی طرح ہیں اس لئے غفلت آپ کے منصب نبوت کے مناسب نہیں ہے ——— اور حدیث لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ[1] (میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل میرے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا) صحیح ہونے کی صورت میں اس حدیث میں تجلّی ذاتی برقی کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے اور اس تجلی سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی پاک بارگاہ کی طرف توجہ ہو بلکہ یہ تجلّی اُس جانب سے ہے متجلی لہٗ (جس پر تجلّی وارد ہوئی ہے) کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے، (یہ تجلّی) عاشق میں معشوق کی سیر کی قسم سے ہے (کیونکہ) عاشق سَیر سے سیر ہو چکا ہے۔ بیت

آئینہ صورت از سفر دور است　　کاں پذیرائی صورت از نور است

(ترجمہ) (ہے آئینہ کی مثل جو عاشق سفر سے دور　　صورت کا عکس دُور سے لیتا ہے اس کا نُور)

جاننا چاہئے کہ مخلوق کی طرف رجوع کرنے کی صورت میں زائل شدہ حجابات پھر واپس نہیں آتے بے پردہ ہونے کے باوجود اس کو مخلوق میں مشغول رکھا گیا ہے اور مخلوقات کی خلاصی و کامیابی اس کے ساتھ وابستہ کی گئی ہے۔ ان بزرگوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو بادشاہ کے ساتھ بڑا تقرب رکھتا ہے اور اس کے اور بادشاہ کے درمیان ظاہری و باطنی کوئی حجاب حائل نہیں ہے اس کے باوجود اس کو حاجتمندوں کی خدمت پر مشغول رکھا گیا ہے ——— رجوع کرنے والے منتہی میں یہ ایک اور فرق ہے کیونکہ مبتدی حجابات والا شخص ہے اور منتہی سے حجابات دُور کر دیئے گئے ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (اور آپ پر اور ہدایت کی پیروی کرنے والے تمام لوگوں پر سلام ہو)۔

مکتوب ۱۰۰ صدم

یہ مکتوب بھی ملا حسن کشمیری کی طرف صادر فرمایا ——— ایک سوال کے جواب میں جو (انھوں نے) اس بارے میں کیا تھا کہ شیخ عبد الکبیر یمنی نے کہا ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے۔

---

[1] اس کو صوفیائے کرام نے اپنی تحریروں میں ذکر کیا ہے، رسالہ قشیریہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: لی وقت لا یسعنی فیہ غیر ربی، اور اس میں مقام استغراق کی طرف اشارہ ہے جس کو سکر و محویت و فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (موضوعات ملا علی قاریؒ)

آپ کا نوازش نامۂ گرامی موصول ہوا، جو کچھ از روئے کرم لکھا تھا واضح ہوا۔ آپ نے تحریر فرمایا
کہ شیخ عبدالکبیر یمنی[1] نے کہا ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے۔

میرے مخدوم! فقیر کو اس قسم کی باتیں سُننے کی طاقت ہرگز نہیں ہے، میری رگِ فاروقی (ایسی
باتوں سے) بے اختیار جوش میں آجاتی ہے اور ایسے کلام کی تاویل و توجیہ کی فرصت نہیں دیتی۔ ان باتوں
کہنے والا خواہ شیخ کبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی، ہمیں تو حضرت محمد عربی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا
کلام (حدیث) درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی، صدرالدین قونوی[2] اور عبدالرزاق کاشی[3] کا کلام، ہم کو
نص (قرآن و حدیث) سے کام ہے نہ کہ فص (فصوص الحکم[4]) سے، فتوحاتِ مدنیہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی احادیث) نے ہم کو فتوحاتِ مکیہ[5] سے بے نیاز کر دیا ہے۔

حق تعالیٰ اپنے کلام مجید میں علم غیب کے ساتھ اپنی تعریف فرماتا ہے اور اپنے آپ کو عالم الغیب[6]
فرمایا ہے، حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے علم غیب کی نفی کرنا نہایت ہی قبیح اور بُرا ہے، اور فی الحقیقت حق سبحانہٗ
کی (ایک گونہ) تکذیب ہے، ——— غیب کے کچھ اور معنی بیان کرنے سے یہ بُرائی دور نہیں ہوتی ———
كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ (کہف آیت ۵، ۱۸) (بڑی سخت بات ہے جو ان لوگوں کے منہ سے نکلتی ہے)
افسوس ان کو اس قسم کے صریح خلافِ شریعت کلمات کہنے پر کس چیز نے آمادہ کیا۔
منصور اگر اَنَا الْحَق اور بسطامی سُبْحَانِی کہتے ہیں تو وہ معذور ہیں اور غلبۂ احوال میں مغلوب ہیں لیکن

حق تعالیٰ عالم الغیب ہے

---

[1] شیخ عبدالکبیر یمنی اکابر اولیاء میں سے تھے آپ مولانا محمد روجی کی خدمت میں عرصہ تک رہے اور انھوں نے آپ کے ذمہ اہم خدمات
سپرد کر رکھی تھیں۔ صاحبِ تقویٰ، صائم الدہر تھے، ایک دن علماء و فقراء کی مجلس میں آپ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ عالم بغیب نہیں ہے"
حاضرینِ مجلس متحیر ہو گئے اور خوف سے لرزنے لگے، شیخ نے اُن کے اطمینان کے لئے فرمایا کہ جہاں حق تعالیٰ ہے وہ شہادت ہے اور
اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے جسے غیب کہہ سکیں، وہ عالم الغیب جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے وہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی نسبت سے
فرمایا ہے نہ کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی نسبت سے۔ (مزید تفصیل کیلئے "رشحات" ملاحظہ فرمائیں)۔

[2] شیخ صدرالدین محمد بن اسحاق قونوی، آپ کی کنیت ابوالمعالی ہے۔ آپ ظاہری و باطنی اور نقلی و عقلی علوم کے جامع تھے۔ مولانا
قطب الدین شیرازی حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں۔ شیخ مؤید الدین جندی اور مولانا شمس الدین ایکی وغیرہ نے آپ سے تربیت
حاصل کی، مولانا جلال الدین رومی سے آپ کے بہت تعلقات تھے ۶۵۴ھ کے بعد وفات پائی۔ (نفحات)۔

[3] شیخ عبدالرزاق، خواجہ حسن عطار کے بڑے خلفاء میں سے تھے، آپ کا طریقہ رابطہ کی نسبت کی ورزش میں تھا (رشحات)۔

[4] و [5] فصوص الحکم اور فتوحاتِ مکیہ یہ دونوں کتابیں شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی تصانیف سے ہیں۔

[6] عالم الغیب کا لفظ قرآن کریم میں مندرجہ ذیل مقامات پر آیا ہے: سورۂ انعام ۶ آیت ۷۳، رعد ۱۳ آیت ۹، مومنون ۲۳ آیت ۹۲، سجدہ ۳۲ آیت ۶،
سبا ۳۴ آیت ۳، فاطر ۳۵ آیت ۳۸، حشر ۵۹ آیت ۲۲، تغابن ۶۴ آیت ۱۸، جن ۷۲ آیت ۲۶ — مزید تفصیل فٹ نوٹ ۱ میں اوپر مذکور ہے۔

اس قسم کا کلام احوال میں سے نہیں ہے بلکہ علم سے تعلق رکھتا ہے اور تاویل کا محتاج ہے (لیکن) یہ بات عذر کے لائق نہیں ہے اور اس مقام میں کوئی تاویل مقبول نہیں ہے کیونکہ سُکر والوں کے کلام کی تاویل کی جاتی ہے اور ظاہر کی طرف سے پھیرا جاتا ہے نہ کہ کسی اور کا کلام ـــــــ اور اگر اس کلام کے کہنے والے کا مقصود اس طرح کے کلام کے اظہار کرنے سے مقصود مخلوق کی طرف سے ملامت و نفرت ہو تو یہ بھی بہت بُری اور مکروہ بات ہے، مخلوق کی ملامت حاصل کرنے کے لئے اور بہت سے طریقے ہیں، ایسی باتیں کہنے کی کیا ضرورت ہے، جو انسان کو کفر کی حد تک پہنچا دیں، اور چونکہ آپ نے اس کلام کی تاویل میں گفتگو کی ہے اور استفسار کیا ہے تو اس حکم کے مطابق کہ "سوال کا جواب ضرور دینا چاہیے" ناچار اس بارے میں کچھ بیان کیا جاتا ہے : وَ عِلْمُ الْغَيْبِ عِنْدَ اللهِ سُبْحَانَهٗ (اور غیب کا علم اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی جانتا ہے)۔

اور یہ جو بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ غیب معدوم ہوتا ہے اور معدوم کا علم نہیں ہوتا، یعنی چونکہ غیب حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی نسبت معدومِ مطلق اور لاشئ محض ہے (یعنی ہرگز کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے) تو علم کے تعلق کو اس کے ساتھ بیان کرنے کے کچھ معنی نہ ہوئے کیونکہ معلوم ہونا اُس کو معدوم مطلق اور لاشئ محض ہونے سے خارج کر دیتی ہے، اور نہیں کہہ سکتے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ اُپنے شریک کا علم ہے، کیونکہ حق تعالیٰ و تقدس کا شریک اصلاً موجود نہیں ہے اور لاشئ محض ہے، ہاں غیب اور شریک کے مفہوم کا تصور کرنا ممکن ہے لیکن یہ گفتگو ان کے (غیب کے) مصداق کلام میں ہے نہ کہ مفہوم میں ـــــــ اُن تمام معاملات کا حال بھی ایسا ہی ہے کہ جن کے مفہومات کا تصور ممکن ہے اور ان کے مصدوقات کا تصور ممتنع ہے کیونکہ معلوم ہونا اس کو محال ہونے سے خارج کر دیتا ہے اور کم از کم اس کو ذہنی وجود تو بخش دیتا ہے۔

اور وہ اعتراض جو لوگوں نے مولانا محمد روجی[1] کی توجیہ پر کیا ہے درست ہے، احدیتِ مجردہ کے مرتبہ میں نسبتِ علمیت کی نفی کرنے سے مطلق علم کی نفی لازم آتی ہے، صرف علمِ غیب کی نفی کی تخصیص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور مولانا کی توجیہ پر دوسرا اشکال یہ ہے کہ اگرچہ احدیتِ مجردہ کے مرتبہ میں علمیت کی نسبت کی نفی کی گئی ہے لیکن حق تعالیٰ کی عالمیت (عالم ہونا) اپنے حال پر برقرار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ ذات کی رُو سے عالم ہے نہ کہ صفت کی رُو سے، کیونکہ صفت کی وہاں (احدیتِ مجردہ میں) گنجائش نہیں ہے

---

[1] مولانا شمس الدین محمد روجیؒ مولانا سعد الدین کے ساتھیوں میں سے ہیں، مولانا روجی سالہا سال جامع مسجد ہرات میں طالبانِ حق کو راہِ حق کی دعوت دیتے رہے آپ کی ولادت موضع روج میں ہوئی جو ہرات سے نو فرسخ پر واقع ہے، ۱۴ ماہ شعبان ۸۲۰ھ شب برات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سے آپ کی ولادت ہوئی (رشحات)۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں جنہوں نے مولانا روجیؒ کا ایک رسالہ ۱۹۵۹ء میں شائع کیا تھا اور ان کے خلیفہ جلال ہرویؒ پر تفصیلی مضمون انگریزی میں ۱۹۶۷ء میں لکھا تھا۔

صفات کی نفی کرنے والے حق سبحانہ وتعالیٰ کو عالم کہتے ہیں حالانکہ وہ علم کی صفت کو حق تعالیٰ سے مسلوب قرار دیتے ہیں لیکن جو انکشاف کہ صفت پر مترتّب ہوتا ہے اس کو ذات پر مترتب جانتے ہیں، پس اسی طرح یہ بھی ہے ——— اور یہ جو توجیہ آپ نے کی ہے اور غیب سے ذاتِ حق مرادلی ہے اور علم کے تعلق کو اس کے ساتھ جائز نہیں رکھا ہے اگرچہ واجب تعالیٰ وتقدس کا علم ہی ہو، تو یہ توجیہ سب توجیہات سے زیادہ اقرب ہے۔ لیکن فقیر کو حق تعالیٰ کی ذات بحت کے ساتھ واجب تعالیٰ کے علم کا تعلق جائز نہ ہونے میں بحث ہے کیونکہ جو وجہ انھوں نے عدم جواز کے بارے میں بیان کی ہے اس میں علم کی حقیقت معلوم کے احاطہ کی مقتضی ہے اور وہ ذات مطلق تعالیٰ وتقدس عدم احاطہ کا تقاضا کرتی ہے پس اس تعلق سے یہ دونوں جمع نہیں ہوں گے ——— یہ خدشہ کا مقام ہے، کیونکہ علمِ حصولی میں یہ معنی درکار ہیں جہاں قوتِ علمیہ میں معلوم کی صورت کا حصول ہوتا ہے لیکن علمِ حضوری میں یہ معنی کچھ درکار نہیں ہیں۔ اور ہم جس کا ذکر کر رہے ہیں وہ علم حضوری ہے نہ کہ علم حصولی، پس اس میں کوئی محال نہیں ہے کہ علم واجبی سبحانہ وتعالیٰ کا تعلق حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حضور کے طریق پر ہے نہ کہ حصول کے طریقہ پر۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ (اور حقیقتِ حال کو اللہ سبحانہٗ ہی سب سے بہتر جانتا ہے) وصلے اللہ تعالیٰ علیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ۔ وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔

یہ مکتوب بھی ملا حسن کشمیری کی طرف صادر فرمایا ——— ان لوگوں کے رد میں جو کاملین کو ناقص خیال کر کے اُن پر اعتراض کی زبان دراز کرتے ہیں۔

اَحْسَنَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ حَالَکُمْ وَاَصْلَحَ بَالَکُمْ (حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کے حال کو اچھا کرے اور آپ کے دل کی اصلاح فرمائے) ——— مولانا محمد صدیق نے آپ کا گرامی نامہ پہنچایا، حَمْدًا لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا شکر ہے) کہ ہم دُور پڑے ہوئے لوگوں کو آپ نے فراموش نہیں کیا ——— جو خطاب آپ نے ظاہر طور پر نفس کی طرف کئے ہیں واضح ہوتے ہیں کہ نفس کی امارگی (سرکشی) کے زمانے میں اس پر جو بھی اعتراض کریں وہ مسلّم ہے لیکن (نفس کے) مطمئنہ ہو جانے کے بعد اُس پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں ہے

کیونکہ نفس اس مقام میں پہنچکر حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے راضی اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس سے راضی ہوجاتا ہے پس جب وہ (حق تعالیٰ کا) پسندیدہ ومقبول (بندہ) ہوگیا تو اس پر اعتراض جائز نہیں، کیونکہ اس کی مراد حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی مراد ہوجاتی ہے، لہٰذا اس دولت کا حاصل ہونا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ متخلّق (متصف) ہونے کے تحت ہے، اس کا مقدس میدان (صحن) ہم پست فطرت لوگوں کے اعتراض سے بہت بلند وبالا ہے، ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ ہماری طرف لوٹ آتا ہے۔ بیت

آگہ از خویشتن چو نیست جنین　　چہ خبر دارد از چنان وچنین

(جو بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہے　　اُسے اِس کی خبر ہے نہ اُس کی)

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جاہل لوگ اپنی حد درجہ جہالت کی وجہ سے نفسِ مطمئنہ کو نفسِ امارہ خیال کرلیتے ہیں اور نفس کی امارگی کے احکام نفسِ مطمئنہ پر جاری کردیتے ہیں جیسا کہ کفار نے انبیاء علیہم الصلوٰتُ التسلیمات کو دوسرے انسانوں کی طرح خیال کرکے نبوت کے کمالات سے انکار کیا ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان اکابر بزرگوں علیہم الصلوات والتحیات اور اُن کے تابعداروں کے انکار سے بچائے۔

مکتوب ۱۰۲ صد و دوم

ملا مظفرؒ[ع] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ سودی قرض میں صرف زیادتی والی رقم ہی حرام نہیں بلکہ مجموعی رقم حرام ہے، مثلاً کسی شخص نے دس تنکے (ٹکے) بارہ تنکے کے عوض قرض لئے تو اس صورت میں مجموعی رقم بارہ تنکے حرام قرار پائیں گے نہ کہ صرف زیادتی والے دو تنکے، اور اس کے متعلقات میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ آپ نے ایک دن فرمایا تھا کہ سودی قرض میں صرف زیادتی والی رقم ربا ہے اور بس (یعنی) دس ۱۰ تنکے قرض کے عوض بارہ تنکے (لینے دینے) کی صورت میں صرف یہی دو ۲ تنکے زیادتی والے حرام ہیں۔

سود کے احکام

لیکن جب بعض کتبِ فقہیہ کی طرف رجوع کیا گیا تو ظاہر ہوا کہ شریعت میں ہر وہ معاملہ جس میں زیادتی ہو وہ بھی ربا (سود) ہے۔ پس اس طرح کا سودی قرضہ بھی حرام ہے اور جو کچھ حرام کے ذریعے حاصل کیا جائے گا

ع ملا مظفر کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے مزید حالات معلوم نہ ہوسکے۔

وہ بھی حرام ہوگا اور وہ دس ٹکے بھی ربا اور حرام ہوں گے۔

کتاب جامع الرموز اور روایات کتاب ابراہیم شاہی کے بھیجنے سے مقصود اسی معنی و مطلب کا اظہار تھا۔ باقی رہی احتیاج کی بات، سو میرے مخدوم! ربا (سود) کی حرمت تو نصِ قطعی سے ثابت ہے جو حاجتمند اور غیر حاجتمند سب کو شامل ہے، یہاں محتاج کو اس قطعی حکم سے خارج کر دینا حکم قطعی کو منسوخ کر دینے کے مرادف ہے ——— رہی قنیہ[1] کی روایت، تو وہ ہرگز اس درجہ کی نہیں کہ حکم قطعی کو منسوخ کر سکے ——— مولانا جلال الدین لاہوری جو کہ علمائے لاہور میں بڑے پایہ کے علماء میں سے ہیں فرماتے تھے کہ قنیہ کی بہت سی روایات قابلِ اعتماد نہیں ہیں اور کتبِ معتبرہ کی مخالف ہیں۔ اور اگر قنیہ کی اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی احتیاج کی اس صورت کو اضطرار و مخمصہ کی حالت پر محمول کرنا چاہئے تاکہ آیہ کریمہ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ (مائدہ آیت ۳) (پھر جو شخص بھوک سے لاچار و مجبور ہو جائے) اس حکمِ قطعی کے ساتھ مختص ہو جائے کیونکہ کیونکہ از روئے قوت آیت ہی آیت کے برابر ہو سکتی ہے۔ ع

کہ رستم را کشد ہم رخش رستم (رستم کو بس اُسی کا گھوڑا اُٹھا سکے ہے)

اور اگر محتاجی کو عام کر دیا جائے (یعنی اضطرار کی قید نہ لگائی جائے) تو پھر حرمتِ ربا کی کوئی صورت بھی نہ نکل سکے گی۔ کیونکہ جو شخص بھی (اپنی جیب سے) زیادہ رقم دینا قبول کرتا ہے اس کی علت کوئی نہ کوئی احتیاج ضرور ہوتی ہے کیونکہ کوئی شخص بھی بلا وجہ اپنے نقصان کا مرتکب نہیں ہوا کرتا۔ پس ایسی صورت میں حق سبحانہ و تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے حکم کا کوئی خاص فائدہ مرتب نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب عزیز جس میں فائدے ہی فائدے ہیں اس قسم کی وہمی باتوں سے پاک ہے۔

اور اگر بفرضِ محال عام محتاجی کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ احتیاج بھی منجملہ ضروریات میں سے ہے اور ضرورت بقدر اندازۂ ضرورت پوری کی جاتی ہے۔ پس اس سودی رقم سے کھانا پکانا اور لوگوں کو کھلانا ہرگز ضرورت و احتیاج میں داخل نہیں ہے اور نہ کوئی ضرورت اس سے متعلق ہے، اسی لئے ترکۂ میت میں سے میت کی ضروری چیزیں مستثنیٰ ہیں صرف کفن و دفن (کے اخراجات) کو میت کے ترکہ میں منحصر کیا ہے، اور اس کی روحانیت (ایصالِ ثواب) کے لئے کھانا پکانا بھی احتیاج و ضرورت میں داخل نہیں حالانکہ میت

---

[1] کشف الظنون میں ہے کہ قنیۃ المنیہ علی مذہب ابی حنیفہؒ، الشیخ الامام ابی الرجا نجم الدین مختار بن محمود الزاہدی حنفی المتوفی ۶۵۸ھ کی تصنیف ہے۔ علماء کے ہاں وہ ضعف روایت کے ساتھ مشہور ہے اور یہ کہ اس کا مصنف معتزلی ہے۔

صدقہ و خیرات کی بہت محتاج ہوتی ہے ــــــ پس صورتِ متنازع فیہ میں غور فرمائیں کہ سودی قرض لینے والے (درحقیقت محتاج ہیں یا نہیں۔ اور احتیاج و ضرورت کی صورت میں سودی رقم سے جو کھانا کسی جماعت کے لئے پکایا جائے اس جماعت کو وہ کھانا حلال بھی ہے یا نہیں؟ ــــــ کُنبے والوں اور سپاہیوں کو حیلۂ احتیاج بنانا اور اس بہانہ سے سودی روپیہ لینا اور اس کو جائز و حلال سمجھنا دینداری سے بعید ہے ــــــ چاہیئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے اس جماعت کو جو اس بلا (سودی قرضہ) میں مبتلا ہیں منع کرنا چاہیئے اور اس حیلہ کی غلطی سے (حکمت و موعظت کے ساتھ) اُن کو آگاہ کرنا چاہیئے۔ ایسا کام کیوں کیا جائے جس میں ان ممنوعات کا ارتکاب کرنا پڑے، آخر معاش (حاصل کرنے کے) ذرائع اور بہت ہیں، اس سپاہ گری پر ہی معاش منحصر نہیں ہے ــــــ چونکہ آپ صلاح و تقویٰ سے آراستہ ہیں اس لئے آپ کو وہ روایت بھیجی جا رہی ہے جس میں حلال و طیب کھانے کی تاکید ہے۔

آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ اس زمانہ میں شبہ سے خالی غذا کا میسر آنا مشکل ہے، یہ بات درست ہے، لیکن جہاں تک ہو سکے مشتبہ چیزوں سے بچنا چاہیئے، بے طہارت کھیتی باڑی کے ذریعۂ معاش کو آپ نے پاکیزگی کے خلاف سمجھا ہے، ہندوستان میں اس سے بچنا ممکن نہیں (جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ آیت ۲۸۶) (اللہ تعالیٰ (احکام شرعیہ میں) کسی نفس کو اس کی طاقت و مقدار سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا)۔ لیکن سودی (رقم سے تیار کئے ہوئے) کھانے کو نہ کھانا بہت آسان کام ہے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جاننا بہت ضروری ہے اس کا انکار کفر تک پہنچا دیتا ہے، ظنیات میں ایسا نہیں ہے، بہت سے کام حنفیہ کے نزدیک مباح ہیں جو شافعیہ کے ہاں مباح نہیں، اور اس کے برخلاف بھی موجود ہے (یعنی شافعیہ کے ہاں مباح اور حنفیہ کے ہاں غیر مباح)۔

ہم جس مسئلے میں گفتگو کر رہے ہیں اس میں اگر کوئی شخص مشکوک ضرورت مند کے لئے سودی قرض کے حلال ہونے میں جو بظاہر نصِ قطعی کے حکم کے خلاف ہے توقف کرے تو اُسے گمراہ قرار نہیں دینا چاہیئے اور اس کو مجبور نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے اعتقاد میں اس کو حلال جانے، کیونکہ صحت و صواب اسی کی جانب راجح و متیقن ہے (جو سودی قرض کی حرمت کا قائل ہے) اور اس کا مخالف خطرے میں ہے۔

آپ کے احباب میں سے کسی نے بیان کیا ہے کہ ایک روز مولانا عبد الفتاح نے آپ کے سامنے کہا کہ اگر سود کے بغیر قرض مل جائے تو بہتر ہے پھر سود پر قرض لینے کی کیا ضرورت ہے، تو آپ نے ان (مولانا موصوف) کو

ڈانٹا اور کہا "تم حلال چیز کا انکار کرتے ہو" ـــــ میرے مخدوم! اس قسم کی باتوں کی حلال قطعی میں تو گنجائش ہے لیکن یہ سودی قرضہ (آپ کے خیال کے مطابق) اگر حلال بھی ہو تو بھی یقیناً اس کا ترک اولیٰ ہے، کیونکہ اہلِ تقویٰ رخصت (اجازت) کا حکم نہیں کرتے بلکہ عزیمت (ارادہ) پر دلالت کرتے ہیں۔

ـــــ لاہور کے مفتیوں نے احتیاج و ضرورت کی وجہ سے اس کے حلال ہونے کا حکم دیدیا ہے (لیکن) احتیاج کا دامن بڑا وسیع ہے اگر اس کو پھیلایا جائے تو کوئی چیز سود نہیں رہتی، اور حرمتِ ربا کا حکم (نعوذ باللہ) عبث و بے فائدہ ہو جائے گا جیسا کہ قبل ازیں (اوپر) بیان کیا جا چکا ہے۔ لیکن آپ کو یہ بات خوب ملحوظ رکھنی چاہئے کہ دوسروں کو (اس سودی رقم سے) کھانا کھلانا احتیاج کی کس قسم سے ہے جو قرض لینے والے کو مجبور کرتی ہے؟ ـــــ بہر حال قنیہ کی روایت بھی احتیاج والے کو سودی قرض لینے کی اجازت دیتی ہے دوسروں کے لئے اس کی اجازت نہیں دیتی۔

اگر کوئی کہے کہ کسی محتاج نے اس کھانے کو شاید کفارۂ قسم یا کفارۂ ظہار یا روزہ کا کفارہ ادا کرنے کی بنا پر پکایا ہو اور اس میں شک نہیں کہ وہ اس کفارہ کی ادائیگی کا حاجتمند ہے ـــــ تو ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی محتاج (کفارہ میں مساکین کو) کھانا کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتا تو (شرع شریف کے مطابق) روزے رکھے نہ کہ سودی قرض لے (اور کھانا کھلائے) ـــــ اور اگر اسی قسم کی اور کوئی احتیاج پیش آجائے تو تھوڑی سی توجہ اور تقویٰ کی برکت سے وہ احتیاج (بغیر سودی قرض کے) پوری ہو سکتی ہے (حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ[65] (سورۂ طلاق آیت ۳-۲) (جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں اس کو گمان بھی نہیں ہوتا) آپ پر سلام ہو اور اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے)

مکتوب ۱۰۳
صد و سوم

سیادت و شرافت پناہ شیخ فرید[عـــ۵] کی طرف صادر فرمایا ـــــ عافیت کے معنی اور سرہند کیلئے قاضی کی ضرورت میں۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو عافیت سے رکھے۔ آپ کے لئے عافیت کی وہ دعا کرتا ہوں جو ایک بزرگ ہمیشہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے صرف ایک دن کے لئے عافیت کی تمنا اور دعا کیا کرتے تھے ـــــ کسی نے ان

عـــ۵ شیخ فرید سے متعلق تذکرہ اور مکتوبات کی تفصیل کے لئے دفتر اول مکتوب ۴۳ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

بزرگ سے دریافت کیا کہ آپ جس (عمدہ) حالت میں زندگی گذار رہے ہیں کیا یہ "عافیت" نہیں ہے؟ــــ بزرگ نے جواب دیا کہ "میرا مقصد یہ ہے کہ کوئی ایک دن ہی عافیت کا ایسا نصیب ہو کہ جس میں صبح سے شام تک مجھ سے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی کوئی معصیت و نافرمانی سرزد نہ ہو"۔

عرصہ سے سرہند میں کوئی قاضی (شرعی جج) مقرر نہیں ہے جس کی وجہ سے شرعی احکام کے جاری کرنے میں دشواری پیش آ رہی ہے۔ مثلاً برادر زادہ (بھتیجا) یتیم ہوگیا ہے، اس کے والد کی میراث کا کچھ حصہ باقی ہے لیکن اس کا کوئی وصی نہیں ہے (فقیر) اس کے مال میں بلا اجازت شرعی قاضی تصرف کرنے سے مجبور ہے اگر شرعی قاضی مقرر ہو جائے تو یہ کام ٹھیک ہو سکتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اسی طرح اور بھی بہت سے کام قاضی نہ ہونے کی وجہ سے التوا میں پڑے ہوئے ہیں۔

پرگنہ منگن کے قاضیوں کی طرف ماتم پرسی سے متعلق صادر فرمایا۔

مغفرت پناہی کی رحلت سے جو پریشانی و مصیبت آپ لوگوں کو پہنچی ہے اگرچہ وہ بہت شدید ہے لیکن مقام بندگی کے پیشِ نظر (ہمارے لئے ہر حالت میں) حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فعل سے راضی رہنے کے سوا چارہ نہیں ہے کارکنانِ قضا و قدر (انسان کو) دنیا میں صرف قیام کے لئے نہیں لائے بلکہ (نیک) کاموں کے لئے لائے ہیں، لہٰذا اگر (انسان نیک) کام کرتا ہوا دنیا سے رخصت ہوگیا تو اس کے لئے کوئی خوف و خطر نہیں بلکہ (ایسا شخص) بادشاہ ہے، اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ (یعنی موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے) یہ مقولہ ایسے ہی شخص کی شان میں ثابت ہے۔

رنج و غم مرنے کا نہیں ہے بلکہ حبیب کی طرف جانے والے کے حال کی فکر ہے کہ اس کے ساتھ کیسا سلوک ہوتا ہے (ہمیں) دعا، استغفار اور صدقات سے (میت کی) امداد کرنی چاہئے (جیسا کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَا الْمَیِّتُ فِی الْقَبْرِ اِلَّا کَالْغَرِیْقِ الْمُتَغَوِّثِ یَنْتَظِرُ دَعْوَۃً تَلْحَقُہٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِیْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْہُ کَانَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا وَاِنَّ اللہَ تَعَالٰی

ا؎ اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ سے شعب الایمان میں مرفوعاً روایت کیا ہے (مشکوٰۃ)

لَیَدْخُلُ عَلٰی اَھْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَھْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَاِنَّ ھَدِیَّۃَ الْاَحْیَاءِ اِلَی الْاَمْوَاتِ اِلْاِسْتِغْفَارُ لَھُمْ (یعنی میت قبر میں ڈوبنے والے فریاد خواہ کی طرح ہوتی ہے اور دعا کے انتظار میں رہتی ہے جو اس کے باپ ماں بھائی اور دوست کی طرف سے پہنچے۔ جب دعا ان کی طرف سے پہنچتی ہے تو میت کے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ زندوں کی دعا سے پہاڑوں کی مانند مُردوں پر رحمتیں نازل فرماتا ہے اور بیشک مرنے والوں کے لئے زندہ لوگوں کا خاص تحفہ ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنا ہے)۔

آپ کا التفات نامہ موصول ہوا، موسم سرما کی ہوائیں فقراء کو بہت شدید معلوم ہوتی ہیں، ورنہ اپنے آپ کو معذور نہ رکھتا (جلد جواب دیتا)۔ (آپ حضرات کیلئے) سفارش بہت تاکید سے لکھدی گئی ہے انشاء اللہ سودمند ثابت ہوگی، زیادہ لکھنا بیکار ہے ــــــ محبت نشان قاضی حسن اور دیگر عزیزوں کو بہت بہت دعائیں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے تمام امور میں راضی اور شاکر رہیں۔

مکتوب ۱۰۵ صد و پنجم

حکیم عبدالقادرؒ کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ بیمار جبتک تندرست نہ ہوجائے اُسے کوئی غذا فائدہ نہیں دیتی اور اس کے مناسب بیان میں۔

چونکہ اطباء کے نزدیک یہ بات مسلّم ہے کہ مریض جبتک بیماری سے صحتیاب نہ ہوجائے کوئی غذا اُسے فائدہ نہیں دیتی اگرچہ مرغ مُتَنجَن ہی کیوں نہ ہو، بلکہ (بیماری کی حالت میں) غذا مرض کو بڑھا دیتی ہے بمصرعہ

ہرچہ گیرد علّتی علّت شود (ہر غذا بیمار کے حق میں ہے مضر)

لہذا پہلے مرض کو دُور کرنے کی فکر کرتے ہیں اس کے بعد آہستہ آہستہ مناسب غذاؤں سے اصلی قوت و طاقت کی طرف لاتے ہیں۔ پس آدمی جبتک قلبی امراض میں مبتلا ہے فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ (بقرہ آیت ۱۰) (ان کے دلوں میں مرض ہے) کوئی عبادت و طاعت اس کو فائدہ نہیں دیتی بلکہ مضر ثابت ہوتی ہے۔ رُبَّ تَالِی لِلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُہٗ (بعض لوگ قرآن کریم اس طرح پڑھتے ہیں کہ قرآن کریم اُن پر لعنت کرتا ہے) حدیث مشہور ہے۔

لہ اس حدیث کو امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے (معرب)

ع آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ غالباً علامہ عبدالقادر بن ابی محمد بغدادی ثم الاجینی مراد ہیں جو منطق اور حکمت کے ممتاز علماء میں سے تھے ۱۰۲۱ھ میں وفات پائی۔ (نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۳۲)۔

نیز وَرُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الْجُوْعُ وَالظَّمَاءُ[1] (یعنی بہت سے روزے دار ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو بھوک اور پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا (کیونکہ وہ جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے پرہیز نہیں کرتے) حدیث صحیح مشہور ہے۔

قلبی امراض کے اطباء (یعنی مشائخ کرام) بھی پہلے مرض دور کرنے کا حکم فرماتے ہیں، اور اس مرض سے مراد ماسوائے حق کی گرفتاری بلکہ اپنی خواہشاتِ نفس میں پھنسا رہنا ہے کیونکہ ہر شخص جو کچھ چاہتا ہے اپنے نفس کے لئے چاہتا ہے، اگر بیٹے کو دوست رکھتا ہے تو بھی اپنے فائدے کے لئے، اور اسی طرح مال و دولت اور ریاست و سرداری چاہتا ہے تو بھی اپنے لئے، پس درحقیقت اس کا معبود اس کی اپنی نفسانی خواہش ہے جب تک نفس کی اس قید سے خلاصی نہ ہو جائے نجات کی امید بہت مشکل ہے۔ پس عقلمند علماء اور صاحبِ بصیرت حکماء پر لازم ہے کہ اس مرض کے ازالہ کی فکر کریں۔ مصرعہ

درخانہ اگر کس است یک حرف بس است (گھر میں کوئی ہو تو بس اک بات کافی ہے اُسے)

مکتوب ۱۰۶

محمد صادق کشمیری[2] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ اس گروہ (اولیائے کرام) کی محبت جو اُن کی معرفت پر مترتب ہوتی ہے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔

آپ کا مکتوب مرغوب (پسندیدہ خط) جو محبت کی زیادتی اور کمال درجہ کی دوستی سے بھرا ہوا تھا موصول ہوا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ اَلْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ (اس پر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے) اس گروہ (اولیائے کرام) کی محبت جو اُن کی معرفت پر مترتب ہوتی ہے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے، دیکھئے کس صاحبِ نصیب کو اس نعمت سے مشرف فرماتے ہیں ـــــ شیخ الاسلام ہرویؒ

---

[1] اس حدیث کو ابن حجر و نسائی اور ابن ماجہ نے کم و بیش الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

[2] مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۰۶، ۱۰۷ دفتر دوم ۲۲، ۲۸۔ دفتر سوم ۳۹۔ مولانا محمد صادق کشمیری ابن کمال الدین حنفی اپنے زمانے کے مشہور علماء میں سے تھے۔ فقیر محمد دہلوی نے "حدائق الحنفیہ" میں لکھا ہے کہ آپ بڑے فصیح و بلیغ حاضر دماغ علماء میں سے تھے، جزئیات خوب یاد تھیں۔ منطق، حکمت اور طب میں بڑی مہارت حاصل تھی ــ اسی وجہ سے جہانگیر نے آپ کو اپنی مجلس میں بلایا اور ملا حبیب اللہ شیعہ سے مناظرہ کرایا۔ آپ نے اس کو لاجواب کر کے ساکت کر دیا تھا۔ کشمیر میں انتقال ہوا۔ (نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۷۸)

فرماتے ہیں کہ "الٰہی تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ یہ کیا معاملہ کیا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا تجھ کو پالیا اور جب تک تجھ کو نہ پایا ان کو نہیں پہچانا" ـــــ اس گروہ کے ساتھ بغض و عناد رکھنا زہر قاتل ہے اور ان پر طعن کرنا (ننگ کاموں سے) ہمیشہ کی محرومی کا باعث ہے۔ نَجَّانَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِیَّاکُمْ عَنْ هٰذَا الْاِبْتِلَاءِ (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس آزمائش سے بچائے) ـــــ شیخ الاسلام[1] نے فرمایا "الٰہی جس کو تو اپنے دربار سے مردود کرنا چاہتا ہے اس کو ہمارا مخالف بنا دیتا ہے۔ بیت

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق   گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(لطفِ حق اور لطفِ خاصاں کے بغیر   ہو فرشتہ بھی، عمل اس کا تباہ

یہ رجوع و انابت جو حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو از سرِ نو کرامت فرمائی ہے اس کو بڑی نعمت خیال فرمائیں اور حق تعالیٰ سے اس پر استقامت کے طالب ہوں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو اپنے اوپر لازم کرے)۔

مکتوب ۱۰۷ صد و ہفتم

یہ مکتوب بھی محمد صادق کشمیری کے نام صادر فرمایا ـــــ ان چند سوالات کے جواب میں جن سے طعن و تعصب کی بو آتی ہے اور یہ مکتوب ان ضروری فوائد پر مشتمل ہے جو اولیائے کرام کے بلند مرتبہ پر یقین رکھنے میں فائدہ مند ہیں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس عالی گروہ (اولیائے کرام) کے بلند مرتبہ پر ایمان و یقین کی سعادت نصیب فرمائے ـــــ آپ کا گرامی نامہ جو چند سوالات پر مشتمل تھا موصول ہوا۔ اگرچہ اس قسم کے سوالات

---

[1] شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل عبد اللہ ابن ابی منصور محمد انصاری ہروی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کی ولادت بروز جمعہ ۲ شعبان ۳۵۹ھ کو جقند میں ہوئی۔ آپ کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ شیخ الاسلام کہتے تھے کہ میں نے اپنے اوقات کو قرآن و حدیث پڑھنے اور لکھنے میں تقسیم کیا ہوا تھا، کھانا کھانے کی بھی فرصت نہ ملتی تھی۔ والدہ روٹی کا لقمہ بنائیں اور منہ میں ڈال دیتیں لیکن لکھتا رہتا تھا۔ حافظہ ایسا عمدہ تھا کہ مجھے تین ہزار حدیثیں یاد ہیں ـــ آپ کی وفات ۹ ربیع الاول ۴۸۱ھ کو ہوئی۔ (نفحات اردو ترجمہ ص ۳۶۲)

جن میں بدگوئی اور تعصب کی آمیزش ہو جواب کے قابل نہیں ہوتے۔ لیکن اس سے قطع نظر کر کے جواب دینے میں پیشقدمی کرتا ہے تاکہ اگر ایک کو نفع نہ ہو تو شاید کسی دوسرے ہی کو فائدہ پہنچے۔

پہلا سوال یہ تھا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ اولیائے متقدمین سے کرامات اور خوارق بہت ظاہر ہوتے تھے اور موجودہ زمانے کے بزرگوں سے بہت کم ظاہر ہوتے ہیں؟

(**جواب**) اگر اس سوال سے آپ کا مقصد خوارق کے کم ہونے کی وجہ سے موجودہ دور کے بزرگوں کی نفی کرنا ہے جیسا کہ عبارت سے واضح ہوتا ہے تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان شیطانی (پُرفریب) آرائشوں سے اپنی پناہ میں رکھے ——— خوارق کا ظاہر ہونا نہ ولایت کے ارکان میں سے ہے اور نہ (ولایت کے) شرائط میں سے، بخلاف معجزۂ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ وہ مقامِ نبوت کے شرائط میں سے ہے ——— لیکن (شرطِ ولایت نہ ہونے کے باوجود) اولیاء اللہ سے خوارق کا ظہور بہت کچھ شائع وظاہر ہے اور اس کے خلاف کم ہی ہوا ہے (یعنی اولیاء سے ظہورِ خوارق نہ ہوا ہو) ——— لیکن خوارق[1] کا کثرت سے ظاہر ہونا ولایت کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا البتہ وہاں فضیلت کے لئے قربِ الٰہی کے درجات کا اعتبار ہے ممکن ہے کہ کسی ولیِ اقرب کے (جو حق تعالیٰ سے قُرب کا درجہ زیادہ رکھتا ہے) بہت کم خوارق ظاہر ہوئے ہوں اور ولیِ اَبعد (جو قربِ الٰہی کا کم درجہ رکھتا ہے) سے بکثرت ظاہر ہوں ——— وہ خوارق جو اس امت کے بعض اولیائے کرام سے ظاہر ہوتے ہیں اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اس کا عشر عشیر (سوواں) حصہ بھی ظہور میں نہیں آیا، حالانکہ اولیاء میں سے سب سے افضل ولی ایک ادنیٰ صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچتا ——— خوارق کے ظہور پر نظر رکھنا کوتاہ نظری ہے اور استعداد تقلیدی کی کمی پر دلالت کرتا ہے، نبوت وولایت کے فیوض قبول کرنے کے لائق وہ لوگ ہیں جن میں تقلیدی استعداد ان کی قوتِ نظری پر غالب ہو۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو استعدادِ تقلیدی کی قوت کی وجہ سے حضور نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے میں کسی دلیل کی ضرورت پیش نہیں آئی، اور ابوجہل لعین اسی

کمالِ ولایت کا مدار کثرتِ خوارق پر نہیں

---

[1] ظہورِ خوارق کی دلیل کتاب وسنت سے اور صحابہؓ اور ان کے بعد تابعین وتبع تابعین کے اقوال سے بھی تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور ان کے درمیان قدرِ مشترک ہے اور کسی کو اس کے انکار کی مجال نہیں جیسا کہ بعض اکابر اور ان کے متبعین سے ظاہر ہوا ہے (از شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

استعداد کی کمی کی وجہ سے بہت سی روشن آیات اور مغلوب کردینے والے بکثرت معجزات ظاہر ہونے کے باوجود تصدیق نبوت کی دولت حاصل نہ کرسکا (جیسا کہ) حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ان بے دولتوں (یعنی استعدادِ تقلیدی سے محروم لوگوں) کے بارے میں ارشاد ہے: وَإِنْ يَّرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا حَتّٰى إِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِنْ هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ (انعام[۶] آیت ۲۵) (یعنی اور اگر یہ (کفار) ساری نشانیاں (معجزے) بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ آپؐ کے پاس پہنچتے ہیں تو آپؐ سے جھگڑتے ہیں اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو محض پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں) ——— اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اکثر متقدمین میں سے بھی ساری عمر میں پانچ یا چھ سے زیادہ خوارق نقل نہیں کئے گئے ——— حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اس گروہ (اولیاء) کے سردار ہیں معلوم نہیں کہ ان سے دس خوارق بھی ظہور میں آئے ہوں ——— اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے کلیم (حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) سے متعلق یوں فرماتا ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ (بنی اسرائیل[۱۷] آیت ۱۰۱) (یعنی بتحقیق ہم نے موسیٰؑ کو نو روشن معجزے عطا کئے) ——— اور موجودہ دور کے مشائخ کے متعلق آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ ان سے اس قسم کے خوارق ظہور میں نہیں آتے بلکہ اولیاء اللہ کو خواہ وہ متقدمین میں سے ہوں یا متاخرین میں سے ہر گھڑی خوارق کا ظہور ہوتا ہے، مدعی خواہ ان کو سمجھ سکے یا نہ سمجھ سکے مصرع۔

خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست ، (خورشید نہیں مجرم، اندھا ہے اگر کوئی)

دوسرا سوال یہ ہے کہ طالبانِ صادق کے کشف وشہود میں القائے شیطانی کو دخل ہے یا نہیں؟، اور اگر دخل ہے تو کشفِ شیطانی کو واضح کریں کہ وہ کس طرح پر ہے، اور اگر دخل نہیں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ بعض الہامی امور میں خلل واقع ہو جاتا ہے؟ ——— اس کا جواب یہ ہے وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی کو صحیح بات کا علم ہے) کہ کوئی شخص بھی القائے شیطانی سے محفوظ نہیں ہے، جبکہ یہ دخل اندازی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بھی متصور بلکہ متحقق ہے تو اولیائے کرام میں بدرجہ اولیٰ ہوگی، پھر طالب صادق کس گنتی میں ہے ——— حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو اس القائے (شیطانی) پر (حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے) آگاہ کردیا جاتا ہے اور باطل کو بھی حق سے جدا کردیا جاتا ہے (جیسا کہ) آیۂ کریمہ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ آيَاتِهٖ (سورہ الحج[۲۲] آیت ۵۲) (پس جو کچھ شیطان القا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا ہے پھر اپنی

ہر شخص بھی القائے شیطانی سے محفوظ نہیں۔

آیات کو محکم واٹل کر دیتا ہے) اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے ـــــ اور اس معنیٰ میں اولیاء کے لئے یہ لازم نہیں ہے کیونکہ وہ ولی نبی کے تابع ہوتا ہے وہ جو کچھ نبی کے (قول و فعل کے) خلاف پائے گا اس کو رد کر دیگا اور باطل جانے گا ـــــ ہاں ایسی صورت میں جس میں نبی کی شریعت خاموش ہو اور (اس مسئلہ میں) اثبات و نفی میں سے کوئی حکم شریعت میں موجود نہ ہو تو حق و باطل کے درمیان امتیاز یقینی طور پر مشکل ہوتا ہے کیونکہ الہام کا تعلق ظن سے ہے لیکن عدم امتیاز کی صورت میں ولی کی ولایت میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا اس لئے کہ شریعت (کے احکام) کی بجا آوری اور نبی کی پیروی دونوں جہان میں فلاح و نجات کی ضامن ہے اور جن امور کے بارے میں شریعت نے سکوت اختیار کیا ہے وہ شریعت پر زائد ہیں اور ہم زائد امور کے مکلف نہیں ہیں۔

جاننا چاہئے کہ غلط کشف کا واقع ہونا محض القائے شیطانی پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قوتِ متخیلہ غیر صادقہ (غلط) احکام کی ایک صورت پیدا کر لیتے ہیں جن میں شیطان کا کچھ بھی دخل نہیں ہوتا ـــــ اسی قسم سے یہ بھی ہے کہ بعض لوگوں کو خواب میں حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوتی ہے اور وہ بعض احکام آپ سے اخذ کر لیتے ہیں جو فی الحقیقت شرعی احکام کے خلاف متحقق ہو چکے ہیں، ایسی صورت میں القائے شیطانی تصور نہیں کی جا سکتی کیونکہ علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی شکل میں شیطان[1] کسی طرح بھی متشکل نہیں ہو سکتا۔ پس اس صورت میں سوائے قوتِ متخیلہ کے کہ وہ غیر واقع کو واقع تصور کر لیتی ہے اور کچھ نہیں ہے۔

سوال سوم یہ تھا کہ جب کرامات کے تصرفات اور استدراج کی تاثیرات دیکھنے میں ایک جیسی معلوم ہوتی ہیں تو مبتدی (راہِ حق کا سالک) کس طرح پہچانے کہ یہ شخص ولی صاحبِ کرامت ہے اور یہ مدعی صاحبِ استدراج؟ ـــــ اس کا جواب یہ ہے وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ کہ مبتدی طالب کو ان دونوں (تصرف و استدراج) میں فرق و امتیاز حاصل کرنے کے لئے واضح دلیل موجود ہے اور وہ دلیل اس کا صحیح وجدان ہے (یعنی) اگر وہ اس شخص (ولی) کی صحبت میں اپنے دل کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ پائے تو جان لے کہ وہ ولی صاحبِ کرامت ہے اور اگر اس کے خلاف پائے تو جان لے کہ وہ مدعی صاحبِ استدراج ہے۔ اور اگر اس حقیقت کے پہچاننے میں پوشیدگی ہے تو یہ صورت عوام کالانعام

---

[1] بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قال من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل بی (یعنی جس نے خواب میں مجھے دیکھا تو اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔

(ناسمجھ لوگوں) کی ہے نہ کہ طالبوں کی ــــــ اور عوام پر اس حقیقت کا پوشیدہ رہنا خواص کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں رکھتا، کیونکہ عوام پر اس پوشیدگی کا سبب اُن کا مرضِ قلبی اور غشاوۂ بصری (آنکھوں کا پردہ) ہے ــــ عوام سے تو ایسی بہت سی باتیں پوشیدہ ہوتی ہیں کہ جن کا جاننا اس فرق کے جاننے سے بھی زیادہ ضروری (یعنی کرامت واستدراج کے فرق کو جاننے کی نسبت شرعی احکامات کا جاننا سب سے زیادہ ضروری ہے)۔

اب ہم اس مکتوب کو بعض ان معارف پر ختم کرتے ہیں جو ان شکوک وشبہات کے ازالہ میں آپ کے لئے مفید ہوں۔

واضح ہو کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کے معنی جو ولایت میں ماخوذ و معتبر ہیں وہ یہ ہیں کہ اولیاء کو ایسی صفات حاصل ہو جائیں جو واجب تعالیٰ کی صفات سے مناسبت رکھتی ہوں، لیکن وہ مناسبت صرف اسم میں ہوگی اور عموم صفات میں شارکت ہو سکتی ہے خواص معانی میں مناسبت نہیں ہو سکتی کہ وہ اس میں محال ہے اور اس میں حقائق کا تغیر وتبدل لازم آتا ہے

خواجہ محمد پارسا[1] قدس سرہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کے مقام کی تحقیقات کے بیان میں فرماتے ہیں کہ (حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی) ایک صفت مَلِكٌ (بادشاہ) ہے اور مَلِکْ کے معنی سب پر تصرف کرنے والے کے ہیں، جب راہِ حق کا سالک اپنے نفس پر قابو پا لیتا ہے اور اس نفس کو مغلوب کر کے رکھتا ہے تو اس کا تصرف لوگوں کے دلوں پر بھی جاری ہو جاتا ہے اس وقت وہ اس صفتِ (مَلِکْ) سے منسوب یعنی مناسبت رکھنے والا کہلاتا ہے ــــــ اور ایک صفت سَمِیْعٌ ہے اور سمیع کے معنی سننے والے کے ہیں جب راہِ حق کا سالک ہر شخص کی نیک باتیں طبیعت کی گرانی کے بغیر سُن کر قبول کر لیتا ہے اور غیبی اسرار و حقائق کو روح کے کانوں سے سُنتا ہے تو وہ اس صفت (سمیع) سے مناسبت رکھنے والا کہلاتا ہے ــــــ

اور ایک صفت بَصِیْرٌ ہے اور بصیر کے معنی دیکھنے والے کے ہیں جب راہِ حق کا سالک کی بصیرت (دل کی آنکھ) روشن ہو جاتی ہے تو وہ اپنے تمام عیبوں کو نورِ فراست سے دیکھتا ہے اور دوسرے لوگوں کے حال کو

---

[1] آپ کا نام محمد بن محمد بن محمود حافظ بخاری ہے حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ کے بڑے خلفاء میں سے تھے۔ پہلی مرتبہ جب آپ حضرت خواجہ نقشبندؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درِ دولت پر دستک دی، اتفاقاً اسی وقت ایک خادمہ باہر سے اندر آئی تو حضرت خواجہ نے اس سے دریافت کیا کہ باہر کون ہے؟ خادمہ نے عرض کیا ایک شخص متقی و پارسا صورت کھڑا ہے، آپ نے فرمایا حقیقت میں وہ "پارسا" ہے اس کے بعد آپ کا نام ہی "پارسا" ہو گیا۔ حضرت خواجہؒ نے آپ سے فرمایا کہ وہ حق اور امانت جو خواجگان سے اس فقیر کو پہنچی ہے اور جو کچھ میں نے اس راہ میں کسب سے حاصل کیا ہے وہ تمہارے سپرد کرتا ہوں اس کو قبول کر کے مخلوقِ خدا تک پہنچائیں۔ آپ نے تواضع وانکساری کے ساتھ قبول کر لیا۔ بروز بدھ ۲۳ ذی الحجہ ۸۲۲ھ مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

کمال درجہ کا معلوم کر کے سب کو اپنے سے بہتر دیکھتا ہے اور یہ حق کا دیکھنا اس کو (حق تعالیٰ کا) منظورِ نظر بنادیتا ہے یہاں تک کہ وہ جو کچھ کرتا ہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا پسندیدہ کام ہوتا ہے تو اس وقت وہ اس صفت بصیر سے مناسبت رکھنے والا کہلاتا ہے ـــــــ اور حق تعالیٰ کی ایک صفت مُحیی ہے، مُحیی کے معنی زندہ کرنے والے کے ہیں جب سالک ترک شدہ سنّت کو زندہ اور قائم کرتا ہے تو وہ اس صفت محی سے مناسبت رکھنے والا کہا جائے گا ـــــــ اور حق تعالیٰ کی ایک صفت مُمیت ہے یعنی مارنے والا۔ جب سالک ان بدعات سے جو لوگوں نے سنت کو ترک کر کے اختیار کرلی ہوں تو ان کے خلاف آواز بلند کرتا اور منع کرتا ہے تو وہ اس صفت ممیت سے مناسبت رکھنے والا ہو جاتا ہے، علیٰ ہذا القیاس۔

عوام نے تخلّق کے معنی دوسرے (غلط) سمجھے ہیں اور خواہ مخواہ گمراہی کے جنگل میں جا پڑے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ولی کے لئے احیاءِ جسمی (مُردے کا زندہ کرنا) ضروری ہے اور اس پر اشیائے غیبی کا انکشاف ہونا چاہئے وغیرہ ذلک ـــــــ حالانکہ یہ باتیں فاسد گمانوں کی مانند ہیں اور بعض گمان گناہ ہوتے ہیں (جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (حجرات آیت ۱۲، ۴۹) (بیشک بعض گمان گناہ ہیں) ـــــــ نیز خوارق صرف کسی کو مارنے اور زندہ کرنے میں ہی منحصر نہیں ہیں، علوم (شرعیہ) اور معارفِ الہامیہ سب سے بڑی نشانی اور اعلیٰ درجہ کے خوارق ہیں، اسی لئے معجزۂ قرآنی کو باقی تمام معجزات پر اقویٰ اور باقی رہنے والا تسلیم کیا گیا ہے، ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ یہ علوم و معارف جو موسلا دھار بارش کی طرح (اس فقیر پر) برس رہے ہیں، یہ کہاں سے آرہے ہیں۔ پھر یہ سب علوم اس کثرت کے باوجود پورے طور پر علوم شرعیہ کے مطابق و موافق ہیں جن میں بال برابر بھی مخالفت کی گنجائش نہیں ہے اور یہی خصوصیت ان علوم کے صحیح و درست ہونے کی علامت ہے۔

(آپ نے لکھا ہے کہ) ہمارے خواجہ (حضرت باقی باللہؒ) قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا تھا کہ "تمہارے (یعنی حضرت مجددؒ کے) سب علوم درست اور شریعت کے مطابق ہیں"، لیکن حضرت خواجہ قدس سرہٗ کا یہ جملہ نقل کرنے سے کیا فائدہ کیونکہ حضرت خواجہ صاحب کے اقوال آپ کے لئے حجت نہیں اگرچہ آپ خود کو بھی حضرت خواجہ کے ماننے والوں میں شمار کرتے ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

آپ کے یہ سوالات شروع میں تو بہت گراں معلوم ہوئے لیکن جب یہی سوالات بہت سے علوم و معارف کے ظہور میں آنے کا باعث بن گئے جو ان سوالات کے سلسلہ میں بیان کئے گئے ہیں تو

یہ ایک اچھا اور نیک کام ہوگیا۔ بیت

ہیچ زشتے نیست کو را خوبی ہمراہ نیست — زنگی شب رنگ را دنداں چو دُرّ و گوہر است

(ایسی بُری چیز کوئی نہیں کہ جس میں کوئی نہ کوئی خوبی نہ ہو جیسا کہ رات کی طرح سیاہ رنگ والے حبشی کے دانت موتیوں کی طرح چمکتے ہیں)

عجب معاملہ ہے کہ سابقہ مکتوب میں آپ نے بڑے اخلاص کا اظہار کیا تھا اور اس کا سبب اپنے دو مسلسل واقعات کے ظہور کو قرار دے کر لکھا تھا کہ اس کا اثر بیداری میں بھی محسوس ہوتا ہے، حتیٰ کہ آپ کی اپنی پہلی حالت پر بڑی ندامت و شرمندگی متحقق ہوتی تھی اور توبہ و انابت کی طرف رجوع کر کے ایمان کی تجدید سے مشرف ہوئے تھے۔ ابھی ایک ماہ بھی نہ گذرا تھا کہ آپ کی اس حالت میں تبدیلی واقع ہوگئی اور اُلٹے پاؤں واپس ہو کر سابقہ وضع پر منتقل ہوگئے حتیٰ کہ اس بات کے درپے ہوگئے کہ ان دو واقعات کے لئے کوئی ایسی وجہ نکالیں کہ ان کو القائے شیطانی سے ملا دے، لہٰذا ان کو غلط کشف کہنا شروع کر دیا کہاں وہ حالت تھی اور کہاں یہ؟ بیت

بگفتا فلانے چہ بد می کند — نہ با من کہ با نفسِ خود می کند

(فلاں نے کہا وہ بُرا کر رہا ہے — وہ مجھ سے نہیں، خود سے کیا کر رہا ہے)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ (جو شخص ہدایت کی پیروی کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کو لازم جانے ان سب پر سلام ہو)۔

میاں سید احمد بجواڑی [۱] کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ "نبوت، ولایت سے افضل ہے" بخلاف ان لوگوں کے جو کہتے ہیں کہ "ولایت نبوت سے افضل ہے"۔

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ وَجَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰی مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَعَلَيْهِمْ مِنَ الصَّلَوٰتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری پر ثابت قدم رکھے۔

---

[۱] آپ کا مختصر تذکرہ دفتر اول مکتوب ۹۵ کے حاشیہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

بعض مشائخ نے سکر کی حالت میں کہا ہے کہ "ولایت نبوت سے افضل ہے"۔ اور بعض دوسرے مشائخ نے اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد لی ہے تاکہ نبی پر ولی کے افضل ہونے کا وہم دور ہو جائے۔ لیکن حقیقت میں معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے افضل ہوتی ہے۔ (مقام) ولایت میں (ولی) سینہ کی تنگی کی وجہ سے مخلوق کی طرف توجہ نہیں کر سکتا، (لیکن مقام) نبوت میں کمال درجہ شرح صدر ہونے کی وجہ سے نہ تو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا مخلوق کی طرف توجہ ہونے کا مانع ہوتا ہے اور نہ ہی مخلوق کی طرف متوجہ ہونا حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا مانع ہے ــــــ نبوت میں صرف مخلوق ہی کی طرف توجہ نہیں ہوتی کہ جس کی وجہ سے ولایت کو کہ جس کی توجہ صرف حق پر ہوتی ہے نبوت پر ترجیح دیں، عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہٗ کی پناہ)۔

نبوت ولایت سے افضل ہے

صرف مخلوق کی طرف توجہ کا ہونا عوام کالانعام (ناسمجھ لوگوں) کا درجہ ہے، نبوت کی شان اس سے بلند و برتر ہے، اس حقیقت کا سمجھنا اربابِ سکر کے لئے دشوار ہے لیکن اکابر مستقیم الاحوال اس معرفت سے ممتاز ہیں۔

ع هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا (مبارک نعمتیں جنت کی ہوں اربابِ نعمت کو)

باقی مقصد یہ ہے کہ میاں شاہ عبداللہ ولد میاں شیخ عبدالرحیم اس فقیر کے رشتہ دار ہیں۔ ان کے والد بزرگوار ایک عرصہ تک بہادر خاں کے ملازم رہے اب حاجتمند ہیں اور بینائی سے معذور ہیں انھوں نے اپنے صاحبزادے کو بہادر خاں کے پاس نوکری کے لئے بھیجا ہے اس بارے میں آپ بھی کچھ اشارہ فرما دیں تو فائدہ مند ہوگا۔ والسلام

مکتوب ۱۰۹ صد و نہم

حکیم صدرؒ کی طرف صادر فرمایا ــــ قلب کی سلامتی اور ما سوائے حق کے نسیان کے بیان میں۔

اہل اللہ (اولیاء) امراضِ قلبیہ کے اطبا ہیں، اور امراضِ باطنیہ کا ازالہ ان بزرگوں کی توجہ سے

ع؎ مکتوبات میں آپ کے نام یہی ایک مکتوب ہے ــــــ مسیح الزماں میرزا صدر الدین بن فخر الدین شیرازی اکبری دور میں ہندوستان آئے اور جہانگیر کے زمانے میں تمام اطبا میں ممتاز ہوئے حکمت و حذاقت میں شہرت پائی شاہجہانی دور میں مزید ترقی پائی۔ ۱۰۶۱ھ میں انتقال ہوا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۷۹ و مآثر الامرا ج ۱ ص ۵۷۴)

وابستہ ہے، ان کا کلام دوا ہے اور ان کی نظر شفا ہے (ان کے متعلق حدیث شریف میں ہے) هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ (یعنی یہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کے پاس بیٹھنے والے بدبخت نہیں ہوتے) (نیز) وَهُمْ جُلَسَاءُ اللّٰهِ (یعنی یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہمنشین ہیں) (نیز فرمایا) بِهِمْ يُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ يُرْزَقُوْنَ یعنی انہی لوگوں کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور انہی کے طفیل (مخلوق کو) رزق دیا جاتا ہے)۔

باطنی امراض کی جڑ اور معنوی علتوں (اندرونی بیماریوں) کا سردار (سب سے بڑی بیماری) دل کا غیر حق تعالیٰ کے ساتھ گرفتاری (پھنسا رہنا) ہے، جبتک اس گرفتاری سے مکمل طور پر آزادی حاصل نہ ہو جائے سلامتی (ایمان) محال ہے۔ کیونکہ شرکت کو حضرت جل سلطانہٗ کی بارگاہِ عالی میں ہرگز دخل نہیں ہے — اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (سورۂ زمر آیت ۳ آگاہ رہو کہ خالص دین اللہ ہی کے لئے ہے) — پس کیا حال ہوگا (اس شخص کا) جو شریک کو (حق تعالیٰ کی محبت پر) غالب کرلے، نہایت بے حیائی کی بات ہے کہ غیر اللہ کی محبت کو حق تعالیٰ کی محبت پر اس طرح غالب کرلیا جائے کہ حق تعالیٰ کی محبت اس کے مقابلہ میں معدوم یا مغلوب ہو جائے۔ اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ (حیا ایمان کی ایک فرع (شاخ) ہے) میں شاید اسی حیا کی طرف اشارہ ہے۔

اور قلب کے گرفتار نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ (دل) ماسوا کو کلی طور پر بھول جائے اور تمام اشیاء کو اس طرح فراموش کردے کہ اگر تکلف سے بھی اشیاء کو یاد کرنا چاہے تو اس کو یاد نہ آئیں۔ پس اشیاء کے ساتھ گرفتاری کی اس مقام میں کیا گنجائش ہے — اسی حالت کو اہل اللہ فنا سے تعبیر کرتے ہیں، اور یہ فنا اس راہ میں قدمِ اول ہے اور یہ مقام انوارِ قدم کے ظہور کا مبدأ ہے اور معارف و حکم کے ورود کا منشا ہے وَبِدُوْنِهَا خَرْطُ الْقَتَادِ (اس کے علاوہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے) بیت

ہیچ کس را تا نگردد او فنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا

جس کو حاصل ہی نہیں راہِ فنا کس طرح پائے وہ راہِ کبریا؟

مکتوب ۱۱۰

صد و دہم

شیخ صدرالدین کی طرف صادر فرمایا — اس بیان میں کہ انسان کی پیدائش سے مقصود

لہ تا ۳ہ بخاری و مسلم

طاعت و عبادت کے وظائف کی ادائیگی اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی جناب میں پورے طور پر توجہ رکھنا ہے۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ ارباب کمال کی تمناؤں کے اعلیٰ مرتبہ تک عروج عطا فرمائے ــــــ

انسان کی پیدائش سے مقصود طاعت و عبادت کے وظائف کی ادائیگی اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف کامل طور پر دائمی توجہ رکھنا ہے اور یہ بات سید الاولین والآخرین علیہ من الصلوات اتمہا و من التحیات ایمنہا کی ظاہری و باطنی کامل تابعداری کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَ اِيَّاكُمْ كَمَالَ اِتِّبَاعِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَوْلًا وَّ فِعْلًا ظَاهِرًا وَّ بَاطِنًا عَمَلًا وَّ اِعْتِقَادًا اٰمِيْنَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ ۝ (یعنی حق تعالیٰ ہم کو اور آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل، ظاہر و باطن اور عمل و اعتقاد میں کامل پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین) ــــــ

بعد از خدائے ہر چہ پرستند ہیچ نیست   بے دولت است آنکہ بہیچ اختیار کرد

(بجز حق کے وہ جس کو پوجتے ہیں ہیچ و باطل ہے   جو باطل کی کرے پوجا بڑا بدبخت جاہل ہے)

حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے علاوہ (آدمی کا) جو کچھ بھی مقصود ہے وہی اس کا معبود ہے۔ غیر حق کی عبادت سے اس وقت نجات حاصل ہوتی ہے جب حق جل و علا کے سوا کوئی چیز بھی مقصود نہ رہے۔ خواہ وہ مقاصد آخرت (کی نجات) اور بہشت کی لذتیں اور نعمتیں ہی کیوں نہ ہوں، اگرچہ یہ مقاصد حسنات میں سے ہیں لیکن مقربین کے نزدیک سیئات میں داخل ہیں ــــــ جب آخرت کے امور کے مقاصد کی نوعیت کا یہ حال ہے تو امور دنیاوی کو مقاصد قرار دینے کی نسبت کیا کہا جا سکتا ہے کیونکہ دنیا حق تعالیٰ کی مغضوبہ (سخت ناپسندیدہ) ہے، اور (حق تعالیٰ نے) جب سے دنیا کو پیدا کیا ہے اس کی طرف ہرگز نہیں دیکھا۔ اس کی محبت گناہوں کی جڑ بنیاد ہے اور اس کا طالب (چاہنے والا) لعنت و پھٹکار کا مستحق ہے۔

دنیا حق تعالیٰ کی مغضوبہ ہے

اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَّ مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ تَعَالٰى (ترمذی و ابن ماجہ) (یعنی، دنیا ملعون ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ بھی ملعون ہے) ــــــ نَجَّانَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا فِيْهَا بِحُرْمَةِ حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ وَ اٰلِهِ الْكِرَامِ (اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے حبیب پاک سید الاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام و آلہ الکرام کے طفیل دنیا کے شر اور اس کے اندر جو کچھ ہے ان سب کے شر سے نجات عطا فرمائے۔ (آمین)

مکتوب ۱۱۱

صد و یازدہم

شیخ حمید سنبھلیؒ عہ کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ توحید سے مراد قلب کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ علاوہ (تمام چیزوں سے رہائی حاصل کر کے حق تعالیٰ کیلئے) خالص کرنا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــــ توحید سے مراد یہ ہے کہ قلب کو ماسوائے حق کی توجہ خلاصی حاصل ہو جائے، جبتک دل ماسوائے (غیر حق) کی گرفتاری میں پھنسا ہوا ہے اگرچہ بہت ہی تھوڑا ہو، توحید والوں میں سے نہیں ہے، (توحید کی) اس دولت کے حاصل ہوئے بغیر (اللہ تعالیٰ کو) ایک کہنا، ایک جاننا ارباب حصول کے نزدیک فضول ہے۔ ہاں ایک کہنا اور ایک جاننا ایمان کی تصدیق کے لئے ضروری ہے اور اس سے چارہ نہیں، لیکن وہ دوسرے معنی میں ہے: لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ (یعنی نہیں کوئی معبود مگر اللہ تعالیٰ) اور لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ (یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں) کے درمیان فرق بالکل واضح ہے ــــــ ایمان کی تصدیق علمی ہے اور ادراک وجدانی حال پر منحصر ہے، اس حال (یعنی وجدانی کیفیت) کے حاصل ہونے سے پہلے اس کے بارے میں گفتگو کرنا ممنوع ہے۔

مشائخ کی ایک جماعت نے جو اس بارے میں گفتگو کی ہے وہ دو حال سے خالی نہیں ہے ــــــ (۱) یا تو وہ غلبۂ حال سے مغلوب ہونے کی وجہ سے معذور ہو گئے ہیں ــــــ (۲) یا احوال کے لکھنے اور ظاہر کرنے سے ان کا مقصود یہ ہوگا کہ دوسروں کے لئے کسوٹی اور ان کے احوال کی استقامت کا باعث بن جائیں اور تاکہ دوسرے حضرات اپنے حالات کی کجی کو ان کے احوال کی ترازو میں تول سکیں ــــــ ان دو حالتوں کے علاوہ اسرار کا ظاہر کرنا ممنوع ہے۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ ارباب کمال کا تھوڑا سا حصہ ہی ہم بے نصیب لوگوں کو عطا فرما کر بلند مرتبہ روشن سنت مصطفویہ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی متابعت نصیب فرمائے بِحُرْمَۃِ النَّبِیِّ وَاٰلِہِ الْاَمْجَادِ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمُ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔

عہ مکتوبات میں آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ شیخ حمید سنبھلی قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے کی حیثیت سے علامۂ زماں اور یکتائے دوراں مشہور تھے (تذکرہ علمائے ہند)

ایک تکلیف دی جاتی ہے کہ حامل رقیمۂ دعا شیخ عبد الفتاح ذی عزت اور شریف لوگوں میں سے ہیں، حافظ ہیں، آدمی زادہ، کثیر العیال اور بہت سی لڑکیوں کے باپ ہیں۔ اسبابِ معیشت نہ ہونے کی وجہ سے مجبور ہوگئے کہ کسی کریم و سخی حضرات کے آستانے پر حاضر ہوں۔ امید ہے کہ اپنے مقصود میں کامیاب ہوں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

مکتوب ۱۱۲ صد و دوازدہم

شیخ عبد الجلیل[ع] تھانیسری ثم الجونپوری کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ اصل کام یہ ہے کہ ہم عقائدِ اہل سنت وجماعت کے پابند ہوجائیں۔ اگر اس دولت کے ساتھ ساتھ احوال و مواجید بھی عطا فرمادیں تو ہم احسانمند ہوں گے ورنہ اس دولت کو کافی سمجھیں گے کیونکہ جب یہ حاصل ہوگئی تو سب کچھ حاصل ہوگیا۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ شانہٗ ہم مفلسوں کو اہلِ حق یعنی اہل سنت وجماعت کے معتقداتِ حقہ کی حقیقت سے نوازے اور نقدِ وقت کو اپنے پسندیدہ اعمال (میں مشغول رکھنے) کی توفیق مرحمت فرمائے اور وہ احوال جو ان اعمال کے ثمرات ہیں عطا فرماکر اپنی جناب قدس جل سلطانہٗ کی جذب فرمالے۔ ع

کار این ست وغیر ایں ہمہ ہیچ (کام اصلی ہے یہی، اس کے سوا سب ہیچ ہے)

جو احوال و مواجید اس فرقۂ ناجیہ (اہل سنت وجماعت) کے عقائد کی تحقیق کے خلاف حاصل ہوں ہم ان کو سوائے استدراج کے کچھ نہیں جانتے اور اس میں خرابی کے علاوہ کچھ خیال نہیں کرتے۔ اس فرقۂ ناجیہ کی اتباع کی دولت کے ساتھ ساتھ اور جو کچھ عطا ہوجائے ہم اس پر (مزید) احسان مند ہوں گے اور شکر بجالائیں گے اور اگر صرف یہ (عقائدِ صحیحہ) دیدیئے جائیں اور احوال و مواجید کچھ بھی نہ دیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہم اس پر راضی اور خوش ہیں۔

[ع] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ شیخ عبد الجلیل ابن شمس الدین ابن نور الدین صدیقی اپنے زمانے کے فقیہ بہت متقی نامور علماء میں سے تھے، ابتدائی علوم اپنے والد سے حاصل کئے پھر علامہ محمود بن محمد جونپوری صاحب شمس بازغہ اور شیخ محمد رشید بن مصطفےٰ عثمانی جونپوری سے استفادہ کیا، طریقت میں شیخ عبد الجلیل لکھنوی سے بیعت تھے۔ تمام عمر قناعت کے ساتھ درس و تدریس میں گذار دی۔ ۸ رشوال ۱۰۷۶ھ کو جونپور میں انتقال ہوا (نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۰۰)

بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے غلبۂ حال اور سُکرِ وقت کی وجہ سے بعض علوم و معارف اہلِ حق کی رائے کے خلاف ظاہر کیے ہیں، چونکہ ان کی بنیاد کشف پر ہے اس لئے وہ معذور ہیں۔ امید ہے کہ قیامت کے دن ان سے مواخذہ نہ ہوگا، (کیونکہ) وہ حضرات مجتہد مخطی[1] (غلطی کرنے والا مجتہد) کے حکم میں ہیں کہ اُن کی خطا بھی ایک اجر رکھتی ہے" ـــــ اور حق علمائے اہلِ حق "اللہ تعالیٰ ان کی سعی و کوشش کو مشکور فرمائے" کی جانب ہے، کیونکہ علماء کے علوم مشکوٰۃِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے ماخوذ ہیں جن کو وحیِ قطعی کی تائید حاصل ہے۔ اور ان صوفیوں کے معارف کی دلیل کشف و الہام ہے جس میں غلطی کی گنجائش ہے ـــــ کشف و الہام کے صحیح ہونے کی علامت علمائے اہل سنت کے علوم کے ساتھ مطابقت ہے، اگر کشف و الہام میں بال برابر بھی (شریعت کی) مخالفت ہے تو دائرۂ ثواب سے باہر ہے، یہی علم صحیح ہے اور صریح حق ہے، پس حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں۔ رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِیَّاکُمُ الْاِسْتِقَامَةَ عَلٰی مُتَابَعَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا عَمَلًا وَّاعْتِقَادًا عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَکْمَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَفْضَلُهَا (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت پر ظاہری و باطنی، عملی و اعتقادی طور پر استقامت عطا فرمائے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (آپ پر اور ہر ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر سلام ہو)۔

جمال الدین حسین[عہ] کولابی کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ مبتدی اور منتہی کے جذبہ کے درمیان کیا فرق ہے؟ اور یہ کہ مجذوبوں کو جذب کا اظہار ابتداءً روح سے ہوتا ہے جو قلب کے اوپر ہے اور وہ روح کے اس شہود کو حق تعالیٰ جل شانہٗ کا شہود خیال کر لیتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

---

[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا حکم الحاکم فاجتهد و اصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد واخطا فله اجر واحد (یعنی جب حاکم نے حکم دیا یا کوئی فیصلہ سنایا) پس اس نے اس میں اجتہاد کیا اور صحیح فیصلہ دیا تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جب اس نے حکم دیا اور اس میں اجتہاد کیا لیکن سہواً غلط ہو تو اس کیلئے ایک اجر ہے (متفق علیہ)

[عہ] مکتوبات میں اس نام کے دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۱۱۳-۲۲۳۔ غالب گمان ہے کہ آپ حضرت خواجہ حسام الدین کے صاحبزادے ہیں۔

جذب و کشش صرف مقام فوق تک ہوتی ہے فوقِ فوق تک نہیں ہوتی (یعنی مقام فوق سے اوپر نہیں ہوتی) اور یہی حال شہود اور اس کے طریقہ وغیرہ میں ہے، پس جن مجذوبوں نے سلوک طے نہیں کیا وہ مقامِ قلب میں ہیں ان میں جذب و کشش صرف مقامِ روح تک ہے جو مقامِ قلب کے اوپر ہے، اور منتہی حضرات کا جذبہ و کشش انجذاب الٰہی ہے جس کے اوپر کوئی اور مقام نہیں، اور ابتدائی جذبہ میں روحِ منفوخ (انسان کے اندر پھونکی ہوئی روح) کے سوا کچھ مشہود نہیں ہوتا کیونکہ روح خود اپنی اصلی صورت پر موجود ہے (حدیث میں ہے) إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ[1] (بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا)۔ (یہ حضرات) روح کے شہود کو حق تعالیٰ کا شہود سمجھ لیتے ہیں، اور جبکہ روح کو عالمِ اجساد کے ساتھ ایک درجہ مناسبت حاصل ہے تو کبھی اس شہود کی کثرت کو شہودِ احدیت کہتے ہیں اور کبھی اس کی معیت کے قائل ہوتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ جل وعلا کا شہود حصول فنائے مطلق کے بغیر جو کہ سلوک کی انتہا پر متحقق ہے متصور نہیں ہے۔ شعر

ہیچ کس را تا نگردد او فنا   نیست رہ در بارگاہِ کبریا

(جس کو حاصل ہی نہیں راہِ فنا   کس طرح پائے وہ راہِ کبریا)

اور اس شہود کا عالم (دنیا) سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان دونوں شہودوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ جو شہود عالم (دنیا) کے ساتھ کسی نہ کسی وجہ سے مناسبت رکھتا ہے تو وہ حق تعالیٰ و تقدس کا شہود نہیں ہے اور اگر بے مناسبت ہے (یعنی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے) تو حق جل وعلا کے شہود کی علامت ہے۔ شہود کا اطلاق عبارت کی تنگی کی وجہ سے ہے ورنہ یہ نسبت بھی منتسب الیہ (حق تعالیٰ و تقدس کی ذات) کی طرح بے کیف و بے مثل ہے۔ ع

چوں را بہ بیچوں راہ نیست (مثل کیوں بے مثل تک پائے گا راہ)

(مثل کو بے مثل (یعنی ذاتِ الٰہی) کی طرف کوئی راستہ نہیں ہے (یعنی ذاتِ الٰہی میں غور نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کی صفات میں غور کریں)۔ لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا عَطَايَاهُ (بادشاہ کی عطا کردہ چیزوں کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں)۔

---

[1] اس حدیث کی شرح مکتوب ۹۵ میں گزر چکی ہے۔

مکتوب ۱۱۴

صد و چہار دہم

صوفی قربان[ع] کی طرف صادر فرمایا۔۔۔۔۔ حضرت سید المرسلین علیہ وعلیہم وآلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی ترغیب کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہم بے سروسامان مفلسوں کو حضرت سید المرسلین اولین وآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی دولت سے مشرف فرمائے اور اس پر استقامت نصیب کرے ۔۔۔۔۔ آنحضرت علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا (ایسی عظیم المرتبت ہستی ہیں کہ ان) کی دوستی کے طفیل حق تعالیٰ اپنے اسمائی وصفاتی کمالات کو ظہور میں لایا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بہترین جمیع بنا کر پیدا کیا، آپ کی پسندیدہ متابعت کا ایک ذرہ تمام دنیاوی لذات اور اخروی نعمات سے مرتبہ میں کہیں زیادہ بڑھ کر ہے، تمام فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن سنت کی تابعداری پر وابستہ ہے، اور تمام بزرگی احکامِ شریعت کی بجا آوری پر منحصر ہے ۔۔۔۔۔ مثلاً دوپہر کا سونا (قیلولہ) اگر اتباعِ سنت کی نیت سے ہو تو کروڑوں شب بیداریوں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں نہ ہوں اولیٰ وافضل ہے ۔۔۔۔۔ اسی طرح عید الفطر کے دن میں کھانا (یعنی روزہ نہ رکھنا) جس کا کہ شریعتِ مصطفوی میں حکم ہے، خلافِ شریعت تمام عمر روزے رکھنے سے افضل ہے ۔۔۔۔۔ اور شارع علیہ السلام کے حکم کے مطابق ایک جیتل (دام، پیسہ) دینا اپنی خواہش سے سونے کے پہاڑ خرچ کرنے سے بہتر وافضل ہے ۔۔۔۔۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز صبح کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد صحابہ کی طرف دیکھا تو ان میں ایک شخص کو حاضر نہ پایا، دریافت کرنے پر حاضرین نے عرض کیا کہ وہ شخص تمام رات عبادت کرتا ہے شاید اس وقت آنکھ لگ گئی ہو۔ امیر المومنینؓ نے فرمایا کہ اگر وہ شخص تمام رات سوتا رہتا اور صبح کی نماز باجماعت ادا کر لیتا تو (اس کے لئے تمام رات عبادت کرنے سے) بہتر تھا۔

گمراہ لوگوں (اہلِ ہنود وغیرہ) نے اگرچہ ریاضتیں اور مجاہدے بہت کئے ہیں لیکن چونکہ وہ شریعتِ حقہ کے

[ع] صوفی قربان کے نام ۲ دو مکتوب ہیں۔ دفتر اول مکتوب ۱۱۴ ـ ۲۸۳۔ آپ حضرت حضرت مجددؒ کے خلفا میں سے تھے صاحب حال وذوق اور سنت نبویؐ کے بڑے پابند تھے۔ (روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۳۳۹)۔

موافق نہیں ہیں اس لئے بے اعتبار اور بے حیثیت ہیں ——— اگر ان (گمراہ لوگوں کے) اعمالِ شاقہ پر کچھ اجر ثابت بھی ہو تو وہ صرف بعض دنیوی منافع پر منحصر ہے، جب پوری دنیا ہی کچھ حیثیت نہیں رکھتی تو اس کے کسی منافع کا کوئی کیا اعتبار کرے۔ ان کی مثال ایسے خاکروب کی طرح ہے جس کی محنت سب سے زیادہ اور مزدوری بہت کم ہے ——— اور شریعت کے تابعداروں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو قیمتی جواہرات اور عمدہ عمدہ ہیروں کے ساتھ کام کرتے ہیں کہ ان کا کام بہت تھوڑا اور مزدوری بہت زیادہ ہے ——— (سنّت کے موافق) ایک ساعت کا عمل ہو سکتا ہے کہ اجر میں ایک لاکھ برس کے نیک عمل کے برابر ہو ——— اس میں راز یہ ہے کہ جو عمل شریعت کے موافق ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کا پسندیدہ ہوتا ہے اور جو خلافِ شریعت ہوتا ہے وہ (حق تعالیٰ کا) ناپسندیدہ۔ پس ناپسندیدہ اعمال کی صورت میں ثواب کی کہاں گنجائش ہے بلکہ عذاب متوقع ہے ——— اس حقیقت کی عالمِ مجاز میں نظیر موجود ہے جو تھوڑی سی توجہ سے واضح طور پر سمجھ میں آجاتی ہے۔ بیت

ہرچہ گیرد علّتی علّت شود ... کفر گیرد کاملے ملّت شود

(ہر چیز ہے مُضر جو کبھی ساتھ دے مریض ... کافر دلی ہے اس کو پکڑ لے اگر ولی)

پس تمام سعادتوں کا سرمایہ سنّت کی پیروی میں ہے اور تمام فسادات کی جڑ شریعت کی مخالفت کرنا ہے ——— اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔ والسلام

مکتوب ۱۱۵ صد و پانزدہم

ملا عبد الحق دہلوی[ع] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ جس راہ کو ہم طے کرنے کے درپے ہیں وہ صرف دو قدم ہے۔

ع آپ کے نام صرف دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۱۱۵، دفتر دوم مکتوب ۲۹۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ محرم سنہ ۹۵۸ھ بعہد سلیم شاہ سوری دہلی میں ولادت ہوئی، اپنے والد ماجد حضرت سیف الدین قادریؒ سے تعلیم و تربیت پائی اور قرآن مجید حفظ کیا۔ آپ کو بچپن ہی سے حصولِ علم کا اسقدر ذوق تھا کہ والد کے منع کرنے کے باوجود شب کو کافی رات تک مطالعۂ کتب میں مشغول رہتے تھے۔ سنہ ۹۹۵ھ میں حج کیلئے تشریف لے گئے وہاں شیخ عبد الوہاب متقی سے اکتسابِ فیض کیا پھر دہلی واپس آکر حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے شرفِ بیعت حاصل کیا صاحبِ تصانیف کثیرہ ہیں ۲۱ ربیع الاول سنہ ۱۰۵۲ھ میں وفات پائی مہرولی میں مزار پرانوار ہے۔ تاریخ ولادت "شیخ اولیا" اور تاریخ وفات "فخر العلما" سے نکلتی ہے۔

مصرع از ہر چہ میرود سخنِ دوست خوشتر است (دوست کی طرف سے جو بات بھی پہنچے وہ اچھی ہے)

یہ راستہ جس کو طے کرنے کے ہم درپے ہیں وہ صرف سات قدم ہے، دو قدم عالمِ خلق میں ہے اور پانچ قدم عالمِ امر میں۔ عالمِ امر میں پہلا قدم رکھنے پر تجلیٔ افعال کا ظہور ہوتا ہے، دوسرے قدم پر تجلیٔ صفات اور تیسرے قدم پر تجلیاتِ ذاتیہ (کا سلسلہ) شروع ہو جاتا ہے ـــــــ اس کے بعد اربابِ کمال کے درجات کے تفاوت کے مطابق (تجلیاتِ ذاتیہ میں) ترقی ہوتی رہتی ہے، جیسا کہ اربابِ کمال سے پوشیدہ نہیں ہے، اور یہ سب کچھ حضرت سید الاولین والآخرین علیہ من الصلوات اکملہا ومن التسلیمات افضلہا کی متابعت پر وابستہ ہے ـــــــ اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ یہ راستہ دو قدم ہے، اس سے انھوں نے (بطورِ اجمال) عالمِ خلق اور عالمِ امر مراد لئے ہیں (اور یہ بات اس لئے کہی ہے) تاکہ طالبوں کی نظر میں راستہ مختصر اور آسان معلوم ہو۔ اور حقیقت میں بات وہی ہے جو حق تعالیٰ کی توفیق سے میں نے بیان کی۔ بات یہی ہے۔

مکتوب ۱۱۶
صدو شانزدہم

ملا عبد الواحد لاہوری[ع] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ قلب کی سلامتی ماسوائے حق تعالیٰ کے ہر چیز کو دل سے بھول جانے پر موقوف ہے اور دنیاوی امور میں بکثرت مشغول ہونے سے باز رہنا تاکہ اُس (دنیا) کی محبت و رغبت پیدا نہ ہو جائے۔

میرے عزیز بھائی کا مکتوبِ مرغوب موصول ہوا، اس میں قلب کی سلامتی کے متعلق جو کچھ تحریر تھا اس سے آگاہی ہوئی ـــــــ ہاں بیشک قلب کی سلامتی حق تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کو (دل سے) بُھلا دینے پر موقوف ہے، حتی کہ اگر دنیاوی چیزوں کو تکلف اور کوشش کے ساتھ یاد کرنا چاہیں تو بھی یاد نہ آئیں، اس صورت میں غیرِ خدا کا گزر بھی دل پر نہیں ہو سکتا۔ اس حالت کو فنائے قلبی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس

ع ملا عبد الواحد لاہوری کے نام تین مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۱۶ - ۳۰۷ دفتر دوم مکتوب ۷۰۔ آپ کو بھی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں تربیت حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ آپ کثیر المراقبہ اور کثیر العبادت تھے۔ ایک روز آپ نے خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ سے دریافت کیا کہ "کیا جنت میں نماز ہوگی؟" انھوں نے جواب دیا "نہیں کیونکہ وہ (جنت) دارِ جزا ہے دارِ عمل نہیں"۔ اس پر آپ نے ایک آہ کھینچی اور رونے لگے اور کہا "آہ نماز اور اس بے نیاز کی عبادت کے بغیر کس طرح زندگی گزاریں گے"۔ (زبدۃ المقامات)

راہ میں یہ پہلا قدم ہے اور اس سے استعداد کے مطابق کمالاتِ ولایت کے مرتبوں کے درجات کی بشارت ملتی ہے، پس ہمت کو بلند رکھیں اور اخروٹ و منقی (یعنی معمولی چیزوں پر) قناعت نہ کریں، اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْھِمَمِ (حق تعالیٰ بلند ہمت لوگوں کو دوست رکھتا ہے)۔

دنیاوی کاموں میں بکثرت مشغول ہونے سے خطرہ ہے کہ کہیں اس کمینی دنیا کے کاموں میں رغبت پیدا نہ ہو جائے۔ اور اس سلامتیٔ قلب پر بھی ہرگز مغرور نہ ہوں کیونکہ رجوع (اس حالت کے بدل جانے) کا امکان موجود ہے اور جہاں تک ہو سکے دنیاوی مہمات کے اندر مصروف نہ رہیں اور ایسا کوئی قدم نہ اٹھائیں کہ دوبارہ اس کی رغبت ہو جائے اور نقصان کا باعث ہو عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہٗ کی پناہ) ــــــــ فقر میں جاروب کشی کرنا (یعنی حق تعالیٰ کی یاد کے ساتھ سادہ زندگی بسر کرنا) دولت مندوں کی صدر نشینی سے کئی درجے بہتر ہے۔ ساری ہمت اس پر صرف کرنی چاہئے کہ فقر اور دنیا سے بے رغبتی کے ساتھ چند روزہ زندگی بسر ہو جائے۔ دولت اور دولتمندوں سے ایسے بھاگو جیسے شیر کے خوف سے بھاگتے ہیں۔ والسلام

ملا یار محمد قدیم بدخشیؒ کی جانب صادر فرمایا ــــــــ اس بیان میں کہ ابتدا میں قلب حس (ادراک) کی تابعداری کرتا ہے اور انتہا میں یہ تابعداری نہیں رہتی۔

مولانا یار محمد بھولے نہیں ہوں گے کہ ایک مدت تک قلب حس (ادراک) کے تابع رہتا ہے پس لامحالہ جو کچھ حس سے دور ہے وہ قلب سے بھی دور ہے۔ حدیث شریف مَنْ لَّمْ یَمْلِكْ عَیْنَہٗ فَلَیْسَ الْقَلْبُ عِنْدَہٗ (جس شخص کی آنکھ اس کے اپنے قبضے میں نہیں ہے اس کا دل بھی اس کے قابو میں نہیں ہے) اس حدیث میں اس مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور نہایتِ کار (سلوک کی انتہا) میں جب قلب حس کی تابعداری میں نہیں رہتا تو حس کی دوری قلب کی نزدیکی میں اثر انداز نہیں ہوتی۔ لہذا مشائخ طریقت مبتدی اور

ع ملا یار محمد قدیم بدخشیؒ کے نام دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۱۱۷ - ۲۱۱ - آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے قدیم مرید اور ممتاز خلفا میں سے تھے اور قائم اللیل، صائم النہار، کثیر السکوت والمراقبہ تھے۔ حضرات نقشبندیہ کی بعض خصوصیات آپ کی پیشانی سے ظاہر ہوتی تھیں۔ خوش سیرتی کے ساتھ خوبصورت بھی تھے ۱۰۲۶ھ میں حج کی سعادت سے مشرف ہوئے پھر اکبر آباد (آگرہ) میں سکونت اختیار کی اور وہیں انتقال ہوا۔

متوسط کو شیخ کامل کی صحبت سے مکمل طور پر مفارقت (جدا رہنے کو) تجویز نہیں فرماتے۔ غرضکہ بحکم مَا لَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ (یعنی جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے اس کو بالکل ترک نہیں کر دینا چاہیئے) کے مطابق اسی طریقہ پر کاربند رہیں اور ناجنس (یعنی غیر مشرب لوگوں) کی صحبت سے پوری طرح پرہیز کریں ——

میاں شیخ مزمل کی تشریف آوری کو سعادت کا پیش خیمہ سمجھ کر ان کی صحبت کو غنیمت جانیں اور اکثر اوقات ان کی صحبت میں رہیں کیونکہ شیخ موصوف بہت عزیز الوجود شخصیت ہیں۔ والسلام

مکتوب ۱۱۸

صدو ہیز دہم

ملا قاسم علی بدخشی[۵] کی جانب صادر فرمایا —— ان لوگوں کے خسارہ کے بیان میں جو اللہ والوں پر اعتراض کرتے ہیں۔

وہ محبت بھرا خط جو مولانا قاسم علی نے بھیجا تھا موصول ہوا اور خط کا مضمون بھی واضح ہو گیا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا (حم السجدہ[۴۱] آیت[۴۶]) جو شخص اچھا عمل کرتا ہے وہ اپنے نفس ہی کے لئے کرتا ہے اور جو کوئی بُرا کام کرتا ہے اس کی برائی بھی اسی پر ہے) ——

خواجہ عبداللہ انصاریؒ[۱] فرماتے ہیں کہ بار الٰہا جس کو تو ذلیل کرنا چاہتا ہے وہ ہمیں طعن وتشنیع میں پڑ جاتا ہے۔ بیت

ترسم آں قوم کہ بر دُرد کشاں می خندند	بر سرِ کارِ خرابات کنند ایماں را
(طعن کیوں کرتے ہو ان پر جو پیے ہیں تلچھٹ	میکدے پر کہیں ایمان نہ کھو بیٹھو تم

حق سبحانہٗ وتعالیٰ بطفیل حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات تمام اہلِ اسلام کو فقراء کے انکار اور ان کے اوپر طعن وتشنیع کرنے سے محفوظ رکھے (آمین) والسلام

---

[۵] ملا قاسم علی بدخشی کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے لیکن حضرت مجدد صاحبؒ نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں جو مکتوب تحریر فرمائے ہیں ان میں سے مکتوب ۹، ۱۱، ۱۴ میں آپ سے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ چونکہ آپ بھی ان بزرگوں میں سے ہیں جن کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے حضرت مجدد صاحبؒ کے حوالہ کیا تھا چنانچہ آپ سالہا سال حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں رہ کر دریائے معرفت سے گوہر مقصود حاصل کرتے رہے۔

[۱] آپ کا مختصر تذکرہ "شیخ الاسلام ہروی" کے تحت مکتوب ۱۰۶ کے حاشیہ میں گذر چکا ہے۔

میر محمد نعمان بدخشی[ع] کی طرف صادر فرمایا ——— شیخ مقتدا کی صحبت کی ترغیب اور اس بیان میں کہ

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کاملین اپنے بعض ناقص مریدوں کو نیک امیدوں کے گمان پر تعلیم طریقت کی اجازت دیتے ہیں۔

جناب میر صاحب کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ یہ راستہ دیوانگی چاہتا ہے (جیسا کہ) حدیث شریف میں وارد ہے: لَنْ يُّؤْمِنَ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُقَالَ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ[1] (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جبتک کہ لوگ اس کو مجنون (دیوانہ) نہ کہنے لگیں)۔ اور جب دیوانہ پن آگیا تو بیوی بچوں کی تدبیر سے فارغ ہو گیا اور کذا و کذا (یعنی ایسا ہوگا ویسا ہوگا) کے اندیشہ سے جمعیت میسر ہو گئی (یعنی دل کو اطمینان حاصل ہو گیا) ——— یہ دیوانگی آپ کی طبیعت میں موجود ہے لیکن بیکار عوارض کے باعث آپ نے اس کو خس و خاشاک میں چھپا دیا ہے۔ کیا کیا جائے کہ یہ ظاہری دوری کی وجہ سے آپ میں بہت کچھ بے مناسبتی مفہوم ہوتی ہے، اس کا جلد تدارک فرمائیں اور اپنی کم ہمتی کو عین ہمت (استطاعت) جان کر اس جسدی (ظاہری) دوری کو رفع کریں ——— اس گروہ (صوفیاء) کی جمعیت (دلی اطمینان) مخلوق کے دلی اطمینان سے بہت بلند ہے، مخلوق کی دل جمعی کے اسباب ان (صوفیاء) کے تفرقے اور اختلافات کا باعث ہیں۔ مخلوق کے اختلافات کے اسباب (فقر و نامرادی وغیرہ) میں ہاتھ ڈالنا چاہیئے (یعنی ان میں غور کرنا چاہیئے) تاکہ دل کا اطمینان حاصل ہو، اور اگر بالفرض اس گروہ کو مخلوق کی جمعیت کے اسباب عنایت ہو جائیں تو اس جمعیت سے بھی ڈرنا چاہیئے اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے حضور میں التجا کرنی چاہیئے

ع مکتوبات میں آپ کے نام غالباً سب سے زیادہ (۳۳) مکتوبات ہیں یعنی دفتر اول مکتوب ۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۷۳-۲۰۴-۲۰۹-۲۲۴-۲۲۸-۲۳۱-۲۳۸-۲۴۶-۲۵۷-۲۶۱-۲۸۱-۳۱۲- دفتر دوم مکتوب ۴-۹۲-۹۹- دفتر سوم مکتوب ۱-۴-۵-۹-۱۰-۱۲-۱۵-۱۸-۱۹-۲۱-۲۶-۳۰-۳۶-۴۹-۱۰۲- خواجہ میر محمد نعمان بن سید شمس الدین یحییٰ بدخشانی معروف بمیر بزرگ کی ولادت ۹۷۷ھ سمرقند میں ہوئی، تاریخ ولادت "شیخ جنید" سے نکلتی ہے۔ علوم ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہو کر حضرت امیر عبداللہ عشقیؒ کی خدمت میں بلخ حاضر ہوئے اور انہی کے اشارے پر ہندوستان آئے اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے شرفِ بیعت حاصل کیا پھر حضرت خواجہؒ کے ارشاد پر حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں ایک عرصہ گزارا۔ ۱۰۱۸ھ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے آپ کو اجازت نامہ عطا فرما کر برہان پور روانہ کر دیا۔ ۱۸ صفر ۱۰۵۸ھ اکبر آباد میں وفات پائی۔

[1] یہ حدیث مکتوب ۶۵ میں گذر چکی ہے حوالہ وہاں ملاحظہ ہو۔

تاکہ جمعیت بلائے جان نہ بن جائے۔ اور فلاں فلاں (صاحبِ تکمیل) حضرات کے حال پر قیاس نہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ تمام مراتب فرقِ مراتب کے اعتبار سے تکمیل ہونے سے پہلے سب نقص کے مراتب ہیں۔ ع

فراقِ دوست اگر اندک ست اندک نیست (ہجر اس کا نہیں تھوڑا وہ بہت ہے مجھ کو)

مشائخ طریقت نے اپنے بعض مریدوں کو اُن کے سلوک کی تکمیل سے قبل تعلیم طریقت کی اجازت دی ہے ـــــ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے حضرت مولانا یعقوب[۱] چرخی رحمۃ اللہ علیہ کو طریقت و سلوک کی تعلیم اور بعض منازل سلوک طے کرانے کے بعد فرمایا "اے یعقوب ہر چہ از ما بتو رسید است بخلق برساں" (اے یعقوب! جو کچھ ہم سے تم کو پہنچا ہے وہ مخلوق کو پہنچاؤ)۔ حالانکہ آپ (حضرت خواجہ نقشبندؒ) نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد علاؤالدین (عطارؒ) کی خدمت میں رہنا۔ چنانچہ (مولانا یعقوب چرخیؒ نے) اکثر امور (طریقہ تعلیم) حضرت خواجہ علاؤالدین کی خدمت میں انجام دیئے۔ حتیٰ کہ مولانا عبدالرحمٰن جامی[۲] نے (اپنی تصنیف) نفحات الانس میں آپ (مولانا یعقوب چرخیؒ) کو پہلے خواجہ علاؤالدین کے مریدوں میں شمار کیا ہے اور دوسرے نمبر پر حضرت خواجہ نقشبندؒ سے نسبت دی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اس تفرقہ (دوری) کا علاج ارباب جمعیت کی صحبت ہے اور یہ بات بار بار لکھی جا چکی ہے۔ اور سُنا گیا ہے کہ مولانا محمد صدیق نے ملازمت اختیار کر لی ہے اور فقراء کی وضع کو چھوڑ دیا ہے، افسوس ہزار افسوس! کہ کسی کو مقام اعلیٰ علیین سے اسفل السافلین میں پہنچا دیں۔ اب ان کا حال دو باتوں سے خالی نہیں ہے یا تو ان کو نوکری میں جمعیت مل گئی یا جمعیت نہیں ملی۔ اگر ان کو اس (نوکری) سے جمعیت حاصل ہو گئی تو بُرا ہے اور اگر نہ حاصل ہوئی اور بھی بدتر۔

یا اللہ! تو ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر، اور اپنے پاس سے ہمارے حال پر رحمت فرما بیشک تو ہی بے حساب عطا فرمانے والا ہے۔ والسلام

---

[۱] حضرت مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمہ طریقۂ نقشبندیہ میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں آپ سے طریقہ کی اشاعت بہت ہوئی۔ آپ کو بیعت اور اجازت حضرت خواجہ نقشبند سے ہے مگر تکمیل خواجہ عطارؒ سے ہوئی۔ علم تفسیر اور دوسرے علوم دینیہ میں بھی آپ کی تصانیف ہیں۔ ۵ صفر ۸۵۱ھ کو وفات پائی۔ چرخ کے رہنے والے ہیں جو ولایت غزنی میں ہے۔ مزار ہلغون مضافات حصار از ماوراء النہر میں ہے۔

[۲] مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ ۲۳ شعبان ۸۱۷ھ قصبۂ جام میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ شیبانی کی اولاد سے ہیں۔ مدرسہ نظامیہ ہرات میں تعلیم حاصل کی۔ میر سید شریف جرجانی کے شاگرد خواجہ علی سمرقندی اور دیگر علماء سے استفادہ کیا۔ پھر حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ سے سلسلہ نقشبندیہ میں طریقہ کی تکمیل کی۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ۵۴ ہے بروز جمعہ علی الصبح ۱۸ محرم ۸۹۸ھ کو وفات پائی۔

یہ مکتوب بھی میر محمد نعمان بدخشی کی طرف صادر فرمایا ــــــ ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب اور اس کے مناسب بیان میں ۔

شاید کہ جناب میر صاحب نے فراموشی اختیار کر لی ہے کہ سلام و پیام سے بھی یاد نہیں فرماتے، فرصت بہت کم ہے، اس (فرصت) کو اعلیٰ ترین مقاصد میں صرف کرنا ضروری ہے، اور وہ (اعلیٰ مقصد) اربابِ جمعیت کی صحبت ہے، کیونکہ صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ہی کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ تمام غیر صحابہ پر فضیلت حاصل ہے خواہ اویس قرنیؒ ہوں یا عمر مروانیؒ (یعنی حضرت عمر بن عبد العزیز) ہی کیوں نہ ہوں۔ حالانکہ یہ دونوں حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے علاوہ تمام درجات کی نہایت اور تمام کمالات کی غایت تک پہنچے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ہی کی برکت کی وجہ سے ان دونوں کے صواب سے بہتر ہے اور حضرت عمرو بن العاصؓ کا سہو ان دونوں کے صواب سے افضل ہے کیونکہ ان بزرگواروں کا ایمان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرفِ زیارت، فرشتہ کی حاضری اور وحی کے مشاہدہ کرنے اور معجزات کے دیکھنے کی وجہ سے شہودی ہو چکا تھا، اور ان (صحابہؓ) کے سوا کسی اور کو اس قسم کے کمالات جو تمام کمالات کے اصول ہیں نصیب نہیں ہوئے۔ اور اگر حضرت اویس قرنیؒ کو معلوم ہوتا کہ صحبت کی فضیلت میں یہ خاصیت ہے تو ان کو صحبت سے کوئی چیز مانع نہ ہوتی اور اور وہ اس فضیلت پر کسی چیز کو ترجیح نہ دیتے : وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (بقرہ آیت ۱۰۵) (اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے لئے جس کو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔ بیت

سکندر را نمی بخشند آبے ۔۔۔ بزور و زر میسر نیست ایں کار

(نہیں نصیبِ سکندر کبھی بھی آبِ حیات ۔۔۔ اُسے دلائے گی کیوں اس کی دولت و قوت؟)

بارِ الٰہا! اگرچہ تو نے ہم کو صحابہ کرامؓ کے زمانے میں پیدا نہیں فرمایا مگر ہم کو بطفیل سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات قیامت کے دن انہی کے زمرے میں محشور فرما ہو۔ والسلام ۔

یہ مکتوب بھی میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ اس راستہ (راہِ طریقت) کے سات قدم مقرر ہیں اور بعض احباب چھ قدم تک پہنچ چکے ہیں۔

جناب میر صاحب! ہر وقت بے شمار دعائیں آپ کے شاملِ حال ہوں۔ مدت سے آپ نے اپنے حالات کے متعلق کچھ اطلاع نہیں دی اور نہ ہی یہاں کے فقراء کی خبر گیری فرمائی، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَالْمِنَّۃُ کہ یہاں کے فقراء خوش حال ہیں، مختصر طور پر کچھ عرض ہے۔

اے محبت کے نشان والے! اس سلوک (طریقت) کا راستہ سات قدم مقرر ہو چکا ہے۔ دوستوں کی ایک جماعت نے اپنے کام کو چھ قدم پر ہی مکمل کر لیا ہے اور بعض نے صرف پانچ قدم پر اور ایک جماعت نے چار قدم اور ایک نے صرف تین قدم پر اپنے اپنے درجات کے مطابق منزلِ مقصود کو پہنچ گئے۔ اور تیسرے قدم والے بھی لوگوں کو اس راستہ کی تعلیم دے سکتے ہیں تو پھر کیا (اچھا) حال ہے اس جماعت کا جو اُن سے آگے جا چکی ہے وہ (تو بدرجۂ اولیٰ) اس راستہ کی تعلیم دے سکتی ہے (البتہ) ان کاموں کے لئے بلند ہمتی کی ضرورت ہے تاکہ معمولی اور کم درجہ کی چیزوں پر اکتفا نہ کر بیٹھیں۔ اس سے زیادہ لکھنے کے لئے وقت کی گنجائش نہیں ہے۔ والسلام

ملا طاہر بدخشی[ع۵] کے نام صادر فرمایا ـــــــ بلند ہمتی کی ترغیب میں اور جو کچھ ہاتھ آجائے اس سے بے التفاتی کرنے کے بیان میں۔

ع۵ ملا طاہر بدخشی کے نام گیارہ مکتوبات ہیں یعنی دفترِ اول مکتوب ۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۷۱-۲۱۷-دفترِ دوم مکتوب ۲۰-۲۷-۸۶ دفترِ سوم مکتوب ۳۷-۹۱-۱۲۴-آپ کے اجداد بدخشاں کے رہنے والے تُرک خاندان سے تھے، آپ نہایت سادہ لوح، نیک طینت، دراز قامت اور قوی ہیکل انسان تھے۔ ابتداءً فوج میں افسر تھے، ایک شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم فوج سے علیحدہ ہو جاؤ اور فقر و تجرید اختیار کرو"۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ پھر شیخ کی تلاش میں نکلے اور حضرت مجددؒ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ تکمیل کے بعد حضرت مجددؒ نے اجازتِ تعلیم دے کر جونپور روانہ کر دیا۔ آپ نے کافی طویل عمر پائی اور جونپور میں ۱۰۴۷ھ وفات پائی۔ (از "حضرت مجدد الف ثانیؒ")

مولانا محمد طاہر (خط کا جواب دیتے ہیں) ہم کو معذور جانیں، مولانا یار محمد (ہماری معذوری) نقل و حرکت کی وجہ بتادیں گے ـــــ جب آپ نے ہندوستان کی جانب سفر کا مصمم و پختہ ارادہ کرلیا ہے تو چلے جائیں اور اہل وعیال کی خبر گیری کریں۔ اَلْبَاقِیْ عِنْدَ التَّلَاقِیْ (باقی بوقت ملاقات) مثل مشہور ہے ـــــ (حق تعالیٰ کی) دائمی حضوری اور اغیار کے میل جول سے پرہیز کرنا ضروری ہے، اور ہمت کو بلند رکھیں، جو کچھ ہاتھ آئے اس میں مشغول نہ ہو جائیں (بلکہ آگے بڑھنے کی کوشش کریں) بیت

ما از پے نورے کہ بود مشرقِ انوار — از مغربی وکوکب ومشکوٰۃ گذشتیم

(ہیں پیش نظر اب تو فقط طیبہ کے انوار — منقول بھی معقول بھی سب دیکھ چکا ہوں)

اس زمانے کے اکثر فقرا سیراب ہو جانے اور کفایت کے مقام پر ٹھہر گئے ہیں (آگے ترقی نہیں کر رہے) اُن کی صحبت زہر قاتل ہے، فِرَّ مِنْهُمْ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ (ان سے اس طرح بھاگو جیسا کہ شیر سے بھاگتے ہیں) اپنے طریقے پر کاربند رہیں اور جو کچھ واقعات پیش آئیں ان کا اعتبار نہ کریں کیونکہ تاویل کی گنجائش کا میدان بہت فراخ و وسیع ہے، ہرگز خواب و خیال کے مکر میں نہ پھنسیں۔ شعر

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا — قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُيُوْفُ

(کیسے پہنچوں سعادؔ تک اے کعبؓ — کس قدر خوفناک راہیں ہیں)

مکتوب ۱۲۳

صد و بست و سوم

یہ مکتوب بھی ملا طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ نفل کا ادا کرنا اگرچہ حج ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ کسی فرض کے فوت ہونے کا سبب بنتا ہو تو وہ بھی لایعنی میں داخل ہے۔

میرے نیک بخت بھائی! لَا زَالَ كَاسْمِهٖ طَاهِرًا عَنْ دَنَسِ التَّعَلُّقَاتِ (اپنے نام کی طرح ہمیشہ غیر اللہ کے تعلقات کی آلودگی سے طاہر و پاک رہیں) کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ اے بھائی! حدیث شریف میں وارد ہے: عَلَامَةُ اِعْرَاضِهٖ تَعَالٰى عَنِ الْعَبْدِ اشْتِغَالُهٗ بِمَا لَا يَعْنِيْهِ[1] (بندہ کا لایعنی (بیکار) باتوں میں مشغول ہونا بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی رو گردانی کی ایک علامت ہے) ـــــ فرائض میں سے کسی ایک فرض کو چھوڑ کر نوافل میں سے کسی نفل عبادت میں مشغول ہونا لایعنی (بیکار باتوں) میں داخل ہے

[1] آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

پس اپنے احوال کی تفتیش کرنا (جائزہ لینا) ضروری ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ کس چیز میں مشغول ہے، آیا نفل میں یا فرض میں ــــ ایک نفلی حج کی خاطر اتنے ممنوعات کا مرتکب ہونا اچھا نہیں ہے آپ خود ملاحظہ فرمالیں۔ اَلْعَاقِلُ تَکْفِیْہِ الْاِشَارَۃُ (عقلمند کے لئے ایک اشارہ کافی ہے) وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی رُفَقَائِکُمْ (آپ پر اور آپ کے احباب پر سلام ہو)۔

مکتوب ۱۲۴
صد و بست و چہارم

یہ مکتوب بھی ملا طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ــــ اس بیان میں کہ راستہ کی استطاعت (زاد و راحلہ) حج کے واجب ہونے کی شرط ہے استطاعت نہ ہونے کے باوجود حج کا ارادہ کرنا اپنے مطلب کے حصول کے مقابلے میں تضیع اوقات میں داخل ہے۔

میرے بھائی خواجہ محمد طاہر بدخشی کا مکتوب شریف موصول ہوا، لِلّٰہِ سُبْحَانَہُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ ایک عرصہ کی جدائی کے باوجود فقراء کے اخلاص و محبت میں کوئی سستی واقع نہیں ہوئی، یہ ایک عظیم سعادت کی علامت ہے ــــ اے محبت کے نشان والے! جب آپ نے رخصت طلب کی تھی اور حج پر جانے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا تو وداع ہونے کے وقت احتمال کے ساتھ اتنا ذکر ہوا تھا کہ شاید ہم بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ مل جائیں (شاید ما ہم بشما دریں سفر ملحق شویم)۔ ہر چند ارادہ کیا لیکن استخارے موافق نہیں آئے اور اس بارے میں کوئی تجویز سمجھ میں نہیں آئی، مجبوراً توقف کیا۔ ــــ فقیر کی مرضی ابتدا ہی سے آپ کے (سفر حج پر) جانے کے بارے میں نہ تھی لیکن آپ کے شوق کو دیکھ کر صاف طور پر منع نہ کیا تھا ــــ استطاعت راستہ کی شرط ہے، بغیر استطاعت کے تضیع اوقات ہے۔ ضروری کام چھوڑ کر غیر ضروری کام اختیار کرنا مناسب نہیں۔ اس مضمون کے کئی مکتوب آپ کو لکھے جا چکے ہیں شاید پہنچے ہوں گے یا نہیں۔ اصل بات یہی ہے آگے آپ مختار ہیں۔ والسلام

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) لے ابن حجرؒ نے شرح اربعین میں اس حدیث کو امام حسن کا قول قرار دیا ہے لیکن امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مرفوعاً مروی ہے من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا اور امام نووی نے اسے حسن کہا اور ابن عبداللہ نے صحیح کہا۔ امام علی متقی نے جوامع الکلم میں بالفاظ حضرت مجدد الف ثانی مرفوعاً ذکر کیا۔

میر صالح نیشاپوری[ع] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ خواہ عالمِ صغیر ہو یا عالمِ کبیر سب حق تعالیٰ شانہ کے اسماء اور اس کی صفات کے مظاہر ہیں اور عالم کا اپنے صانع کے ساتھ سوائے مخلوقیت اور مظہریت کی نسبت کے اور کوئی مناسبت نہیں ہے اور اس کے مناسب احوال کے بیان میں۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ (یا اللہ! اشیاء کی حقیقتیں جیسی کہ وہ ہیں ہم پر ظاہر فرما۔ آمین) ——— خواہ عالمِ صغیر (انسان) ہو یا عالمِ کبیر (پوری کائنات) سب حق تعالیٰ شانہ، کے اسمائے و صفات کے مظاہر ہیں اور اس کے شیون و کمالات کے آئینے ہیں۔ حق سبحانہ، و تعالیٰ عز سلطانہ، ایک مخفی خزانہ اور پوشیدہ راز تھا اس نے چاہا کہ اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر فرمائے اور اجمال کو تفصیل کے رنگ میں لائے چنانچہ اس نے عالم کو ایسے نہج پر پیدا فرمایا کہ عالم کی ذوات و صفات حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات و صفات پر دلالت کرنے والے بن جائیں ——— پس عالم کو اپنے صانع کے ساتھ سوائے مخلوق ہونے کے اور کوئی نسبت نہیں، ——— اور (یہ کائنات) اُس (حق تعالیٰ) کے اسماء و شیونات پر دلالت کرنے والے (امور کا مجموعہ) ہیں۔ (خالق اور مخلوق کے درمیان) اتحاد[۱] و عینیت و نسبتِ احاطہ و سریان و معیتِ ذاتیہ (وغیرہ تمام احوال) غلبۂ حال اور سکرِ وقت کی بنا پر ہیں (جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں) ——— مستقیم الاحوال اکابرین جنھوں نے صحو کے پیالے سے ایک گھونٹ پی لیا ہے وہ عالم کی اپنی صانع کے ساتھ سوائے مخلوقیت اور مظہریت کی نسبت کے اور کوئی نسبت ثابت نہیں کرتے اور احاطہ و سریان اور معیت کو علمی جانتے ہیں، جیسا کہ علمائے حق کا مسلک ہے شَکَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی سَعْیَھُمْ۔

تعجب ہے کہ صوفیاء کی ایک جماعت ایک طرف تو بعض ذاتی نسبتوں کو ثابت کرتی ہے جیسے احاطہ (گھیر لینا) اور معیت (ساتھ ہونا) اور دوسری طرف اس بات کے قائل ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات سے تمام نسبتیں مسلوب ہیں حتیٰ کہ صفاتِ ذاتیہ بھی اس سے سلب جانتے ہیں ———

عالمِ کبیر و صغیر حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے مظاہر ہیں۔

---

[۱] یعنی حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے مخلوق کے ساتھ مل کر مخلوق کو عین حق کر لیا ہے اور مخلوق کا احاطہ کر کے اس میں سرایت ہو کر ذاتِ حق بنا لیا ہے۔

[ع] میر صالح نیشاپوری کے نام صرف دو مکتوب ہیں یعنی ۱۲۵ و ۱۲۶۔ دیگر حالات معلوم نہ ہو سکے۔

پس یہ تناقض کے علاوہ کچھ نہیں ہے، اور اس تناقض کو دُور کرنے کے لئے ذاتِ (حق) میں مراتب کا اثبات ظاہر کرنا فلسفی تحقیقات کے مانند بیجا تکلف ہے۔ صحیح کشف والے حضرات حق تعالیٰ کی ذات کو بسیطِ حقیقی کے علاوہ کچھ نہیں جانتے اور اس (بسیط ذات) کے علاوہ جو کچھ ہے اُسے اسماء (صفات) میں شمار کرتے ہیں۔ فرد

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست　　درونِ دیدہ اگر نیم موست بسیار است

(ہجر اُس کا نہیں تھوڑا، وہ بہت ہے مجھ کو　　آنکھ میں بال ہو آدھا تو وہ ہوگا شہتیر)

اس بحث کی تحقیق کے لئے ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں کہ ایک عالم بے بدل بہت سے فنون والا اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو حروف و آواز کو ایجاد کرتا ہے تاکہ ان حروف و آواز کے ذریعے اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرے۔ لہٰذا اس صورت میں یہ حروف اور دلالت کرنے والی آوازیں کو ان پوشیدہ معانی کے ساتھ کوئی نسبت نہیں، سوائے اس کے کہ یہ حروف اور آوازیں پوشیدہ معانی کے مظاہر اور چھپے ہوئے کمالات کے آئینے ہیں۔ حروف اور آوازوں کو ان خفیہ معانی کا عین قرار دینا بے معنیٰ بات ہے، اور اس صورت میں احاطہ اور معیت کا حکم لگانا واقع کے خلاف ہے۔ ــــ معانی اپنی ذات وصفات کے ساتھ پوشیدہ اور قائم ہیں، ان کی ذات وصفات میں کسی قسم کا تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا۔ لیکن چونکہ ان حروف و آوازوں کے معانی کے درمیان ایک قسم کی دالیت اور مدلولیت کی نسبت ثابت ہے اس بنا پر بعض زائد معانی جو ہمارے تخیل میں آتے ہیں فی الحقیقت وہ پوشیدہ معانی سے منزّہ اور مبرّا ہیں۔

اور جو کچھ اس مسئلہ میں ہمارا اعتقاد ہے (وہ مذکور ہو چکا۔ پس مخلوق میں) مظہریّت و مرائیت کے علاوہ کسی اور امرِ زائد مثل اتحاد، عینیت، احاطہ اور معیت کا ثابت کرنا سکر کی وجہ سے ہے ورنہ ذاتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ درحقیقت اس سے پاک ہے اور نسبت سے مبرا ہے۔ مَا لِلتُّرَابِ وَ رَبِّ الْاَرْبَابِ (چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک، خاک کو عالمِ پاک سے کیا نسبت)۔

ظاہریت (حق تعالیٰ کا ظاہر ہونا) اور مظہریت (مخلوق کا مظہر ہونا) کی اس قدر مناسبت کے باوجود وحدتِ وجود کہیں یا نہ کہیں حقیقۃً متعدد وجود ہیں، لیکن اصالت اور ظلّیت، ظاہریت و مظہریت کے طریق سے نہیں بلکہ ایک وجود ہے اور اس کے علاوہ اوہام و خیالات ہیں۔ یہ بعینہٖ سوفسطائیہ[1] کا

---

[1] سوفسطائیہ کے مذہب کی بنیاد وہم پرستی پر مبنی ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے سوفسطائیہ اور صوفیہ کے مذہب کی مزید تحقیق دفتر دوم کے مکتوب اوّل اور چہل و سوم میں کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

مذہب ہے۔ عالم کی حقیقت کا اثبات عالم کے اندر تلاش کرنا اوہام و خیالات سے خارج نہیں ہے جو سوفسطائیت کا مقصود ہے۔ مثنوی

چوں بدانستی تو اورا از نخست — سوئے آنحضرت نسب کردی درست
وانگہ دانستی کہ ظل کیستی — فارغی گر مُردی وگر زیستی
(اگر تجھے پہلے سے ہوتی کچھ شناخت — اُس سے نسبت اپنی کرلیتا درست
جان لے اب بھی کہ کس کا ظل ہے تو — پھر تو فارغ، کام پھر تیرا ہے چست)

مکتوب ۱۲۶ صد و بست و ششم

یہ مکتوب بھی میر صالح نیشاپوری کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ طالبِ (راہِ سلوک) کو چاہئے کہ باطل معبودوں کی خواہ وہ آفاقی ہوں یا انفسی (دل سے) نفی کرے (حتیٰ کہ) حق تعالیٰ جل سلطانہ کے حق ہونے کے اثبات کی جانب میں جو کچھ بھی فہم کے حوصلہ اور ادراک کے احاطہ میں آئے اس کو بھی نفی کے تحت لاکر صرف حق تعالیٰ سبحانہ کے موجود ہونے پر اکتفا کرے، اگرچہ وجود کے اثبات کی بھی اس مقام میں گنجائش نہیں ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

سیادت و شرافت کی مسند والے! (راہِ سلوک کے) طالب کو چاہئے کہ آفاقی (بیرونی) و انفسی (اندرونی) باطل معبودوں کی نفی (غیر اللہ کو دل سے دُور) کرنے میں اہتمام کرتا رہے اور حق تعالیٰ جل سلطانہ کے حق ہونے کے اثبات کی جانب میں جو کچھ بھی فہم کے حوصلہ اور ادراک کے احاطہ میں آئے اس کو بھی نفی کے تحت لاکر صرف مطلوب (حق تعالیٰ سبحانہ) کے موجود ہونے پر اکتفا کرے۔ مصرع

بیش ازیں پے نہ بردہ اند کہ ہست — (اس سے زیادہ علم نہیں بس وہ ہے وہ ہے)

اگرچہ وجود کی بھی اس مقام میں گنجائش نہیں ہے، اُس (حق تعالیٰ) کو وجود سے بھی ماورائے وجود تلاش کرنا چاہئے ـــــــ علمائے اہلِ سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے کیا خوب فرمایا ہے: "وجودِ واجب تعالیٰ زائد است بر ذاتِ او سبحانہ" (یعنی واجب تعالیٰ کا وجود اس سبحانہٗ کی ذات پر زائد ہے) اور وجود کو عین ذات قرار دینا اور وجود کے علاوہ دوسرا امر ثابت نہ کرنا کوتاہ نظری ہے۔

شیخ علاؤالدولہؒ فرماتے ہیں: فَوْقَ عَالَمِ الْوُجُوْدِ عَالَمُ الْمَلِكِ الْوَدُوْدِ (یعنی عالَمِ وجود سے اوپر مَلِک ودود (حق تعالیٰ) کا عالَم ہے) ـــــ اور جب اِس درویش کا وجود کے مرتبہ سے او پر گذر ہوا تو جبتک وہ حال مجھ پر غالب رہا اس وقت تک ذوق ووجدان کی بنا پر میں نے اپنے آپ کو اربابِ تعطیل (معطل ہونے والے حضرات) میں پایا، اور واجب جل شانہٗ کے وجود کا حکم نہیں کرتا تھا کیونکہ وجود کو راستہ ہی میں چھوڑ آیا تھا اور مرتبۂ ذات میں وجود کی گنجائش نہ پاتا تھا۔ اس وقت (اس درویش کا) کا اسلام تقلیدی تھا تحقیقی نہ تھا ـــــ غرضکہ جو کچھ ممکن کے حوصلہ میں آئے وہ بطریق اولیٰ ممکن ہی ہو سکتا ہے ۔ فَسُبْحَانَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلْ لِلْخَلْقِ اِلَیْہِ سَبِیْلًا اِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِہٖ (پس پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کے لئے عجز کے اقرار کے سوا کوئی راستہ اپنی معرفت کا نہیں رکھا)۔

فنائی اللہ اور بقایاللہ کے حصول سے کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ ممکن واجب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ محال ہے اور اس طرح پر حقائق کا تغیر و تبدّل لازم آتا ہے۔ پس جب ممکن واجب نہ ہوا تو پھر ممکن کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ واجب جل شانہٗ کے ادراک کا عجز اختیار کرے۔ فرد

عنقا شکارِ کس نشود دام باز چیں کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

(عنقا نہ ہاتھ آسکے بس دام اٹھا یئو اس کام میں تو رام ہے ناکام بس مدام)

بلند ہمتی اسی طرح کا مطلب چاہتی ہے کہ اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ آئے اور اس کے نام و نشان کی بھی کوئی شہرت نہ ہو۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے مطلب کو اپنا مقصود بنا لیتے ہیں اور اس کے ساتھ قرب و معیت پیدا کر لیتے ہیں۔
مصرع: آں ایشانند من چنینم یارب۔ (یارب وہ ایسے ہیں اور میں ایسا ہوں) والسلام اولاً و آخراً۔

مُلا صفر احمد رومی[۱] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ والدین کی خدمت ہر چند حسنات میں سے ہے لیکن مطلوبِ حقیقی تک پہنچنے کے مقابلے میں محض بیکاری اور خالص معطلی ہے بلکہ بُرائی میں داخل ہے، حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ اور اس کے مناسب بیان میں۔

---

[۱] آپ کے نام دو مکتوب ہیں ایک تو یہی، اور دوسرا دفتر سوم کا ۶۵ واں مکتوب ۔ (آپ کا مختصر تذکرہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

(آپ کا) پسندیدہ مکتوب موصول ہوا۔ (یہاں آنے کے بارے میں) توقف کا جو عذر (والدین کی خدمت) آپ نے بیان کیا ہے وہ صحیح و درست ہے (اور اس سلسلہ میں) اس سے بھی زیادہ جس قدر ہو سکے کرنا چاہئے (اور اس سب کے باوجود) اپنے آپ کو قصوروار اور کوتاہ عمل سمجھنا چاہئے ـــــ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد ہے وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ اِحْسَانًا حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ کُرْھًا وَّوَضَعَتْہُ کُرْھًا (الاحقاف آیت ۱۵) (یعنی ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید کی ہے، اس کی ماں نے تکلیف کے ساتھ اسے اٹھائے رکھا پھر تکلیف کے ساتھ جنا) ـــــ پھر دوسری جگہ ارشاد ہے: اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ (لقمان آیت ۱۴) (میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو)۔

اس کے باوجود یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ یہ سب کچھ مطلوبِ حقیقی تک پہنچنے کے مقابلے میں محض بیکار ہے بلکہ منازل سلوک کے طے کرنے میں ایک طرح کا تعطّل ہے۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ (ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں) آپ نے سُنا ہوگا۔ بیت

ہرچہ جز عشقِ خدائے احسن است	گر شکر خوردن بود جان کندن است
(جو بھی ہے عشقِ الٰہی کے سوا	اُس میں ہے زہرِ ہلاہل کا مزہ)

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا حق تمام مخلوقات کے حقوق پر مقدم ہے، اور ان (والدین) کے حقوق کی ادائگی بھی حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کی وجہ سے ہے ورنہ کس کی مجال ہے کہ اس کی خدمت کو چھوڑ کر دوسرے کی خدمت میں مشغول ہو، لہٰذا ان کی خدمت حق تعالیٰ ہی کی خدمت میں سے ہے، اگرچہ خدمت خدمت میں بڑا فرق ہے ـــــ کاشتکار اور ہل چلانے والے بھی بادشاہوں کے خادم شمار ہوتے ہیں لیکن مقربین کی خدمت کچھ اور ہی چیز ہے۔ ان کے نزدیک کھیتی باڑی اور ہل چلانے کا نام لینا بھی معصیت میں داخل ہے۔ ہر کام کی اجرت اس کام کے اندازے کے مطابق ہوتی ہے۔ ہل چلانے والے کو سخت محنت کے بعد ایک ٹکہ مزدوری کا ملتا ہے لیکن مقرب حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی حضوری حاصل

(بقیہ از صفحۂ گذشتہ) میر صفر احمد رومیؒ صحیح النسب سید اور روم کے اکابر مشائخ میں سے تھے، زیارتِ حرمین شریفین کے شوق میں جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و بشارت پر حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کے شوق میں چل دیئے ۱۰۱۲ھ میں لاہور پہنچے تو حسنِ اتفاق کہ حضرت مجددؒ بھی لاہور میں تشریف فرما تھے آپ شرف بیعت حاصل کر کے تکمیل سلوک کے بعد خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔ بعد ازاں ۲۷ ذی الحجہ ۱۰۲۱ھ کو آپ کی دخترِ نیک اختر سے حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کی شادی ہوئی اور ۱۰۴۰ھ سرہند شریف میں آپ کا انتقال ہوا۔

ہونے کی ایک ساعت میں لاکھوں کا مستحق بن جاتا ہے اگرچہ اس کو لاکھوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو صرف بادشاہ (حق تعالیٰ) کے قرب میں گرفتار ہے اور بس شَتَّانَ بَیْنَھُمَا (ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے) فرخ حسین کافی ترقی حاصل کر چکا ہے اس کی طرف سے مطمئن رہیں، زیادہ کیا لکھوں ــــ والسلام

مکتوب ۱۲۸ صد و بست و ہشتم

خواجہ مقیم[1] کی طرف صادر فرمایا ــــ بلند ہمتی کی ترغیب اور بے مثل ذات کو مطلوب قرار دینے کے علاوہ کسی پر اکتفا نہ کرنے کے بیان میں۔

جناب خواجہ محمد مقیم ہم دُور افتادگان کو فراموش نہ کر دیں بلکہ (اپنے سے) دُور نہ جانیں۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) ــــ مقصد یہ ہے کہ سلوک کا راستہ انتہا درجہ طویل ہے اور مطلوب انتہائی بلندی پر ہے اور ہماری ہمتیں انتہا درجہ کوتاہ ہیں، اور (اس راہ کی) درمیانی منزلیں "سراب مطلب نما" ہیں (یعنی ہم سمجھتے ہیں کہ مطلوب حاصل ہو گیا حالانکہ یہ دھوکا ہے) ــــ عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہٗ کی پناہ) کہ سالک وسط کو انتہا سمجھ کر غیر مقصد کو مقصد سمجھ بیٹھے، اور "چون" کو "بیچون" تصور کر لے اور مطلوبِ حقیقی تک پہنچنے سے رہ جائے ــــ ہمت کو بلند رکھنا چاہیے اور کسی حاصل شدہ پر سر کو خم (قناعت) نہ کرنی چاہیے بلکہ (حق تعالیٰ کو) وراء الوراء (بلند سے بلند تر) میں تلاش کرنا چاہیے ــــ اس قسم کی ہمت کا حاصل ہونا شیخ مقتدا کی توجہ سے وابستہ ہے اور شیخ کی توجہ "مرید مقتدی" کی محبت اور اخلاص کے مطابق ہوتی ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

مکتوب ۱۲۹ صد و بست و نہم

سید نظام[2] کی طرف صادر فرمایا ــــ اس بیان میں کہ انسان کی جامعیت اس کے تفرقے کے باعث ہے اور یہی جامعیت اس کی جمیعت کا سبب ہے جس طرح نیل کا پانی دوستوں کیلئے پانی اور دشمنوں کیلئے بلا و مصیبت ہے۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ باقی حالات بھی معلوم نہ ہو سکے ــــ [2] آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

مکتوب شریف موصول ہوا، چونکہ آدمی تمام مخلوقات میں جامع ترین ہستی ہے اور اس کے اجزا میں سے ہر جزو کے واسطے سے بکثرت موجودات کے ساتھ اس کا تعلق اور گرفتاری ظاہر ہوتی ہے لہذا حقیقت میں اس کی جامعیت ہی حق تعالیٰ سبحانہ کی جناب سے تمام مخلوقات سے زیادہ دوری کا باعث بنی۔ اور تعلقات کی کثرت اس کی محرومی کا سب سے زیادہ سبب ہے ــــ اور اگر حق تعالیٰ عزشانہٗ کی توفیق سے (انسان) اپنے منتشر تعلقات سے جمعیت حاصل کر لے اور بازگشت کر کے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے تو فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (الاحزاب آیت ۷۱) (بیشک اس نے عظیم کامیابی حاصل کر لی) ورنہ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (النساء آیت ۱۱۶) (بیشک وہ گمراہی میں دور جا پڑا) ــــ انسان چونکہ جامعیت ہی کی وجہ سے موجودات میں بہترین ہے اور اسی جامعیت کی وجہ سے وہ بدترین مخلوق بھی ہے اور جامعیت ہی کی وجہ سے اس کا آئینہ اکمل و اتم ہے۔ اگر انسان دنیا کی طرف اپنی توجہ رکھے تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ دنیا میں سب سے برا ہے اور اگر اس کا رخ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف ہو تو پھر وہ مصفّٰی و مزکّٰی ہے اور سب سے زیادہ بیش بہا (خوش نصیب) ہے ــــ ان تعلقات کی گندگی سے مکمل آزادی حاصل کرنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کا خاصہ ہے اور آپ کے بعد دوسرے انبیائے کرام و اولیائے عظام اپنے اپنے مراتب و درجات کے مطابق ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے نبیؐ پر اور ان کے تابعداروں پر قیامت تک صلوٰۃ و سلام ہو ــــ رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ نَجَاتًا عَنْ هٰذِهِ التَّعَلُّقَاتِ بِحُرْمَةِ النَّبِيِّ الْمُصْطَفٰى الْمَمْدُوْحِ بِقَوْلِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا (حق تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل جن کی حق تعالیٰ نے مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (النجم آیت ۱۷) (یعنی آنحضرتؐ کی پلک جھپکی اور نہ ہی نظر مبارک حد سے بڑھی) کے مقدس جملے سے تعریف فرمائی ہے۔ ان تعلقات سے نجات عطا فرمائے آمین) اس سے زیادہ لکھنا ملال کا باعث ہے۔ والسلام والاکرام۔

(بقیہ از صفحۂ گذشتہ) سید نظام کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ غالباً سید نظام مرتضیٰ خاں مراد ہیں جو میران صدر جہاں حسینی پہانی کے چھوٹے فرزند تھے تحصیلِ تعلیم کے بعد شاہی ملازمت میں بڑے منصب پر پہنچے۔ دولت آباد کی مہم میں کارنمایاں انجام دیئے مہابت خاں نے آپ کو دولت آباد کا قلعہ دار بنانا چاہا لیکن آپ نے عہدہ قبول نہیں کیا۔

(ذخیرۃ الخوانین ج ۲ ص ۲۴۲)

جمال[1] الدین کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ تلوینات (تغیر و تبدل) احوال کا کچھ اعتبار نہیں، بیچونی و بے چگونی کا حصول ہونا چاہیے۔

احوال کی تلوینات کا کچھ اعتبار نہیں ہے ان میں پھنسنا نہیں چاہیے کہ کیا آیا، کیا گیا، کیا کہا اور کیا سنا مقصود کچھ اور ہی ہے، جو کہنے، سننے، دیکھنے اور مشاہدہ کرنے سے پاک و مبرا ہے۔ طالبانِ سلوک کے بندی کو اخروٹ و منقی (معمولی چیزوں) سے تسلّی دیتے ہیں۔ ہمت بلند رکھنی چاہیے، کرنے کا کام دوسرا ہے، باقی سب خواب و خیال ہے ـــــــ اگر کوئی شخص خواب میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھے تو حقیقت میں وہ بادشاہ نہیں ہے لیکن ایسے خواب سے (بلند مرتبہ کی) امید ہوتی ہے۔ طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے اکابرین واقعات کا کچھ اعتبار نہیں کرتے۔ یہ بیت ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔ بیت

چو غلام آفتابم ہم از آفتاب گویم	نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم
(میں غلام شمس کا ہوں بس اسی کی بات ہوگی	نہیں شب، نہ اُس کا عاشق جو ہو نیند کی کہانی)

اگر احوال میں سے کوئی حال وارد ہو جائے اور پھر چلا جائے تو خوشی یا غم کی بات نہیں۔ بے چونی و بیچگونی (بے کیف و بے مثال) کے قرب کے حصول کا منتظر رہنا چاہیے۔ والسلام

خواجہ محمد اشرف کابلی[2] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ طریقہ حضرات خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی بلند شان میں اور اس جماعت کی شکایت کے بیان میں جنھوں نے اس طریقہ میں

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے غالباً علامہ جمال الدین تلوی لاہوری مراد ہیں۔ درس و تدریس میں آپ کا کوئی ہمسر نہ تھا لاہور میں علمی ریاست کا آپ پر خاتمہ تھا دور دور سے لوگ استفادے کے لئے آپ کے پاس آتے تھے۔ (نزہۃ الخواطر و تذکرہ علماء ہند)

[2] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۳۱-۱۴۷-۱۷۴-۱۸۷-۲۰۵-۲۲۲-۲۳۵-۲۵۱ دفتر دوم مکتوب ۳۰-دفتر سوم ۱۰۷-آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے خاص لوگوں میں سے تھے۔ حضرت نے آپ کو فنائے اتم کی خوشخبری دی تھی۔ آپ نے سلوک کی تکمیل کر کے خلافت پائی۔ (روضۃ القیومیہ)

نئی نئی باتیں ایجاد کر لی ہیں اور ان کو اس طریقہ کی تکمیل سمجھ لیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ۔

(سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاک اولاد پر صلوٰۃ و سلام ہو) ـــــــ میرے سعادتمند بھائی خواجہ محمد اشرف کو اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے کرام کے شرف سے مشرف فرمائے ـــــــ جاننا چاہیئے کہ حضرات خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کا طریقہ حق تعالیٰ تک پہنچانے والے طریقوں میں سب سے زیادہ اقرب ہے، دوسرے طریقوں کی انتہا ان بزرگوں کی ابتدا میں درج ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اس طریقہ میں سنت کی اتباع کو لازم رکھا گیا ہے اور بدعتوں سے پرہیز کرنا ہے۔ (یہ حضرات) حتی الامکان رخصت پر عمل کرنا جائز نہیں سمجھتے، اگرچہ بظاہر باطنی طور پر اس کو نفع بخش سمجھیں۔ اور عزیمت پر عمل کرنا نہیں چھوڑتے اگرچہ صورت کے اعتبار سے سیرت اور طریقے میں نقصان دہ ہی جانتے ہوں۔ (ان بزرگوں نے) احوال و مواجید کو احکامِ شرعیہ کے تابع کر لیا ہے اور ذوق و معارف کو علومِ شرعیہ کا خادم سمجھتے ہیں، احکامِ شرعیہ کے نفیس جواہرات کو بچوں کی طرح وجد و حال کے جوز و مویز کے عوض نہیں لیتے، اور صوفیاء کی بے اصل باتوں پر مغرور اور فریفتہ نہیں ہوتے، اور نص (شرعیہ) کے مقابلہ میں فص (فصوص الحکم) کو ترجیح نہیں دیتے، فتوحاتِ مدنیہ (سننِ نبویہ) کے مقابلے میں فتوحاتِ مکیہ کی طرف التفات نہیں کرتے، اور ان کا حال دائمی ہے، اور ان کا وقت ذاتی تجلّی کے اوپر ثبات قائم کئے ہوئے ہے جو دوسروں کے لئے بجلی کی مانند ہے ان بزرگواروں کے لئے دائمی ہے، وہ حضور جو تھوڑی دیر کے بعد باقی نہ رہے ان بزرگواروں کے نزدیک اعتبار سے ساقط ہے۔ (جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور آیت ۳۷) (یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کر سکتی) ـــــــ لیکن ہر شخص کی فہم ان بزرگوں کے مذاق کے مطابق نہیں ہے، ممکن ہے کہ اس بلند طریقے سے کمال حاصل نہ کرنے والے حضرات ان کمالات کا انکار کر بیٹھیں۔ بیت

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور	حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را
ترجمہ (ایسے لوگوں پر اگر ناقص کرے طعنہ زنی	میں کروں اپنی زباں سے کچھ گلہ؟ توبہ مری)

ہاں بعض خلفائے متاخرین نے اس طریقۂ عالیہ میں بعض اختراعات (نئی نئی باتیں) نکال لی ہیں اور اکابرین کی اصل راہ چھوڑ دی ہے۔ ان کے مریدوں کی ایک جماعت اس کا اعتقاد رکھتی ہے کہ ان نئی اختراعات سے اس طریقے کی تکمیل ہوگئی ہے حاشا و کلا (خدا کی پناہ ایسا نہیں ہے) كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ (کہف آیت ۵) (کتنی بڑی بات ہے جو اُن کے منہ سے نکل رہی ہے)۔ بلکہ انھوں نے (سلسلہ کی) تخریب اور ضائع کرنے میں کوشش کی ہے —— افسوس ہزار افسوس کہ بعض وہ بدعات جو دوسرے سلسلوں میں بھی ہرگز موجود نہیں اس طریقۂ عالیہ میں جاری کردی ہیں —— (مثلاً) نمازِ تہجد جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور قرب وجوار کے لوگ بھی نمازِ تہجد کے لئے جمع ہوتے ہیں اور نہایت اطمینان کے ساتھ (نماز تہجد باجماعت) ادا کرتے ہیں، حالانکہ کراہتِ تحریمیہ کے ساتھ یہ عمل مکروہ ہے —— فقہا کی ایک جماعت جس نے تداعی (ایک دوسرے کو بُلانا) کو کراہت کی شرط قرار دیا ہے وہ نفلی جماعت کو مسجد کے ایک گوشہ میں محدود کرتے ہیں اور وہ بھی اس صورت میں کہ تین آدمیوں سے زیادہ نہ ہوں، اس سے زیادہ کو بالاتفاق مکروہ کہا ہے —— اور اسی طرح نمازِ تہجد کو تیرہ ۱۳ رکعات جانتے ہیں، بارہ ۱۲ رکعات کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں اور دو رکعت بیٹھ کر تاکہ ایک رکعت کا حکم پیدا ہوکر تیرہ ۱۳ رکعات ہوجائیں (حالانکہ) ایسا نہیں ہے۔ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوات والتسلیمات نے کبھی تیرہ ۱۳ رکعات ادا فرمائی ہیں، کبھی گیارہ ۱۱، کبھی نو ۹ اور کبھی سات، تو اس میں نمازِ تہجد کے ساتھ وتر نے مل کر فردیت (طاق عدد) پیدا کرلی ہے، نہ یہ کہ دو رکعت بیٹھ کر ادا کرنے کو ایک رکعت کا حکم دیدیا ہو —— اس قسم کے علم وعمل کی ان مثالوں کا منشا روشن سنتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی عدم تابعداری ہے۔

تعجب ہے کہ علماء کے شہروں میں جو مجتہدینؒ کا ملجا و ماویٰ ہے اس قسم کی بدعات رواج پاگئیں حالانکہ ہم فقراء علوم اسلامیہ کا استفاضہ ان بزرگوں کی برکات سے کرتے ہیں — وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ۔ فرد

اندکے پیشِ تو گفتم غمِ دل ترسیدم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(بہت تھوڑی کہی ہے ڈرتے ڈرتے داستانِ غم کہیں آزردہ ہوجائے نہ دل تیرا مرے ہمدم)

والسلام

ملا محمد صدیق بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ دولت مندوں کی صحبت سے پرہیز اور فقراء کی صحبت کی ترغیب میں کہ فقراء (کے آستانوں) کی جاروب کشی دولت مندوں کی صدر نشینی سے بہتر ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

(آل عمران آیت ۸) (اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت فرمانے کے بعد کجی سے بچا اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بیشک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے) ــــــ اے میرے بھائی! آپ نے ظاہری طور پر فقراء کی ہمنشینی سے تنگ دل ہو کر دولت مندوں کی مجلس اختیار کر لی ہے (یہ کام) بہت برا کیا۔ آج (دنیا میں) اگر آپ کی آنکھ (بصیرت) بند ہے تو کل (قیامت کے دن) کھل جائے گی، اس وقت ندامت و پشیمانی کے علاوہ کچھ فائدہ نہ ہوگا، آگاہ کر دینا ضروری ہے ــــــ اے بوالہوس! تمہارا معاملہ دو حال سے خالی نہیں، دولتمندوں کی مجلس میں دلجمعی ملے گی یا نہیں۔ اگر اس سے (دلجمعی) مل جائے تو برا ہے اور اگر نہ ملے تو اس سے بدتر ہے۔ اگر مل جائے تو یہ (جمعیت نہیں بلکہ) استدراج ہے، عِيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ مِنْ ذٰلِكَ (اللہ سبحانہ کی اس سے پناہ) اور اگر نہ ملے تو خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ (سورۂ حج آیت ۱۱) (دنیا و آخرت (دونوں جگہ) نقصان ہے) ان کے حال کی نشانی ہے ــــــ فقراء کے آستانوں کی خاکروبی دولت مندوں کے ہاں کی صدر نشینی سے بہتر ہے، آج اگر یہ بات آپ کو معقول معلوم ہو یا نہ ہو آخر کار معقول معلوم ہو جائے گی مگر اس وقت کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ مرغن غذائیں اور فاخرہ لباس کی تمنا اور آرزو نے تم کو اس مصیبت میں ڈالا ہے، اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے اگر اصل کی طرف رجوع کریں ــــــ جو چیز بھی حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف رکاوٹ کا سبب ہو اس کو دشمن جان کر اس سے فرار اختیار کریں اور پرہیز کریں،

---

[1] آپ کے نام بارہ[12] مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۳۲ تا ۱۳۶-۱۶۲-۱۷۶-۱۸۸-۲۱۲ دفتر دوم مکتوب ۲۱-۵۱ دفتر سوم مکتوب ۸۔ حقائق آگاہ مولانا محمد صدیق بدخشی ملقب بہ ہدایت بن ظہیر الدین حسن کشم علاقہ بدخشاں کے رہنے والے تھے ــــ آپ کو شعر و سخن سے بہت دلچسپی تھی۔ پہلے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے بیعت کی اور حضرت خواجہ کی رحلت کے بعد حضرت مجدد الف ثانی سے بیعت ہو کر خلافت پائی ۱۰۱۹ھ میں حضرت مجدد صاحبؒ کا رسالہ مبدأ و معاد مرتب کیا ۱۰۳۲ھ میں حج مقدس کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ ماہ شوال ۱۰۵۱ھ میں وفات پائی اور حضرت خواجہؒ کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ (تغابن آیت ۱۴) (بیشک تمہاری بیویاں اور اولاد میں سے تمہارے دشمن ہیں پس تم ان سے بچتے رہو) نصِ قطعی ہے۔

صحبت کے حقوق نے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ ایک مرتبہ آپ کو نصیحت کر دی جائے عمل کریں یا نہ کریں۔ میں تمہاری فضول باتوں کو پہلے سے جانتا ہوں کہ تمہارے لئے اس طریقہ کے فقر پر استقامت دشوار ہے۔

وَقَدْ کَانَ مَاخِفْتُ اَنْ یَّکُوْنَا اِنَّا اِلَی اللّٰہِ رَاجِعُوْنَا

ترجمہ (بیشک وہ بات ہو کے رہی جس کا خوف تھا تحقیق ہم خدا کی طرف ہیں رجوع اب

اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات و التحیات انمہا و اکملہا کی تابعداری کو لازم پکڑے ـــــــ مجھے تمہاری عادت اور قابلیت سے کچھ اور ہی توقع تھی لیکن تم نے اپنے نفیس جوہر کو پاخانے (گندگی) میں پھینک دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

مکتوب ۱۳۳

صد و سی و سوم

یہ مکتوب بھی ملا محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ فرصت کے لمحات کو غنیمت جاننا چاہئے اور اپنے قیمتی وقت کی قدر کرنی چاہئے۔

وہ مکتوب جو آپ نے قاصد کے بدست ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ فرصت (کے لمحات) کو غنیمت جانیں اور وقتِ عزیز کی قدر کریں، رسوم و عادات سے کوئی کام نہیں بنتا، حیلے بہانے تلاش کرنے سے سوائے خسارہ و مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ مخبرِ صادق علیہ و علیٰ آلہ من الصلوات انمہا و من التسلیمات اکملہا نے فرمایا ہے: هَلَکَ الْمُسَوِّفُوْنَ سَوْفَ اَفْعَلُ[۱] (یعنی عنقریب یہ کام کروں گا کہنے والے ہلاک ہوگئے) موجودہ عمر کو موہوم کام (لذات و آسائشِ دنیاوی) میں صرف کرنا اور موہوم (بے فائدہ) کو موجود (زندگی) کیلئے حفاظت کرنا بہت بُرا ہے۔ چاہیے کہ نقدِ وقت (موجودہ وقت) کو اہم کاموں میں صرف کریں اور ادھار (غیر موجود وقت) کو دنیاوی کاموں اور بے فائدہ آرائشوں کے لئے مؤخر کر دیں (مسلسل ٹالتے رہیں) حق سبحانہٗ و تعالیٰ (اپنی طلب میں) تھوڑی سی بے آرامی بخشے تاکہ ماسوائے حق کے آرام سے نجات حاصل ہو

[۱] تشریح کے لئے ملاحظہ ہو دفتر اول مکتوب ۷۳ حاشیہ۔

(محض) گفتگو سے کچھ فائدہ نہیں ہے، وہاں تو (یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں) قلبِ سلیم طلب کرتے ہیں لہذا اصل مقصد کا فکر کرنا چاہیئے اور بے فائدہ کاموں سے پوری طرح منھ پھیر لینا چاہیئے۔ بیت

ہرچہ جز عشقِ خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جان کندن است

(جو بھی ہے عشقِ الہٰی کے سوا اس میں ہے زہر ہلاہل کا مزہ)

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغ (قاصد کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے)۔

مکتوب ۱۳۴

یہ مکتوب بھی ملا محمد صدیق بدخشی کی طرف صادر فرمایا —— تسویف کہنے سے منع کرنے کے بیان میں۔

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ بحرمت سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات آپ کو قرب کے درجات میں بے اندازہ عروج عطا فرمائے —— اے محبت کے نشان والے! اَلْوَقْتُ سَیْفٌ قَاطِعٌ (وقت زندگی کو کاٹنے والی تلوار ہے) (صوفیا کا مقولہ ہے) —— معلوم نہیں کہ کل تک مہلت دیں یا نہ دیں۔ اہم اور ضروری کام کو آج ہی کر لینا چاہیئے اور غیر ضروری کاموں کو کل پر مؤخر کر دینا چاہیئے۔ عقل کا تقاضا یہی ہے، عقلِ معاش (دنیاوی) کا نہیں بلکہ عقلِ معاد کا بھی یہی حکم ہے۔ اس سے زیادہ کیا لکھوں والسلام

مکتوب ۱۳۵ (عربی)

یہ مکتوب بھی مخلص دوست محمد صدیق کی طرف صادر ہوا —— ولایت کے بیان میں، ولایت خواہ عامہ ہو یا خاصہ، اور ولایتِ خاصہ کی بعض خصوصیات کے بیان میں۔

جاننا چاہیئے کہ ولایت فنا اور بقا سے عبارت ہے، اور وہ (ولایت) دو قسم کی ہے، عام یا خاص۔ اور عامہ سے ہماری مراد مطلق ولایت ہے اور ولایتِ خاصہ سے ولایتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ مراد ہے۔ اور ولایتِ خاصہ میں فنائے تام اور بقائے اکمل حاصل ہو جاتی ہے، جو شخص بھی اس نعمتِ عظمیٰ سے مشرف ہو گیا تو اس کا بدن حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی اطاعت میں مطیع ہو گیا اور اس کا

سینہ اسلام (حقیقی) کے لئے کھل گیا اور اس کا نفس امارگی (شرارت) اور لوامگی (شرمندگی) سے آزادی حاصل کر کے مطمئنہ ہوگیا، پس وہ اپنے آقا حق جل وعلا سے راضی ہوگیا اور اس کا مولیٰ اس سے راضی، اور اس کا (لطیفۂ) قلب حق تعالیٰ کی ذات کے لئے خالص ہوگیا اور اس کا لطیفۂ روح مکمل طور پر حضرت صفاتِ لاہوت (عالمِ ذاتِ الہٰی) کے مکاشفہ سے واصل ہوگیا، اور اس کا (لطیفۂ) سِر شیون واعتبارات کے ملاحظہ کے ساتھ مقامِ تجلیاتِ ذاتیہ برقیہ سے مشرف ہوگیا، اور اس کا (لطیفۂ) خفی کمال درجہ تنزہ وتقدس اور عظمت وکبریائی کے سامنے دریائے حیرت میں ڈوب گیا، اور اس کا (لطیفۂ) اخفیٰ (اس ذات کے ساتھ) بے کیف وبے مثال طریقے پر اتصال پذیر ہوگیا۔ مصرع

هَنِيْئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا (مبارک نعمتیں جنت کی ہوں اربابِ نعمت کو)

اور جس بات کا جاننا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ولایتِ خاصۂ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلامُ والتحیہ عروج ونزول کے دونوں طرفوں میں ولایت کے تمام مرتبوں سے ممتاز اور علیحدہ ہے لیکن عروج کی طرف اس وجہ سے کہ اخفیٰ کی فنا اور اس کی بقا دونوں اس ولایت خاصہ کے ساتھ مخصوص ہیں اور باقی تمام ولایتوں کا عروج تفاوتِ درجات کے اعتبار سے (لطیفۂ) خفی تک محدود ہے یعنی بعض اربابِ ولایت کا عروج (لطیفۂ) روح کے مقام تک ہے اور بعض کا عروج (لطیفۂ) سِر تک اور بعض دوسروں کا عروج (لطیفۂ) خفی تک ہے اور یہ ولایتِ عامہ کا اعلیٰ درجہ ہے اور نزول کی طرف میں اولیائے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے اجسام کے لئے بھی اسی ولایت کے درجوں کے کمالات میں سے کچھ حصہ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شبِ معراج میں اپنے جسدِ[1] (عنصری کے ساتھ) جہاں تک حق تعالیٰ نے چاہا سیر کرائی گئی اور آپ کے سامنے جنت ودوزخ پیش کی گئی (سامنے لائی گئی)۔ اور آپ کی جانب وحی آئی جو کچھ کہ آئی، اور وہاں آپ (حق تعالیٰ کی) رویتِ بصری سے مشرف کئے گئے، اور اس طرح کی معراج آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے لئے مخصوص ہے اور وہ اولیائے کرام جو آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابع ہیں ان کو بھی کمالِ متابعت اور زیرِ قدم چلنے کی وجہ سے اس مخصوص مرتبہ میں کچھ حصہ ہے۔ ع

وَلِلْاَرْضِ مِنْ كَاْسِ الْكِرَامِ نَصِيْبٌ (زمیں کو بھی ملے حصہ بزرگوں کے پیالے سے)

---

[1] حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ صحیح مذہب یہی ہے کہ وجود اسریٰ ومعراج سب کچھ بحالت بیداری اور جسم کے ساتھ تھا، صحابہ، تابعین اور اتباع کے مشاہیر علماء، اور ان کے بعد محدثین، جمہور فقہاء، ومتکلمین وصوفیا کا مذہب اسی پر ہے۔ اسی پر احادیث صحیحہ اور اخبار صریحہ متواتر ہیں۔ (مدارج النبوت اردو ج ا ص ۲۸۷)

حاصل کلام یہ ہے کہ اس رویتِ بصری کا دنیا میں واقع ہونا آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے لئے مخصوص ہے، اور وہ حالت جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم اولیائے کرام کو حاصل ہوتی ہے وہ رویت نہیں ہے اور اس رویت اور حالت کے درمیان وہی فرق ہے جو کہ اصل اور فرع (جڑ اور شاخ) میں، یا شخص اور اس کے سایہ میں فرق ہوتا ہے، اور ان دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا عین نہیں ہے۔

یہ مکتوب بھی ملا محمد صدیق کے نام صادر فرمایا ——— مطلوبِ حقیقی کے حصول میں تسویف و تاخیر سے منع کرنے کے بیان میں۔

آپ کا مکتوب مرغوب موصول ہوا، چونکہ قاصد (رمضان المبارک کے) آخری عشرۂ متبرکہ میں پہنچا تھا اس لئے اس (رمضان) کے گذرنے کے بعد خطوں کے جواب لکھے گئے ——— (عبد الرحیم) خان خاناں اور خواجہ عبداللہ کے خط کا جواب بھی ارسال کر دیا ہے، آپ بھی ان کو ملاحظہ فرمالیں ——— اس مرتبہ آپ کا لشکر میں جانا فقیر کو پسند نہیں آیا۔ دیکھئے اس میں کیا حکمت ہے: وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اور سب کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں) ——— خیال فرمائیں کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے آپ کو روزمرہ کے گذارہ کے اسباب عطا فرمائے ہوئے ہیں، اس کو غنیمت جان کر اصل کام کی فکر کرنی چاہئے، نہ کہ اس کو مزید معیشت حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جائے کیونکہ (اس طرح) کاموں کا تسلسل[1] جاری ہو جاتا ہے (یعنی یہ سلسلۂ طلب لا انتہاہی ہو جاتا ہے) اور درویشی میں طولِ امل (لمبی امید لگانا) کفر ہے۔ اور قرض سے فارغ ہونے کا معاملہ معلوم نہیں ہے (کہ کب ادائیگی ہو) کہ خواجہ صاحب سے کوئی صورت پیدا کر لیں۔ اور اگر آپ کو کوئی شبہ ہے تو خواجہ صاحب کی طرف صاف صاف واضح طور پر لکھنا چاہئے، اگر وہ بھی جواب میں صاف طور پر لکھیں اور (جواب سے) پختہ وعدہ مفہوم ہو تو اس نیت سے چلے جائیں لیکن تسویف (نیک کام میں ٹال مٹول) اور تاخیر کا کیا علاج۔ (آپ کو) جو کچھ کرنا ہے جلد کریں کیونکہ فرصت کے لمحات غنیمت ہیں۔

---

[1] حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابنِ آدم کے پاس اگر دو وادی مال ہو تو تیسری چاہے گا اور آدمی کا پیٹ (قبر کی) مٹی کے علاوہ کسی چیز سے نہیں بھرتا اور اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق جس کو چاہتا ہے دیتا ہے (متفق علیہ)

مکتوب ۱۳۷

صد و سی و ہفتم

حاجی خضر افغان[ع] کی طرف صادر فرمایا ــــــ نماز کی ادائیگی کی بلند شان میں جس کا کمال درجہ نہایت النہایت سے وابستہ ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

پسندیدہ مکتوب موصول ہو کر مضامین سے آگاہی ہوئی عبادت میں لذت یابی اور اس کی ادائیگی میں کلفت و گرانی کا نہ ہونا حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے خصوصاً نماز کے ادا کرنے میں جو کہ غیر منتہی کو (جس نے سلوک کی تکمیل نہ کی ہو) میسر نہیں ہے خاص طور پر فرض نماز کے ادا کرنے میں ــــ کیونکہ ابتداء (مبتدی کو) نفلی نمازوں کے ادا کرنے میں لذت بخشتے ہیں (بعد ازاں) نہایت النہایت میں پہنچکر لذت کی یہ کیفیت فرضوں کی ادائیگی سے متعلق ہو جاتی ہے۔ اور بندہ اپنے نوافل کے ادا کرنے میں اپنے آپ کو بیکار جانتا ہے اس کے نزدیک فرضوں کو ادا کرنا بڑا اہم کام ہو جاتا ہے اور بس مصرع

ایں کار دولت است کنوں تا کرا رسد (یہ بڑی دولت ہے دیکھیے اب کسے نصیب ہوتی ہے)

جاننا چاہئے کہ وہ لذت جو عین نماز کی حالت میں حاصل ہوتی ہے اس میں نفس کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہے بلکہ وہ عین اس لذت کے وقت نالہ و فغاں میں ہوتا ہے سبحان اللہ کیا بلند مرتبہ ہے۔

مصرع هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا (مبارک نعمتیں جنت کی ہوں ارباب نعمت کو)

ہم جیسے بوالہوس (حریص آدمیوں) کو اس قسم کی باتوں کا کہنا اور سننا بھی بسا غنیمت ہے۔ مصرع

بار ے بہ ہیچ خاطر خود شاد میکنم (اسی خیال سے میں اپنے دل کو خوش کروں)

اور نیز جان لیں کہ دنیا میں نماز کا مرتبہ (آخرت میں) رویت باری تعالیٰ کے مرتبہ کی مانند ہے، دنیا میں نہایتِ قرب نماز کے اندر ہے اور آخرت میں نہایتِ قرب اللہ تعالیٰ کے دیدار کے وقت ہوگا۔ اور یہ بھی جان لیں کہ باقی تمام عبادات نماز کے لئے وسیلہ ہیں اور اصل مقصد نماز ہی ہے والسلام والاکرام۔

[ع] مکتوبات میں حاجی خضر افغان کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ حضرت مجددؒ کے مخصوص خلفا میں سے تھے۔ کثیر تعداد میں لوگ آپ سے مستفیض ہوئے۔ شیخ آدم بنوریؒ بھی ابتدا میں آپ ہی کے مرید تھے بعد میں خود آپ نے ان کو حضرت مجددؒ صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ اکثر راتوں کو گریہ و زاری میں مشغول رہتے تھے۔ بہت خوش الحان تھے۔ قصبہ بہلول مضافاتِ سرہند کے رہنے والے تھے۔ ۱۰۳۵ھ میں وفات پائی۔

شیخ بہاءؔ الدین[عہ] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ کمینی دنیا کی مذمت اور دنیا داروں کی صحبت سے پرہیز کرنے کے بیان میں۔

میرے سعادتمند فرزند! اس کمینی اور مبغوضہ دنیا سے خوش نہیں ہونا چاہئے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف دائمی توجہ کے سرمایہ کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے، اور اس بات کی فکر کرنی چاہئے کہ ہم کیا چیز فروخت کر رہے ہیں اور کیا خرید رہے ہیں ـــــــ آخرت کو دنیا کے بدلے بیچنا اور حق تعالےٰ کی طرف سے روگردانی کر کے مخلوق میں پھنس جانا صدر درجہ بے وقوفی اور کم علمی ہے۔ دنیا و آخرت کو جمع کرنا دو ضدوں کے جمع کرنے کے مانند ہے (جیسا کہ کسی نے کہا ہے) مَا اَحْسَنَ الدِّیْنَ وَالدُّنْیَا لَوِ اجْتَمَعَا (کیا اچھا ہوتا اگر دین و دنیا جمع ہو جاتے) ـــــــ ان دونوں ضدوں میں سے جس کو چاہیں اختیار کر لیں اور جس کے عوض میں چاہیں اپنے آپ کو بیچ ڈالیں ـــــــ (لیکن خوب سمجھ لیں کہ) آخرت کا عذاب ابدی ہے اور دنیا کا سامان (مال و دولت) قلیل ہے۔ دنیا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی مبغوضہ[۲] (قابلِ نفرت) ہے اور آخرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی پسندیدہ ہے۔ ن

عِشْ مَاشِئْتَ فَاِنَّکَ مَیِّتٌ　　وَالْزَمْ مَاشِئْتَ فَاِنَّکَ مُفَارِقُہٗ

ترجمہ (جی لے آخر تجھ کو مرنا ہے ضرور　　لے لے آخر ترک کرنا ہے ضرور)

آخر ایک دن بیوی بچوں کو بھی چھوڑنا پڑے گا لہٰذا ان کی تدبیر (نگہداشت) کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہئے اور آج سے اپنے آپ کو مُردہ[۳] تصور کر لینا چاہئے، اور تمام کاموں کو اس بزرگ ترین ہستی

---

[۱] ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں　　ایں خیال است و محال است و جنوں

[۲] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی (وقیع) ہوتی تو کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہ پلاتے۔ اس حدیث کو احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا (مشکوٰۃ)

[۳] حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بدن کو پکڑا اور فرمایا "دنیا کے اندر ایسے رہو جیسے کہ مسافر ہو یا راستے میں چلنے والے کی طرح، اور اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرو۔ رواہ البخاری (مشکوٰۃ)

عہ حافظ شیخ بہاء الدین سرہندی کے نام دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۱۳۸-۱۶۴- آپ غالباً حضرت مجدد صاحبؒ کے بھتیجے ہیں جیسا کہ حضرت مجدد صاحبؒ کے غسلِ میت کے حالات میں آیا ہے (حضرت مجدد الف ثانی ص ۲۳۵)

(یعنی حق تعالیٰ) کے سپرد کر دینا چاہیئے (ارشادِ باری تعالیٰ ہے) اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ (التغابن آیت ۱۴) (بیشک تمہاری بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں پس ان سے بچتے رہو)۔ قطعی فیصلہ ہے جو آپ نے بارہا سُنا ہوگا ـــــــ یہ خوابِ خرگوش کبتک رہے گا، آخر آنکھیں کھولنی چاہئیں۔ دنیاداروں کی صحبت اور ان سے میل جول (سالک کے لئے) زہرِ قاتل ہے۔ اس زہر کا مارا ہوا ابدی موت میں گرفتار ہے۔ اَلْعَاقِلُ تَکْفِیْہِ الْاِشَارَۃُ (عقلمندوں کے لئے اشارہ ہی کافی ہے) چہ جائیکہ اس کو مبالغہ کے ساتھ بار بار تاکید کی جائے ـــــــ (چونکہ) بادشاہوں کے دربار کا مرغن لقمہ قلبی امراض میں اضافہ کرتا ہے تو ایسی صورت میں نجات کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ الحذر الحذر (بچو بچو بچو)

من آنچہ شرطِ بلاغ ست با تو می گویم تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

(ہمارا کام ہے حق بات تجھ کو پہنچانا قبول کرلے کہ رنجیدہ ہو، یہ تیرا کام)

ان (دنیاداروں) کی صحبت سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں کیونکہ شیر تو صرف دنیوی موت کا سبب بنتا ہے جو آخرت میں فائدہ مند ہے لیکن بادشاہ و امراء سے میل جول ہلاکتِ ابدی اور دائمی خسارہ کا باعث ہے لہٰذا اُن کی صحبت سے بچو، اُن کے لقمے کھانے سے بچو، اُن کی محبت سے بچو، اور ان کے دیکھنے سے بھی بچو ـــــــ حدیث شریف میں وارد ہے مَنْ تَوَاضَعَ غَنِیًّا لِغِنَاہُ ذَھَبَ ثُلُثَا دِیْنِہٖ (یعنی جس نے کسی دولتمند کی تواضع اس کی دولت کی وجہ سے کی تو اس کے دین کے دو حصے ضائع ہو گئے)

آپ کو غور کرنا چاہیئے کہ یہ سب تواضع اور خوشامد ان کی دولت مندی کی وجہ سے ہے یا کسی اور وجہ سے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ سب کچھ ان کی دولت کی وجہ سے ہے اور اس کے نتیجہ میں دین کا دو تہائی حصہ ضائع ہو جاتا ہے، فَاَیْنَ اَنْتَ مِنَ الْاِسْلَامِ وَاَیْنَ اَنْتَ مِنَ النَّجَاتِ (پھر کہاں تمہارا اسلام اور کہاں تمہاری نجات) ـــــــ یہ سب مبالغہ اور تاکید اس وجہ سے ہے کہ میں جانتا ہوں کہ لقمۂ چرب اور صحبتِ ناجنس نے اس فرزند کے دل کو وعظ و نصیحت اور عقلی نصائح کے قبول کرنے سے دُور کر دیا ہوگا اور کلام و کلمہ سے اثر پذیر نہیں ہوگا۔ پس بچو بچو، ان کی صحبت سے بچو، ان کے دیکھنے سے بچو ـــــــ حق سبحانہٗ و تعالیٰ بطفیل سید البشر جن کی تعریف میں مَا زَاغَ الْبَصَرُ آیا ہے علیہ و علیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا ہمیں اور تمہیں ان باتوں سے نجات دے جو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

(آمین)

جعفر بیگ نہانی[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ بے نصیبوں کی ایک جماعت جو اہل اسلام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ان کی ہجو اور مذمت کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔

آپ کا التفات نامہ گرامی مشرف ہوا۔ حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے کہ گوشہ نشین فقراء کے احوال کی خبر گیری کرتے ہیں اور جو حاضر ہوں یا غیر، سب کا یکساں خیال رکھتے ہیں۔

میرے مخدوم! کفار قریش نے جب اپنی کمال درجہ بد نصیبی کی وجہ سے اہل اسلام کی ہجو و مذمت میں ... تو حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض اسلامی شعراء کو حکم دیا کہ وہ بھی ان کفار نگونسار (اوندھی عقل والے) کی ہجو میں اشعار کہیں (چنانچہ) وہ شاعر آنسرور علیہ وعلی آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے حضور میں منبر پر آتے اور کفار کے ہجو میں اعلانیہ اشعار پڑھتے تھے اور آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے کہ "جب تک وہ کفار کی ہجو کرتے رہتے ہیں روح القدس (جبرئیلؑ) ان کے ساتھ ہیں"[5]۔ مخلوق کی طرف سے ملامت اور ایذا رسانی عشق کی غنیمتوں میں سے ہے ــــــ یا اللہ تو ہم کو سید المرسلین علیہ و علیہم وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے طفیل ان عشاق میں سے بنا دے (آمین)

ملا محمد معصوم کابلی[2] کی طرف صادر فرمایا ــــ اس بیان میں کہ رنج و محنت محبت کے لوازمات میں سے ہے۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے، آپ میرزا بدیع الدین کے صاحبزادے ہیں نہایت ذہین اور باکمال تھے ۹۸۵ھ میں عراق سے ہندوستان آئے، اکبر نے دو ہزاری کا منصب اور آصف خاں کا خطاب دیا جہانگیر نے پنج ہزاری بنا دیا۔ ۱۰۲۱ھ میں بالا گھاٹ کے مقام پر انتقال ہوا۔ (مآثر الامراء ج ۱ ص ۱۱۶)

[2] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۴۰-۱۸۳۔ آپ علوم حکمیہ کے بہت بڑے عالم تھے مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق نے علوم حکمیہ آپ ہی سے پڑھا تھا ۱۰۲۶ھ میں انتقال ہوا۔

[5] حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ کے دن حضرت حسانؓ سے فرمایا اُہج المشرکین فان جبرئیل معك۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ)

اے محبت کے نشان والے! رنج و محنت محبت کے لوازمات میں سے ہے، فقر کے اختیار کرنے میں درد و غم کا ہونا ضروری ہے۔ بیت

غرض از عشق تو ام چاشنیٔ درد و غم است ورنہ زیر فلک اسباب تنعم چہ کم است

(چاشنی غم کی ترے عشق سے حاصل ہے مجھے ورنہ دنیا میں تعیش کی کمی کوئی نہیں)

دوست (حقیقی) رنج و پراگندگی چاہتا ہے تاکہ اس کے غیر سے پورے طور پر انقطاع حاصل ہو جائے اس مقام میں آرام بے آرامی میں ہے، اور ساز سوز میں، اور قرار بیقراری میں، اور راحت جراحت میں یعنی زخمی ہونے میں ہے، اس مقام میں فراغت طلب کرنا اپنے آپ کو رنج میں ڈالنا ہے۔ (لہذا) اپنے آپ کو پورے طور پر محبوب (حقیقی) کے سپرد کر دینا چاہئے۔ اور جو کچھ اس کی طرف سے آئے اس کو نہایت خوشی سے قبول کرنا چاہیئے اور اپنے ابرو نہیں پھیرنے چاہئیں (یعنی منہ نہیں بنانا چاہیئے) زندگی گذارنے کا طریقہ اسی روش میں ہے، جہاں تک ہو سکے استقامت اختیار کریں ورنہ سستی (بڑھاپا) آپ کا تعاقب کر رہی ہے ـــــ آپ (کے ذکر و اذکار) کی مشغولیت بہت اچھی ہو گئی تھی لیکن قوی ہونے (کمال کو پہنچنے) سے پہلے ہی کمزور ہو گئی۔ مگر کچھ غم نہیں، اگر اپنے آپ کو ان تردّدات سے تھوڑا سا بھی جمع کر لیں تو پہلے سے بھی بہتر ہو جائیگی، تفرقہ کے ان اسباب کو عین جمعیت کے اسباب جانیں تاکہ اپنا کام کر سکیں۔ والسلام

مکتوب ۱۴۱

صد و چہل و یکم

ملا محمد قلیج[ع] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ (سلوک میں) سب سے عمدہ چیز محبت و اخلاص ہے۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ حضرت سید المرسلین علیہ و علیہم و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل آپ کو زیادہ سے زیادہ ترقیات عطا فرمائے۔ قلبی احوال کے بارے میں آپ نے کبھی کچھ نہیں لکھا کہ کیا صورت حال ہے؟ اس بارے میں بھی کچھ نہ کچھ لکھتے رہا کریں کیونکہ یہ غائبانہ توجہ کا سبب ہوتا ہے ـــ اس کام (راہ سلوک) میں سب سے عمدہ کام محبت و اخلاص ہے اگر اس وقت ترقی معلوم نہیں ہو رہی تو کوئی غم نہیں، جب اخلاص پر استقامت حاصل ہے تو امید ہے کہ برسوں کا کام گھڑیوں میں ہو جائے گا۔ والسلام

ع قلیج خاں کا مختصر تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۴ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔

مکتوب ۱۴۲
صد و چہل و دوم

ملا عبد الغفور سمرقندی[ع] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ ان بزرگواروں کی نسبت اگر تھوڑی سی بھی حاصل ہو جائے تو وہ تھوڑی نہیں ہے۔

مکتوب گرامی جو آپ نے مہربانی فرما کر ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ فقرا کی محبت اور اس گروہ کی طرف توجہ رکھنا حق جل سلطانہٗ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے، حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے اس پر استقامت کی درخواست اور امید ہے ـــــ وہ نیاز جو آپ نے درویشوں کے لئے بھیجی تھی وہ بھی موصول ہو گئی اور سلامتی کی فاتحہ پڑھی گئی ـــــ اور جو طریقہ آپ نے اخذ کیا تھا اور اس سے جو نسبت (کیفیت) حاصل ہوئی تھی اس کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں لکھا، خدا نہ کرے کہ اس میں کچھ سستی واقع ہوئی ہو۔

بیت: یک چشم زدن خیالِ او پیشِ نظر　　بہتر ز وصالِ خوبرویاں ہمہ عمر

(ایک لمحہ خیالِ حق ہے اگر　　دائمی وصلِ غیر سے بہتر)

اگر ان بزرگواروں کی نسبت سے تھوڑی سی نسبت بھی حاصل ہو جائے تو اس کو تھوڑا نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ دوسروں کی انتہا ان کی ابتدا میں درج ہے مصرع

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا　　(چمن کو دیکھ کے اس کی بہار کو سمجھو)

لیکن اس میں سستی و کمی کا غم نہیں کرنا چاہئے جبکہ محبت کا رشتہ اس نسبت والوں کے ساتھ قوی اور مضبوط ہے۔

ـــــ وہ فرجی (قبا) جو کئی مرتبہ پہنی گئی تھی ارسال کی گئی ہے کبھی کبھی اس کو پہن لیا کریں اور ادب سے محفوظ رکھیں کہ اس سے بہت سے فوائد کی توقع ہے جب بھی اس قبا کو پہنیں با وضو پہنیں اور سبق کی تکرار کریں، امید ہے کہ پوری طرح طمانیتِ قلب حاصل ہو جائے گی ـــــ اور جب بھی کچھ لکھنا چاہیں تو پہلے اپنے باطنی احوال لکھیں اس لئے کہ ظاہری احوال باطنی احوال کے بغیر اعتماد نہیں رکھتے مصرع

از ہر چہ میرود سخنِ دوست خوشتر است　　(دوست کی بات کہیں سے ہو بہت اچھی ہے)

[ع] ملا عبد الغفور سمرقندی کے نام تین[۳] مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۴۲-۲۰۶-۲۳۵-آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے (روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۳۴۰)

حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت سید البشر مطہر عن زیغ البصر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ظاہراً و باطناً متابعت پر ثابت قدم رکھے (آمین) مصرع

کار این ست وغیر این ہمہ ہیچ (کام اصلی ہے یہی اس کے سوا سب ہیچ ہے)

ملا شمس[1] کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ جوانی کے زمانے کو غنیمت جانیں اور لہو لعب میں صرف نہ کریں۔

فقراسے محبت رکھنے والے مولانا شمس کو حق تعالیٰ سبحانہٗ توفیق بخشے کہ جوانی کے موسم (زمانہ) کو غنیمت جانیں اور کھیل کود میں صرف نہ کریں اور جوز و مویز (یعنی معمولی چیزوں) کے عوض وقت نہ گزاریں کیونکہ آخر کار ندامت و پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا اور اس وقت کی پشیمانی سے کچھ نفع نہ ہوگا۔ آگاہ کردینا شرط ہے —— پانچوں وقت نماز با جماعت ادا کریں۔ اور حلال و حرام میں امتیاز رکھیں۔ آخرت کی نجات کا طریقہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری میں ہے —— فنا ہونے والی لذتیں اور ضائع ہونے والی نعمتیں منظور نظر نہ ہونی چاہئیں۔ حق تعالیٰ ہی نیکیوں کی توفیق دینے والا ہے۔

حافظ محمود لاہوری[2] کی طرف صادر فرمایا —— سیر و سلوک کے معنی اور سیر الی اللہ و سیر فی اللہ اور دیگر دو سیروں کے بیان میں جو ان دو سیروں کے علاوہ بعد میں ہیں۔

---

[1] آپ کے نام دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۱۴۳۔ دفتر سوم مکتوب ۳۳۔ آپ حسینی سادات سے تھے، عرصے تک تارک الدنیا ہو کر سیاحت کرتے رہے، جہانگیر کے انتقال کے بعد شاہجہاں کی ملازمت اختیار کی اور تین ہزاری کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۹ رمضان ۱۰۶۷ھ میں وفات پائی۔ (مآثر الامراء، ج ۳ ص ۴۱۴)۔

[2] آپ کے نام تین[3] مکتوبات ہیں۔ دفتر اول مکتوب ۱۴۴۔ ۱۷۵۔ ۲۹۰۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مخلص احباب میں سے تھے۔ حضرت نے آپ کو مقام ولایت کے اعلیٰ درجہ کی خوشخبری دی۔

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ بطفیل حضرت سید البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات جو کجی نظر سے پاک ہیں آپ کے درجاتِ کمالات میں بے حد ترقیات عطا فرمائے۔ ع

از ہر چہ میرود سخنِ دوست خوشتر است　　(دوست کی بات کہیں سے ہو بہت اچھی ہے)

سیر و سلوک حرکت در علم (یعنی انتقالِ علمی) سے مراد ہے جو کہ مقولہ کیف[1] سے ہے۔ حرکتِ اَینی (یعنی انتقالِ مکانی) کی یہاں گنجائش نہیں ہے ــــــ پس سیر الی اللہ حرکتِ علمیہ سے مراد ہے جو کہ علمِ اسفل سے علمِ اعلیٰ تک ہوتی ہے، اور اس اعلیٰ سے دوسرے اعلیٰ تک حتیٰ کہ ممکنات کے علوم پورے طور پر طے کرنے اور کلی طور پر اُن کے زائل ہو جانے کے بعد واجب تعالیٰ کے علم تک منتہی ہو جاتی ہے، اور یہ وہ حالت ہے جو فنا سے تعبیر کی جاتی ہے ــــــ اور سیر فی اللہ سے وہ حرکتِ علمیہ مراد ہے جو مراتبِ وجوب یعنی اسماء و صفات، شیون و اعتبارات اور تقدیسات و تنزیہات میں ہوتی ہے یہانتک کہ اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے جس کو کسی عبارت سے تعبیر نہیں کر سکتے اور نہ اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے اور نہ کسی نام سے اس کو موسوم کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کنایہ سے اس کا اظہار ہو سکتا ہے، اور نہ کوئی عالم اس کو جان سکتا ہے اور نہ کوئی مدرک اس کا ادراک کر سکتا ہے، اس سیر کا نام بقا رکھا گیا ہے ــــــ اور سیر عن اللہ باللہ جو تیسری سیر ہے اس سے بھی وہ حرکتِ علمیہ مراد ہے جو کہ علمِ اعلیٰ سے علمِ اسفل کی طرف نیچے آتی ہے اور اسفل سے اسفل کی طرف یہانتک کہ ممکنات کی طرف پس پا (پیچھے کی طرف) رجوع کرتی ہے اور تمام مراتبِ وجوب کے علوم سے نزول کرتی ہے اور یہ وہ عارف ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہو جانے کی وجہ سے سب کچھ بھلانے والا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رجوع کرنے والا ہے، وہ واجد فاقد (پانے والا گم کرنے والا) اور واصل مہجور (ملنے والا فراق زدہ) اور قریب بعید (نزدیک دور) ہوتا ہے ــــــ اور چوتھی سیر جو کہ اشیاء میں سیر (سیر فی الاشیاء باللہ) ہے، اس سے مراد یکے بعد دیگرے اشیاء کے علوم کا حاصل ہونا ہے جبکہ تمام اشیاء کے علوم سیرِ اول میں ضائع ہو چکے تھے، پس سیرِ اول

---

[1] کیف در اصل اس عرض کا نام ہے جس کا تصور و تعقل غیر کے تصور و تعقل پر منحصر نہ ہو۔ اور جو اقتضاءِ اولیٰ کے لحاظ سے تقسیم یا عدمِ تقسیم کی متقاضی نہیں۔ ان کے علاوہ بھی کئی اقسام ہیں جیسے کیفیت راسخہ و غیر راسخہ اور کیفیاتِ نفسانیہ۔ اور علم صحیح مذہب کے مطابق مقولہ کیف سے ہے جیسا کہ حضرت مجدد صاحبؒ نے اشارہ فرمایا۔

سیرِ چہارم کے بالمقابل ہے اور سیرِ سوم سیرِ دوم کے بالمقابل، جیسا کہ بیان ہوا —— اور سیر الی اللہ اور سیرِ فی اللہ نفسِ ولایت کے حاصل کرنے کے لئے ہیں جس کو فنا و بقا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور تیسری اور چوتھی سیر مقامِ دعوت کے حصول کے لئے ہے جو کہ انبیائے کرام و رسل عظام صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہٗ علیٰ جمیعہم عموماً و علیٰ افضلہم خصوصاً کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کے کامل متبعین کو بھی ان بزرگواروں علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے مقام سے حصہ حاصل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یوسف آیت ۱۰۸) (آپ کہہ دیجئے یہی میرا راستہ ہے، میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور میرے متبعین بصیرت (دلیلِ محکم) پر ہیں) —— یہ بیان ابتدا اور انتہا سے متعلق ہے جس کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ اس (اللہ تعالیٰ) کا ذکر بلند کرنا اور طالبانِ (حق) کے اندر شوق پیدا کرنا ہے ؎

برشکر غلطید اے صفرائیاں از برائے کوریٔ سودائیاں

(خوب لوٹو قند پر صفرائیو جب تلک دیکھے نہ سودائی تمہیں)

اور ان لوگوں پر سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کریں اور آنحضرت علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کو لازم کرلیں۔

مکتوب ۱۴۵

صد و چہل و پنجم

ملا عبد الرحمٰن مفتی[ع] کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ مشائخ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے سیر کی ابتدا عالمِ امر سے اختیار کی ہے اور اس بیان میں کہ اس طریقہ کے بعض مبتدیوں پر جلدی تاثیر نہ ہونے کا کیا راز ہے

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ عَلٰى جَادَّةِ الشَّرِيْعَةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ اٰمِيْنًا (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی شاہراہ پر ثابت قدم رکھے اور اس بندے پر بھی رحم فرمائے جو "آمین" کہے۔

ع؎ آپ کے نام دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۱۴۵ - ۱۸۶ - ملا عبد الرحمٰن مفتی فقہ، اصول اور عربی ادب کے نامی گرامی علماء میں سے تھے، بہت نیک، صاحبِ ورع و تقویٰ بزرگ تھے، غالباً آپ ہی کو شہزادہ خرم (شاہجہاں) نے حضرت مجدد کی خدمت میں بھیجا تھا کہ آپ سجدۂ تعظیمی کرلیں تو میں ذمہ دار ہوں کہ آپ کو بادشاہ سے کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ شاہجہاں کے زمانے میں بھی آپ آگرہ کے مفتی رہے۔ (نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۱۴)۔

طریقۂ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے سیر کی ابتداء عالمِ امر سے اختیار کی ہے اور عالمِ خلق کی سیر کو اسی سیر کی ضمن میں طے کرتے ہیں، بخلاف دوسرے سلاسلِ مشائخ کے کہ ان (کی سیر) کی ابتداء خلق سے ہوتی ہے اور عالمِ خلق کی سیر طے کرنے کے بعد عالمِ امر میں قدم رکھتے ہیں اور جذبہ کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں، لہذا طریقۂ نقشبندیہ اقرب ترین راستہ ہوا۔ پس لازماً دوسروں کی انتہا ان کی ابتدا میں درج ہوئی۔

ع قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا (چمن کو دیکھ کے اس کی بہار کو سمجھو)

اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے بعض طالب ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی سیر کی ابتداء عالمِ امر سے ہوتی ہے لیکن جلدی متأثر نہیں ہوتے اور لذت و حلاوت جو جذبہ کا مقدمہ ہے اپنے اندر جلدی پیدا نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں عالمِ خلق کی نسبت عالمِ امر ضعیف واقع ہوا ہے اور یہی ضعف اثر پذیری میں رکاوٹ و سدِ راہ ہوتا ہے، اور یہ تاثیر کا دیر سے ہونا اس وقت تک متحقق ہے جب تک کہ ان میں عالمِ امر کو عالمِ خلق پر غلبہ اور قوت حاصل نہ ہو جائے اور معاملہ برعکس نہ ہو جائے۔ اس ضعف کا علاج طریقۂ عالیہ کے مناسب یہ ہے کہ کوئی صاحبِ تصرف پورے طور پر تصرف سے کام لے ——— اور وہ علاج جو دوسرے طریقوں کے مناسب ہے وہ پہلے تزکیۂ نفس ہے پھر ریاضتیں اور سخت مجاہدے جو شریعت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہوں کرائے جائیں ——— اور جاننا چاہئے کہ تاثیر کا دیر سے ہونا استعداد کے کم ہونے کی علامت نہیں ہے اکثر کامل استعداد والے حضرات بھی اس بلا میں مبتلا رہتے ہیں۔ والسلام

مکتوب ۱۴۶

صد و چہل و ششم

شرف الدین حسین بدخشی[عـ۵] کی طرف صادر فرمایا ——— سبق کے تکرار کرنے کی نصیحت میں۔

میرے فرزند شرف الدین حسین کا مکتوب موصول ہوا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ اَلْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ (اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے) کہ آپ کو فقراء کی یاد کی سعادت حاصل ہے۔

عـ۵ خواجہ شرف الدین حسین بدخشی کے نام آٹھ مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۴۶-۱۵۹-۱۸۹- دفتر دوم مکتوب ۲۵-۳۱-۶۸-۸۲- دفتر سوم مکتوب ۵۹ ـــ آپ خواجہ احرار قدس سرہ کی اولاد میں سے ہیں۔ اکبری دور میں امارت کے مرتبہ تک پہنچے بعد میں اکبر کے الحاد کی وجہ سے اس کے خلاف ہو گئے آخر گرفتار کر لئے گئے۔ ایک عرصہ تک قید میں رکھ کر رہا کر دیئے گئے۔ (ذخیرۃ الخوانین ج ۱ ص ۷۹)۔

حاشیہ: طلبا تاثیر ہونے کی وجہ

وہ سبق جو آپ نے حاصل کیا تھا اس کے تکرار سے اپنے وقت کو معمور رکھیں اور فرصت کو ضائع نہ کریں ایسا نہ ہو کہ دنیائے فانی کا کر و فر آپ کو بھٹکا دے اور چند روزہ کی شان و شوکت آپ کو بے مزہ کر دے۔ بیت

ہمہ اندرز من بتو اینست — کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

(بس یہی ایک نصیحت ہے تجھے — تو ہے ناداں، زمانہ ہے رنگیں)

یہ کس قدر بڑی نعمت ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے کسی بندے کو عنفوانِ شباب (جوانی) میں توبہ کی توفیق عطا کر دے اور اس پر استقامت بخشے۔ کہہ سکتے ہیں کہ تمام دنیا کی نعمتیں اس نعمت کے مقابلے میں ایسی ہیں جیسا کہ دریائے عمیق کے مقابلے میں شبنم قطرہ، کیونکہ وہ نعمت حق تعالیٰ سبحانہٗ کی رضامندی کا موجب ہے جو کہ تمام دنیوی و اخروی نعمتوں سے بڑھ کر ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (سورۂ توبہ آیت ۷۲) (اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی نعمت ہے)۔ اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کر لے۔

مکتوب ۱۴۷

صد و چہل و ہفتم

خواجہ محمد اشرف کابلی[۵] کی طرف صادر فرمایا — اس بیان میں کہ گسستن (توڑنا) پیوستن (جوڑنا) پر مقدم ہے، یا پیوستن (جوڑنا) گسستن (توڑنے) پر۔

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ بحرمت سید المرسلین علیہ و علیہم و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات انتہا آپ کے کمال کے درجوں میں ترقیات عطا فرمائے — مشائخِ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی ایک جماعت نے گسستن (توڑنا یعنی مخلوق سے علیحدگی) کو پیوستن (جوڑنا یعنی حق تعالیٰ کے ساتھ وابستگی) پر مقدم رکھا ہے، اور دوسری جماعت کے بزرگواروں نے پیوستن کو گسستن پر مقدم کیا ہے، اور تیسرے گروہ نے سکوت اختیار کیا ہے — ابو سعید خراز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ "جب تک تو مخلوق سے چھٹکارا حاصل نہ کر لے اس وقت تک حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو نہیں پا سکتا، یا جب تک اس (حق تعالیٰ) کو نہ پا لے اس وقت تک مخلوق سے چھٹکارا حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور میں نہیں جانتا کہ (ان دونوں میں) کونسا کام پہلے کرنا ہے"۔

---

[۵] آپ سے متعلق دفتر اول مکتوب ۱۳۱ کا فٹ نوٹ ملاحظہ ہو۔

ان سطور کا راقم (یعنی حضرت مجددؒ) کہتا ہے کہ گستن اور پیوستن یہ دونوں ایک ہی وقت میں متحقق ہیں، گستن کو پیوستن سے جدا کرنا جائز نہیں ہے اور پیوستن گستن کے بغیر ناممکن ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ اگر پوشیدگی ہے تو وہ تقدم ذاتی میں اور دونوں کے ایک دوسرے کی علّت ہونے کے تعین میں ہے ـــــ شیخ الاسلام ہروی قدس سرہ طریقۂ ثانی کو اختیار فرماتے ہیں کہ اس طرف سبقت کرنا بہتر ہے لیکن ایک جماعت ایسی ہے کہ انھوں نے گستن کو مقدم رکھ کر سبقت کا انکار نہیں کیا، ان کی مراد پیوستن سے ظہورِ تام ہے اور اس ظہورِ تام کی سبقت کا انکار ظہورِ مطلق کی سبقت کے منافی نہیں ہے کیونکہ ظہورِ مطلق گستن پر مقدم ہے اور ظہورِ تام اس سے مؤخر ہے۔"

اس تحقیق کے مطابق یہ بحث لفظی رہ جاتی ہے، لیکن گروہِ اول کی نظر بلند ہے کہ قلیل کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے ـــــ اور جاننا چاہئے کہ اس توجیہ کے مطابق تقدم زمانی بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ فَافْهَمْ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (پس جان لو کہ اللہ سبحانہ بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے) ۔

بہرحال گستن اور پیوستن کا بیان ہونا ضروری ہوا کیونکہ مرتبۂ ولایت ان ہی دونوں مرتبوں سے وابستہ ہے اور ان دونوں مرتبوں کے حصول کے بغیر خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے کے مانند ہے۔

(ولایت کا) پہلا مرتبہ سیر الی اللہ سے وابستہ ہے اور دوسرا مرتبہ سیر فی اللہ سے اور ان دونوں سیروں کے مجموعہ والا ولایت کے کمال کے مرتبہ پر اپنے اپنے درجوں کے فرق کے مطابق پہنچتا ہے، اور دوسری دو سیریں (یعنی سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیاء) تکمیل حاصل کرنے اور درجۂ دعوت تک پہنچنے کے ہیں ع

بانگِ دو کردم اگر در دہ کس است (میں نے دو دفعہ آواز لگادی اگر کوئی بستی میں ہو تو سن لے گا)۔

والسلام

ملا صادق کابلی[ع] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ صاحبِ رشد (سیراب ہونے کا مدعی)

ع آپ کے نام یہی دو مسلسل مکتوب ۱۴۸ - ۱۴۹ ہیں۔ ابتدا میں آپ شاہزادہ ولیعہد کے ملازم ہوئے۔ حسنِ قسمت سے آپ کے اندر طلب حق کا جذبہ موجزن ہوا اور آپ حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوگئے، چونکہ آپ عقل و فہم اور آداب و اخلاقِ حسنہ سے آراستہ تھے اس لئے جلد ہی مقامات سنجیدہ اور احوالِ پسندیدہ سے سرفراز ہوگئے۔ تکمیلِ سلوک کے بعد حضرتؒ نے آپ کو خلافت و اجازت عطا فرما کر لاہور بھیج دیا۔ وہیں ۱۰۱۸ھ میں وفات پائی۔

بے حاصل ہوتا ہے اور مشائخ کی روحانیات اور ان کی امداد سے ہرگز مغرور نہ ہوں کیونکہ مشائخ کی صورتیں
فی الحقیقت شیخ مقتدا کے لطائف ہیں۔

آپ کے دو مکتوب پے در پے موصول ہوتے، مکتوب اول میں حصولی اور سیری (حاصل ہونے کی) خبریں تھیں اور دوسرے مکتوب میں تشنگی اور بے حاصلی کا اظہار تھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ کہ اعتبار آخری بات کا ہوتا ہے۔ سیرابی کا اظہار کرنے والا شخص بے حاصل ہے اور جو اپنے کو بیکار و بے حاصل سمجھے وہ واصل ہے۔ ——— آپ سے بار بار کہا گیا ہے کہ مشائخ کی روحانیات اور ان کی امداد سے (دھوکے میں نہ پڑ جائیں اور اس پر) مغرور نہ ہوں کیونکہ مشائخ کی صورتیں حقیقۃً شیخ مقتدا کے لطائف ہیں جو کہ ان شکلوں میں ظاہر ہوئے ہیں، قبلۂ توجہ کے لئے وحدت شرط ہے توجہ کو پراگندہ کرنا نقصان کا باعث ہے۔ عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (حق تعالیٰ سبحانہٗ کی پناہ) ——— دوسری بات یہ ہے کہ آپ سے بار بار اور تاکید کے ساتھ کہا گیا ہے کہ دنیاوی کاموں کو مختصر رکھیں تاکہ جلدی سے کام انجام پا جائے۔ ضروری کام کو چھوڑ کر غیر ضروری اور بے فائدہ کاموں میں مشغول ہونا عقل و دانش سے بہت دور ہے، لیکن آپ خود اپنی رائے پر چلتے ہیں، کسی کی بات آپ میں کم اثر کرتی ہے باقی آپ جانیں۔ قاصد کا کام پیغام پہنچا دینا ہے۔

مکتوب ۱۴۹
صد و چہل و نہم

یہ مکتوب بھی ملا صادق کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ اگرچہ مسبب الاسباب حق تعالیٰ نے چیزوں کو اسباب کی بنیاد پر مرتب فرمایا ہے لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ نظر کو سبب ہی پر مرکوز کر دیا جائے۔

میرے بھائی مولانا محمد صادق! تعجب ہے کہ آپ نے خود کو مکمل طور پر عالم اسباب کے اوپر چھوڑ رکھا ہے ہر چند مسبب الاسباب تعالیٰ و تقدس نے چیزوں کو اسباب پر مرتب فرمایا ہے لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ ہم اپنی نظروں کو اسباب ہی پر مرکوز رکھیں۔ مصرع

گر درے بستہ شد رے دل دگر بکشایند (کھلے دوسرا در جو ہے ایک بند)

اس قسم کی کوتاہ نظری (آخرت سے) بے تعلقی کی بنا پر معلوم ہوتی ہے، آپ جیسے آدمی سے ایسی باتوں کا اظہار

فعل قبیح ہے۔ کسی وقت اپنے حال پر بھی غور و فکر کرنا چاہئے اور اس برائی کو سمجھنا چاہیئے۔ فقیروں کے لباس میں رہ کر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی مبغوضہ (ناپسندہ دنیا) کی تلاش و جستجو میں لگا رہنا بہت ہی بری بات ہے۔
——— تعجب ہے کہ یہ بری چیز تمہاری نظر میں کیسے بھلی معلوم ہوتی ہے۔ دنیاوی کاموں کے حاصل کرنے میں ضرورت کے مطابق ہی کوشش کرنی چاہیئے، تمام عمر اس (دنیا طلبی) میں مصروف رہنا اور اپنی زندگی کو اسی کے پیچھے گذار دینا محض بے وقوفی ہے (چند روزہ) فرصت کو غنیمت جانیں۔ ہزار افسوس اس شخص پر جو بے فائدہ کاموں میں (وقت کو) صرف کردے۔ آگاہ کردینا شرط ہے۔ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغ (بر رسولاں بلاغ باشد و بس، قاصد کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے) ——— لوگوں کے (برا بھلا) کہنے سے تنگدل نہ ہوں، وہ باتیں جو لوگ آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں اگر آپ میں نہیں ہیں تو کوئی غم نہیں۔ کتنی بڑی خوش نصیبی ہے کہ لوگ اس کو برا جانیں جبکہ وہ حقیقۃً نیک ہو، اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو خطرہ کی بات ہے۔ والسلام

حاشیہ: فقیری کے لباس میں دنیا کی جستجو بہت بری بات ہے

خواجہ محمد قاسمؒ کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ مطلوبیت کے لائق حضرت واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

برادرم خواجہ محمد قاسم کا محبت نامہ موصول ہو کر خوشی کا باعث ہوا۔ دنیاوی پراگندگی کے حالات و اسباب اور ظاہری احوال کی مختلف کیفیات سے تنگدل نہیں ہونا چاہیئے، ان حالات کا کچھ خیال نہ کریں کیونکہ یہ جہان فنا کے محل میں ہے، یہاں حق تعالیٰ سبحانہٗ کی مرضیات کے مطابق (اپنی زندگی) گذر بسر کرنی چاہیئے، اس کے ضمن میں تنگی ہو یا فراخی ——— مطلوبیت کی شان کے لئے سوائے ذات واجب الوجود جل شانہٗ کے کوئی نہیں، خصوصاً آپ جیسے عزیز دوست کے لئے (یہ نصیحت بہت کام کی ہے) ——— اسی طرح اگر آپ کسی خدمت یا کسی کام کا اشارہ فرمائیں تو میں احسان مندی کے ساتھ اس کے لئے کوشش کروں گا۔ والسلام

ع ۵ آپ حضرت خواجہ امکنگی کے صاحبزادے ہیں جیسا کہ دفتر اول کے مکتوب ۹۰ میں گذر چکا۔

مکتوب ۱۵۱

صدو پنجاہ و یکم

میر مومن بلخی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ کی فضیلت و بزرگی اور "یادداشت" کے معنی کے بیان میں جو ان بزرگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

مصراع از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر است (دوست کی بات کہیں سے ہو بہت اچھی ہے)

حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ میں یادداشت سے مراد حضور بے غیبت ہے یعنی شیونی و اعتباراتی حجابات درمیان میں حائل ہوئے بغیر حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا دائمی حضور حاصل ہو (اس کو یادداشت کہتے ہیں) ـــــ اور اگر کبھی حضور ہو کبھی غیبت، یعنی کبھی تو سب کے سب پردے اُٹھ جائیں اور کبھی درمیان میں حائل ہو جائیں جیسا کہ تجلی ذاتی برقی میں ہوتا ہے کہ برق کی طرح تمام پردے حضرتِ حق تعالیٰ کے سامنے سے مرتفع (اٹھ) ہو جاتے ہیں اور پھر جلدی ہی شیونی و اعتبارات کے پردے چھا جاتے ہیں۔ پس ایسا حضور ان بزرگوں کے نزدیک مقامِ اعتبار سے ساقط ہے ـــــ لہذا حضورِ بے غیبت کا حاصل یہ ہوا کہ تجلی ذاتی برقی جو شیونی و اعتبارات کے وسیلے کے بغیر حضرتِ ذات جل شانہٗ کے ظہور سے مراد ہے اور جو اس راہ کی انتہا میں میسر ہوتی ہے اور فنائے اکمل کو اسی مقام میں ثابت کرتے ہیں وہ بھی دائمی ہو جائے اور حجابات ہرگز رجوع نہ ہوں۔ اور اگر (حجابات) رجوع کریں تو حضور غیبت سے بدل جائے گا اور اس کو یادداشت نہ کہیں گے ـــــ لہذا ثابت ہوا کہ ان اکابر کا شہود اتم و اکمل طریقے پر ہے اور فنا کا اکمل و بقا کا اتم ہونا شہود کے اتم و اکمل ہونے کے اندازے کے مطابق ہے ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا (چمن کو دیکھ کے اس کی بہار کو سمجھو)

---

[1] میر مومن بلخی کے نام دو مکتوب ہیں ایک یہی ۱۵۱ دوسرا دفتر سوم کا مکتوب ۹۹۔ باقی حالات معلوم نہ ہو سکے۔

سیادت و بزرگی کی پناہ والے شیخ فرید[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ اطاعتِ رسولؐ عین حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی اطاعت ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (نساء[4] آیت ۸۰) (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی) ـــــــ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اطاعتِ رسولؐ کو عین اپنی اطاعت قرار دیا ہے، لہٰذا حق تعالیٰ عزوجل کی وہ اطاعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت (واتباع) کی شکل میں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے، اور اس حقیقت کی تاکید و تحقیق کے لئے کلمۂ "قَدْ" تاکیدیہ" لایا گیا ہے تاکہ کوئی بوالہوس ان دونوں اطاعتوں کے درمیان فرق پیدا نہ کرے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے ـــــــ چنانچہ دوسری جگہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ایک جماعت کے حال میں جو ان دونوں اطاعتوں (یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت) کے درمیان فرق پیدا کرتی ہے بطور شکایت فرماتا ہے: یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا (نساء[4] آیت ۱۵۰-۱۵۱) (اور جو لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں وہ کہتے ہیں کہ بعض (آیات) پر ہم ایمان لاتے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس (حق و باطل) کے بین بین راہ اختیار کرلیں اور یقیناً ایسے ہی لوگ کافر ہیں)۔

ہاں بعض مشائخ کبار قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے سُکر اور غلبۂ حال کی وجہ سے ایسی باتیں کہی ہیں جو ان دو اطاعتوں کے درمیان تفرقہ ظاہر کرتی ہیں اور ایک کی محبت کو دوسرے کی محبت پر ترجیح دینے کی خبر دیتی ہیں ـــــــ (جیسا کہ) منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی[2] اپنی بادشاہت کے دوران

---

[1] شیخ فرید سے متعلق دفتر اول مکتوب ۴۳ کا فٹ نوٹ ملاحظہ ہو ـــــــ [2] سلطان محمود غزنوی، سلطان سبکتگین کا لڑکا تھا (۳۶۱ھ میں پیدا ہوا ۹۷۱ء) قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد اسلامی قانون، فقہ اور حدیث کے علوم بھی حاصل کئے۔ شمشیر زنی اور نشانہ بازی میں طاق تھا، اپنے والد کی زندگی میں خراسان کا گورنر رہا۔ ۳۸۹ھ/۹۹۸ء سے ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء تک اپنی بادشاہی کے دوران ہندوستان پر ۱۷ فاتحانہ حملے کئے۔ آخری حملہ ۴۱۷ھ/۱۰۲۶ء میں سومنات پر کیا۔ مورخین کا کہنا ہے کہ "محمود بلاشبہ خدا ترس، صوفی منش اور دنیا کے عظیم ترین فاتح فرمانرواؤں میں سے تھا۔"

"خرقان" کے نزدیک ٹھہرا ہوا تھا، وہاں سے اس نے اپنے وکیلوں کو حضرت شیخ ابوالحسن[1] خرقانی علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھیجا اور خواہش ظاہر کی کہ حضرت شیخ اس (سلطان) کی ملاقات کو آئیں۔ اور اپنے وکیلوں سے کہدیا کہ اگر شیخ سے اس معاملہ میں توقف محسوس ہو تو یہ آیت اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (نساء آیت ۵۹) (اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ کی اور ان کی جو تم میں سے حکمران ہوں) اُن کے سامنے پڑھیں۔ (چنانچہ) جب وکیلوں نے شیخ کی طرف سے توقف محسوس کیا تو آیتِ کریمہ اُن کے سامنے پڑھی۔ شیخ نے جواب میں فرمایا کہ میں اطیعوا اللّٰہ میں اس قدر گرفتار ہوں کہ اطیعوا الرسول کی اطاعت سے شرمندہ ہوں اور اطاعت اولی الامر کے متعلق کیا بیان کروں ——— حضرتِ شیخ نے اطاعتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو اطاعتِ رسول کے علاوہ سمجھا، یہ بات (سکر کی بِنا پر ہے) استقامت سے بعید ہے، مستقیم الاحوال مشائخ نے اس قسم کی باتوں سے پرہیز کیا ہے ——— اور شریعت و طریقت اور حقیقت کے تمام مراتب میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی اطاعت کو رسولؐ کی اطاعت میں جانتے ہیں اور حق تعالیٰ کی وہ اطاعت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں نہ ہو اُسے عین ضلالت و گمراہی خیال کرتے ہیں۔

اسی طرح یہ حکایت بھی منقول ہے کہ شیخ مہنہ شیخ ابوسعید ابوالخیر کے ہاں مجلس منعقد تھی اور سادات خراساں کے ایک سید بزرگ بھی اس مجلس میں بیٹھے تھے۔ اتفاقاً ایک مجذوب مغلوب الحال اس مجلس میں آیا اور حضرت شیخ نے سید بزرگ پر اس مجذوب کو (بطورِ تعظیم) فوقیت دی۔ سید صاحب کو یہ بات ناگوار گذری تو حضرت شیخ نے سید صاحب سے فرمایا کہ آپ کی تعظیم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہے اور اس مجذوب کی تعظیم حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت بِنا پر ہے ——— اس قسم کے اختلاف کو مستقیم الاحوال اکابر جائز نہیں رکھتے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت کے غلبہ کو اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت پر غلبہ کو سکرِ حال پر محمول کرتے ہیں اور بیکار بات سمجھتے ہیں ——— لیکن اتنا ضرور ہے کہ مقامِ کمال میں جو کہ مرتبۂ ولایت سے ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کی محبت غالب ہوتی ہے اور مقامِ تکمیل میں جو کہ نبوت کے مقام کا ایک حصہ ہے محبتِ رسول غالب ہو جاتی ہے ——— اللہ تعالیٰ ہم کو اطاعتِ رسول پر ثابت قدم رکھے کیونکہ ان کی اطاعت ہی عین اطاعتِ حق ہے۔

---

[1] حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کا اسم گرامی علی بن جعفر ہے، آپ یگانۂ روزگار، غوث وقت اور مرجعِ خلائق تھے اور حضرت بایزید بسطامیؒ کی روحانیت سے فیض یافتہ تھے، منقول ہے کہ حضرت بایزیدؒ خرقان کی طرف رُخ کر کے فرماتے کہ اس طرف سے دوست کی خوشبو آتی ہے۔ سلطان محمود غزنوی کو آپ سے بڑی عقیدت تھی، منگل کی شبِ عاشورہ ۴۲۵ھ کو خرقان میں انتقال ہوا۔

میاں شیخ مزمل[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ غیر اللہ کی غلامی سے مکمل طور پر خلاصی کے بیان میں جو فنائے مطلق سے وابستہ ہے۔

وہ خط جو آپ نے بھیجا تھا موصول ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ذِی الْاِنْعَامِ وَالْمِنَّۃِ (سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو بڑے انعام والا اور احسان والا ہے) کہ اپنے طالبوں کو اپنی طلب میں بے قرار و بے آرام رکھتا ہے اور اس بے آرامی میں اس آرام سے نجات بخشتا ہے جو اس کے غیر کے ساتھ میسر ہو۔ لیکن (سالک کو) غیر اللہ کی غلامی سے مکمل طور پر اس وقت خلاصی حاصل ہوتی ہے جب فنائے مطلق سے مشرف ہو جائے اور ماسوٰی کے نقوش کو دل کے آئینے سے بالکل محو کر دے، اور علمی و حُبّی تعلق کسی چیز سے بھی باقی نہ رہے اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے علاوہ اس کا کوئی مقصود اور مراد نہ ہو ـــ اس کے بغیر ایسا ہے جیسے خار دار درخت میں اُلجھنا ـــــ (انسان) ہر چند (ماسوٰی سے) اپنی بے تعلقی کا گمان رکھے لیکن اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا[53] (النجم آیت ۲۸) (یقیناً بے اصل خیالات امرِ حق میں کچھ فائدہ نہیں دیتے)۔ مصراع

این کارِ دولت است کنون تا کرا رسد (یہ کام ہے عظیم، ملے دیکھیے کسے)

جو شخص اپنے احوال و مقامات میں گرفتار (پھنسا ہوا) ہے وہ بھی غیر اللہ کا گرفتار ہے دوسری چیزوں کی گرفتاری کا تو ذکر ہی کیا۔

شعر
ہر چہ از دوست و امانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں
ہر چہ از راہ دور افتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

ترجمہ (یار سے تجھ کو جدا کر دے غلط بات ہے وہ
راہ سے تجھ کو ہٹا دے وہ غلط نقشِ قدم)

---

[1] آپ کے نام مسلسل چار مکتوب ہیں یعنی ۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶ـــ آپ حضرت مجددؒ کے قدیم مریدوں میں سے ہیں سفر و حضر میں اکثر حضرتؒ کے ساتھ رہتے حسنِ اخلاق اور مکارم اوصاف میں یگانہ اور انکسار و ایثار میں منفرد تھے۔ سالہا سال فیضِ صحبت کے بعد خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔ دفتر اول مکتوب ۸۷ میں آپ کی صحبت کو غنیمت قرار دیا ہے۔ سنہ ۱۰۳۶ھ میں وفات پائی۔ حضرت مجددؒ کو آپ کی وفات کا بہت صدمہ ہوا اور آپ کی روح کو دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب سے شاد کام کیا ـــ باقی تفصیلات کتاب "حضرت مجدد الف ثانی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کی مسافرت کا زمانہ طول کے ساتھ انجام پا گیا۔ فرصت کو غنیمت جانیں۔ احباب اگر اس کے اہل ہیں تو ان سے رخصت حاصل کرنے میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے اور اگر وہ نا اہل ہیں تو ان سے رخصت لینے کی کیا ضرورت ہے، حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی مرضی کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اہلِ دنیا راضی ہوں یا ناراض، ان کی ناراضی کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ع

طفیلِ دوست باشد ہر چہ باشد (جو کچھ ملے طفیل میں اس یار کے ملے)

حق سبحانہ وتعالیٰ کو مقصود جاننا چاہیئے، اس کے ساتھ اور جو کچھ حاصل ہو جائے تو ہو جائے اور اگر نہ ہو تو نہ ہو ع

رخسارِ من ایں جاؤ تو در گل نگری (رخسار دیکھ پھول کی صورت نہ دیکھ تو)

والسلام۔

مکتوب ۱۵۴

صد و پنجاہ و چہارم

یہ مکتوب بھی میاں مزمل کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ اپنے آپ کو فراموش کر دینا چاہیئے اور اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے تاکہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے ساتھ رکھے اور ایک لمحہ کیلئے بھی غیر کے حوالے نہ ہونے دے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنَا اِلٰى اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ فَنَهْلِكَ وَلَا اَقَلَّ مِنْهَا فَنَضِيْعَ (بار الٰہا ہمیں ایک لمحے کے لئے بھی ہمارے نفسوں کے حوالہ نہ کر، ورنہ ہم ہلاک ہو جائیں گے اور نہ اس سے بھی کم وقت کے لئے، تاکہ ہم ضائع نہ ہو جائیں) ـــــ (انسان پر) جو بلا اور مصیبت بھی آتی ہے وہ خود ہماری گرفتاری (خواہشاتِ نفسانی) کی وجہ سے ہے۔ جب انسان اپنے آپ سے (اپنی خواہشات سے) نجات پا گیا تو گویا حق تعالیٰ کے غیر کی گرفتاری سے بھی نجات پا گیا۔ اگر کوئی بت پرستی کر رہا ہے تو وہ خود پرستی میں مبتلا ہے (آیۂ کریمہ):۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ (جاثیہ آیت ۲۳)[۴۵] (کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا)

مصراع "از خود چو گذشتی ہمہ عیش است و خوشی" (خود کو چھوڑ دو تو عیش ملتا ہے)

دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ (نفس چھوڑ دو تو آؤ میرے پاس)

جس طرح اپنے آپ سے گذرنا ضروری ہے ایسے ہی اپنے اندر جھانکنا (محاسبہ کرنا) بھی ضروری ہے کیونکہ حق تعالیٰ کو پانا اسی مقام پر ہے، اپنے سے باہر حق تعالیٰ کو پانا ممکن نہیں ہے۔

با تو در زیر گلیم است ہر چہ ہست ہمچو نابینا مبر ہر سوئے دست

(تیری گدڑی میں ہے جو کچھ چاہیئے مثلِ نابینا نہ ہاتھ اب ماریئے)

سیرِ آفاقی دور سے دُور تر ہے اور سیرِ انفسی قریب سے قریب تر ہے، اگر شہود ہے تو وہ بھی اپنے ہی اندر ہے اور اگر معرفت ہے تب بھی اپنے ہی اندر ہے، اگر حیرت ہے تو وہ بھی اپنے ہی اندر ہے: اپنے سے باہر کوئی قدم گاہ (منزل) نہیں ہے ـــــ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بیوقوف سادہ لوح اس جگہ حلول یا اتحاد نہ سمجھ بیٹھے اور گمراہی کے گڑھے میں جا گرے ع

ایں جا حلول کفر بود اتحاد ہم (کفر اس جا ہے حلول و اتحاد)

اس مقام کے ساتھ متحقق ہونے سے پہلے اس میں غور و فکر کرنا ممنوع ہے ـــــ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پسندیدہ طریقے پر استقامت نصیب کرے ـــــ اپنے احوال لکھتے رہا کریں کہ اس (خط و کتابت کو بھی اصلاح و توجہ) میں بڑا دخل ہے، ظاہری تعلقات کے باوجود آزاد رہیں اور (ان علائق کے) وجود و عدم (ہونے نہ ہونے) کو برابر جانیں۔ والسلام والاکرام

مکتوب ۱۵۵
صد و پنجاہ و پنجم

یہ مکتوب بھی میاں شیخ مزمل کی طرف صادر فرمایا ـــــ اپنے اصل کی طرف رجوع کرنے کے بارے میں۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہم کو اپنے ساتھ رکھے ؎

بعد از خدائے ہر چہ پرستند ہیچ نیست بے دولت است آنکہ بہیچ اختیار کرد

(خدا کے سوا جو ہے کم ہیچ سے ہے ہے محروم جو، ہیچ سے متسلک ہے)

ماہ جمادی الاولیٰ جمعہ کے دن شہر دہلی کی زیارت سے مشرف ہوا (فرزند) محمد صادق بھی میرے ساتھ ہے، اگر حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو منظور ہوا تو چند روز یہاں قیام کر کے جلدی ہی وطن مالوف روانہ ہو جاؤں گا۔ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ[1] (وطن کی محبت بھی ایمان میں سے ہے) صحیح حدیث ہے ـــــ بندہ بے چارہ کیا کر سکتا ہے۔ اس کی پیشانی اس (حق سبحانہٗ و تعالیٰ) کے ہاتھ میں ہے (جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ہود آیت ۵۶)

---

[1] تخریج حدیث کے لئے ص ۲۳۵ ملاحظہ ہو۔

(یعنی کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے مگر یہ کہ (حق تعالیٰ) اس کی پیشانی کے بال پکڑے ہوئے ہے، بیشک میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے) ـــــ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے مگر یہ کہ فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ (ذاریات آیت ۵۰) (پس دوڑو اللہ تعالیٰ کی طرف) کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو (رجوع کرو) ـــــ بہرحال اصل کو اصل جان کر اور فرع (شاخ) کو اس کا طفیلی قرار دے کر اصل کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے ؎

ہر چہ جز عشقِ خدائے احسن است — گر شکر خوردن بود جان کندن است

(جو بھی ہے عشقِ الٰہی کے سوا — اس میں ہے زہرِ ہلاہل کا مزہ)

مکتوب ۱۵۶
صد و پنجاہ و ششم

یہ مکتوب بھی میاں مزمل کی طرف صادر فرمایا ـــــ اہل اللہ کی صحبت کی ترغیب میں۔

جو خط آپ نے جالندھر کے قاضی زادہ کے بدست بھیجا تھا دہلی میں موصول ہوگیا۔ الحمد للہ والمنۃ کہ آپ فقراء کی محبت کا نقد سرمایہ رکھتے ہیں اور اس حکم کے مطابق اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[1] (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے محبت رکھتا ہے) آپ بھی ان ہی میں سے ہیں ـــــ ماہِ رجب (جس میں آپ نے آنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے) اگرچہ حساب اور زمانے کے لحاظ سے بہت نزدیک ہے لیکن پھر بھی بہت دور ہے ؎

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست — درونِ دیدہ اگر نیم مو است بسیار است

(فراقِ یار ہو تھوڑا تو وہ نہیں تھوڑا — اگر ہو آنکھ میں کچھ بال وہ بنے شہتیر)

چونکہ اربابِ حقوق کے حقوق کی رعایت کی بنا پر آپ نے اس مطلب (وہاں کے قیام) کو اختیار کیا ہے تو ایسا ہی کریں۔ یہ فقیر بھی شاید ماہِ رجب تک یہاں قیام کرے، وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَیْہِ الْمَرْجِعُ وَالْمَاٰبُ (اللہ تعالیٰ سبحانہ ہی صحیح بات جانتا ہے اور اسی کی طرف سب کو رجوع ہونا ہے) ـــــ بہرحال چند روزہ زندگی، فقراء کے ساتھ گزارنی چاہئے: وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ (سورۂ کہف آیت ۲۸) (یعنی اپنے آپ کو ان

---

[1] حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت کرتا ہے حالانکہ وہ ان میں سے نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (انسان اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے)۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ)۔

لوگوں کے ساتھ روکے رکھو (یعنی ان کی صحبت و ہمنشینی اختیار کرو) جو صبح و شام اپنے رب کو اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے پکارتے (عبادت کرتے) ہیں) خود نصِ قاطع ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ من الصلوات انتہاہا من التحیات ابہاہا کو اس کا حکم فرمایا۔

ایک عزیز فرماتے ہیں کہ "الٰہی یہ کیا ماجرا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ کیا ہے کہ جو شخص اُن (فقراء) کو پہچان لے وہ تجھ کو پا لیتا ہے اور جب تک تجھ کو نہیں پا لیتا ان کو نہیں پہچانتا" ـــــ رَزَقَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِیَّاکُمْ مَحَبَّۃَ ھٰذِہِ الطَّائِفَۃِ الْعَلِیَّۃِ الشَّرِیْفَۃِ (اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس بلند مرتبہ اور شریف گروہ کی محبت عطا فرمائے۔ (آمین)۔

حکیم عبد الوہاب[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ جب کوئی شخص درویشوں کی خدمت میں جائے تو اس کو چاہیے کہ اپنے (دل و دماغ) کو خالی کر کے جائے تاکہ بھرا ہوا واپس آئے، اور اس بیان میں کہ سب سے پہلے اپنے عقائد کو درست کرنا چاہیے۔

آپ ہمارے ہاں دو مرتبہ تشریف لائے اور جلدی ہی واپس چلے گئے، اتنی فرصت نہ ملی کہ صحبت کے حقوق ادا کئے جاتے، ملاقات کا مقصود فائدہ پہنچانا یا فائدہ حاصل کرنا ہے، اور چونکہ ملاقات ان دونوں (حالتوں) سے خالی رہی اس لئے یہ (ملاقات) کسی شمار میں نہیں ہے ـــــ اس گروہ (اہل اللہ) کے پاس (دل و دماغ کو) خالی کر کے آنا چاہیے تاکہ بھرا ہوا واپس جائے، اور اپنی غربت (بے عملی) کا اظہار کرنا چاہیے تاکہ وہ اس پر شفقت (وہمدردی) کریں اور فیض رسانی کا راستہ کھل جائے۔ سیراب آنا اور سیراب جانا (جیسا آیا ویسا گیا) مزہ کی بات نہیں۔ پُرشکمی مرض کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور لاپرواہی سوائے سرکشی کی وجہ کے اور کچھ نہیں ہے ـــــ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے فرمایا ہے "پہلے نیازمندی اور خستہ دلی درکار ہے اس کے بعد دلِ شکستہ کی توجہ"۔ پس توجہ حاصل کرنے کے لئے (طالب کی) نیازمندی و عاجزی شرط ہے۔ اسی طرح ہونا چاہیے۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے، باقی حالات معلوم نہ ہو سکے۔

اس وقت ایک طالب علم آیا اور آپ کی خدمت میں سفارش کی طلب کا اظہار کیا تو دل میں یہ بات آئی کہ آپ کی تشریف آوری کا بھی ایک حق ہے لہذا اپنی طرف سے بھی ممکن درجہ حق ادا کرنا چاہیئے، اس لئے ضروری ہوا کہ زبانِ قلم سے گذری ہوئی بات کا تدارک و تلافی کرتے ہوئے چند کلمات وقت و حال کی مناسبت سے آپ کی طرف تحریر کر دیئے جائیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ وَالْمُوَفِّقُ لِلسَّدَادِ (اللہ سبحانہٗ بہتری کی طرف الہام کرنے والا اور راستی کی توفیق دینے والا ہے)۔

بیش قیمت نصیحت

اے سعادتمند! ہم پر اور آپ پر لازم ہے کہ کتاب و سنت کے مطابق اپنے عقائد کی تصحیح کریں (جس طریقہ پر کہ) علماء اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے کتاب و سنت کو سمجھا ہے اور اس سے اخذ کیا ہے۔ کیونکہ ہمارا اور آپ کا سمجھنا ان بزرگواروں کی فہم اور رائے کے موافق نہیں ہے تو وہ حد و اعتبار سے ساقط ہے۔ کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے باطل احکام کو کتاب و سنت کے مطابق سمجھتا ہے اور ان کو وہیں سے اخذ کرتا ہے، وَالْحَالُ اَنَّهٗ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (حالانکہ ان سے حق کے متعلق کسی قسم کا بھی فائدہ نہیں ہوتا)۔ ——— دوسرے[۲] احکام شرعیہ حلال و حرام، فرض و واجب کا علم حاصل کرنا ——— تیسرے[۳] علم کے مطابق عمل کرنا ——— چوتھے[۴] تصفیہ و تزکیہ جو کہ خاص صوفیائے کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ مخصوص ہے ——— لہذا جب تک اپنے عقائد کو درست نہ کریں احکام شرعیہ کا علم کچھ فائدہ نہیں دیتا، اور جب تک یہ ہر دو متحقق نہ ہو جائیں عمل نفع نہیں دیتا، اور جب تک یہ تینوں میسر نہ ہو جائیں تصفیہ و تزکیہ کا حاصل ہونا محال ہے ——— یہ چاروں رکن اور ان کے متممات و تکملات اس طرح (ایک دوسرے سے وابستہ ہیں جس طرح سنّت فرض کو کامل کرتی ہے، اس کے بعد جو کچھ ہے وہ فضول اور بیکار باتوں میں داخل ہے ——— وَمِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ وَاشْتِغَالُهٗ بِمَا يَعْنِيْهِ[۱۵] (انسان کے حسنِ اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ لایعنی بیکار باتوں کو چھوڑ کر بامقصد اور مفید باتوں میں مشغول ہو جائے) ——— اور سلامتی ہو اس پر جس نے آنحضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیات کی ہدایت کی پیروی کی اور ان کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا۔

---

[۱۵] اس حدیث کو امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے حضرت علی بن حسینؓ سے روایت کیا اور ابنِ ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اور ترمذی و بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا (مشکوٰۃ)

شیخ حمید بنگالی[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ کمال کے درجات میں جو فرق ہے وہ قابلیتوں کے فرق کے اعتبار سے ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

جاننا چاہئے کہ کمال کے درجات مختلف ہیں جو قابلیتوں کے فرق کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کمال میں تفاوت کبھی کمیت (مقدار) کے لحاظ سے ہوتا ہے اور کبھی کیفیت کے اعتبار سے اور کبھی ان دونوں (کیفیت و کمیت) کے اعتبار سے (بیک وقت ہوتا ہے)۔ اور بعض کا کمال مثلاً تجلیٔ صفاتی سے ہے اور بعض دوسروں کا کمال تجلی ذاتی کی وجہ سے ــــــ اس بہت بڑے تفاوت کے باوجود ان دونوں تجلیوں والے افراد اور ان کے ارباب کے درمیان بڑا فرق ہے، بعضوں کا کمال حق سبحانہٗ کے ماسوا صرف قلب کی سلامتی پر ہے اور روح کی آزادی تک ہے، اور بعض دوسرے حضرات کا کمال ان دونوں کے ساتھ بھی تحقیق شدہ ہے اور لطیفۂ سِر کے شہود تک بھی، اور تیسرے گروہ کا کمال ان تینوں امور کے ساتھ ساتھ اس حیرت تک ہے جو لطیفۂ خفی کے ساتھ منسوب ہے۔ اور چوتھے گروہ کا کمال ان چاروں امور کے علاوہ اس اتصال تک ہے جو لطیفۂ اخفیٰ کی طرف منسوب ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ ۶۲ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) ــــــ مذکورہ بالا مراتب میں سے ہر مرتبہ میں کمال حاصل ہونے کے بعد رجوعِ قہقری ہے (یعنی اُلٹے پاؤں لوٹتا ہے تاکہ مخلوق کو حق جل وعلا کی طرف دعوت دے) یا ثبات و استقرار ہے یعنی اس میں ٹھہر جاتا ہے اور ان دونوں میں سے پہلا مقام تکمیل و ارشاد کا مقام ہے اور اس میں حق تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کی طرف دعوتِ حق دینے کے لئے رجوع کرتا ہے اور دوسرا مقام استہلاک یعنی مغلوب الحال ہونے اور مخلوق سے یکسوئی و عزلت ہونے کا مقام ہے۔ والسلام اولاً و آخراً۔

---

[1] حمید بنگالی کے نام پانچ مکتوبات ہیں یعنی دفتر اول مکتوب ۱۵۸-۲۲۰-۲۹۲۔ دفتر دوم مکتوب ۴۶-۸۴۔ آپ کا وطن شہر منگل کوٹ ضلع بردوان بنگال ہے، آپ جامع علوم معقول و منقول تھے، آپ صرف ایک سال حضرت مجددؒ کی خدمت میں رہے اور راہِ سلوک میں کمال و تکمیل حاصل کیا، حضرت مجددؒ نے خلافت و اجازت عطا فرما کر ان کو اپنے وطن جانے کی اجازت دی چنانچہ وہاں آپ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ ۱۰۵۰ھ منگل کوٹ میں انتقال فرمایا۔

مکتوب ۱۵۹

(عربی و فارسی)
صد و پنجاہ و نہم

شرف الدین حسین بدخشی کی طرف صادر فرمایا ــــــ بسلسلۂ تعزیت۔

اگرچہ آلام و مصائب بظاہر کڑوے اور تلخ ہیں لیکن باطن میں شیریں اور روح کو لذت بخشنے والے ہیں، کیونکہ جسم و روح دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد واقع ہوتے ہیں، ایک کی تکلیف دوسرے کے لئے لذت کا باعث ہے، پس جو پست فطرت آدمی ان دو ضدوں کے درمیان اور جواں کے لوازمات ہیں ان کے درمیان تمیز نہیں کرسکتا وہ ہماری بحث سے خارج اور قابلِ توجہ نہیں، اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (اعراف آیت ۱۷۹) (یہ لوگ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ) ؎

آنکہ از خویشتن چو نیست چنین ‏ ‏ ‏ چہ خبر دارد از چنان و چنیں

(پیٹ کے بچے کو خود کی کیا خبر ‏ ‏ ‏ پھر وہ کیا جانے اِدھر کیا، کیا اُدھر)

جس شخص کی روح مائل بہ تنزل ہوکر جسم کے مرتبہ میں قرار پالے اور اس کا عالمِ امر، عالمِ خلق کے تابع ہوجائے وہ اس معما کے راز کو کیا جانے، جبتک کہ روح اپنے اصلی مقام کی طرف واپس نہ لوٹے اور امر خلق سے جدا نہ ہوجائے اسوقت تک معرفت کا جمال جلوہ گر نہیں ہوسکتا، اس دولت کا حصول ایسی موت سے وابستہ ہے جس سے پہلے حسی اور صوری موت حاصل ہوجائے ــــــ اور مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے اس کو فنا سے تعبیر کیا ہے ؎

خاک شو خاک تا بروید گل ‏ ‏ ‏ کہ بجز خاک نیست مظہر گل

(خاک بن جاؤ تو بن جاؤ گے پھول ‏ ‏ ‏ خاک ہی میں سے اُگا لاؤ گے پھول)

اور جس شخص نے مرنے سے پہلے مقامِ فنا حاصل نہیں کیا وہ مصیبت میں مبتلا ہے اور اس کے لئے ماتم کرنا چاہئے ــــــ آپ کے والد مرحوم کے انتقال کی خبر جو کہ نیک نامی میں مشہور تھے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں بہت زیادہ محتاط تھے مسلمانوں کے لئے حزن و ملال کا سبب ہوئی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (بقرہ آیت ۱۵۶) (ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) ــــــ

۱۔ آپ کا مختصر تذکرہ اور مکتوبات کی تفصیل کے لئے دفتر اول مکتوب ۱۲۶ کا فٹ نوٹ ملاحظہ ہو۔

اس فرزند کو چاہیے کہ شیوۂ صبر اختیار کرتے ہوئے آگے جانے والوں (یعنی مرنے والوں) کی صدقہ، دعا، اور استغفار کے ذریعہ امداد و اعانت کریں، کیونکہ مردوں کو زندوں کی طرف سے امداد کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ حدیث نبوی علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات میں ہے: مَا الْمَيِّتُ إِلَّا كَالْغَرِيقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ فَإِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَيُدْخِلُ عَلَى أَهْلِ الْقُبُورِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ أَمْثَالَ الْجِبَالِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَإِنَّ هَدِيَّةَ الْأَحْيَاءِ إِلَى الْأَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ (فی المشکوٰۃ باب الاستغفار من روایۃ البیہقی فی شعب الایمان عن ابن عباسؓ مرفوعاً) (یعنی میت کی مثال ڈوبنے والے اور فریاد کرنے والے کی مانند ہے وہ ہر وقت دعا کی منتظر رہتی ہے جو اُسے باپ، ماں، بھائی، دوست اور متعلقین کی طرف سے پہنچتی ہے۔ جب اس کو ان میں سے کسی کی طرف سے دعا پہنچتی ہے تو وہ اس کو دنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا سے اہلِ قبور پر پہاڑوں کی مانند رحمت نازل فرماتا ہے، اور زندوں کا مردوں کے لئے ہدیہ یہ ہے کہ ان کے لئے استغفار کریں)

باقی نصیحت یہ ہے کہ ہمیشہ ذکر کی کثرت اور فکر کی مداومت میں رہیں کیونکہ وقت بہت کم ہے اور اس کو بہت ضروری کاموں میں صرف کرنا چاہیے۔ والسلام

یہ مکتوب آپ نے اپنے کمترین غلام یعنی یار محمد الجدید البدخشی الطالقانی[1] کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم تین گروہ ہیں۔ ان تینوں میں سے ہر ایک کے احوال و کمال اور نقصان کی شرح و تفصیل کے بیان میں۔

مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم تین[3] گروہ ہیں:— **پہلا گروہ** اس بات کا قائل ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ عالمِ ایجاد کے باہر (خارج) میں موجود ہے اور جو کچھ اس (عالمِ ایجاد کے) اندر موجود ہے وہ (حق تعالیٰ کے) اوصاف و کمال میں سے ہے۔ اور سب کچھ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ایجاد ہے

[1] حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلفا میں یار محمد نامی دو حضرات ایک ہی بدخشی طالقان (ایران کا ایک شہر) کے تھے، فرق و امتیاز کے طور پر ایک کو جدید دوسرے کو قدیم کہنے لگے۔ حضرت مجدد صاحبؒ کا دفتر اول (پیش نظر) آپ نے ہی مرتب فرمایا آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے آپ کا مختصر تذکرہ دیباچہ کے فٹ نوٹ میں بھی ہے۔

اور وہ (مشائخ) اپنے آپ کو صرف شیخ (اور شال کے درجے) سے زیادہ نہیں جانتے بلکہ اس شیخیت کو بھی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے جانتے ہیں اور وہ فنائیت کے سمندر میں ایسے گم ہیں کہ ان کو نہ عالم کی خبر ہے نہ اپنی۔ اور وہ اس برہنہ شخص کی مانند ہیں جس نے عاریۃً کپڑا لے کر پہنا ہو، اور وہ جانتا ہے کہ یہ کپڑا مانگا ہوا ہے، اور یہ دید عاریت کا تصور ان پر اس قدر غالب ہو کہ (کپڑے پہنے ہوئے ہونے کے باوجود) وہ اس کپڑے کو اصل مالک کی طرف منسوب کرے اور اپنے آپ کو برہنہ ہی محسوس کرے، اور اگر ایسے آدمی کو بے شعوری اور سکر کی حالت سے نکال کر شعور اور صحو میں لائیں اور فنا کے بعد بقا سے مشرف فرمائیں تو اگرچہ وہ اس وقت بھی اپنے بدن پر کپڑا پاتا ہے لیکن یقین رکھتا ہے کہ وہ (میرا نہیں ہے) دوسرے کی طرف سے ہے، کیونکہ وہ فنا ابھی تک اس کے علم میں مندرج ہے اور وہ گرفتاری و تعلق جو اس کپڑے سے رکھتا ہے کچھ باقی نہیں رہتا ——— اور ایسا ہی حال اس شخص کا ہے جو اپنے کمالات و اوصاف کو عاریت کے جامہ کے رنگ میں خیال کرتا ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ یہ جامہ بھی وہم کے درجہ میں ہے اور خارجی طور پر کوئی کپڑا (جسم پر) نہیں رکھتا ہوں بلکہ برہنہ ہوں ——— یہ مشاہدہ جب اس حد تک غالب آجاتا ہے کہ لباس کے وہم کو درست سمجھنے لگتا ہے اور اپنے آپ کو برہنہ محسوس کرتا ہے۔ (لیکن اس حالت سے) افاقہ وصحو کے بعد اس وہمی جامہ کو بھی اپنے ساتھ پاتا ہے لیکن پہلے شخص کی فنا اتم (کامل) ہے اور بقا میں بھی مرتبہ کے لحاظ سے زیادہ اکمل ہے، جیسا کہ انشاءاللہ تعالیٰ عنقریب بیان کیا جائے گا۔

اور یہ بزرگ گروہ اپنے اعتقاداتِ کلامیہ میں جو کتاب وسنت اور اجماع کے موافق ثابت شدہ ہے اور علمائے اہلِ سنت وجماعت کے ساتھ اتفاق رکھتا ہے، اور متکلمین اور ان کے درمیان سوائے اس کے اور کچھ فرق نہیں ہے کہ متکلمین اس معنی کو علمی اور استدلالی جانتے ہیں اور یہ بزرگ کشف وذوق کی بنیاد پر سمجھتے ہیں، اور نیز یہ بزرگ گروہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی انتہائی پاکیزگی کی وجہ سے اس کے ساتھ عالم کی کوئی نسبت ثابت نہیں کرتے اور تمام نسبتوں کو سلب سمجھتے ہیں۔ تو پھر کس طرح یہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ عینیت وجزئیت کے قائل ہو سکتے ہیں، سوائے اس نسبت کے کہ وہ مولیٰ ہے، معبود ہے اور صانع اور مصنوع ہے، بلکہ اپنے غلبۂ حال میں اس نسبت کو بھی بھول جاتے ہیں۔ اب وہ حقیقی فنا سے مشرف ہو کر باری تعالیٰ کی تجلیاتِ ذاتیہ قبول کرتے ہیں اور بے انتہا تجلیات کے مظہر بن جاتے ہیں۔

دوسرا گروہ عالم کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ظل جانتا ہے مگر یہ اس بات کے قائل ہیں کہ عالم خارج میں اصالت کے طریقے پر نہیں بلکہ ظلیت کے طریقے پر موجود ہے اور ان دونوں کا وجود حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے وجود سے قائم ہے جس طرح کہ ظل (سایہ) اپنے اصل کے ساتھ قائم ہوتا ہے ـــــ مثلاً ایک شخص کا سایہ دراز ہے اور وہ شخص اپنی کمال قدرت سے اپنی صفاتِ علم، قدرت وارادہ وغیرہ حتیٰ کہ لذت والم کو بھی اس سایہ میں منعکس کردے۔ پس اگر بالفرض وہ سایہ آگ پر پڑجائے اور وہ اس سے تکلیف محسوس کرے تو عقلاً وعرفاً یہ نہیں کہیں گے کہ وہ شخص تکلیف میں ہے، جیسا کہ تیسرا گروہ اس امر کا قائل ہے ـــــ علیٰ ہذا القیاس تمام بُرے افعال جو کہ مخلوقات سے صادر ہو رہے ہیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے افعال ہیں، جیسے کہ سایہ اگر اپنے ارادہ سے حرکت کرتا ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ شخص متحرک ہوگیا، ہاں صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی قدرت وارادہ کا اثر ہے یعنی اس کا مخلوق ہے، اور یہ بات طے شدہ ہے کہ قبیح (بری) شے کا پیدا کرنا برائی نہیں ہے بلکہ قبیح کا فعل اور کسب بُرا ہے۔

تیسرا گروہ وحدتِ وجود کا قائل ہے یعنی خارج میں صرف ایک (ہی ذات) موجود ہے اور بس۔ اور وہ صرف ذات حق سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ اور عالم کا خارجی طور پر علمی ثبوت کے علاوہ ہرگز کوئی ثبوت ثابت نہیں ہے۔ اور کہتے ہیں: اَلْاَعْیَانُ مَاشَمَّتْ رَائِحَۃَ الْوُجُوْدِ (اعیان (اشیاء) نے وجود کی خوشبو بھی نہیں سونگھی) ـــــ اور اگرچہ یہ جماعت بھی عالم کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ظل (سایہ) کہتی ہے لیکن (ساتھ ہی یہ بھی) کہتی ہے کہ ان چیزوں کے سایہ کا وجود صرف حس کے مرتبہ میں ہے (ورنہ) نفس الامر اور خارج میں عدم محض ہے۔ اور (یہ لوگ) ذاتِ حق عزوجل کو صفاتِ وجوبیہ اور امکانیہ کے ساتھ متصف جانتے ہیں اور تنزلات کے مراتب کو ثابت کرتے ہیں اور ہر درجہ میں اسی ذاتِ احد کو احکام کے مرتبہ کی صفت سے متصف کرتے ہیں اور حق جل شانہٗ کی ذات کو لذت حاصل کرنے اور تکلیف اٹھانے والی بھی قرار دیتے ہیں ـــــ لیکن ان محسوسہ متوہمہ ظلال کے پردہ میں (ان کے اس مسلک پر) عقلی وشرعی محظورات (اشکال) وارد ہوتے ہیں جن کے جواب میں (ان کو) بہت سے حیلے اور تکلفات کرنے پڑتے ہیں ـــــ اگرچہ یہ (تیسرا گروہ) اپنے درجاتِ وصل وکمال میں تفاوت ہونے کے باوجود واصل وکامل ہے لیکن ان کی ایسی باتیں مخلوق کو گمراہی والحاد کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور الحاد وبے دینی (زندقہ) تک پہنچا دیتی ہیں۔

پہلے گروہ کے لوگ اکمل و اتم ہیں اور کتاب و سنت کے ساتھ اسلم و اوفق ہیں۔ لیکن ان کا اسلام اور سنت کے مطابق ہونا ظاہر ہے، اور ان کی اکملیت اور اتمیت اس وجہ سے ہے کہ وہ وجودِ انسانی کے بعض مراتب میں لطافت اور تجرد کی انتہا کی وجہ سے اپنے مبدا (حق تعالیٰ) سے مشابہت و مناسبت رکھتے ہیں جیسے کہ لطیفۂ خفی و اخفیٰ ــــــــ پس وہ جماعت جو باوجود فنائے سرّی کے ان مراتب کو مبدا سے جدا نہیں کر سکی تا کہ وہ لا کے تحت لاکر اس کی بھی نفی کرتی بلکہ ان کے نزدیک وہ مبدا کے ساتھ ملحق اور متشابہ رہیں اور خود کو عین حق سمجھ لیا ہے کہتے ہیں کہ خارج میں فقط حق سبحانہٗ ہے اور ہمارا ہرگز کوئی وجود نہیں ہے لیکن چونکہ بکثرت خارجی آثار کا متحقق ہونا ثابت ہے اس لئے مجبوراً وہ ثبوتِ علمی کے قائل ہو جاتے ہیں، اور یہی وہ مقام ہے جہاں وہ اعیان کو وجود و عدم کے درمیان برزخ قرار دیتے ہیں ـــــ چونکہ وہ بعض مخلوقات کے وجود کے مرتبوں کو مبدا سے جدا نہیں کر سکے اس لئے اس کے وجود کے وجوب کے قائل نہ ہونے کی وجہ سے اس کو برزخ کہنے لگے اور وجوب کے رنگ کو ممکن میں ثابت کر دیا، اور نہ جان سکے کہ وہ بھی ممکن کے رنگ کی طرح ایک رنگ ہے جو واجب کے مشابہ ہے، اگرچہ صورت اور اسم میں ہی ہو اور اگر وہ اس رنگ کو جدا کر دیتے اور ممکن کو بھی پورے طور سے جدا کر دیتے تو ہرگز اپنے آپ کو حق عز و جل نہیں جانتے بلکہ عالم کو حق سے جدا کرتے اور صرف ایک ہی وجود کے قائل نہ ہوتے، اور جب تک اس شخص (وحدۃ الوجود والے) کا اثر اور نشان باقی ہے اپنے آپ کو حق تعالیٰ نہیں جانتا اگرچہ وہ کہتا ہی ہے کہ میرا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ لیکن اس کا یہ قول بھی کوتاہ نظری کے باعث ہے۔

دوسرے گروہ نے اگرچہ ان مراتب کو مبدأ سے جدا کیا اور کلمۂ لا کے تحت لاکر اس کی نفی بھی کی لیکن ظلیت اور اصالت کے واسطہ سے کچھ چیزیں ان کے وجود کے بقا کے ساتھ ثابت رہیں، چونکہ ظل کا رتبہ اصل کے رشتہ کے تعلق سے بڑا قوی ہے اس لئے یہ نسبت ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہو سکی ــــــ لیکن پہلے گروہ نے حضرت رسالت خاتمیت علیہ من الصلوات انمہا و من التحیات اکملہا کے ساتھ مناسبت اور آپؐ کی کمال درجہ اتباع کے باعث ممکن کے تمام مراتب کو واجب سے جدا کر دیا اور کلمۂ لا کے تحت لاکر سب کی نفی کر دی اور انہوں نے واجب کے ساتھ ممکن کی کوئی مناسبت نہیں دیکھی اور اس کے ساتھ کسی نسبت کا اثبات نہیں کیا اور اپنے آپ کو عاجز بندہ مخلوق بغیر مقدور کے علاوہ کچھ نہ سمجھا اور اس عزّ شانہٗ کو اپنا خالق اور مولیٰ سمجھا۔ خود کو مولیٰ جاننا یا اس کا مشابہ

خیال کرنا ان بزرگوں پر بہت گرانی اور دشواری کا موجب ہے۔ مَالِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ۔ ع
(چہ نسبت خاک را با عالم پاک)۔

یہ بزرگوار اشیاء کو اس وجہ سے دوست رکھتے ہیں کہ وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اسی لئے وہ ان کی نظر میں محبوب ہیں کہ وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی مصنوع (بنائی ہوئی) ہیں اور ان کے افعال بھی اسی جل شانہٗ کے بنائے ہوئے ہیں لہذا وہ تمام اشیاء کے خواص کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کے افعال سے انکار نہیں کرتے مگر یہ کہ جہاں شریعت نے انکار کیا ہو، جیسا کہ اربابِ توحید کہ جن کو حق تعالیٰ کی مظہریت کے واسطہ سے بلکہ اشیاء کی عینیت کی وجہ سے اس قسم کی محبت اشیاء کے ساتھ ہوتی ہے لوگوں کو صرف ان کے مصنوع ومخلوق ہونے کی وجہ سے حاصل ہوجاتی ہے ع

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا (کہاں یہ راہ الگ اور کہاں وہ راہ الگ)

محبوب کے عین کو تو تھوڑی سی محبت کے ساتھ بھی ہم دوست رکھ سکتے ہیں لیکن اس کی مصنوعات ومخلوقات اور اس کے بندوں کو جب تک محبوب (حقیقی) کے ساتھ کامل محبت حاصل نہ ہوجائے دوست نہیں رکھ سکتے اور ان کو محبوب تصور نہیں کرسکتے ـــــ اور یہ عالی گروہ کو عبدیت کے مقام سے جو تمام مقاماتِ ولایت کی انتہا ہے اس سے کامل حصہ مل چکا ہے اور ان بزرگوں کے حال کی صحت پر اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل ہوسکتی ہے کہ ان کے تمام کشف کتاب وسنت کے موافق اور ظاہر شریعت کے مطابق ہیں، اور ان حضرات نے ظاہر شریعت سے سرِ مو مخالفت نہیں کی ـــــ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُحِبِّیْھِمْ بِحُرْمَۃِ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ (یا الٰہی! ہمیں حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کرنے والوں اور ان کے محبوں میں سے بنادے (آمین)۔

یہ درویش (یعنی حضرت مجدد الف ثانی) جس سے یہ تحریر استفادہ میں آئی، شروع میں توحیدِ وجودی کا معتقد تھا اور بچپن ہی کے زمانے سے علم توحیدِ وجودی رکھتا تھا اور یقین (کی حد تک) پیوستہ ہوچکا تھا اگرچہ اس کا حال نہ رکھتا تھا اور جب اس راہ میں آیا تو پہلی مرتبہ توحید کا راستہ منکشف ہوا اور ایک مدت تک اس مقام کے درجات میں گشت کرتا رہا اور وہ بہت سے علوم جو اس مقام کے مناسب تھے ان سے بہرہ ور ہوا، اور وہ مشکلات وواردات جو کہ اربابِ توحید (وجودی) پر وارد ہوتے ہیں وہ سب

کشوف علوم فائضہ کے ذریعہ حل ہو گئے ـــــــ پھر ایک مدت کے بعد دوسری نسبت اس درویش پر غالب ہو گئی، اس نسبت کے غلبہ کے وقت توحید وجودی میں توقف ہوا لیکن یہ توقف (توحید وجودی اولیاء) کے ساتھ) حسنِ ظن کی وجہ سے تھا نہ کہ ان حضرات کے انکار کی بنیاد پر ـــــــ ایک مدت تک اس انکار میں متوقف رہا، آخر کار معاملہ ان کے انکار تک پہنچ گیا اور مجھ پر منکشف ہوا کہ یہ مرتبہ پست سے بھی پست تر ہے، پھر اپنے (سوچ وفکر کے) سامان کو ظلیت کے مقام میں لے گیا لیکن (فقیر اس وقت) اس انکار میں بے اختیار تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اس مقام سے باہر آئے اس لئے کہ اس مقام پر بہت سے مشائخ عظام اقامت پذیر تھے ـــــــ اور جب مقام ظلیت میں پہنچا تو خود کو اور عالم کو ظل محسوس کیا جیسا کہ دوسرا گروہ اس کا قائل ہے۔ وہاں پہنچ کر اس بات کی آرزو پیدا ہوئی کہ اس مقام (ظلیت) سے باہر نکالا جاؤں کیونکہ یہ (درویش) وحدتِ وجود ہی کو کمال جانتا تھا اور یہ مقامِ ظلیت بھی اس سے قدرے مناسبت رکھتا تھا ـــــــ اتفاقاً کمال مہربانی اور غریب نوازی فرما کر اس مقام سے بھی بالا لے گئے اور مقامِ عبدیت پر پہنچا دیا، اس وقت اس مقامِ (عبدیت) کا کمال ظاہر ہوا اور اس کی بلندی واضح ہوئی اور گذشتہ مقامات سے تائب ہو کر استغفار کی ـــــــ اور اگر اس درویش کو اس طریقہ پر نہ لیجاتے اور بعض مراتب کی بعض پر فوقیت ظاہر نہ کرتے تو اس مقام (عبدیت) میں اپنا تنزل جانتا کیونکہ اس (درویش) کے نزدیک توحید (وجودی) سے بڑھ کر کوئی اور بلند مقام نہ تھا: وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ (اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو حق ثابت کرتا ہے اور راہِ راست کی ہدایت بخشتا ہے)۔

جاننا چاہئے کہ علوم ومعارف کی تفاوت (فرق) کا منشا (سبب) مکتوبات اور رسالوں میں جو اس درویش سے بلکہ ہر سالک سے جو کچھ صادر ہوا ہے وہ اس کے مقامات کے درجات کے تفاوت کی بنا پر ہے، کیونکہ ہر مقام کے علوم ومعارف جدا ہیں اور ہر حال کا قال علیحدہ ہے۔ پس فی الحقیقت علوم میں کوئی تدافع وتناقض (دفع کرنا یا مخالفت کرنا) نہیں ہے بلکہ احکامِ شرعیہ کے نسخ کی مانند (اسی حکم) ہے۔ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ (پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں) (آل عمران آیت ۶۰)

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔

ملا صالح بدخشی کولابی کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ سلوک کی منازل کے طے کرنے کا مقصد حقیقی ایمان کا حاصل کرنا ہے جو کہ اطمینانِ نفس سے وابستہ ہے۔[۱]

سلوک کی منازل طے کرنے کا مقصد ایمانِ حقیقی کا حاصل کرنا ہے جو کہ اطمینانِ نفس پر موقوف ہے جبتک نفس مطمئنہ نہ ہو جائے نجات کا تصور بھی ممکن نہیں، اور نفس اطمینان کے مرتبہ پر اس وقت تک نہیں پہنچا جبتک کہ قلب کی سیاست (تربیت) نہ ہو جائے۔ اور قلب کی سیاست اس وقت بسر ہوتی ہے جب دل اُس کام سے فارغ ہو جائے جس میں وہ مشغول ہے۔ اور سلامتی اس وقت حاصل ہوگی جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے علاوہ (ہر چیز کی) گرفتاری سے نجات حاصل کرلے، اور اس سلامتی کی علامت حق تعالیٰ وتقدس کے سوا ہر چیز کی نسیان میں گرفتار ہونا ہے (یعنی ہر چیز کو بھول جانا ہے) اور جبتک بال برابر بھی غیرِ حق سے آگاہی ہے وہ سلامتی سے گمراہ (دُور) ہے: فَطُوْبٰی لِمَنْ سَلِمَ قَلْبُہٗ لِرَبِّہٖ (پس مبارک ہے وہ شخص جس کا دل اللہ تعالیٰ کے لئے سلامت ہو گیا) ——— کوشش کرنا ضروری ہے تاکہ قلب کی سلامتی سے مشرف ہو کر اطمینانِ نفس انجام پذیر ہو جائے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے) والسّلام

---

[۱] ملا صالح کولابی بدخشی کے نام دس مکتوبات ہیں۔ دفتر اول مکتوب ۱۶۱- ۱۸۲- ۲۴۱- ۲۴۴- ۲۴۵- ۳۰۶- دفتر دوم مکتوب ۳۳- دفتر سوم مکتوب ۲۸- ۸۷- ۹۰- آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے قدیم احباب میں سے تھے، نہایت منکسر المزاج اور خاموش طبع تھے۔ جامع مسجد آگرہ میں حضرت سے اتفاقاً ملاقات ہو گئی اور سالہا سال حضرت کی خدمت میں رہے۔ جب حضرت کی توجہ سے درجۂ کمال کو پہنچ گئے تو حضرت نے اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ بعد ازاں مخدوم زادوں کی فرمائش پر آپ نے حضرت مجددؒ کے دن رات کے معمولات کو ایک رسالہ کی شکل میں جمع کیا۔ بحمد اللہ اس کا ترجمہ کتاب "حضرت مجدد الف ثانیؒ" میں "معمولات" کے عنوان سے ص ۲۴۰ سے ۲۶۱ تک درج کر دیا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

مکتوب ۱۶۲
صد و شصت و دوم

خواجہ محمد صدیق بدخشی[1] کی جانب صادر فرمایا ــــــ رمضان المبارک کی فضیلت اور اس مبارک مہینے کی قرآن مجید کے ساتھ مناسبت کے بیان میں جس کی بنا پر اس کا نزول اس ماہ مبارک میں ہوا، اور کھجور کی جامعیت کے بیان میں کہ اس سے (روزہ) افطار کرنا مستحب ہے اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔

بِاسْمِهٖ سُبْحَانَہٗ (اس پاک ذات کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں)۔ (حق تعالیٰ کے) کلام کی شان جو کہ شیوناتِ ذاتیہ میں سے ہے وہ تمام کمالاتِ ذاتی و شیوناتِ صفاتی کا جامع ہے، جیسا کہ سابقہ علوم میں (دفتر اول کے چودھویں مکتوب میں) ذکر ہو چکا ہے ــــــ اور ماہِ رمضان المبارک تمام خیرات و برکات کا جامع ہے، اور ہر خیر و برکت جو بھی ہے وہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی طرف سے فیض پہنچا رہی ہے اور اس ذات کے شیونات کا نتیجہ ہے کیونکہ جو شر و نقص بھی وجود میں آتا ہے اس کی ذات و صفاتِ محدثہ کے منشا سے ہے: مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (سورۂ نساء آیت ۷۹) (جو کچھ بھی بھلائی تم کو پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو کچھ بھی برائی تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی طرف سے ہوتی ہے) نص قاطع ہے ــــــ پس اس ماہِ مبارک کی تمام خیرات و برکات اُن کمالاتِ ذاتیہ کا نتیجہ ہیں جن کی جامع شان کلامِ ربانی ہے اور قرآن مجید اس شانِ جامع کی تمام حقیقت کا حاصل ہے۔ لہٰذا اس ماہِ مبارک (رمضان) کو قرآن مجید کے ساتھ مناسبتِ کلّی حاصل ہے کیونکہ قرآن مجید تمام کمالات کا جامع ہے اور یہ مہینہ "جامع جمیع خیرات" یعنی تمام نیکیوں کا جامع ہے جو کہ ان کمالات کے نتائج و ثمرات ہیں، اور یہی مناسبت اس ماہِ مبارک میں قرآن مجید کے نزول کا باعث ہوئی۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (بقرہ آیت ۱۸۵) (رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا) ــــــ اور شبِ قدر جو اسی ماہ کا خلاصہ اور لُبِّ لباب ہے (وہ رات گویا) اس کا مغز ہے اور یہ مہینہ اس کے پوست کی مانند ہے، پس جو شخص اس مہینہ کو جامعیت (یعنی تمام فرائض کو بحسن و خوبی) کے ساتھ گذارے گا وہ اس کی تمام خیر و برکت سے مالا مال ہوگا اور (انشاء اللہ

[1] خواجہ محمد صدیق بدخشی ملقب بہ ہدایت کا مختصر تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۲ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔

تمام سال جمعیت (و اطمینان) سے گذرے گا اور خیر و برکات کے ساتھ بہرہ ور ہوتا رہے گا۔ وَفَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ لِلْخَیْرَاتِ وَالْبَرَکَاتِ فِیْ ھٰذَا الشَّھْرِ الْمُبَارَکِ وَرَزَقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ النَّصِیْبُ الْاَعْظَمِ (اللہ تعالیٰ ہم کو اس مبارک مہینے کی خیرات و برکات حاصل کرنے کی توفیق عطا کرے اور اس کا بڑا حصہ نصیب فرمائے (آمین)

حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے فرمایا ہے: اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُکُمْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی تَمْرٍ فَاِنَّہٗ بَرَکَۃٌ[1] (جب تم میں سے کوئی شخص روزہ افطار کرے تو اس کو کھجور سے افطار کرنا چاہئے کیونکہ اس میں برکت ہے) ——— آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھجور سے روزہ افطار کرتے تھے۔ اور کھجور میں برکت کی وجہ یہ ہے کہ اس کا درخت نخلہ کہلاتا ہے جو اپنی جامعیت اور صفتِ اعدلیت (کے لحاظ سے انسان کی طرح مخلوق ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے نخلہ کو بنی آدم کی عمہ (پھوپھی) فرمایا ہے کیونکہ وہ طینتِ آدم (آدم کی بقیہ مٹی) سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَکْرِمُوْا عَمَّتَکُمُ النَّخْلَۃَ فَاِنَّھَا خُلِقَتْ مِنْ بَقِیَّۃِ طِیْنَۃِ اٰدَمَ[2] (یعنی اپنی پھوپھی یعنی درختِ خرما کی تعظیم کرو کیونکہ وہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بقیہ مٹی سے پیدا کی گئی ہے) ——— اور ہو سکتا ہے کہ اس کا نام "برکت" اسی جامعیت کے اعتبار کی وجہ سے رکھا گیا ہو ——— لہٰذا اس کے پھل یعنی کھجور سے افطار کرنا صاحبِ افطار کا جزو بن جاتا ہے اور درخت کی حقیقتِ جامعہ اس جزئیت کے اعتبار سے اس کے کھانے والے کی حقیقت کا جزو بن جاتی ہے اور اس کا کھانے والا اس اعتبار سے اُن بےشمار کمالات کا جامع ہو جاتا ہے جو اس کھجور کی حقیقتِ جامعہ میں مندرج ہیں۔

یہ مطلب اگرچہ اس کے مطلق کھانے میں بھی حاصل ہو جاتا ہے لیکن افطار کے وقت جو روزہ دار کے شہواتِ مانعہ اور لذاتِ فانیہ سے خالی ہونے کا وقت ہے اس کا کھانا زیادہ تاثیر رکھتا ہے اور یہ مطلب کامل اور پورے طور پر ظاہر ہو جاتا ہے ——— اور یہ جو آنسرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: نِعْمَ سُحُوْرُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ[3] (مومن کی بہترین سحری تمر (کھجور) ہے) اس اعتبار سے ہو سکتا ہے کہ اس کی غذا میں

---

[1] رواہ الترمذی ۱۲ مشکوٰۃ ——— [2] رواہ ابو یعلی فی مسندہ والعقیلی فی الضعفاء وابن عدی وابن ابی حاتم وابن السنی وابو نعیم فی الطب وابن مردویۃ فی التفسیر عن علی بلفظ اکرموا عمتکم النخلۃ فانھا خلقت من فضلہ طینۃ ابیکم ادم۔ قال العزیزی اسانیدھا ضعیفۃ ولکن باجتماعھا تتقوی۔ قال المعرب
[3] رواہ ابو داود عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ از مشکوٰۃ۔

کھجور سے روزہ افطار کرنے کی تاکید

جو صاحبِ غذا کا جزو بن جاتی ہے اس غذا کی حقیقت کے ذریعے سے اس صاحب غذا کی حقیقت کی تکمیل ہے نہ کہ اس کی غذا کی حقیقت، اور جب یہ مطلب روزہ میں مفقود ہے تو اس کی تلافی کے لئے تمر (کھجور) کی سحور پر بھی ترغیب فرمائی کہ گویا اس کا کھانا تمام ماکولات کے کھانے کا فائدہ رکھتا ہے اور اس کی برکت جامعیت کے اعتبار سے افطار کے وقت تک رہتی ہے ——— اور غذا کا یہ فائدہ جو مذکور ہو چکا ہے اس تقدیر پر مرتب ہوتا ہے کہ وہ غذا تجویز شرعی کے مطابق واقع ہو اور شرعی حدود سے سرِمو تجاوز نہ ہوا ور نیز اس فائدہ کی حقیقت اس وقت میسر ہوتی ہے جبکہ اس کا کھانے والا صورت سے گزر کر حقیقت تک جا پہنچا ہو، اور ظاہر سے باطن تک پہنچ گیا ہو، تاکہ غذا کا ظاہر اس کے ظاہر کو مدد دے اور غذا کا باطن اس کے باطن کو مکمل کر دے ورنہ صرف ظاہری امداد ناقص ہے بلکہ اس کا کھانے والا عین کمی میں ہے ؎

سعی کن تا لقمہ را سازی گہر | بعد ازاں چنداں کہ می خواہی بخور
ترجمہ (بنا لقمے کو کوشش سے تو گوہر | پھر اس کو کھا برابر سیر ہو کر

جلدی افطار کرنے اور سحری دیر سے کھانے میں حکمت یہی ہے کہ صاحبِ غذا کی غذا سے تکمیل ہو جائے والسلام

مکتوب ۱۶۳
صد و شصت و سوم

سیادت و شرافت کی پناہ والے شیخ فرید[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد (مخالف) ہیں، ان دو ضدوں کے جمع ہونے کا احتمال محال ہے ایک کو عزت دینے سے دوسرے کی ذلت لازم آتی ہے (آخر مکتوب تک (حضرت مجدد) سلمہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی تذلیل میں اور ان سے میل جول نہ رکھنے کے بارے میں اور میل جول کے نقصان میں تحریر فرمایا ہے (جامع) اور اس بیان میں کہ (اسی طرح) دنیا و آخرت بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَھَدٰنَا اِلَی الْاِسْلَامِ وَجَعَلَنَا مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّۃُ وَالسَّلَامُ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم پر انعام فرمایا اور ہم کو اسلام کی طرف ہدایت کی اور ہم کو آنحضرت محمد مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ والسلام کی امت میں بنایا)

---

[1] نواب شیخ فرید بخاری سے متعلق مختصر تذکرہ دفتر اول مکتوب ۴۳ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

دونوں جہان کی سعادت سید کونین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی اتباع سے وابستہ ہے اور بس۔ اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اسلام کے احکام بجالانے میں اور کفریہ رسومات کے دُور کرنے میں ہے، کیونکہ اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں، ایک کو اختیار کرنا دوسرے کو رد کرنا ہے۔ ان دو۲ ضدوں کے جمع ہونے کا احتمال محال (ناممکن) ہے، اور ایک کو عزت دینے سے دوسرے کی تذلیل لازم آتی ہے ـــــــ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والتحیہ سے فرماتا ہے: یَاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ (التحریم آیت۹) (اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو) ـــــــ پس (حق تعالیٰ نے) اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن کی صفت خُلقِ عظیم ہے کفار سے جہاد اور سختی کا حکم فرمایا ـــــــ اس سے معلوم ہوا کہ ان (کفار) کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنا بھی خُلقِ عظیم میں داخل ہے ـــــــ پس اسلام کی عزت، کفر اور کفار کی ذلت و خواری میں ہے۔ جس نے کفار کو عزیز رکھا اس نے اہلِ اسلام کو ذلیل کیا ـــــــ ان کو عزت دینے کا مطلب یہی نہیں ہے کہ ان کی (خواہ مخواہ) تعظیم کریں، یا ان کو اونچی جگہ بٹھائیں، بلکہ ان کو اپنی محفلوں میں جگہ دینا یا ان کے ساتھ ہمنشینی رکھنا اور ان سے خلط ملط ہونا بھی ان کو عزت دینے میں داخل ہے۔ ان کو کتّوں کی طرح اپنے سے دُور رکھنا چاہئے۔ اور دنیاوی ضرورتوں میں سے اگر کوئی غرض ایسی آن پڑے جو اُن سے متعلق ہو اور بغیر ان کے حل نہ ہوسکے تو بے اعتنائی کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے ضرورت کے مطابق ان سے کام لینا چاہئے۔ اور اسلام کا کمال تو یہ ہے کہ اس دنیاوی غرض کو بھی بالائے طاق رکھتے ہوئے ان کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے ـــــــ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اہلِ کفر کو اپنا اور اپنے پیغمبر کا دشمن فرمایا ہے،[۱] لہٰذا خدا اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں کے ساتھ میل جول اور محبت رکھنا بڑے بھاری گناہوں میں سے ہے ـــــــ ان دشمنوں کے ساتھ دوستی اور شیر و شکر ہونے میں کم سے کم ضرر اور نقصان یہ ہے کہ احکامِ شرعی کے جاری کرنے کی قدرت اور کفریہ رسومات مٹانے کی ہمت مغلوب اور کمزور ہوجاتی ہے، اور مؤانست کا حجاب اس میں حائل ہوجاتا ہے اور یہ بہت بڑا ضرر و نقصان ہے، حق تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ دوستی رکھنا خدائے عزوجل اور اس کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دشمنی تک پہنچا دیتا ہے۔

---

[۱] حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ (الممتحنۃ آیت۱) (اے ایمان والو! میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ)

ایک شخص گمان کرتا ہے کہ وہ اہلِ اسلام سے ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی تصدیق بھی کرتا ہے لیکن نہیں جانتا کہ اس قسم کے بُرے اعمال اس کے اسلام کی دولت کو بالکلیہ مٹا کر رکھ دیتے ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا (ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں) ؎

خواجہ پندارد کہ مردِ واصل است حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست
(تم سمجھتے ہو کہ مردِ حق ہو تم تم مگر اپنے گماں میں ہو گئے گُم)

ان نالایقوں کا کام اسلام کے ساتھ تمسخر اور مذاق کے علاوہ کچھ نہیں اور وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ اگر ان کو موقع مل جائے تو اہلِ اسلام کو ہلاک کر دیں یا سب کو قتل کر دیں یا کفر کی طرف واپس لے جائیں، لہٰذا اہلِ اسلام کو بھی شرم آنی چاہئے کہ اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ (حیا ایمان میں سے ہے) اور مسلمانی کے ننگ و عار کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور ہمیشہ ان کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہنا چاہئے ـــــــ ہندوستان میں کافروں سے جزیہ موقوف ہونے کا باعث اہلِ کفر کی مصاحبت کی بدبختی کا نتیجہ ہے جو انھوں نے اس ملک کے سلاطین کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ ان سے جزیہ وصول کرنے کا اصلی مقصد ان کی تذلیل ہے اور یہ ذلت اس حد تک ہے کہ جزیہ کے خوف کی وجہ سے وہ اچھا کپڑا نہ پہن سکیں اور شان و شوکت اختیار نہ کر سکیں اور اپنی دولت کے ضبط ہو جانے کے گمان سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہیں ـــــــ بادشاہ کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ جزیہ کی وصولی کو منع کر دے جبکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے جزیہ کو ان کی ذلت و خواری ہی کے لئے مقرر فرمایا ہے جس سے مقصود ان کی رسوائی اور اہلِ اسلام کی عزت و غلبہ ہے۔ ع

جہود ہر کہ شود کشتہ سُود اسلام است (اسلام سرفراز ہے کافر کی موت سے)

اسلام کی دولت حاصل ہونے کی نشانی اہلِ کفر کے ساتھ بغض و دشمنی ہے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود ان کو نجس[1] فرمایا اور دوسری جگہ رجس[2] فرمایا ہے۔ لہٰذا اہلِ اسلام کی نظر میں کفار نجس اور پلید ہی دکھائی دینے چاہئیں۔ اور جب ان کو ایسا دیکھیں گے اور جانیں گے تو لازمی طور پر

---

[1] اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ (سورۂ توبہ ۹ آیت ۲۸) (بلاشبہ مشرکین نجس ہیں)۔

[2] رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ (مائدہ ۵ آیت ۹۰) (یہ نجاستیں عمل شیطان میں سے ہیں پس ان سے اجتناب کرو)

ان کی صحبت سے پرہیز کریں گے، اور ان کی مجلسوں میں جانے سے کراہت کریں گے ——— ان (اہلِ کفر) سے کوئی بات دریافت کرنا اور پھر ان کے کہنے کے مطابق عمل کرنا ان دشمنوں کو کمال درجہ عزت دینا ہے۔ اگر کوئی شخص ان سے ہمت طلب کرے اور ان کے توسط سے دعا مانگے تو اس کا کیا (حشر) ہوگا ——— حق سبحانہٗ وتعالیٰ خود قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (سورۂ رعد آیت ۱۴ ۱۳) (اور کافروں کی دعا صرف گمراہی ہے)۔ یعنی ان دشمنوں کی دعا باطل اور بے حاصل ہے۔ لہٰذا دعا کی قبولیت کا کہاں احتمال ہوسکتا ہے (البتہ) اسقدر فساد وضرر ضرور ہوتا ہے کہ ان کتّوں کی عزت بڑھ جاتی ہے۔ اگر یہ دعا کرتے ہیں تو اپنے بتوں کے وسیلہ سے مانگتے ہیں ——— خیال کرنا چاہئے کہ یہ بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے اور مسلمانی کی بُو تک باقی نہیں رہتی۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے "تا یکے از شما دیوانہ نشود بمسلمانی نرسد" (جبتک تم میں سے کوئی دیوانہ نہ ہوجائے مسلمانی (کی حقیقت) تک نہیں پہنچ سکتا)۔ دیوانگی سے مراد کلمۂ اسلام کو بلند کرنے کے لئے نفع ونقصان سے درگذر ہوجانا ہے۔ مسلمان رہنے کی صورت میں جو کچھ بھی پیش آئے ٹھیک ہے اور اگر کچھ بھی حاصل نہ ہو تو نہ ہو (یعنی کچھ بھی ہوجائے لیکن اسلام پر قائم رہے)۔ اور جب مسلمانی (دولتِ اسلام) حاصل ہے تو خدائے عزوجل اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی رضامندی بھی حاصل ہے اور رضائے مولا سے بڑھ کر کوئی عظیم ترین دولت نہیں ہے۔ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ نَبِيًّا وَّرَسُوْلًا (یعنی ہم اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نبی اور رسول ہونے پر راضی ہیں)۔

مصرع ہم برینیم بداریم یارب۔ (مجھ کو یارب اسی پہ قائم رکھ)

بطفیل سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا اولاً وآخراً سلام ہو۔

وقتی عجلت کی وجہ سے جو کچھ ضروری ولازمی سمجھا اجمال کے طور پر لکھ کر بھیج دیا ہے اور اگر بعد میں توفیق رفیق ہوئی تو اس سے زیادہ مفصل لکھ کر اظہار کیا جائے گا۔

جس طرح اسلام کفر کی ضد ہے اسی طرح آخرت بھی دنیا کی ضد ہے۔ [۵۷] دنیا اور آخرت (دونوں

۵۷ ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں ایں خیال است ومحال است وجنوں

ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ـــــ دنیا کا ترک دو قسم پر ہے، ایک تو یہ ہے کہ بقدرِ ضرورت سے زائد اس کی تمام جائز چیزیں بھی ترک کر دی جائیں، یہ ترکِ دنیا کی اعلیٰ قسم ہے ـــــ دوسری قسم یہ ہے کہ حرام اور شبہ والی چیزوں سے پرہیز کیا جائے اور مباح کاموں سے فائدہ اٹھایا جائے، یہ قسم بھی خصوصاً اس زمانے میں بہت ہی عزیز الوجود اور غنیمت ہے ؎

آسماں نسبت بعرشش آمد فرود ورنہ بس عالی ست پیشِ خاکِ تود

(آسماں عرش سے تو نیچا ہے ہے مگر وہ اِس زمیں سے بلند)

(پس مردوں کے لئے) ضروری ہے کہ سونا چاندی اور ریشمی لباس[1] اور اس قسم کی چیزیں جو شریعتِ مصطفویہ علی مصدرہا الصلوٰۃ والتحیہ نے حرام کی ہیں اجتناب کیا جائے۔ چاندی سونے کے برتن اگر آرائش و زیبائش کے طور پر رکھے جائیں تو البتہ اس کی گنجائش ہے لیکن ان کو استعمال میں لانا اور اُن میں کھانا کھانا، پانی پینا، خوشبو رکھنا، سرمہ دانی بنانا اور اسی قسم کی سب چیزیں حرام ہیں

الغرض حق سبحانہ وتعالیٰ نے مباح کا دائرہ بھی بہت وسیع فرمایا ہے، اور ان کو نعمت کے طور پر استعمال کرنا اور ان سے نفع حاصل کرنا حرام چیزوں کی نسبت زیادہ عیش و لذت بخش ہے کیونکہ مباحات میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضامندی ہے اور محرمات میں حق تعالیٰ کی عدم رضامندی (یعنی ناراضگی ہے) ـــــ عقلِ سلیم ہرگز اس بات کو جائز قرار نہیں دیتی کہ کوئی شخص محض ایسی (چند روزہ) لذت کی خاطر جو بالکل ناپائیدار ہے اور اس میں حق تعالیٰ کی رضامندی بھی نہیں ہے اس کو اختیار کرے۔ حالانکہ (حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے) اس حرام لذت کے مقابلے میں مباح لذتیں تجویز فرما دی ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت صاحبِ شریعت نبئ اکرم علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والتحیۃ کی پیروی پر استقامت عطا فرمائے (آمین)

حلال و حرام کے معاملہ میں ہمیشہ دیندار علماء سے رجوع کرنا چاہئے اور ان سے دریافت کرنا چاہئے اور ان کے فتووں کے مطابق عمل کرنا چاہئے کیونکہ شریعت ہی نجات کا راستہ ہے اور شریعت کے برخلاف جو کچھ بھی ہے وہ باطل اور بے اعتبار ہے: فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ (سورۂ یونس آیت ۳۲) پس حق کے بعد جو کچھ ہے وہ گمراہی ہے)۔ وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا۔

---

[1] ریشمی لباس کی حرمت صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے ریشمی لباس جائز ہے اسی طرح سونے کے زیورات مردوں کے لئے حرام اور عورتوں کے لئے جائز ہیں، البتہ سونے چاندی کے برتن مرد و عورت دونوں کے لئے حرام ہیں۔ (ردالمحتار)

مکتوب ۱۶۴

صد و شصت و چہارم

حافظ بہاؤ الدین سرہندیؒ[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا فیض خواص و عوام پر (ہر وقت اور) ہمیشہ وارد ہے اور اس کے قبول کرنے یا نہ کرنے کا فرق اپنی استعداد پر ہے۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے احسان و کرم سے شریعتِ مطہرہ کے راستہ پر استقامت عطا فرمائے ـــــ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا فیض، تمام خواص و عوام، ہر کریم و لئیم (سخی اور کنجوس) پر خواہ وہ مال کی قسم سے ہو، یا اولاد کی، یا ہدایت و ارشاد کی قسم سے ہو، سب پر بغیر امتیاز ہمیشہ وارد ہو رہا ہے، لیکن بعض کے فیوض قبول کرنے اور بعض کے قبول نہ کرنے میں فرق اسی (بندہ کی طرف) سے پیدا ہوتا ہے: وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (سورۃ نحل ۱۶ آیت ۳۳) (اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے)۔

موسم گرما میں سورج کپڑے اور دھوبی پر یکساں پڑتا ہے لیکن (سورج کی گرمی سے) دھوبی کا چہرہ سیاہ اور کپڑا سفید ہو جاتا ہے ـــــ یہ عدمِ قبول کی کیفیت خداوند قدوس جل سلطانہ سے روگردانی کی وجہ سے ہے، اور روگردانی کرنے والے کے لئے بدبختی لازم اور نعمت سے محرومی ضروری ہے ـــــ

ـــــ اس جگہ کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ بہت سے روگردانی کرنے والے ایسے ہیں جو دنیاوی نعمتوں کی وجہ سے ممتاز ہیں اور ان کی روگردانی ان کی محرومی کا سبب نہیں بنی؟ ـــــ جاننا چاہئے کہ یہ وہ بدبختی ہے جو استدراج کے طور پر اس کی خرابی کے لئے نعمت کی صورت میں ظاہر کی گئی ہے، تاکہ (ایسا شخص) روگردانی اور ضلالت میں منہمک رہے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (سورۂ مومنون ۲۳ آیت ۵۵، ۵۶) (کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم جو مال و اولاد ترقی دیتے ہیں تو یہ ہم ان کے لئے بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں (یہ بات نہیں ہے) بلکہ وہ نہیں سمجھتے) ـــــ پس (حق تعالیٰ سے) روگردانی کے باوجود دنیا اور اس کی نعمتوں کا حاصل ہونا عین خرابی ہے۔ بچو! اس سے بچو!! والسلام

---

[1] آپ کا مختصر تعارف دفتر اول کے مکتوب ۱۳۸ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔

سرداری و بزرگی کی پناہ والے شیخ فرید[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ صاحب شریعت علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات کی پیروی کی ترغیب اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کے مخالفین کے ساتھ دشمنی اور بغض رکھنے اور ان پر سختی کرنے کے بیان میں۔

شَرَّفَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِتَشْرِيْفِ الْمِيْرَاثِ الْمَعْنَوِيِّ مِنَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الْقُرَشِيِّ الْهَاشِمِيِّ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا كَمَا شَرَّفَكُمْ بِتَشْرِيْفِ الْمِيْرَاثِ الصُّوْرِيِّ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا اٰمِيْنًا (اللہ سبحانہٗ آپ کو نبی امی قرشی ہاشمی علیہ وعلی آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی باطنی میراث کی بزرگی سے مشرف فرمائے جس طرح (حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے) آپ کو ظاہری میراث سے مشرف فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر بھی رحم فرمائے جو اس پر آمین کہے)۔

آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کی ظاہری میراث کا تعلق عالمِ خلق سے ہے اور میراثِ معنوی کا تعلق عالمِ امر سے ہے کہ وہاں سراسر ایمان و معرفت اور رشد و ہدایت ہے۔ میراث صوری (ظاہری) کی نعمتِ عظمیٰ کا شکر یہ ہے کہ وہ میراثِ معنوی (باطنی) سے آراستہ و مزین ہو جائے، اور باطنی میراث سے مزین ہونا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی کمال اتباع کے بغیر میسر نہیں ہو سکتا۔ ـــــ لہٰذا آپ پر اوامر و نواہی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری پوری اتباع اور اطاعت لازم و واجب ہے، اور کمالِ متابعت آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمالِ محبت کی فرع ہے۔ مصرع

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ هَوَاهُ مُطِيْعُ (محب

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال درجہ محبت کی علامت آپ کے دشمنوں سے کمال درجہ بغض رکھنا اور آپ کی شریعت کے مخالفین کے ساتھ عداوت کا اظہار کرنا ہے۔ محبت میں سستی کی کوئی گنجائش نہیں، محب محبوب کا دیوانہ ہوتا ہے اور وہ مخالفت کی تاب نہیں رکھتا، اور محبوب کے مخالفین سے کسی طرح بھی صلح و آشتی نہیں کرتا ـــــ دو مختلف محبتیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں، متضاد کا

---

[1] آپ کا مختصر تذکرہ دفتر اول مکتوب ۴۳ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔

جمع ہونا امرِ محال سے ہے، ایک سے محبت کے لئے دوسرے کی عداوت لازم ہے ——— خوب اچھی طرح غور کرنا چاہیئے، ابھی معاملہ ہاتھ سے نہیں نکلا ہے (یعنی ابھی کچھ نہیں بگڑا) گذشتہ کا تدارک (توبہ واستغفار سے) کیا جاسکتا ہے. کل (موت کے بعد) جب کام ہاتھ سے نکل جائے گا (اس وقت) سوائے ندامت وشرمندگی کے کچھ حاصل نہ ہوگا ؎

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت ۔ کہ باکہ باختۂ عشق در شبِ دیجور
(تجھ کو معلوم ہوگا بوقتِ صبح ۔ رات کھوئی تھی کیسی علت میں)

دنیا کا سامان محض فریب ہی فریب ہے اور معاملۂ اخروی پر ابدی جزا مرتب ہوگی، اگر چند روزہ زندگانی سید الاولین والآخرین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی پیروی میں بسر کرلی جائے تو نجاتِ ابدی کی امید ہے ورنہ محض بیکار ہی بیکار ہے خواہ کیسا ہی اچھا عمل کیوں نہ ہو ؎

محمدِ عربی کآبروئے ہر دو سرا است ۔ کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ او
(محمدؐ دو جہاں کی آبرو ہیں ۔ جو خاکِ در نہیں برباد ہوگا)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی دولتِ عظمیٰ کا حاصل کرنا دنیا کو کُلّی طور پر ترک کرنے پر ہی موقوف نہیں ہے جو بہت مشکل معلوم ہوتا ہے بلکہ اگر فرض زکوٰۃ ادا کردی جائے تو وہ ترکِ کُل کا حکم رکھتی ہے، کیونکہ (زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد) مال پاک ہوکر ضرر ونقصان سے خالی ہوجاتا ہے، لہذا مال سے ضرر دُور کرنے کا علاج اس مال کی زکوٰۃ ادا کرنا ہے ——— اگرچہ کلیتہً ترکِ (دنیا) اولیٰ وافضل ہے لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی بھی (اس ترکِ کُلّی کا) کام کرتی ہے ؎

زکوٰۃ مال کو پاک کرتی ہے

آسماں نسبت بعرشش آمد فرود ۔ ورنہ بس عالی است پیشِ خاکِ تود
(آسماں عرش سے تو نیچا ہے ۔ ہے مگر اس زمیں سے وہ بلند)

پس لازم ہے کہ ہمیشہ اپنی ہمت کو احکامِ شرعیہ کی بجاآوری میں صرف کیا جائے اور اہلِ شریعت علماء وصلحا کی تعظیم وتوقیر کرنی چاہیئے اور شریعت کو رواج دینے میں کوشاں رہنا چاہیئے۔ اور گمراہ واہلِ بدعت کو ذلیل وخوار رکھنا چاہیئے: مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَۃٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی ھَدْمِ الْاِسْلَامِ[1] (جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی

---

[1] رواہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلاً عن ابراہیم بن میسرۃ وھو تابعی ثقۃ. صحیح الحدیث لامثیل لہ فی زمانہ. حدیثہ فی اہل مکۃ قال الشیخ عبد الحق الدہلویؒ وعلی القاریؒ۔

اُس نے اسلام کو منہدم کرتے ہیں اس کی مدد کی)۔

اور کفار جو خدائے عزوجل اور اس کے رسول علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے دشمن ہیں، ہم کو بھی ان کے ساتھ دشمنی رکھنی چاہیئے اور ان کو ذلیل وخوار کرنے میں کوشش کرنی چاہیئے اور کسی وجہ سے بھی ان کو عزت نہیں دینی چاہیئے، اور ان کے ساتھ شدت وسختی رکھنی چاہیئے اور حتی المقدور کسی کام میں ان سے رجوع نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر بالفرض کوئی ضرورت پیش آجائے تو قضائے حاجتِ انسانی (کراہت واضطراب) کے ساتھ اپنی ضرورت کو ان سے نکالنا چاہیئے ——— یہ وہ راستہ ہے جو آپ کے جد بزرگوار علیہ الصلوات والتسلیمات کی بارگاہ تک پہنچا دیتا ہے۔ اگر یہ راہ نہ اختیار کی جائے تو اس جناب قدس تک رسائی دشوار ہے۔ افسوس ہی افسوس ہے۔

کَیۡفَ الۡوُصُوۡلُ اِلٰی سُعَادَ وَدُوۡنَهَا	قُلَلُ الۡجِبَالِ وَدُوۡنَهُنَّ خُیُوۡفُ
(کیسے پہنچوں سعاد تک اے کعبؓ	کس قدر خوفناک راہیں ہیں)

اس سے زیادہ کیا عرض کروں ؎

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم	کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است
(ڈرتے ڈرتے کچھ سنایا دل کا غم	تم نہ آزردہ ہو، قصہ ہے طویل

مکتوب ۱۶۶
صد و شصت و ششم

ملا محمد امین[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ بے ثبات چند روزہ زندگی پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے اور اس تھوڑی سی فرصت کے زمانے میں ذکرِ کثیر کے ذریعے اپنی قلبی بیماری کے ازالہ کا فکر کرنا چاہیئے، کیونکہ یہ نہایت ضروری اور اہم کام ہے۔

میرے مخدوم! کب تک مادرِ مہربان کی طرح آپ اپنے نفس کو پالتے رہیں گے۔ اور کب تک اپنے اوپر غم وغصہ میں پیچ وتاب کھاتے رہیں گے ——— خود اپنے آپ کو اور سب دوسروں کو مردہ خیال کرنا اور جماد چند

---

[1] آپ کے نام صرف دو مکتوب ہیں، دفتر اول مکتوب ۱۶۶ - ۱۹۹ - غالباً مولانا محمد امین بن خواجہ حسینی الہروی ثم لاہوری مراد ہیں آپ ہرات میں پیدا ہوئے، پھر قندھار آکر شیخ زین الدین خوانی سے تحصیلِ علوم کیا عہد اکبری میں ہندوستان آکر ملک پور مضافاتِ لاہور میں قیام پذیر ہو گئے، ۸۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۶۱)

(جذبۂ حس وحرکت) سمجھنا چاہیئے، اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (سورۂ زمر آیت ۳۰) (بیشک آپ بھی موت کی آغوش میں جانے والے ہیں اور وہ لوگ بھی مرنے والے ہیں) نصِ قاطع ہے ——— اس مختصر فرصت میں اپنے قلبی امراض کا ذکرِ کثیر کے ذریعے ازالہ کی فکر کرنا سب کاموں سے زیادہ اہم کام ہے۔ اور اس قلیل مہلت میں ربِ جلیل کی یاد سے علتِ معنوی (باطنی امراض) کا علاج کرنا بڑے اعظم مقاصد میں سے ہے ——— لیکن جو دل دنیا میں گرفتار ہے اس سے خیر کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ اور وہ روح جو دنیائے دنی کی طرف مائل ہے اس سے تو نفسِ امارہ بہتر ہے کیونکہ وہاں (یعنی حق تعالیٰ کے ہاں) کامل سلامتیٔ قلب طلب کرتے ہیں اور خلاصیٔ روح چاہتے ہیں، لیکن ہم کوتاہ اندیش روح اور قلب کی گرفتاری کے اسباب حاصل کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ افسوس در افسوس۔ کیا کیا جائے ——— وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (نحل آیت ۳۳) (اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں)۔

دوسری بات یہ ہے کہ ظاہری ضعف وکمزوری کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ کریں، انشاء اللہ تعالیٰ (یہ ضعف) صحت وعافیت سے تبدیل ہو جائے گا (راقم کا) دل اس طرف سے بالکل مطمئن ہے ——— فقیر کا جامہ جو آپ نے طلب کیا تھا لہٰذا پیراہن (کرتہ) بھیج دیا گیا ہے، اس کو پہنیں اور اس کے ثمرات و نتائج کے منتظر رہیں کہ یہ پیراہن بہت برکت والا ہے ؎

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است ——— وآنکہ دیدش نقدِ خود مردانہ است

(اس کو افسانہ تو ظاہر بیں کہے ——— ہے حقیقت مردِ حق بیں کے لئے)

اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا۔

مکتوب ۱۶۷

صد وشصت وہفتم

ہردَے رام[1] ہندو کی طرف جس نے اس عالی گروہ کے ساتھ اخلاص کا اظہار کیا تھا صادر فرمایا ——— حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت کی ترغیب میں جو تمام جہانوں کا پروردگار اور بے مثال و بے کیف ہے اور ہندوؤں کے باطل معبودوں کی عبادت سے پرہیز کے بارے میں۔

---

[1] تمام مکتوبات میں صرف یہ ایک مکتوب غیر مسلم ہندو ہردے رام کے نام ہے۔

تمہارے دونوں خط موصول ہوئے۔ دونوں سے فقراء کی محبت اور اس عالی گروہ سے عقیدت کا مفہوم
ظاہر ہوا۔ کتنی بڑی نعمت ہے کہ کسی کو اس دولت سے نواز دیں۔ دوسری بات یہ ہے ع

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم — تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

(بس ادا ہے حق کے پہنچانے کا حق — تجھ کو حاصل فائدہ ہو یا ملال)

جان لیں اور خبردار رہیں کہ ہمارا اور تمہارا بلکہ تمام کائنات کا خواہ آسمان ہوں یا زمینیں، ملائکہ علوی
یا سفلیین (حیوانات وجمادات اور نباتات) سب کا پروردگار ایک ہی ہے، اور وہ بے چون و بے چگون
(بے مثل و بے مثال) ہے اور شبہ (مثل) و مانند سے منزّہ اور شکل و مثال سے مبرا ہے، کسی کا باپ
یا فرزند ہونا اس تعالیٰ کی ذات کے لئے محال (ناممکن) ہے۔ ہمسری اور ہم مثل ہونے کو اس کی درگاہ
میں کوئی گنجائش نہیں۔ اتحاد و حلول کا شائبہ بھی اس پاک ذات کی شان میں عیب ہے۔ اور کون و
بروز (کسی چیز میں پوشیدہ ہو کر بیٹھ جانا اور کسی چیز میں اُتر جانا) کا گمان اس پاک درگاہ کے لحاظ سے قبیح ہے
وہ زمانی بھی نہیں کیونکہ زمانہ بھی اسی کی مخلوق ہے اور نہ وہ مکانی ہے کیونکہ مکان بھی اسی کا بنایا ہوا
ہے، اس کے وجود کی کوئی ابتدا (آغاز) نہیں ہے اور نہ اس کی بقا کے لئے کوئی انتہا ہے۔ جو کچھ بھی خیر
اور کمال ہے وہ اسی پاک ذات سے ثابت ہے اور جو کچھ نقص و زوال ہے اس بلند ذات سے مسلوب ہے
لہٰذا عبادت کی مستحق اسی کی ذاتِ عالی ہے اور اسی کی پاک ذات پرستش کی سزاوار ہے۔

رام و کرشن اور اُن کے مانند ہندوؤں کے جو دوسرے معبود ہیں سب اس کی کمترین مخلوقات
میں سے ہیں اور وہ ماں باپ سے پیدا ہوتے ہیں۔ رام جسرت کا بیٹا، لچھمن کا بھائی اور سیتا کا شوہر
جب رام اپنی بیوی کی حفاظت نہ کر سکا (بلکہ راون اس سے سیتا کو چھین کر لے گیا) تو وہ کسی دوسرے
کی کیا مدد کر سکتا ہے ـــــ عقلِ دور اندیش سے کام لینا چاہئے اور ان کی تقلید پر نہیں جانا
چاہئے، ہزاروں (نہایت) شرم کی بات ہے کہ کوئی عالموں کے پالنے والے کو رام اور کرشن کے نام سے
یاد کرے ـــــ یہ اسی طرح کی بات ہے (جیسے) ایک عظیم الشان بادشاہ کو بے حیثیت یا خاکر
کے نام سے یاد کرے۔ رام اور رحمٰن کو ایک جاننا نہایت بے عقلی کی بات ہے۔ خالق اور مخلوق ایک
نہیں ہو سکتے اور بے مثل ذات، مثل کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتی ـــــ رام اور کرشن کی پیدائش
سے پہلے پروردگارِ عالم کو رام و کرشن نہیں کہتے تھے۔ ان کی پیدائش کے بعد سے ان کو کیا ہو گیا کہ

حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے نام کا اطلاق رام وکرشن پر کرتے ہیں، اور کرشن ورام کی یاد کو پروردگار کی یاد یا ذکر جانتے ہیں۔ حاشا وکلا ثم حاشا وکلا (ہرگز ایسا نہیں ہے، ہرگز ایسا نہیں ہے)۔

ہمارے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات جو تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار گذرے ہیں سب نے مخلوق کو خالق کی عبادت کی دعوت وترغیب دی ہے اور غیر اللہ کی عبادت سے منع فرمایا اور اپنے آپ کو عاجز بندہ سمجھا ہے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ہیبت وعظمت سے لرزاں وترساں رہے ہیں ــــــ (لیکن) اہلِ ہنود کے معبودوں نے مخلوق کو اپنی عبادت کی ترغیب دی اور اپنے آپ کو معبود سمجھا ہے، اگرچہ وہ بھی پروردگار کے قائل ہیں لیکن اپنے اندر اُس (تعالیٰ سبحانہٗ) کا حلول اور اتحاد ثابت کرتے ہیں اور اسی وجہ سے مخلوق کو اپنی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور اپنے آپ کو معبود گردانتے ہیں، اور بکثرت حرام چیزوں میں اس زعم وگمان کی وجہ سے مبتلا ہو گئے ہیں کہ معبودوں کے لئے کوئی چیز منع نہیں ہے، اپنی مخلوق میں جس طرح چاہیں تصرف کریں ــــــ اس قسم کے بکثرت فاسد خیالات رکھتے ہیں؛ ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا (یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور انھوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کردیا) ــــــ برخلاف پیغمبران علیہم الصلوات والتسلیمات کے کہ انھوں نے جن چیزوں سے مخلوق کو منع کیا ان سے خود کو بھی پورے طور پر باز رکھا اور اپنے آپ کو دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہی کہا۔ مصرع

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا (کہاں یہ راہ الگ اور کہاں وہ راہ الگ)

مکتوب ۱۶۸
صد و شصت و ہشتم

مخدوم زادہ خواجہ امکنگی اعنی خواجہ محمد قاسم کے نام صادر فرمایا ــــــ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے بلند مرتبہ ہونے اور اس جماعت کی شکایت کے بیان میں جنھوں نے اس طریقۂ شریفہ میں نئی نئی باتیں شامل کر لی ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور پیغمبروں کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

لہ آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو دفتر اول مکتوب ۹۰۔

اور ان سب کی پاک اولاد پر صلوٰۃ و سلام ہو) ——— اما بعد، اس کے بعد بہت سی دعائیں اور بیشمار تحیات عالی جناب مشائخ کرام کے سلسلوں کے مرکز اور اولیائے عظام کا نتیجہ، مخدوم زادہ جو سیدھی راہ پر قائم ہے، حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو سلامت اور قائم رکھے (آپ کی) خدمت شریف میں عرض کر کے اشتیاق اور آرزومندی کا اظہار کرتا ہے۔ شعر

كَيْفَ الْوُصُوْلُ إِلَى سُعَادَ دُوْنَهَا ‏ قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُيُوْفُ

(کیسے پہنچوں سعاد تک اے کعبؓ ‏ کس قدر خوفناک راہیں ہیں)

حضرت مخدوم زادہ کو معلوم ہو کہ اس طریقۂ عالیہ کی بزرگی اور طبقۂ نقشبندیہ کی رفعت سنت کے اہتمام اور بدعت سے اجتناب کی وجہ سے ہے، چنانچہ اس بزرگ ترین طریقے کے اکابرین نے ذکرِ جہر سے اجتناب فرما کر ذکرِ قلبی کو اختیار کیا ہے اور سماع، رقص و وجد و تواجد سے جو کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین علیہم الرضوان کے زمانے میں نہ تھے ان سے منع فرمایا ہے۔ اور "خلوت نشینی" اور "چلہ کشی" جو کہ دو دیار اول میں نہ تھا اس کی بجائے "خلوت در انجمن" (یعنی مخلوق کے ساتھ رہ کر ذکرِ قلبی کرنے) کو اختیار کیا ہے پس اس کے التزام و پابندی پر بہت عظیم نتائج مرتب ہوئے ہیں اور اس (بدعت) کے اجتناب سے بہت زیادہ انعامات و فائدے حاصل ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ "نہایتِ دیگراں در بدایت ایں بزرگواران مندرج است"۔ یعنی دوسروں کی انتہا ان بزرگوں کی ابتدا میں درج ہے ——— اور ان کی نسبت تمام نسبتوں پر غالب آ گئی ان کا کلام امراضِ قلبیہ کے لئے دوا، اور ان کی نظر باطنی اسباب کی شفا ہو گئی، اور ان کی زبردست توجہ نے طالبوں کو دونوں جہان کی گرفتاری سے نجات بخشی، اور ان کی بلند ہمت نے مریدوں کو دنیا کی اس پستی سے نکال کر وجوب کی بلندی تک پہنچا دیا ؎

نقشبندیہ عجیب قافلہ سالارانند ‏ کہ برند از رہِ پنہاں بہ حرم قافلہ را

از دلِ سالکِ رہ جاذبۂ صحبتِ شاں ‏ میبرد وسوسۂ خلوت و فکرِ چلّہ را

ترجمہ
(نقشبندی عجیب ہوتے ہیں ‏ لے کے جائیں حرم وہ پوشیدہ

ان کی صحبت سے سالکوں کے لئے ‏ کچھ نہ ہو فکرِ خلوت و چلّہ)

لیکن اس زمانے میں وہ نسبتِ شریفہ عنقاءِ مغرب (یعنی مخفی ہو گئی ہے اور پوشیدگی میں منہ چھپا لیا ہے (اس گروہ میں سے) ایک جماعت نے اس دولتِ عظمیٰ کے حاصل نہ ہونے اور اس نعمتِ عالیہ کے

فقدان کی وجہ سے چاروں طرف اپنے ہاتھ پاؤں مارے ہیں (یعنی متلاشی رہے ہیں) اور نفیس جواہر کو چھوڑ کر مٹی کی چند ٹھیکریوں کو حاصل کر کے خوش ہو گئے ہیں اور بچوں کی طرح اخروٹ و منقی پر مطمئن ہو گئے، اور اپنے بزرگوں کے طریقے کو چھوڑ کر کمال بیقراری اور حیرانی میں کبھی ذکر جہر سے تسلی حاصل کرتے ہیں اور کبھی سماع و رقص میں آرام ڈھونڈتے ہیں۔ چونکہ ان کو خلوت در انجمن میسر نہیں ہے اس لئے وہ خلوت کا چلہ اختیار کر لیتے ہیں ـــــ اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ انھوں نے ان بدعات کو اس نسبتِ شریفہ کا متمم و مکمل خیال کر لیا ہے اور اس بربادی کو عین آبادی سمجھ لیا ہے ـــــ حق سبحانہ و تعالیٰ ان کو صحیح اور غلط سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس طریقہ کے اکابرین کے کمالات کی ذراسی خوشبو ان کی جان کے دماغ میں پہنچا دے، ن اور ص کی برکت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولادِ امجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل سے۔

اور چونکہ اس قسم کی باتیں ان شہروں میں اس حد تک پھیل گئی ہیں کہ انھوں نے اکابرین کے اصل طریقے کو پوشیدہ کر دیا ہے اور وہاں کے ادنیٰ و اعلیٰ نے نئے اور جدید طریقے اختیار کر لئے ہیں اور اصل اور قدیم طریقے سے منہ موڑ لیا ہے۔ لہٰذا دل میں یہ بات آئی کہ اس قصہ کا تھوڑا سا ماجرا اس عالی دربار کے خادموں کی خدمت میں ظاہر کرے اور اس طرح اپنے دردِ دل کو بیان کرے ـــــ مجھے معلوم نہیں کہ مخدوم زادہ کی مجلس میں کس گروہ کے لوگ ہمنشینی رکھتے ہیں اور محفل کا مونس و ہمدرد کس فرقے سے تعلق رکھتا ہے؟

خوابم بشد از دیدہ دریں فکر جگر سوز ۔ کآغوش کہ شد منزل و آسائش خوابت

(بس اسی فکر میں ہے نیند حرام ۔ کس کی آغوش میں ہے تیری نیند)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی پاک جناب کو ان عمومی آفات سے بچائے اور اپنی حفاظت میں رکھے اور آپ کی بلند چوکھٹ کو جملہ ابتلا سے محفوظ رکھے۔

میرے مخدوم و مکرم! لوگوں نے اس طریقۂ عالیہ میں نئی نئی باتوں اور بدعتوں کو اس قدر رواج دے رکھا ہے کہ اگر مخالف یہ کہیں کہ اس طریقہ میں تو بدعت کا التزام ہے اور سنت سے اجتناب تو اس بات کی گنجائش ہے ـــــ (ان بدعتوں میں سے ایک یہ ہے کہ) نمازِ تہجد کو جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور اس بدعت کو سنتِ تراویح کی طرح مساجد میں رواج و رونق بخشتے ہیں، اور

اس عمل کو نیک عمل سمجھتے ہیں اور لوگوں کو اس کے لئے ترغیب دیتے ہیں، حالانکہ فقہا رشکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو اشد مکروہ کہا ہے ـــــــ اور فقہا کی ایک جماعت جنھوں نے تداعی کو جماعتِ نفل میں کراہت کی شرط قرار دیا ہے انھوں نے بھی نوافل کی جماعت کے جواز کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ مسجد کے ایک گوشہ میں ہو لیکن تین۳ آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ فرمایا ہے۔

ـــــــ اور اسی طرح یہ لوگ نمازِ تہجد کی تیرہ۱۳ رکعت اس طرح خیال کرتے ہیں کہ بارہ رکعتیں کھڑے ہوکر ادا کی جائیں اور دو رکعت بیٹھ کر تاکہ ایک رکعت کا حکم پیدا کرلیں کیونکہ ان کے نزدیک بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہوکر پڑھنے سے آدھا ہے ـــــــ حالانکہ اس طرح کا علم اور عمل بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنّت کے خلاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تیرہ رکعتیں ادا فرمائی ہیں ان میں وتر بھی شامل ہیں، اور نمازِ تہجد کی رکعتوں کا فرد اور طاق ہونا وتر کی رکعت کے طاق ہونے کی وجہ سے ہوا ہے نہ کہ اس طرح جیسا کہ ان لوگوں نے خیال کیا ہے ؎

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم ‏ ‏ ‏ که دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

(میں نے تھوڑا ہی سنایا ہے غمِ دل کہ کہیں ‏ ‏ ‏ تو نہ آزردہ ہو، گویات بہت لمبی ہے)

تعجب ہے کہ ماوراء النہر کے شہروں میں جو کہ علماءِ اہلِ حق کے مراکز ہیں اس قسم کی بدعتیں رواج پاگئیں اور طرح طرح کی نئی نئی باتیں پیدا ہوگئیں، حالانکہ ہم جیسے فقیروں نے علومِ شرعیہ کو انہی بزرگوں کی برکات سے استفادہ کیا ہے ـــــــ اللہ سبحانہٗ ہی بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے۔

ـــــــ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو نبی کریم علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شریعت کے راستہ پر ثابت قدم رکھے اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے آمین کہا۔

شیخ عبد الصمد سلطان پوری[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ ان کے سوال کے جواب میں کہ کسی مرید نے اپنے پیر سے کہا کہ اگر میرے خاص وقت میں جبکہ میں حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے مزید حالات بھی معلوم نہ ہوسکے۔

ہوتا ہوں اگر آپ بھی درمیان میں آجائیں تو آپ کا سر تن سے جدا کر دوں۔ اس کے پیر نے اس بات کو بہت پسند کیا اور خوش ہو کر مرید سے بغلگیر ہو گئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ ــــــ مراسلۂ شریفہ، لطف و کرم سے بھرا ہوا نوازشنامہ موصول ہو کر فرحت و خوشی کا باعث ہوا۔ اس میں ایک سوال درج تھا ــــــ میرے مخدوم! مقصدِ اقصیٰ (بہت دور) اور مطلبِ اسنیٰ (روشن) یعنی اصل مقصد خداوند جل سلطانہٗ کی جنابِ قدس کا وصول ہے، لیکن چونکہ طالب شروع میں مختلف تعلّقاتِ شتّی (پراگندہ) کی وجہ سے حد درجہ گندگی و پستی میں ہے، اور وہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ انتہائی پاکیزگی اور بے حد بلندی پر ہے، لہٰذا وہ مناسبت جو فیض دینے اور فیض حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے وہ طالب و مطلوب کے درمیان مسلوب (بند) ہے ــــــ اس لئے راستہ جاننے والے پیر و مرشد کے بغیر چارہ نہیں، جو دونوں کے درمیان بمنزلہ برزخ (واسطہ) کے ہو اور دونوں جانب سے حظِّ وافر (بہت زیادہ حصہ) رکھتا ہو، تاکہ وہ طالب کو مطلوب تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکے۔ اور جب طالب کو مطلوب کے ساتھ پوری مناسبت حاصل ہو جاتی ہے تو پیر اپنے آپ کو درمیان سے نکال لیتا ہے اور طالب کو مطلوب سے اپنے واسطہ کے بغیر واصل کرا دیتا ہے ــــــ لہٰذا شروع میں اور وسط میں (مرید) مطلوبِ حقیقی کو پیر کے آئینے کے بغیر نہیں دیکھ سکتا، اور انتہا میں پیر کے آئینے کے بغیر مطلوب کا جمال جلوہ گر ہو جاتا ہے اور بے پردہ وصل حاصل ہو جاتا ہے۔

اور یہ جو کہا ہے کہ پیر بھی اگر اس وقت آجائے تو اس کا سر تن سے جدا کر دوں۔ یہ جملہ سُکر کی حالت میں کہا گیا ہے۔ اربابِ استقامت ایسا نہیں کہتے اور بے ادبی کا طریقہ اختیار نہیں کرتے، اور اپنی مرادوں کو پیر ہی کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ والسّلام۔

شیخ نور[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ جس طرح آدمی کے لئے حق جل و علا کے اوامر و نواہی کے بجالانے کے بغیر چارہ نہیں، اسی طرح مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کی رعایت اور ان کے ساتھ ہمدردی کے بغیر چارہ نہیں ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی ـــــ اے سعادتمند بھائی! آدمی کو جس طرح حق جل و علا کے اوامر کی فرمانبرداری اور نواہی سے اجتناب کے بغیر چارہ نہیں، اسی طرح مخلوق کے حقوق کی رعایت اور ہمدردی کے بغیر چارہ نہیں ہے ـــــ اَلتَّعْظِيْمُ لِاَمْرِ اللّٰهِ وَالشَّفْقَةُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰهِ[2] (اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعظیم اور اس کی مخلوق کے ساتھ مہربانی کرنا) یہ انہی دونوں حقوق کی رعایت کے بیان میں فرمائی گئی ہے، اور ان دونوں کی رعایت کرنا دینداری پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں میں سے ایک پر انحصار کرنا کوتاہی ہے اور کُل کو چھوڑ کر جزو پر اکتفا کرنا درجۂ کمال سے دُور ہے۔ لہٰذا مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کا بوجھ اُٹھانا بھی ضروری ہے اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آنا لازم ہے، ان سے بے التفاتی زیبا نہیں، اور ان سے لاپروائی درست نہیں ہے ؎

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنین عالم است　　نازکی کے راست آید بار می باید کشید

(عاشق کو نازکی زیبا نہیں　　ہے مشقت ہی مشقت کی یہ راہ)

چونکہ ایک مدت تک آپ صحبت میں رہے ہیں اور مواعظ و نصائح سُنے ہیں لہٰذا طوالتِ سخن سے اعراض کرتے ہوئے چند فقروں پر اکتفا کرتا ہوں۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو اور ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شریعت کے راستے پر ثابت قدم رکھے (آمین)

---

[1] شیخ نور، شیخ نور محمد، شیخ نور محمد بہاری ایک ہی بزرگ معلوم ہوتے ہیں آپ کے نام چھ مکتوب ہیں، دفتر اول مکتوب ۱۷۰، ۲۷۰۔ دفتر دوم مکتوب ۳۴، ۸۵۔ دفتر سوم مکتوب ۱۱۱، ۱۲۳۔ پہلے آپ حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے بیعت ہوئے پھر حضرت خواجہؒ نے آپ کو حضرت مجددؒ کے حوالہ کر دیا۔ حضرت مجددؒ نے سلوک کی تکمیل کرا کر خلافت عطا فرمائی اور پٹنہ بھیج دیا۔

[2] یہ قول بعض عارفوں کا ہے جس کو ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں نقل کیا ہے۔

مکتوب ۱۷۱

ملا طاہر بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ جو کچھ فقراء پر لازم ہے وہ یہ ہے کہ ہمیشہ فقر و عاجزی کے ساتھ رہنا، بندگی کے وظائف کو ادا کرنا، حدودِ شرعیہ کی حفاظت اور سنتِ سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کرنا اور اپنے گناہوں کے غلبہ کا مشاہدہ کر کے علام الغیوب کی باز پرس سے خائف رہنا اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ۔

جو کچھ ہم فقیروں پر لازم ہے (وہ یہ ہے کہ) ـــــ (۱) ہمیشہ فقر کی حالت میں انکساری، گریہ زاری اور التجا و عاجزی کے ساتھ رہنا ـــــ (۲) اور وظائفِ عبودیت کی ادائیگی ـــــ (۳) حدودِ شرعیہ کی محافظت ـــــ (۴) اور نبی کریم علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی روشن سنت کی متابعت ـــــ (۵) تصحیحِ نیت (یعنی نیک کام انجام دیتے وقت رضائے الٰہی کی نیت رکھنا) ـــــ (۶) اپنے باطن میں اخلاص اور اپنے ظاہر کو اطاعت میں مشغول رکھنا ـــــ (۷) اپنے عیبوں پر نظر رکھنا ـــــ اپنے گناہوں کے غلبہ کا مشاہدہ کر کے حق تعالیٰ علام الغیوب کی باز پرس سے خائف رہنا ـــــ (۹) اپنی نیکیوں کو کم سمجھنا اگرچہ زیادہ ہوں ـــــ (۱۰) اپنے گناہوں کو زیادہ خیال کرنا اگرچہ تھوڑے ہوں ـــــ (۱۱) مخلوق میں اپنے مقبول ہونے کی شہرت سے لرزاں و ترساں رہنا جیسا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یُّشَارَ اِلَیْہِ بِالْاَصَابِعِ فِیْ دِیْنٍ اَوْ دُنْیَا اِلَّا مَنْ عَصَمَہُ اللّٰہُ[2] (یعنی آدمی کی برائی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ لوگ دین اور دنیا میں (شہرت کی بنا پر) اس کی طرف انگلیاں اٹھائیں مگر جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے) ـــــ (۱۲) اپنے افعال و نیتوں کو ناقص سمجھنا اگرچہ وہ روز روشن کی طرح واضح ہوں ـــــ (۱۳) اپنے احوال و مواجید پر عدم توجہ کرنا اگرچہ وہ درست اور

سترہ نصائح

[1] آپ کے نام گیارہ مکتوبات ہیں، مختصر تذکرہ مکتوب ۱۲۲ کے فٹ نوٹ میں گذر چکا۔

[2] اس حدیث شریف کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

مطابق (شریعت) ہی کیوں نہ ہوں ——— (۱۴) صرف دین کی تائید اور ملت کی تقویت اور ترویج شریعت اور مخلوق کو حق جل وعلا کی طرف دعوت دینا (وغیرہ) ان پر کچھ اعتماد نہ کریں اور ان کو مستحسن نہ سمجھیں جبتک کہ سنت کی متابعت پر اس کی استقامت واضح نہ ہو جائے، کیونکہ اس طرح کی تائید کبھی کافر اور فاسق وفاجر سے بھی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ[۵۱] (بیشک اللہ تعالیٰ (کبھی) اس دین کی تائید فاسق فاجر آدمی سے بھی کرا دیتا ہے) ——— (۱۵) اگر کوئی مرید طلب کے ساتھ آئے اور مشغول رہنے کا ارادہ ظاہر کرے اس کو شیر ببر کی طرح سمجھنا چاہئے، اور اس سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے (پیر کے لئے) خرابی مطلوب ہو اور یہ امر اس کے لئے استدراج نہ ہو جائے — اور اگر بالفرض کسی مرید کا آنا خوشی اور سرور کا باعث ہو تو اس کو کفر و شرک کی طرح برا جانیں اور اس کا تدارک استغفار و ندامت کے ذریعے اس حد تک کریں کہ فرحت و خوشی کا اثر بالکل زائل ہو جائے بلکہ خوشی کی بجائے غم اور خوف دل پر بیٹھ جائے ——— (۱۶) اور (اپنے خلفاء کو) اس کی تاکید کریں کہ مرید کے مال میں طمع اور دنیاوی منافع کی توقع ہرگز نہ رکھیں کیونکہ یہ بات مرید کی ہدایت میں رکاوٹ اور پیر کی خرابی کا باعث ہے کیونکہ وہاں (یعنی حق تعالیٰ کے ہاں) خالص دین کا مطالبہ ہے اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (سورۂ زمر آیت ۳[۳۹]) (آگاہ رہو کہ خالص دین اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے)۔ اس کی پاک جناب میں شرک کی کسی طرح بھی کوئی گنجائش نہیں ہے ——— (۱۷) اور جاننا چاہیے کہ ہر قسم کی ظلمت و کدورت (میل کچیل) جو دل پر طاری ہو جائے اس کا ازالہ توبہ استغفار اور شرمندگی اور التجا کے ذریعے آسانی سے کیا جا سکتا ہے لیکن جو ظلمت و کدورت کمینی دنیا کی محبت کے راستے سے دل پر طاری ہو جاتی ہے وہ دل کو غلیظ اور ناپاک کر دیتی ہے اس کے دور کرنے میں بہت دشواری پیش آتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ (دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے) اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو دنیا کی محبت اور دنیا داروں کی محبت اور ان کے میل جول سے نجات دے کیونکہ یہ محبت زہر قاتل ہے اور ہلاک کرنے والا مرض ہے اور عظیم ترین بلا ہے اور پھیلنے والی بیماری ہے ——— اخوی ارشدی شیخ حمید خوشی کے ساتھ آپ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں ان کی نئی تازی باتوں کو غور سے سنیں اور ان (کی صحبت) کو غنیمت جانیں، باقی بوقت ملاقات۔

---

[۵۱] اس روایت کی تخریج و تحقیق کے مکتوب ۱۳۳ میں کا فٹ نوٹ ملاحظہ ہو۔

اشاریہ

(آیاتِ قرآنی)

احادیثِ نبویؐ

موسم

عبادات

معاملات

اقوالِ بزرگاں

مصطلحات

اسماء الرجال

ب

ت

ج

ف

ق

ک

ل

م

ن

اسماء الاشیاء

اسماء الکتب

اسماء البلاد

سنہ و ماہ اور یوم

- ربیع الآخر : ۳۷
- جمادی الاولیٰ : ۳۴۵
- رجب ۳۴۶
- رمضان المبارک : ۳۷-۳۸-۴۰-۱۶۵-۱۶۷-۱۶۸-۳۲۵-۳۵۸
- ذی الحجہ : ۷۷
- جمعہ : ۳۴۵
- ہزار سال ۱۱۱
- چالیس سال ۱۱۱

ادارۂ مجددیہ۔ ناظم آباد ۳ کراچی کی جملہ مطبوعات

- اثبات النبوۃ۔ (عربی مع اردو ترجمہ)۔ (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- انوارِ معصومیہ۔ سوانح حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- حضرت مجدد الفِ ثانی رح۔ سوانح حضرت مجدد الفِ ثانی رح۔ " " "
- حیاتِ سعیدیہ۔ سوانح حضرت خواجہ محمد سعید احمد پوری رح۔ " " "
- رسالہ تہلیلیہ۔ (عربی مع اردو ترجمہ) —— (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- ریڈیو تقاریر۔ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- زبدۃ الفقہ۔ حصہ اول۔ کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ۔ " " "
- " حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ " " "
- " حصہ سوم کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم " " "
- شرح رباعیات (فارسی مع اردو ترجمہ) (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- طریقہ حج اور دعائیں۔ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- عمدۃ السلوک " " "
- عمدۃ الفقہ۔ حصہ اول۔ کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ " " "
- " حصہ دوم۔ کتاب الصلوٰۃ " " "
- " حصہ سوم۔ کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم " " "
- " حصہ چہارم۔ کتاب الحج " " "
- مبدأ و معاد۔ (فارسی مع اردو ترجمہ) (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- معارفِ لدنیہ " " " "
- مقاماتِ زواریہ۔ (سوانح حیات حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ)
- مکتوباتِ معصومیہ حصہ اول۔ اردو ترجمہ۔ مترجمہ " " " "
- " حصہ دوم " " " " "
- " حصہ سوم " " " " "
- ہدایت الطالبین۔ (فارسی مع اردو ترجمہ) مترجمہ حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی

ادارۂ مجددیہ۔ ناظم آباد ۳ کراچی کی جملہ مطبوعات

- اثبات النبوۃ ۔ (عربی مع اردو ترجمہ) ۔ (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- انوارِ معصومیہ ۔ سوانح حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- حضرت مجدد الفِ ثانی رح ۔ سوانح حضرت مجدد الفِ ثانی رح ۔ 〃 〃 〃 〃
- حیاتِ سعدیہ ۔ سوانح حضرت خواجہ محمد سعید احمد پوری رح ۔ 〃 〃 〃 〃
- رسالہ تہلیلیہ ۔ (عربی مع اردو ترجمہ) —— (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- ریڈیو تقاریر ۔ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- زبدۃ الفقہ ۔ حصہ اول ۔ کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ ۔ 〃 〃 〃
- 〃 حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ 〃 〃 〃
- 〃 حصہ سوم کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم 〃 〃 〃
- شرحِ رباعیات (فارسی مع اردو ترجمہ) (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- طریقہ حج اور دعائیں ۔ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- عمدۃ السلوک 〃 〃 〃
- عمدۃ الفقہ ۔ حصہ اول ۔ کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ 〃 〃 〃
- 〃 حصہ دوم ۔ کتاب الصلوٰۃ 〃 〃 〃
- 〃 حصہ سوم ۔ کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم 〃 〃 〃
- 〃 حصہ چہارم ۔ کتاب الحج 〃 〃 〃
- مبدا و معاد ۔ (فارسی مع اردو ترجمہ) (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- معارفِ لدنیہ 〃 〃 〃 〃 〃 〃
- مقاماتِ زواریہ ۔ (سوانح حیات حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ)
- مکتوباتِ معصومیہ حصہ اول ۔ اردو ترجمہ ۔ مترجمہ 〃 〃 〃 〃
- 〃 〃 حصہ دوم 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
- 〃 〃 حصہ سوم 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
- ہدایت الطالبین ۔ (فارسی مع اردو ترجمہ) مترجمہ حضرت ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں صاحب مدظلہ العالی ۔